الفرقان
لکھنؤ

سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی شمارہ ۲/۵۰

چندہ سالانہ
ہندوستان میں -/۲۵
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/۶۰
بنگلادیش سے ہندوستانی سکہ میں
-/۳۰

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے -/۶۰ روپے
(۴ پاؤنڈ یا ۲۰ ریال)
ہوائی ڈاک سے -/۱۳۵ روپے
(۹ پاؤنڈ، ۴۵ ریال، ۱۵ ڈالر)

جلد (۵۴) | بابت جنوری ۱۹۸۶ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ | شمارہ (۱)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے، اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۔۵ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۔۶ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

افتتاحیہ

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، والصلاۃ والسلام علیٰ
اشرف الخلق وافضل [illegible]

محرم ۱۴۰۶ھ میں الفرقان کی عمر کے ۵۳ سال پورے ہوگئے۔ جلدوں کے اعتبار سے جنوری ۸۶ء کا یہ شمارہ ۵۴ ویں جلد کا پہلا شمارہ ہے۔ جس حی و قیوم کی توفیق نے اتنا سفر طے کرایا ہے وہی منزل مقصود تک بھی پہنچائے۔

الفرقان کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے، دین حق کی حفاظت و اشاعت، بس دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں اس مقصد سے تا دم آخر صحیح اور عملی وابستگی نصیب فرمائے۔

تحدیث نعمت تو مطلوب و پسندیدہ ہے ہی، اور اگر بیان کرنے والا کوئی دوسرا ہو تو خودستائی کا بھی اندیشہ نہیں۔ لہٰذا شاید میرے لئے یہ عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو کہ چودھویں صدی کے نصف آخر میں اس کے برّ اعظم میں دین حق کی حفاظت، ابلیسی فتنوں اور تحریفی کوششوں کا مقابلہ اور دعوت الی اللہ، تزکیۂ نفوس اور تعلیم کتاب و حکمت کا جو کام ہوا ہے اس میں تھوڑا سا حصہ الفرقان کا بھی ہے۔ بلاشبہ یہ سب اسی کارساز حقیقی کی توفیق ہے اور اس کے مقبول بندوں سے تعلق کی برکت ہے، اس لئے کہ اس کا قانون ہے کہ ع

پیوستہ رہ شجر سے، امید بہار رکھ

اے اللہ نیتوں میں اخلاص، ارادوں میں عزیمت، فہم میں سلامتی اور کوششوں میں برکت نصیب فرما! مخفی اور ظاہر ہر قسم کے فتنوں اور نفس و شیطان کے مکر و فریب سے ہماری حفاظت فرما

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

مدیر

ہمارے ملک کی عدالتِ عالیہ کے چیف جسٹس صاحبان کی یہ روایت رہی ہے، کہ ریٹائر ہونے سے پہلے وہ کوئی ایسا فیصلہ کر جائیں جو ان کی ہمت و جرأت اور خود اعتمادی کی دھاک جما دے اور متعلقہ حلقوں میں ان کا ایسا لازوال نقش قائم کر دے جو بقیہ زندگی میں ان کے لئے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہو۔

حال ہی میں ریٹائر ہونے والے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب چندر اچوڑ صاحب نے اگر اسی روایت پر عمل کیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں؛ لیکن قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے غیبی نظام کا اس کی قدرت و حکمت اور اسکی مخفی تدبیر کا کیسا کھلا ہوا نمونہ ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ چیف جسٹس صاحب موصوف نے اپنے "اسلاف" کی روایت پر عمل کے لئے جس مسئلہ کا انتخاب فرمایا، اور پھر اس کے بارے میں فیصلہ صادر کرتے ہوئے جو انداز اختیار کیا، اس سے اُن کا کام بنا ہو یا نہ بنا ہو، امید یہی ہے کہ ہمارے حق میں بڑا مفید کام انھوں نے انجام دے دیا یا یوں کہیے کہ حکمتِ الٰہی نے ان سے

وہ کام لے لیا ـــ جس کا اگر انھیں پہلے سے اندازہ ہوتا تو وہ کوئی اور راستہ تلاش کرتے۔ ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

ایک مسلمان مطلقہ خاتون کے مقدمہ میں فیصلہ سناتے ہوئے جج صاحب موصوف نے جو کچھ کہا، اور پھر پورے ملک کے مسلمانوں پر اسکے جو اثرات مرتب ہوئے ان کی تفصیل دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اتنا اشارہ کافی ہے کہ بیداری اور حرکت کی جو لہر اس فیصلہ سے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں دوڑ گئی ہے وہی اس مسئلہ کا مثبت اور حوصلہ افزا پہلو ہے۔ جو حضرات اس لہر کو قابو میں رکھنے اور اس سے مسلمانوں میں عمومی دینی و اجتماعی شعور قائم کرنے کی کوشش میں مدد لینے کی انتھک جد و جہد کر رہے ہیں وہ یقیناً پوری قوم کی طرف سے قدر و اعتراف کے مستحق ہیں۔

اب جبکہ کچھ آثار و قرائن اس بات کے سامنے آئے ہیں کہ "خبراں ہند" مسلمانوں کی آہ و فغاں سننے پر آمادہ ہیں، کچھ لوگ ایک نئی دفاعی لائن تعمیر کر رہے ہیں۔ اور ذمہ داروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان فیصلہ کے صرف اس جزء سے ناراض ہیں جس میں یکساں سول کوڈ کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اگر اس بارے میں حکومت نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تو عدلیہ کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ ورنہ جہاں تک تا زندگی یا تا نکاح ثانی مطلقہ کے نان و نفقہ کے سابق شوہر کے ذمہ ہونے کا مسئلہ ہے تو اس سے مسلمانوں کو کوئی اختلاف نہیں ـــ لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس مسئلہ کو پائیدار قانونی شکل دیدے۔

ذہنی و نفسیاتی طور پر احساسِ شکست سے مغلوب اس گروہ کے ایک صاحب نے حال ہی میں حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ وہ خود سپریم کورٹ کے فیصلہ پر نظر ثانی کی ایک اپیل اسی عدالت میں داخل کرے اور اس کے ذریعہ یہ مطالبہ کرے کہ فیصلہ کے اس جزء کو منسوخ کر دیا جائے جس میں "سول کوڈ" کا ذکر ـــ اور قرآن کی تشریح ہے۔ کیونکہ اس سے ہمارے ملک کی مسلم اقلیت کے جذبات

مجروح ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نئی چال کا مطلب صرف یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا آپریشن تو کیا جائے، البتہ پہلے مریض کے دماغ کو "سن" کرلیا جائے۔

ہم اس چال کے بارے میں نہ کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ اپنے بڑوں کی توجہ اسکی طرف مبذول کرنے کی، اس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ سب چالیں بیکار جائیں گی ۔۔۔ اور ۔۔۔ بقول

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ضرورت اسکی ہے کہ مسلمانوں میں وقتی طور پر پیدا ہونے والے جوش و خروش کو دیکھ کر ہم مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ اس کو نہایت خوش آئند علامت سمجھ کر مسلمانوں کے ہر طبقہ سے براہ راست رابطہ قائم کرنے اور ان کے اندر ایمان کی دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دینے کی بھرپور اور مسلسل جدوجہد کی جائے۔ وقتی طور پر اور صرف منفی بنیادوں پر قائم جذباتیت کسی قوم کی ہمہ گیر تعمیر و ترقی کے لئے کافی نہیں ہوتی ۔۔۔ اس کے لئے کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کے سمندر میں غوطے لگا کر ان میں سے زندہ دل، غیرت مند اور باشعور لوگوں کو تلاش کرنے اور پھر ان کی ذہنی و مزاجی تربیت کے ذریعہ ان کی صلاحیتوں اور جذبات کو صیقل کرنے، ان کے اندر اپنی اصلاح و ترقی کے شوق کے ساتھ اجتماعی تقاضوں کی فکر، ان کو پورا کرنے کی تڑپ اور ایک دوسرے کو جھیلنے اور قربانی، اعتماد اور اطاعت کے ساتھ کام کرتے رہنے کی استعداد پیدا کرنے کے طویل، دائمی اور صبر آزما کام کی، نیز راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی محنتوں کی سو فیصد نفی کرتے ہوئے اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے والی دعاؤں کے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا، وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۞

یہ میراث نبوت ہے ۔۔۔ سیاسی ہنگاموں، اور جلسوں جلوسوں کو اس سے کوئی مناسبت نہیں ہے

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

ہم اسکی شکایت تو کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں جذباتیت بہت ہے، خاموش، مثبت اور تعمیری کام کا شوق نہیں ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس صورتحال کی ذمے داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے؟ ہماری اس شکایت کے پیچھے بسا اوقات یہ حقیقت کارفرما ہوتی ہے کہ ہم پہلے سے یہ توقع قائم کر لیتے ہیں کہ ایک بنی بنائی "امت" موجود ہے، صرف چند مسائل کے حل، اور کچھ کاموں کی انجام دہی کے لئے اس کی قیادت کی ضرورت ہے ۔۔۔ حالانکہ صورتحال یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جن کے مقاصد، جن کے خیالات اور جن کی سمجھ کی سطح میں ناقابل تصور حد تک تفاوت پایا جاتا ہے ۔۔۔ تاہم یقین کے ساتھ بلکہ کسی حد تک ۔ مشاہدہ و تجربہ کی روشنی میں عرض کیا جا سکتا ہے کہ اس بھیڑ میں وہ افراد بھی چھپے ہوئے ہیں جن کی صلاحیتیں صرف ایک صیاد کی نگاہ، ایک رہبر کی توجہ اور ایک چارہ ساز و غمگسار کی محبت و شفقت کی منتظر ہیں ۔

نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہم اپنے رب سے دست بدعا ہیں کہ اس زرخیز مٹی کو اور نم کرنے کے لئے ہمیں اپنے خون جگر کو قربان کرنے کا حوصلہ، اور اس حوصلہ کو قبولیت مل جائے ۔ اور یہ کشت ویراں ایک بار پھر لالہ زار و سدا بہار بن کر حیرانی و پریشانی کے تپتے ہوئے صحرا میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو اپنے ٹھنڈے سایہ میں لے لے ۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

سپریم کورٹ کے فیصلہ کی مخالفت کیوں؟

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

شاہ بانو کے کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو تشویش و اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، مسلمانوں کے تمام طبقے اور فرقے اس فیصلہ کے تباہ کن اثرات کا اندازہ لگا کر ایک پلیٹ فارم پر آگئے ہیں، اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی مہم پورے جوش و خروش سے چلا رہے ہیں، مسلمانانِ ہند کی طرف سے متفقہ طور پر اس فیصلہ کی مذمت اور مخالفت کی جا رہی ہے لیکن مسلم برادری سے تعلق رکھنے والے معدودے چند نادان یا مفاد پرست نام نہاد "دانشور" بالا صاحب دیورس جیسے اسلام دشمن فرقہ پرستوں کی آواز میں آواز ملا کر اس فیصلے کی تائید کر رہے ہیں، بڑے رسیلے سُر اور میٹھے لب و لہجہ میں یہ پروپگنڈہ کر رہے ہیں کہ قائدین ملت اور علماء کرام بلا وجہ نان و نفقہ کے پھیر میں پڑ کر پوری امت کی توانائی، وقت اور سرمایہ ضائع کر رہے ہیں، اگر سپریم کورٹ نے نادار اور بے سہارا مطلقہ خاتون کو نکاح ثانی تک سابق شوہر سے نان و نفقہ دلوا دیا تو کیا برا کیا؟ اس فیصلہ سے اسلام کو کیا خطرہ لاحق ہو گیا؟ یہ پروپگنڈہ قومی پریس کے ذریعہ اتنے زور و شور اور تسلسل سے کیا جا رہا ہے کہ سادہ لوح مسلمان اور غیر جانبدار غیر مسلم بھی اس سے متاثر ہو سکتے ہیں کیونکہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کا

اصل متن ان کے سامنے نہیں ہے جسے پڑھ کر ملت اسلامیہ کی تشویش و اضطراب کا باعث سمجھ سکیں، اس لئے ہم اس مضمون میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے تعلق سے مسلمانوں کی فکر مندی اور اضطراب کے اسباب کی نشاندہی کریں گے اور یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ اس فیصلہ میں مسلمانوں کے دین و مذہب، تہذیب و ثقافت کیلئے کیسی کیسی بجلیاں پوشیدہ ہیں اور اسلام کے عائلی قوانین کس طرح اس فیصلہ کی زد میں آگئے ہیں۔

ہفت روزہ "دعوت" دہلی نے مسلم پرسنل لا نمبر (۶ تا ۲۲ جنوری ۱۹۸۶ء) میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے متن کا مکمل ترجمہ شائع کیا ہے اسی کو سامنے رکھ کر ہم یہ مضمون سپرد قلم کر رہے ہیں۔

(۱) فیصلہ کے شروع ہی میں عدالتی روایات کو پس پشت ڈال کر اسلام پر دل خراش حملہ شروع کر دیا گیا ہے۔ چیف جسٹس چندر چوڑ صاحب فیصلہ کے پہلے کالم میں لکھتے ہیں "یہ بات معینہ طور پر کہی جاتی ہے کہ اسلام کا تاریک پہلو یہ ہے کہ اس نے عورتوں کا درجہ گرا دیا ہے (منتخبات قرآن، ایڈورڈ ولیم لین ۱۸۴۳ء، اشاعت ثانی ۱۹۸۲ صفحہ xc (تعارف) پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ قول توقع ہے کہ غلط منسوب ہے کہ "عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو یہ ٹوٹ جائے گی، اس لئے اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرو"

(دعوت، مسلم پرسنل لا نمبر صفحہ ۹ کالم ۱)

اس اقتباس پر ہم کوئی تفصیلی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کوئی انصاف پسند غیر جانبدار شخص مذکورہ بالا عبارت کو ہندوستان کی عدالت عالیہ کا فیصلہ تصور نہیں کر سکتا، بلکہ اگر یہ بتائے بغیر کہ عبارت کہاں سے لی گئی ہے اس سے دریافت کیا جائے کہ یہ عبارت کس کی ہو سکتی ہے؟ تو بلا تامل جواب دے گا کہ کسی اسلام دشمن مستشرق کی معلوم ہوتی ہے، اسلام نے پہلی بار عورت کو باعزت مقام دلایا۔ صنف نازک کے حقوق کی نگہداشت کی، پھر بھی ہماری سپریم کورٹ نے

اپنے فیصلہ میں یہ الزام عائد کر دیا کہ اسلام نے عورتوں کا درجہ گرایا ہے، جس قول کے بارے میں فاضل چیف جسٹس صاحب نے لکھا ہے کہ "توقع ہے کہ یہ قول پیغمبر صاحب کی طرف غلط منسوب ہے" وہ صحیح اور مستند حدیث ہے، حدیث کی تمام مستند کتابوں حتی کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔ چندر چوڑ صاحب کو اس میں عورت کی تذلیل محسوس ہوئی، اگر حدیث کی اصل کتابوں تک ان کی رسائی ہوتی اور شارحین حدیث کی تشریحات کی روشنی میں اس حدیث کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو انھیں اتنی بڑی غلط فہمی نہ ہوتی، یہ حدیث تو عورت کے حقوق کی حفاظت، اسکے ساتھ حسن معاملہ، لطف و عنایت، رافت و محبت کے سلسلہ میں بڑی واضح ہدایت ہے۔

فیصلہ کے پہلے ہی پیراگراف میں سپریم کورٹ نے اسلام کے خلاف جو زہر افشانی کی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فاضل چیف جسٹس صاحب کس موڈ میں ہیں اور کیا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، پورے فیصلہ میں جگہ جگہ اسلامی قوانین کے بارے میں جارحانہ تبصرے موجود ہیں، سپریم کورٹ کے فیصلے خود ہی قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، دوسری عدالتوں کے لئے یہ فیصلے رہنما اور قابل تقلید قرار پاتے ہیں، اس لئے درحقیقت اس فیصلے نے عدالتوں کی راہ سے اسلام پر حملوں اور اسلامی قوانین کو نظر انداز کرنے کا دروازہ کھول دیا ہے، جو مسلمانوں کے دین و ایمان، عزت و حمیت کیلئے زبردست چیلنج ہے۔

(۳) ضابطۂ فوجداری دفعہ ۱۲۵ کا وہ حصہ جس میں ناو ار مطلقہ کو عدت گذرنے کے بعد بھی نکاح ثانی تک بیوی قرار دیا گیا ہے اور اس کا نان و نفقہ سابق شوہر پر عائد کیا گیا ہے۔ اسلامی قانون سے براہ راست متصادم ہے، کیونکہ اسلامی قانون کی رو سے عدت کے بعد سابق شوہر پر نفقہ لازم کرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا عدت ختم ہوتے ہی رشتۂ زوجیت اور اس کے تمام اثرات ختم ہو جاتے ہیں، دفعہ ۱۲۷ (۳) تشریحی کلاز (ب) کے مسلم پرسنل لا سے متصادم ہونے کی بنا پر

مسلم ممبران پارلیمنٹ نے اس کے خلاف پارلیمنٹ میں مسلسل آواز بلند کی اسکے نتیجہ میں دفعہ ۱۲۷ (۳) (ب) کا اضافہ کیا گیا تاکہ مسلم پرسنل لا دفعہ ۱۲۵ کی زد سے محفوظ ہو جائے، سپریم کورٹ نے اس فیصلے میں دفعہ ۱۲۷ (۳) (ب) کو چٹکیوں میں اڑا دیا، اور کم از کم مسلمانوں کے حق میں اسے حرف بے معنی بنا دیا اس کے آگے بڑھ کر مسلمانوں کے آئینی حقوق کو پامال کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ اگر مسلم پرسنل لا اور ضابطہ فوجداری میں ٹکراؤ ہو تو ضابطہ فوجداری کو ترجیح حاصل ہوگی، کتنے فیصلہ کن اور دو ٹوک انداز میں چندر چوڑ صاحب لکھتے ہیں " ضابطہ فوجداری اور مسلم پرسنل لا میں ترجیح کسے دی جائے؟ اس سوال پر ہم نے فیصلہ یہ فرض کرکے دیا ہے کہ دونوں باہم متصادم ہیں اور ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ ہم اپنے اختیارات کی حد تک اس سوال کو ہمیشہ کے لئے طے کر دینا چاہتے تھے کہ ٹکراؤ کی صورت میں پارٹیوں کے شخصی قانون پر دفعہ ۱۲۵ کو بہر حال بالادستی ہوگی"۔ (ہفت روزہ دعوت دہلی، مسلم پرسنل لا نمبر صفحہ ۸ کالم ۳)

سپریم کورٹ کا یہ دو ٹوک فیصلہ مسلم پرسنل لا کی معطلی، یکساں سول کوڈ کی طرف زبردست پیش قدمی ہے، گویا ہندوستان میں جاری قوانین میں سب سے کمزور اور ناقابل التفات مسلم پرسنل لا ہی ہے کہ جہاں کسی قانون سے اس کا ٹکراؤ ہوا فوراً زمین بوس ہو گیا، اس فیصلہ کو برقرار رہتے ہوئے، مسلم پرسنل لا نافذ ہوتے ہوئے بھی رفتہ رفتہ کالعدم ہو جائے گا، ضابطہ فوجداری اور دوسرے مجموعۂ قوانین کے تحت مسلم پرسنل لا سے متصادم قوانین تدریجاً بنائے جائیں گے اور انھیں مسلم پرسنل لا پر بالادستی حاصل ہوتی رہے گی، جیسا کہ اس فیصلہ کے رخ سے دو اور دو چار کی طرح واضح ہے، برابر اس چور دروازے سے مسلم پرسنل لا پر شب خون مارا جائے گا، رفتہ رفتہ سارا مسلم پرسنل لا عملاً منسوخ ہو کر رہ جائے گا۔ اگر مسلمانوں کو اپنا دین و ایمان عزیز ہے تو انھیں ہر قیمت پر یہ چور دروازہ بند کرنا پڑے گا۔ پارلیمنٹ میں ایسا واضح بل پاس کرانا پڑیگا جو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے سارے امکانات ختم کر دے۔

فیصلہ کا سب سے تشویشناک پہلو!

(۳) اس فیصلہ کا سب سے زیادہ تشویشناک اور اضطراب انگیز پہلو یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے قرآن، سنت اور قانون اسلامی کی تعبیر و تشریح کا اختیار صحابۂ کرام، مجتہدین امت، فقہاء اسلام سے چھین کر ہندوستانی عدالتوں کے ججوں کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت، فقہ اسلامی کی چودہ سو سالہ تعبیر و تشریح سے آزاد ہو کر اسلامی قوانین کی من مانی تعبیر و تشریح کریں۔ انگریزوں کے دور سے لے کر اب تک ہر عدالت اس بات کی پابند تھی کہ مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں فقہاء اسلام اور ائمہ مجتہدین ہی کی آراء کو سند مانے اور انہی کے مطابق فیصلہ کرے، کسی عدالت نے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی تعبیر و تشریح کا نازک کام اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔ انگریزوں کے دور اقتدار میں انگلستان میں پریوی کونسل قائم تھی، ہندوستان کی تمام عدالتوں سے مقدمہ کا فیصلہ ہونے کے بعد اس کی اپیل پریوی کونسل میں جاتی تھی اور پریوی کونسل کا فیصلہ آخری فیصلہ قرار دیا جاتا تھا۔ آج بھی ہمارے عدالتی نظام میں پریوی کونسل کے فیصلوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ زیر بحث فیصلہ میں بھی پریوی کونسل کا حوالہ دیا گیا ہے، پریوی کونسل کے متعدد فیصلوں میں یہ بات بڑی صراحت سے موجود ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تعلق سے ججوں کو انہیں قوانین کے مطابق فیصلے دینے ہوں گے جو ائمہ اسلام نے مرتب کر دیئے ہیں اور ججوں کو خود قرآن و حدیث سے قوانین اخذ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

• ملا نے باب ۲، سیکشن ۳۴ میں یہ بات کہی ہے کہ عدالتوں کو چاہیئے کہ محمڈن لا کی بنیاد پر فیصلہ دیتے وقت زمانۂ سلف کے ممتاز و مستند مفسرین قرآن کی رایوں کو نظر انداز کر کے قرآن کو من چاہے معانی پہنانے کی کوشش کریں، اس ضمن میں انھوں نے مقدمہ آغا محمد بنام کلثوم بی بی (۱۸۷۷) میں پریوی کونسل کے فیصلہ (۲۴ آئی۔ اے ۱۹۶، صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴) کو بنیاد بنایا ہے۔

ملا کی کتاب "پرنسپلز آف محمڈن لا" کے سیکشن ۳۶ باب ۲ میں یہ بات
کہی گئی ہے کہ "قانون کے نئے ضابطے اور قاعدے رائج نہ کئے جائیں خواہ
وہ زمانۂ حال کے وکلاء کے نزدیک قدیم نمونے منطقی نتائج ہی کیوں نہ قرار پائیں
اگر زمانۂ قدیم کے ماہرین قانون (فقہاء) نے اس طرح کے نتائج اخذ کرنے سے
اجتناب کیا ہو" (باقر علی خاں، بنام انجمن آرا بیگم، ۳۰۔ آئی اے صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲)
(تحریری بحث مسٹر گووندن نائر سینیر ایڈووکیٹ و مسٹر یونس سلیم ایڈووکیٹ مطبوعہ
دعوت پرسنل لا نمبر صفحہ ۷ کالم ۵)۔

پروفیسر طاہر محمود (صدر شعبہ قانون دہلی یونیورسٹی) کا زیر بحث فیصلہ میں دو جگہ
بڑی اہمیت سے حوالہ دیا گیا ہے۔ انہی طاہر محمود صاحب نے اپنے ایک تازہ مضمون
میں بڑا اہم انکشاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں "الہ آباد ہائی کورٹ میں ایک حالیہ مقدمہ میں
یہ سوال زیر بحث تھا کہ کیا ہندوؤں کی مذہبی کتابیں واقعی نیچی ذات والوں کیلئے
بعض روحانی اور سماجی حقوق کے دروازے بند رکھتی ہیں۔ اور دراصل اگر
ایسا ہے ہی تو کیا جدید ہندوستان میں، جہاں دستور ذات پات کے امتیاز کو قطعاً
مسترد کرتا ہے، عدالتیں ان اصولوں کو نافذ کرنے کی پابند ہیں؟ اس اہم سوال کے پہلے
حصہ کا جواب مثبت فرض کرتے ہوئے ہائی کورٹ کے فاضل جج جناب جسٹس کیری نے
اس کے دوسرے حصہ کا جواب نفی میں دیا اور فیصلہ کیا کہ عدالت ہندوؤں کے
مذہبی قانون کے ان ضوابط پر عمل نہیں کر سکتی جو نیچی ذات والوں کے ساتھ
امتیازی سلوک روا رکھتی ہیں، ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ
میں اپیل کی گئی، اپیل کا فیصلہ کرتے ہوئے سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے
الہ آباد کے جسٹس کیری پر ان الفاظ میں تنقید کی: "ہماری رائے میں فاضل
جج نے یہ نکتہ سمجھنے میں غلطی کی کہ دستور ہند کی بنیادی حقوق والی دفعات کا
اطلاق فریقین کے پرسنل لا پر نہیں ہوتا ہے۔ عدالت کو چاہئے کہ فریقین کے
پرسنل لا کا بعینہ اسی طرح اطلاق کرے جیسے کہ اس کے اصول ہند[illegible]

قانون کی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ان اصولوں کے نفاذ کے ضمن میں فاضل جج کو عصر جدید کے اپنے تصورات کو نافذ العمل نہیں کرنا چاہیئے۔ (دیکھئے مقدمہ کرشنا سنگھ، بنام متھرا ہیرا، اے۔آئی۔آر ۱۹۸۰ء سپریم کورٹ صفحہ ۷۰)

عدالت عالیہ کی یہ تنبیہ ماضی میں پریوی کونسل اور دیگر اعلیٰ عدالتوں کے ان متعدد فیصلوں کے عین مطابق ہے جن میں تمام مذہبی کتابوں کو، خواہ وہ کسی بھی فرقہ کی ہوں عدالتی تشریح و تفسیر کے دائرہ سے خارج رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔" (پروفیسر طاہر محمود " متھرا ہیرا، بنام شاہ بانو، دو ہرے عدالتی معیار کی کہانی " مطبوعہ قومی آواز لکھنؤ جلد ۴۰ شمارہ نمبر ۲۹۰ صفحہ ۳ کالم ۲)

اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ انگریزوں کے دور سے لے کر اب تک ہماری عدالتیں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی من پسند تعبیر و تشریح سے گریز کرتی تھیں اور قرآن وسنت کی اسی تعبیر و تشریح کو بنیاد بنا کر فیصلے کرتی تھیں جسے علماء متقدمین اور ائمہ اسلام نے اختیار کیا تھا۔ لیکن سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ میں قدیم عدالتی روایات اور نظیروں کو نظر انداز کر کے قرآنی آیات کی ایسی تفسیر کی گئی ہے جو چودہ سو سال کے تمام مفسرین، مجتہدین اور فقہاء اسلام کی متفقہ تفسیر کے خلاف ہے، ضابطہ فوجداری کو مسلم پرسنل لا پر ترجیح دینے سے کہیں زیادہ سنگین اور اضطراب انگیز یہ بات ہے کہ سپریم کورٹ نے اپنے مخالف اسلام فیصلے پر اسلام کی قبا چست کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لئے قرآنی آیات کے معانی میں کھلی تحریف کی ہے، تحریف کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:
"اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذریعہ معاش سے محروم مطلقہ بیوی کو نان ونفقہ دینے کی شوہر کی ذمہ داری کے معاملہ میں دفعہ ۱۲۵ اور مسلم پرسنل لا کے مندرجات میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اس معاملہ میں قرآن مقدس سے بڑھ کر اور کوئی دوسری سند نہیں ہو سکتی ...... قرآن کی آیات ۲۴۱، ۲۴۲، اس بات کی مظہر ہیں کہ ان کے مطابق ایک مسلم شوہر اپنی مطلقہ کو نان و نفقہ فراہم کرنے کا پابند ہے"

اس کے بعد چند آیات کے مختلف تراجم درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں " ان آیات کے پیش نظر اس بات میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ قرآن نے مسلم شوہر کو زوجۂ مطلقہ کو نان و نفقہ دینے یا اس کے گذارے کا انتظام کرنے کا پابند بنایا ہے۔" (ہفت روزہ دعوت مسلم پرسنل لا نمبر صفحہ ۱۸ کالم ۲،۱۰ ۳)

سپریم کورٹ کے اس غلط طرز عمل سے بڑی خطرناک نظیر قائم ہو گئی۔ اس طرح سپریم کورٹ نے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی تفسیر و تشریح کا اختیار نبی اکرم (فداہ ابی و امی) صحابہ کرام، مفسرین، مجتہدین، فقہا سے چھین کر ججوں کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ لوگ اپنی سمجھ اور اپنی پسند سے قرآن و سنت اور قانون اسلامی کی کوئی بھی تعبیر و تشریح کر کے مسلمانوں کے سر تھوپ دیں، خواہ کوئی بھی مسلمان اس سے متفق نہ ہو، پھر تو مسلم پرسنل لا ایک بے معنی سی چیز بن کر رہ گئی، مسلم پرسنل لا باقی رہتے ہوئے بھی کالعدم ہو گیا، قرآن و سنت اور قانون اسلامی بازیچۂ اطفال بن گئے۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ہم جو بھی جد و جہد کریں 'قرآن و سنت کی "جدید تعبیر و تشریح" کی تلوار موجود رہنے کی صورت میں بالکل سعی لاحاصل ہے۔

سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کا یہی وہ پہلو ہے جو مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تشویش و اضطراب کا باعث بنا ہوا ہے۔ اپنی آنکھوں سے وہ دیکھ رہے ہیں کہ قرآن و سنت عدالتوں کی تفسیر و تشریح کی زد میں آگئے ہیں، ان کی واحد آسمانی کتاب مقدس اور قابل احترام تسلیم کئے جانے کے بجائے کھلونا بنالی گئی ہے۔ حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو اس فیصلہ نے تمام فرقوں کی مذہبی کتابوں کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اب ہماری عدالتیں اس کی پابند نہیں رہیں کہ ان مقدس مذہبی کتابوں کی وہی تشریح کریں جو اس مذہب کے ماہرین کرتے چلے آئے بلکہ اپنے تئیں مذہبی کتابوں کی جو تشریح کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔

یہ خطرہ صرف "قدامت پسند" علماء ہی محسوس نہیں کر رہے ہیں بلکہ قانون کے اعلیٰ سطح کے ماہرین نے بھی مذکورہ بالا خطرہ اور اضطراب و تشویش کا

اظہار کیا ہے۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کے صدر پروفیسر طاہر محمود لکھتے ہیں:
"تمام مسلمانوں کی اکثریت کو جس بات نے برافروختہ کر رکھا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سپریم کورٹ نے مطلقہ کے نفقہ کو کس طرح طے کیا ہے ان کی ناراضگی اور تفکر تو اس پر ہے کہ ملک کی عدالتِ عالیہ مفسر قرآن بن بیٹھی ہے، انہیں جو زبردست پریشانی لاحق ہے وہ یہ دیکھ کر ہے کہ وحی الٰہی پر مبنی اسلام کی کتاب مبین کس آسانی سے عدلیہ کی "فعالیت" کے زمرہ میں لے آئی گئی ہے .... اس فیصلہ کو قرآن مجید کی تعلیمات کے عین مطابق ثابت کرنے کی جو کوشش سپریم کورٹ کے فاضل جج صاحبان نے کی ہے اس سے مسلمانانِ ہند بجا طور پر اپنے اس وطنِ عزیز میں اپنے محبوب دین کے مستقبل کی طرف سے بے حد فکر مند ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ کلامِ الٰہی کی از سرِ نو تفسیر و تشریح کا حق اگر جدید عدالتوں کو دیدیا جائے تو یہ استحقاق اس ملک میں اسلام کی بقا کے لئے سم قاتل ثابت ہوگا۔ ہمارے فضلاء اور دانشوروں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ ملت کا یہ موجودہ تردد اور اندیشہ قطعاً بے بنیاد نہیں ہے"! (طاہر محمود۔ "متھرا ہیرا بنام شاہ بانو، دوہرے عدالتی معیار کی کہانی۔ قومی آواز لکھنؤ جلد ۴۰ شمارہ نمبر ۲۹۰ صفحہ ۳ کالم ۵تا۴)

یکساں سول کوڈ کا مسئلہ!

(۴) فیصلہ کے آخری حصہ میں سپریم کورٹ کے فاضل جسٹس صاحب نے یکساں سول کوڈ کی پرزور وکالت کی ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ یکساں سول کوڈ (ملک کے تمام باشندوں کے لئے یکساں عائلی قانون) نافذ کرے، لکھتے ہیں "یہ بات بڑے دکھ کی ہے کہ آئین کی دفعہ ۴۴ کی حیثیت ہنوز حرف بے معنی کی سی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ "ریاست ہندوستان کے تمام علاقوں کے شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ تشکیل دینے کی کوشش کرے گی" ابھی تک ملک کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کے سلسلے میں سرکاری سطح سے کسی سرگرمی کا ثبوت نہیں ملا ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ یقین راسخ ہو چلا ہے کہ اپنے پرسنل لا کی

اٹھاتا رہے گا، اس لئے ہماری پارلیمنٹ کو دستورِ ہند کے اس تضاد کو دور کرنا چاہیئے کہ ایک طرف دستورِ ہند بنیادی حقوق کے باب کی دفعہ ۲۵ میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دیتا ہے۔ دوسری طرف ریاستی پالیسی کے رہنما اصول کے باب کی دفعہ ۴۴ میں یکساں سول کوڈ تشکیل دینے کی بات کرتا ہے جو مذہبی آزادی کے سراسر خلاف ہے۔ اتنی بات واضح ہے کہ یکساں سول کوڈ کی عمارت مسلم پرسنل لا اور دیگر مذہبی اکائیوں کے شخصی اور رواجی قوانین کے ملبہ ہی پر تیار ہو سکتی ہے۔ تمام اقلیتوں کے جذبات کو روند اور کچل کر جو یکساں سول کوڈ تشکیل پائے گا وہ قومی یکجہتی میں معاون ہونے کے بجائے منافرت، بے اطمینانی، فرقہ وارانہ تصادم کی آگ پورے ملک میں بھڑکا دے گا۔ حکومت اور قانون ساز اداروں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہندوستانی مسلمان کسی قیمت پر مذہبی آزادی اور مسلم پرسنل لا سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔

قابلِ قبول قومی یکجہتی:

مسلمانوں کے دل و دماغ میں قومی یکجہتی اور ہندو مسلم اتحاد کا صرف وہ مفہوم ہے اور وہی ان کے لئے قابلِ قبول ہے جسے تحریک ریشمی رومال کے بانی اور تحریک آزادی کے عظیم رہنما شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (   ) نے اپنے ایک خطبے میں بڑے واضح اور دو ٹوک انداز میں بیان کر دیا ہے، انھوں نے کہا تھا:

"میں ان دونوں قوموں (ہندو مسلم) کے اتحاد کو بہت ہی مفید اور نتیجہ خیز سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدین نے کی اور کر رہے ہیں، اس کے لئے میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ ہاں یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہہ رہا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی اگر آپ پائیدار اور خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کر لیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب

نوٹ:- صفحہ ۱۵ کے بعد یہ صفحہ پڑھئے اسکے بعد صفحہ ۱۶ پڑھئے

اصلاح کے معاملے میں پہل مسلمانوں ہی کی طرف سے ہونی چاہئے۔ یکساں سول کوڈ متصادم نظریات پر مبنی قوانین کے تئیں بے جوڑ وفاداریوں کو ختم کرکے قومی یکجہتی کے حصول میں مدد دے گا، کوئی بھی اس معاملہ میں بے مصرف رعایت دے کر بلی کی گردن میں گھنٹی نہیں باندھے گا، ملک کے شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی تشکیل کا فرض ریاست کو ہی سونپا گیا ہے اور بلاشبہ اسے اس معاملہ میں قانون سازی کی قدرت بھی حاصل ہے ...... مختلف عقیدہ وفکر کے لوگوں کو ایک مشترک پلیٹ فارم پر لانے کی مشکلات کا ہمیں احساس ہے لیکن اگر آئین کی کوئی اہمیت ہے تو شروعات تو ہونی ہی چاہئے عدالتوں کو ناگزیر طور پر سماجی مصلح کا رول ادا کرنا پڑے گا۔ ناانصافی کو جب کہ وہ اتنی صریح ہو حساس ذہن برداشت نہیں کر سکتے لیکن شخصی قوانین کی درمیانی خلیج کو پر کرنے کے سلسلے میں عدالتوں کی جستہ جستہ کوششیں یکساں سول کوڈ کا بدل نہیں بن سکتیں"۔ (ہفت روزہ دعوت مسلم پرسنل لا نمبر صفحہ ۱۲ کالم ۳ صفحہ ۱۳ کالم ۱)

اس پیراگراف پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے، غور سے اس پیراگراف کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فیصلہ کو موافق قرآن ثابت کرنے کے باوجود فاضل جج صاحبان کا لاشعور گواہی دے رہا ہے کہ یہ فیصلہ مسلم پرسنل لا کے سراسر خلاف اور یکساں سول کوڈ کی طرف زبردست چھلانگ ہے اور خود ججوں کے احساس وتاثر کے مطابق ان حضرات نے اس فیصلہ میں دستور وقانون کی تنفیذ سے زیادہ "سماجی مصلح" کا رول ادا کیا ہے۔ قانون کے الفاظ کی پابندی کرنے کے بجائے سپریم کورٹ نے اس فیصلہ میں قانون کی غایاتی اور مقصدی طریقہ تشریح کا سہارا لیا ہے۔

جہاں تک یکساں سول کوڈ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم سپریم کورٹ کو زیادہ دستور ہند کے واضعین کو قصوروار سمجھتے ہیں، جب تک آئین کے دفعہ ۴۴ کی تلوار اقلیتوں کے سر پر لٹکی رہے گی یکساں سول کوڈ کا آوازہ بار بار [illegible]

فریقین کے مذہبی امور میں سے کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذار سانی اور دل آزاری مقصود ہو ۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اسکے خلاف ہوا ہے ، مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لئے اپنے مذہب کی حد سے گذر جاتے ہیں لیکن محکموں اور ابوابِ معاش میں ایکدوسرے کی ایذارسانی کے درپے رہتا ہے ۔ اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں ، بلکہ میری گذارش دونوں قوموں کے لیڈروں سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی کثرت اور ریزولیشنوں کی تائید سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے ان کو ہندو مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہیئے ۔ فرض کرو اگر ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے لئے مہلک نہیں البتہ دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائی اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں ، اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورہ کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے ۔[1]

آج کل ملازمت ، تجارت اور زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کے ساتھ ناقابلِ برداشت امتیاز برتا جارہا ہے ان کی معیشت تباہ کرنے کی منظم کوشش کی جارہی ہے اور دعویٰ یہ کیا جارہا ہے کہ ایک قانون ، ایک زبان ، ایک تہذیب جاری کرنے سے قومی یکجہتی کو فروغ ہوگا ، تمام باشندگانِ ملک میں جذباتی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی ۔ اس خیالِ خام کو ہم "خیالی پلاؤ" کے علاوہ کس لفظ سے تعبیر کریں ۔

---

[1] نقشِ حیات جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ ، ۲۶۱ ۔ علماء حق جلد ۱ صفحہ ۱۸ ، ۱۷ ، ۲۱۶

حاصل کلام :

اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کی صرف یہ حیثیت نہیں ہے کہ اس نے ایک نادار مسلم مطلقہ کو نکاح ثانی تک نان و نفقہ دلوادیا بلکہ اس فیصلہ نے عدالتوں کے راستے اسلام پر ناروا حملے کا راستہ کھول دیا، مسلم پرسنل لا کو سب سے کمزور قانون ثابت کیا، عدالتوں کو قرآن و سنت کی "جدید تعبیر و تشریح" کا اختیار دے دیا، مسلم پرسنل لا کے ملبہ پر کیسا سول کوڈ کی عمارت تعمیر کرنے کی پرزور وکالت کی، اس لئے مسلمانانِ ہند اس فیصلہ پر جس قدر تشویش و اضطراب محسوس کریں بجا ہے۔

ایرانی انقلاب خمینی صاحب اور اتحاد اسلامی کی دعوت

مولانا محمد منظور نعمانی

راقم الحروف کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" اب سے ٹھیک ایک سال پہلے دسمبر ۸۴ء میں پہلی دفعہ طبع ہوئی تھی، جیسا کہ ناظرین الفرقان کو معلوم ہے یہ عاجز کبر سنی کے ضعف اور مختلف امراض و عوارض کے علاوہ کئی سال سے ہائی بلڈ پریشر کا بھی مریض ہے۔ جس کی وجہ سے دماغی محنت کا کوئی کام کرنا مشکل اور ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق خطرناک ہے، اپنی اسی حالت میں اس کتاب کے لکھنے کا محرک میرے لئے یہ ہوا کہ مختلف ممالک سے آنے والے خطوط سے معلوم ہوا کہ ایرانی انقلاب کے بعد سے شیعیت ایک زندہ دعوت اور تحریک بن گئی ہے، اور ایرانی حکومت کے سفارتخانے جہاں بھی ہیں وہ اب شیعیت کی دعوت و تبلیغ کے مرکز کے طور پر بھی کام کر رہے ہیں۔ اور ایرانی حکومت کی طرف سے جنگی محاذ ہی کی طرح اس دعوتی اور تبلیغی محاذ پر بھی بے حساب بے دریغ دولت صرف کی جا رہی ہے۔ اور شیعہ مذہب کے اصول تقیہ کا بڑی مہارت سے استعمال ہو رہا ہے، اس کے نتیجہ میں مختلف

ممالک میں ناواقف مسلمان خاص کر نوجوان شیعہ مذہب قبول کر رہے ہیں۔ اور خمینی صاحب کو اتحاد اسلامی کا علمبردار، آج کی اسلامی دنیا کا نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ خود ہمارے برصغیر (ہند، پاکستان اور بنگلہ دیش) میں صورت حال یہ تھی کہ حقائق سے ناواقفیت کی وجہ سے ایرانی حکومت کی طرف سے ہونے والے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بعض مؤقر و محترم علمائے دین نے بھی ایرانی انقلاب کو "اسلامی انقلاب" سمجھا۔ اور اپنی اس رائے کا اظہار فرمایا۔ اور ایک خاص حلقہ سے تعلق رکھنے والے کچھ ایسے حضرات نے جو کم از کم اپنے حلقہ میں دین کے علمبردار اور رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ اس انقلاب کا ایسے جوش و خروش سے استقبال کیا کہ گویا اب ایران میں عہد نبوی یا خلافت راشدہ کے دور جیسی مثالی اسلامی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ اور اس انقلاب کے قائد خمینی صاحب کی عظمت و تقدس کا نقش دلوں میں بٹھانے کے لئے جو کہا یا لکھا جا سکتا تھا نثر اور نظم میں وہ سب کچھ کہا اور لکھا گیا، اس سلسلہ میں رسالوں اور اخباروں کے سیکڑوں صفحات کے ضخیم ضخیم نمبر شائع ہوئے، اس کا نتیجہ یہاں یہ سامنے آیا کہ اس حلقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ بالعموم اور ہزاروں یا لاکھوں وہ سادہ دل تعلیم یافتہ نوجوان جن کے دلوں میں "اسلامی انقلاب" کی تمنا اور اس کے نعرہ میں بھی کشش ہے۔ اس پروپیگنڈے سے ایسے متاثر اور مسحور ہوئے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ خمینی صاحب اثنا عشری شیعہ ہیں، ان کو انھوں نے اس دور کا امت مسلمہ کا امام اور نجات دہندہ یقین کر لیا۔ اس حلقہ کی طرف سے جس وسیع پیمانہ پر اور جس زور و شور کے ساتھ خمینی صاحب کی شخصیت کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کی مہم چلائی جا رہی تھی۔ اس سے یہ خطرہ آنکھوں کے سامنے آگیا تھا کہ خدا نہ کردہ یہ گمراہی برصغیر میں وبائے عام کی شکل اختیار کر لے گی۔ اور اس طرح یہاں شیعیت کے لئے زمین ہموار ہو جائے گی۔ اور خدانخواستہ کسی وقت یہاں بھی وہی ہوگا۔ جو بعض دوسرے ملکوں میں ہوا اور ہو رہا ہے۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے راقم سطور نے اپنا فرض سمجھا کہ گمراہی کے اس سیلاب سے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے ایرانی انقلاب کی واقعی نوعیت، خمینی صاحب کی مذہبی حیثیت، اور شیعہ مذہب کی حقیقت سے امت کے خواص اور عام مسلمانوں کو واقف کرنے کی جو کوشش کی جا سکتی ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے ـــ اسی احساس اور داعیہ نے اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے یہ لکھی گئی۔

تحدیث نعمت

یہ بندہ اپنے اس رب کریم کا شکر ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہے جس نے اس نیم زندہ نیم مردہ اپنے بندے کے قلم سے یہ کتاب لکھوا دی۔ پھر اس کو وہ قبولیت عطا فرمائی جس کی یہ عاجز امید بلکہ آرزو بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حال ہی میں موصول ہونے والے ایک مخلص دوست کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کے مختلف شہروں کے تجارتی کتب خانوں اور دینی اشاعتی اداروں سے صرف دس مہینے کی مدت میں دو لاکھ نسخے اس کتاب کے شائع ہو چکے ہیں ـــ ہمارے ملک ہندوستان میں ایسے لوگوں کی تعداد اب بہت کم ہے جو دینی، مذہبی موضوعات پر لکھی جانے والی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت محسوس کرتے اور اس کا ذوق رکھتے ہوں۔ اور اس کے ساتھ اُن کی معاشی حالت ایسی ہو کہ وہ یہ کتابیں خرید کر پڑھ سکتے ہوں۔ اس کے باوجود بفضلہ تعالیٰ یہاں بھی ایک سال سے کم مدت میں دہ دس ہزار سے زیادہ شائع ہو چکی ہے۔ فللّٰہ الحمد ولہ الشکر۔[1]

---

[1] اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کتاب کا انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے، عربی ایڈیشن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب ہی پریس سے آجائے گا۔ وہ مصر میں طبع ہو رہا ہے۔ وہاں کا ایک موقر دینی اشاعتی ادارہ اس کو شائع کر رہا ہے۔ فارسی اور فرانسیسی میں بھی ترجمہ شروع ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ان سب زبانوں میں اس کے ترجمہ و اشاعت کو آسان فرمائے، اور اپنے بندوں کے [illegible]

باقی اگلے صفحہ پر

اور اس سے بھی بڑا انعام اللہ تعالیٰ کا اس کتاب کے سلسلے میں یہ سامنے آیا کہ اپنے ملک اور بیرونی ممالک سے بھی ایسے لاتعداد خطوط موصول ہوئے، اور برابر آتے رہتے ہیں۔ جن کے لکھنے والے لکھتے ہیں کہ ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کے بارے میں ہم بڑی غلطی اور گمراہی میں تھے، اس کتاب نے آنکھیں کھول دیں، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمادی ـــ بعض محترم علمائے کرام نے بھی تحریر فرمایا کہ ہم ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کے بارے میں غلط فہمی میں تھے، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہم نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کرلیا۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم جن کا بلاشبہ علم میں ایک خاص مقام تھا۔ انھوں نے پہلے اپنے زیر ادارت ماہنامہ "برھان دہلی" کی متعدد اشاعتوں میں ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کے بارے میں بڑے حسن ظن اور اچھی امیدوں کا اظہار فرمایا۔ لیکن جب راقم سطور کی اس کتاب کا وہ ابتدائی حصہ ان کی نظر سے گزرا جس میں ان دونوں موضوعات پر لکھا گیا ہے، تو انھوں نے صفائی کے ساتھ اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔ اور "برہان" میں اس پر مستقل افتتاحیہ لکھا۔

یقیناً مبارک ہیں وہ بندے جنکو کلمہ حق سامنے آجانے کے بعد اس کے قبول کرنے کی توفیق ملے۔ ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں بشارت دی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝	تم میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جن کا حال یہ ہے کہ وہ بات کو توجہ سے سنتے ہیں، اور پھر اچھی اور حق بات کو مانتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ بندے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) و ایمان کی حفاظت کا وسیلہ بنا ہے۔ اس عاجز کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ کتاب کی یہ مقبولیت منجانب اللہ ہے نہ اس میں کتاب کی کسی خوبی کو دخل ہے نہ اس کے مصنف کے کسی کمال کو۔ وہ مسکین تو ایک بالکل ہی بے ہنر آدمی ہے۔ فالحمد للہ الکریم ولہ الشکر۔

ہیں جنکو اللہ نے ہدایت سے نوازا، اور وہی
اصحاب دانش ہیں ۔ (سورۂ زمر آیت ۱۸)

اسی کے ساتھ بڑا رنج اور افسوس ہے کہ اہل سنت ہی میں شمار ہونے والے ایک خاص حلقہ کے جن حضرات نے (غالباً ابتداء میں ناواقفی کی وجہ سے) ایرانی انقلاب کا استقبال "اسلامی انقلاب" کی حیثیت سے کیا تھا اور اس کے قائد خمینی صاحب کا تعارف امت مسلمہ کے اس دور کے امام و رہنما اور نجات دہندہ کی حیثیت سے کرایا تھا۔ راقم سطور کی اس کتاب سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ ایرانی انقلاب کی بنیاد خود خمینی صاحب کے بیان کے مطابق اثنا عشری مذہب کے انتہائی گمراہانہ عقیدۂ امامت اور امام غائب کی غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ولایت الفقیہ کے نظریہ پر ہے (حالانکہ امام غائب کا وجود اور غیبوبت صرف ایک خرافاتی عقیدہ ہے) نیز یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ خمینی صاحب نے اپنی کتابوں میں صراحت اور صفائی کے ساتھ اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ اور ان کے رفقا حضرت ابو عبیدہ و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ تمام سابقین اولین رضی اللہ عنہم اجمعین (معاذ اللہ) منافق و کافر تھے وہ زندگی میں ایک دن کے لئے بھی دل سے ایمان نہیں لائے ۔ یہ سب خالص دنیوی مفاد کے لئے اور حکومت پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے بظاہر اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے تھے، دل سے وہ آپؐ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین کے دشمن اور انتہائی درجہ کے بدکردار لوگ تھے ؎ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

؎ خمینی صاحب نے مسلمانوں کے لئے انتہائی دل آزار اپنے اس عقیدہ کا پوری صراحت اور صفائی سے اظہار اپنی مشہور کتاب "کشف الاسرار" میں کیا ہے۔ یہ فارسی زبان میں قریباً ساڑھے تین سو صفحات کی کتاب ہے (اس کتاب کی وہ عبارتیں جن میں خمینی صاحب نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر فرمایا ہے، راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں دیکھی جا سکتی ہے) کشف الاسرار، کا پہلا ایڈیشن ۱۳۶۳ھ میں ایران میں طبع ہوا تھا

باقی آئندہ صفحہ پر دیکھئے

الغرض راقم سطور کی اس کتاب سے یہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد اور خمینی صاحب کی وہ اصل عبارتیں دیکھ لینے، پڑھ لینے کے بعد بھی جن میں انھوں نے اپنے اس عقیدہ کا صراحت اور صفائی سے اظہار کیا ہے۔ ان حضرات نے اپنی سابقہ غلط رائے سے رجوع اور خمینی صاحب سے برأت کا اعلان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ان صاحبان کو کھلی حقیقت محسوس کرنے کی توفیق دے، کہ ان کا یہ رویہ ان پر اعتماد کرنے والے کتنے بندگان خدا کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہے اور بن رہا ہے اور کیا آخرت میں وہ اس کی جوابدہی کر سکیں گے۔

راقم سطور کو ان حضرات کے اس رویہ سے اس لئے بھی زیادہ رنج و افسوس ہے کہ میرے لئے اس کتاب کے لکھنے کا سب سے بڑا محرک انہی حضرات کا غلط اور گمراہ کن رویہ ہوا تھا جس کا سبب میں نے ان کی ناواقفی کو سمجھا تھا۔ میں نے ان ہی حضرات اور اہل سنت ہی میں سے ان دوسرے حضرات کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی تھی۔ جو ناواقفی کی وجہ سے ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کے بعد بھی یہ کتاب بار بار طبع ہوئی۔ اس عاجز کے پاس اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی فوٹو کاپی بھی ہے، اور اس کے بہت بعد خمینی صاحب کے انقلابی دور کے طبع شدہ ایڈیشن کی فوٹو کاپی بھی ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے یا لکھتے ہیں کہ یہ کتاب پہلی دفعہ چھپنے کے بعد پھر کبھی نہیں چھپی وہ جھوٹ بول کر لوگوں کو فریب دیتے ہیں اور بالکل فضول و لاحاصل، کیونکہ کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ خمینی صاحب کا اب یہ عقیدہ نہیں ہے، وہ اثنا عشری شیعہ مجتہد ہیں۔ اور حضرات خلفائے ثلٰثہ اور ان کے رفقاء اکابر صحابہ کو منافق اور ایمان سے محروم ماننا اثنا عشریہ کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ ہاں خمینی صاحب اور دوسرے اثنا عشری حضرات بھی تقیہ کے طور پر اس عقیدے سے (بلکہ اپنے شیعہ ہونے سے بھی) انکار کر سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے خمینی صاحب نے تقیہ کے طور پر بھی اس عقیدہ سے انکار نہیں کیا ہے۔ ۱۲

یہی سب حضرات اس کتاب کے اصل مخاطب تھے۔ شیعہ صاحبان کے متعلق تو میرا خیال
ہے (والعلم عند اللہ) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے
صادق جانثار و وفادار صحابۂ کرام خاص کر حضرات خلفائے ثلٰثہ اور ان کے رفقاء
سابقین اولین کو منافق و کافر کہنے اور ان پر لعنت کرنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اُن
سے قبول حق کی صلاحیت سلب کر لی ہے، اور اگر ان میں سے کسی میں قبول حق کی صلاحیت کچھ
باقی ہو، تو تحفۂ اثنا عشریہ، نواب محسن الملک مرحوم کی "آیات بینات" اور حضرت
مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی کی اس سلسلہ کی تصنیفات ان کی ہدایت کے
لئے کافی ہیں۔ اس عاجز کو یقین ہے کہ ان کتابوں نے شیعہ صاحبان پر حجت حق تمام
کر دی ہے۔ اس کے بعد ان سے بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ
بہرحال میں نے اس خیال کی بنا پر ان کے لئے کچھ لکھنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

آخری بات

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنی ہے کہ اپنی اس کتاب میں راقم سطور نے ایرانی انقلاب کی نوعیت اور خمینی صاحب کی مذہبی حیثیت کے بارے
میں جو کچھ لکھا ہے، وہ صرف انہی کی تصانیف "الحکومۃ الاسلامیہ"، "تحریر الوسیلۃ" اور
"کشف الاسرار" سے لکھا ہے۔ اسی طرح شیعہ مذہب کی حقیقت، اس کے بنیادی عقائد
و مسائل کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ زیادہ تر شیعوں کے ائمہ معصومین کے ارشادات
ہیں۔ جو "الجامع الکافی"، "من لایحضرہ الفقیہ"، "احتجاج طبرسی"، "رجال کشی"، جیسی اُن
کی مستند ترین کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ یا ان کے ان اکابر و اعاظم علماء و مجتہدین کی کتابوں
کی عبارتیں ہیں۔ جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ راقم سطور نے بس اتنا کیا
ہے کہ عربی فارسی عبارتوں کا اردو میں ترجمہ اور کہیں کہیں بقدر ضرورت وضاحت کر دی
ہے۔ الغرض ان تینوں موضوعات کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی ہے
اس وجہ سے خمینی صاحب کے کسی حامی کے لئے اس کا تو امکان نہیں تھا کہ وہ کتاب کی کسی
بات کو غلط ثابت کرے۔ اس لئے بیچارے ناواقف عوام کو فریب دینے اور اپنی غلطی کا اعتراف
اور اس سے رجوع کرنے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہا اور لکھا جا رہا ہے کہ اس

وقت کے حالات کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اپنے اختلافات بھلا کر ایک ہو جائیں۔ اور کبھی ایسے مسئلہ کو نہ چھیڑا جائے جس سے وحدت ملی کے اس عظیم تر مقصد کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ وہ پورے زور و شور کے ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ خمینی صاحب اتحاد اسلامی کے علمبردار اور کفر و طاغوت کے مقابلے میں تمام مسلمانوں کی وحدت کے داعی بلکہ اس کی علامت ہیں۔ پس جو لوگ خمینی صاحب کے افکار و عقائد اور شیعہ سنی مسائل کو چھیڑ رہے ہیں۔ وہ دراصل اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار ہیں۔

یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ بہت کچھ کہنے اور لکھنے والے وہ لوگ ہیں جو عالم اسلام (جس کی غالب اکثریت اہلسنت ہی کی ہے) کے ساتھ ایران کی انقلابی قیادت کا مسلسل مخالفانہ و معاندانہ معاملہ کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں، جو بلاشبہ شیعوں کی تاریخ کے عین مطابق ہے اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ شیعوں کا کردار یہی رہا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں سے ساز باز کر کے اور ان کا آلۂ کار بن کے انھوں نے مسلم حکومتوں کو تباہ و برباد کرایا ہے، طوسی اور ابن علقمی نے جو کچھ کیا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

اور وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں شیعیت کی سوکھتی جڑوں کو ایران سے آب حیات مل رہا ہے، اور نہایت منظم اور منصوبہ بند طریقے پر شیعیت کے احیاء اور اس کی دعوت و تبلیغ کے لئے عالمی پیمانہ پر کوشش ہو رہی ہے۔

اور ان کے سامنے یہ بھی ہے کہ ایک پڑوسی مسلم ملک کے ساتھ پانچ برس سے ایران کی وہ ہولناک جنگ جاری ہے جو شاید تاریخ کی طویل ترین اور انتہائی خونریز و ہلاکت خیز جنگوں میں شمار ہو۔ جس میں دونوں طرف سے لاکھوں انسان جو اپنے کو مسلمان ہی کہتے تھے موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ اس جنگ کو بند اور ختم کرانے کے لئے اقوام متحدہ، ناوابستہ ممالک کی تنظیم، ممالک اسلامیہ کی تنظیم، اور مختلف مسلم حکومتوں نے اور ان کے سربراہوں نے بار بار کوششیں کیں۔ لیکن ان میں سے کوئی کوشش صرف خمینی صاحب کی ضد اور انانیت کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکی جبکہ دوسرے فریق نے ہر موقعہ مصالحت اور جنگ بندی کیلئے آمادگی ظاہر کی۔۔۔ خدارا کوئی بتلائے کہ یہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود جو لوگ خمینی صاحب کو اتحاد اسلامی کا داعی و علمبردار اور وحدت ملی کی علامت کہتے اور سمجھتے

کو بھی باور کرانا چاہتے ہیں، ان کے بارے میں کیا رائے قائم کی جاسکے؟
حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ اتحاد اسلامی اور وحدت ملی کا نعرہ صرف تقیہ اور فریب ہے، جو شیعہ مذہب کی تعلیم اور شیعی کردار کے عین مطابق ہے۔
خمینی صاحب کے اثنا عشری مذہب میں جھوٹ بول کر اور جھوٹا پروپیگنڈا کر کے دھوکہ دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور جزو ایمان ہے، اس کے لئے راقم سطور کی اسی کتاب میں تقیہ کا بیان دیکھ لیا جائے۔ اس سلسلہ کی دو روایتیں جو کتاب میں ذکر نہیں کی گئی ہیں یہاں نذر قارئین کی جاتی ہیں۔ شیعوں کی مستند ترین کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں ان کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ "جو شیعہ اپنی فرض نماز ادا کر کے تقیہ کے طور پر سنیوں کی جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھے اس کو اس تقیہ والی نماز کا ثواب پچیس گنا ملے گا۔" ص ۱۲۷ ج ۱۔
اور اسی کتاب کے اسی صفحہ پر انہی امام معصوم کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ "اگر کوئی شیعہ تقیہ کے طور پر سنیوں کی جماعت میں شامل ہو کر صف اول میں نماز پڑھے تو اس کو وہ ثواب ملے گا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کا ہے۔"
انہی روایات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تقیہ یعنی اپنے قول و فعل سے دوسروں کو دھوکہ دینا اثنا عشری مذہب میں کس درجہ کی عبادت ہے۔
خمینی صاحب اور ان کے حامیوں ہی کی یہ جرأت ہے کہ وہ عراق کے ساتھ کسی طرح جنگ بندی پر آمادہ نہ ہونے اور "بین المسلمین" اس خونریزی کو جاری رکھنے کے باوجود **اتحاد بین المسلمین** کا نعرہ لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اس صورت حال کو کھلی آنکھوں دیکھنے کے باوجود جو لوگ ان کے اس نعرے پر یقین کرتے اور دوسروں کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ یا تو وہ ان کے ایجنٹ ہیں یا پھر وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا	یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے دل دئے ہیں اور عقل دی ہے لیکن ان کو صحیح استعمال

يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُوْلٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُوْلٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ
(الاعراف آیت ۱۷۹)

کرکے حقیقتوں کو سمجھتے نہیں، اور انکو اللہ نے آنکھیں دی ہیں لیکن وہ ان سے دیکھتے نہیں، اور انکو کان دیئے ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ (عقل وفہم سے محروم) چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہ لوگ بالکل غافل ہیں۔

وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں غلط فہمی

(از افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)

دراصل وحدۃ الوجود کا مطلب لوگوں نے سمجھا ہی نہیں۔ بعض ناواقفوں نے اس کو وحدت کے معنی منطقی پر محمول کیا ہے۔ حالانکہ اس میں صوفیہ نے محاورہ کا اتباع کیا ہے۔ محاورے میں یکتا و بے نظیر اس کو کہتے ہیں جس کا ہمسر کوئی نہ ہو۔ کہتے ہیں فلان واحد فی الحسن واحد فی العلم وغیرہ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی دوسرا حسین یا عالم مطلقاً ہے ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں۔ یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں۔ وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے اور دوسرے موجودات اس کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو موجود کہا جاسکے۔ اگرچہ کسی درجہ میں وجدان کا ثبوت ہے اور یہ مضمون نصوص کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ذات خداوندی کے سوا ہر شئے ہلاک ہونے والی ہے۔) اسکی ایک تفسیر تو مشہور ہے۔ یعنی هَالِكٌ فِی الْمُسْتَقْبَلِ اور ایک تفسیر اسکی وہ ہے جو صوفیہ نے کی ہے یعنی هالك فی الحال (ہلاک ہونے والی ہے فی الوقت بھی) اور یہ تفسیر صاحب شرح عقائد نے بھی لکھی ہے۔ شرح عقائد میں جس کا جی چاہے دیکھ لے مجھے چونکہ صوفیہ محققین سے محبت ہے اس لئے میں انکی تائید کی تلاش میں رہتا ہوں الحمد للہ ڈھونڈھنے والا ہر جگہ سے اپنا مطلب نکال لیتا ہے اس لئے میں نے اہل ظاہر کی کتابوں ہی سے تائید نکال لی اب علمائے ظاہر جو صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ شارح عقائد پر بھی فتویٰ لگائیں مگر اس کو سب سمجھتے

اور کوئی اعتراض نہیں کرتا اور صوفیہ پر اعتراض کیا جاتا ہے جہلاء صوفیہ کی تو ہم بھی حمایت نہیں کرتے مگر محققین جس معنی کر وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اس پر کیا حق اعتراض کا ہے بس خوب سمجھ لو کہ وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شی کا وجود ہے ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو اغیار کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تحصیلدار چپراسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر وائسرائے کے سامنے بول بھی نہیں سکتا اس وقت اسکی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے نیز ایک ماہر فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا گو کسی قدر قرأت اس نے بھی پڑھی ہو مگر ماہر فن کے سامنے اسکو کوئی قاری کہے تو شرم سے گڑ جائے گا ہاں کوئی بے حیا ہو تو اور بات ہے۔ جیسے لکھنؤ میں ایک بچے نے ایک عرب کے لب و لہجہ کی نقل اتاری تھی بعضے بچے نقال بہت ہوتے ہیں تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی عرب صاحب کے برابر پڑھنے لگا ہے کیونکہ عوام کو فن کی کیا خبر وہ تو لب و لہجہ ہی کو قرأت سمجھتے ہیں تو بعض جاہل اس لڑکے کو عرب صاحب کے پاس لے گئے اور یہ ظاہر کرنا چاہا کہ یہ قرأت میں آپ کے برابر ہو گیا ہے مگر ادباً یوں کہا کہ حضرت اس لڑکے نے جناب کی کچھ تقلید کی ہے مگر اس کا کچھ قرآن سن لیا جائے۔ انھوں نے سن لیا اور سن کر خاموش رہے نہ کچھ مدح کی نہ مذمت کی لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اس نے کیسا پڑھا فرمایا ایسا پڑھا جیسا ہم نے ایک آمد نامہ تصنیف کیا تھا جس کے چند جملے یہ ہیں الخیار۔ گکڑی۔ العنکبوت۔ مکڑی۔ الحطب۔ لکڑی تو جیسی یہ ہماری اردو ہے ایسے ہی اس بچے کی قرأت قرآن ہے غرض محاورات میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشی اور کالعدم سمجھا جاتا ہے اور یوں ہی کہا جاتا ہے کہ بس قاری تو فلاں ہے سخی تو وہ ہے۔ حسین تو یہ ہے۔ اور ناقص سے بالکلیہ اس کی نفی کرتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ معنی نہیں کہ فی نفسہ بھی کچھ نہیں۔ یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود سے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کسی درجہ میں قابل ذکر نہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو خوبصورتی سے ادا فرمایا ہے۔

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید　　خجل شد چو دریائے پہناں بدید
کہ جائے کہ دریاست لیس کیستم　　گر او ہست حقا کہ من نیستم

ترجمہ: ایک قطرہ بارش کا ابر نیساں سے ٹپکا، جب بڑا دریا دیکھا شرمندہ ہوگیا کہ جہاں اتنا بڑا دریا ہے بھلا میں کون ہوں اسکی ہستی کے سامنے گویا نیست ہوں:

پھر فرماتے ہیں:-

ہم ہر چہ ہستند ازاں کمتر اند　　کہ باہستیش نام ہستی برند

ترجمہ: جو بھی موجود ہیں اس سے کم ہیں۔ اس لئے کہ اسکی ہستی کی بدولت ہی موجود ہوئے ہیں۔

باقی یہ مطلب نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا فی نفسہ کسی درجہ میں بھی کوئی موجود نہیں کیونکہ حق تعالیٰ خالق ہیں اور خلق کے معنی اعطائے وجود ہیں اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ تو موجود کریں اور تم موجود نہ ہو یہ تو محالات میں سے ہے۔ اسکی تو وہی مثال ہوگی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عورت کہتی ہے چاہے تو کتنی ہی طلاق دے میں تو بیتی ہی نہیں۔ سوچئے اس عورت کو سب لوگ بیوقوف کہتے ہیں کیونکہ طلاق دینے کے بعد کسی سے لینے کی ضرورت نہیں وہ تو خود بخود واقع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بیوقوف ہیں جو حق تعالیٰ کو خالق مان کر پھر مخلوق کو موجود نہیں مانتے، مخلوق کا وجود ضرور ہے مگر وجود ضعیف اور اعتباری اور برائے نام ہے بس خوب سمجھ لو کہ محققین ممکنات سے مطلقاً نفی وجود نہیں کرتے بلکہ وجود حقیقی کامل کے سامنے ان کے وجود کو کالعدم اور لاشی سمجھتے ہیں، اسی لئے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور اتحاد وجود کفر ہے۔ کیونکہ اول تو اتحاد طرفین کے وجود کو مستلزم ہے۔ اور غیر حق کا وجود ہے کہاں؟ جو وہ وجود حق سے متحد ہو۔ دوسرے اتحاد بین الاثنین محال عقلی ہے۔ اور محال عقلی کا اعتقاد جناب باری میں کفر ہے اور اگر کسی کے کلام میں اتحاد وارد ہے تو معقول کی اصطلاح پر نہیں اس کا استعمال تو ابھی مذکور ہوا بلکہ عوام کے محاورے پر ہے تو ان حضرات نے اصطلاح عوام و اصطلاح فلسفہ کو خلط کر دیا ہے۔ کہیں وہ جو چاہیں لکھیں اب کوئی ان کی باتوں کو کیا سمجھے خاک پتھر۔ کیونکہ عوام کے محاورے میں اتحاد وجود

کے لئے طرفین کی عینیت لازم نہیں بلکہ دو منفصل چیزوں کو بھی متحد کہہ دیتے ہیں مثلاً کہا کرتے ہیں کہ یہاں ہم اور تم تو متحد ہیں اس میں عینیت طرفین ملحوظ نہیں اور جس اتحاد وجود کو محققین نے کفر کہا ہے اس میں عینیت طرفین ملحوظ ہے اور یہ خاص اہل فلسفہ کی اصطلاح ہے۔ اسی لئے صوفیہ کے کلام کو سمجھنے کیلئے صحبت محقق کی ضرورت ہے۔ بہر حال جب ان کے نزدیک اتحاد وجودی کفر ہے تو اب آپکو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ محققین کے قول میں اور جہلاء کے اس قول میں کہ ہر چیز میں خدا ہے کتنا فرق ہے وہ تو کسی شئی کو موجود کہنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے اور یہ ظالم ہر چیز کو خدا کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اور یہ جو بعض صوفیہ سے "ہمہ اوست" صادر ہوا ہے یہ غلبۂ حال ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب سالک پر محبت حق کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے ادراک سے بجز ذات حق کے ہر شے نکل جاتی ہے جیسا کہ عاشقان مجاز کو بھی یہ حال پیش آتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی عجیب مثال لکھی ہے۔

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ ۔۔۔ بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
کسے گفتش اے کرمکے شب فروز ۔۔۔ چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز

کسی نے جگنو سے کہا جو رات میں چراغ کی طرح چمکتا ہے کہ میاں تم دن میں کہاں رہتے ہو؟

نہ بینی کہ آں کرمک خاک زاد ۔۔۔ جواب از سر روشنائی چہ داد

(تمہیں خبر نہیں کہ اس خاک کے کیڑے نے جواب عقلمندی سے کیا دیا) کیا جواب دیا کہ

کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ۔۔۔ ولے پیش خورشید پیدا نیم

اس نے کہا میں تو جنگل ہی میں رہتا ہوں مگر آفتاب کے سامنے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جن لوگوں کی نظر آفتاب وجود حقیقی پر ہوتی ہے اسوقت جگنو یعنی اشیائے عالم کا وجود ان کو نظر نہیں آتا۔ ہاں جو لوگ اندھیرے میں ہیں جن کی نظر سے آفتاب وجود حقیقی غائب ہے وہ اشیائے عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں۔ اور جو محقق ہیں جو کہ مغلوب الحال نہیں ہیں انکی نظر آفتاب وجود حقیقی پر بھی کے ساتھ مخلوق پر بھی ہوتی ہے انکی مثال ایسی ہے جیسے بعض لوگ تیز نظر ہوتے ہیں کہ دن میں ستارے دیکھ لیتے ہیں۔ ایسے ہی یہ باطن کے تیز نظر ہیں۔ (البدائع)

(ماخوذ از: معارف حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب دامت برکاتہم کی ایک)

محمد منظور نعمانی

یادِ رفتگاں

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

"شیخ الحدیث نمبر حصہ دوم"، کی وجہ سے الفرقان کا یہ عام شمارہ تقریباً ۴ مہینے کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس عرصہ میں چند ایسے مخلص دوستوں نے وفات پائی جن کی زندگی مختلف پہلوؤں سے بڑی سبق آموز تھی۔ ان کا حق ہے کہ الفرقان میں ان کا تذکرہ کرکے ناظرین کرام سے بھی دعا کی درخواست کی جائے۔ اسی احساس کے تحت یہ سطور سپرد قلم کی جا رہی ہیں

مرحوم و مغفور بھائی فضل اللہ صاحب

اب سے تقریباً چالیس سال پہلے دسمبر ۱۹۴۶ء کے اواخر میں جب راقم سطور بریلی سے منتقل ہو کر لکھنؤ آیا تو اس وقت اپنے لکھنے پڑھنے کے کام کے علاوہ بلکہ اس سے زیادہ اشتغال اور شغف حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کی طرف منسوب دینی دعوت و تبلیغ کی جد و جہد سے تھا۔ اس وقت یہاں اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں چند دوست بڑے ہی مخلص اور بعض حیثیتوں سے بہت ممتاز تھے، ان میں ایک ہمارے بھائی فضل اللہ صاحب بھی تھے، ریلوے کے کارخانے میں ملازم تھے، بگڑے ہوئے انجنوں کو درست کرنا ان کا خاص کام تھا۔ اور یہ اس کے بڑے ماہر تھے۔ طویل مدت تک وہی لکھنؤ کی جماعت کے امیر بھی رہے ان کی زندگی کا ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے، انھوں نے اپنے دو لڑکوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم کے مدرسہ میں داخل کر دیا تھا، جو چند ہی سال پہلے حضرت مولانا نے ضلع باندہ کے موضع

ہتھورا میں قائم فرمایا تھا (جو مولانا کا مولد اور وطن ہے) دونوں بچے وہیں تھے۔ یہاں لکھنؤ میں بڑا تبلیغی اجتماع ہو رہا تھا جس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مرکز نظام الدین دہلی کے دوسرے اکابر بھی تشریف لائے ہوئے تھے، اس کام سے تعلق رکھنے والے دور اور قریب کے بہت سے علاقوں کے سیکڑوں یا ہزاروں افراد بھی اجتماع کی شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے، مقامی جماعت کے امیر ہونے کی حیثیت سے انتظامات کے سب سے بڑے ذمہ دار بھائی فضل اللہ صاحب ہی تھے۔ اجتماع کا غالباً دوسرا دن تھا باندہ سے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کی طرف سے دیا ہوا تار بھائی فضل اللہ صاحب کے نام آیا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کے ایک بچّے کا انتقال ہو گیا جلد پہونچنے کی کوشش کریں۔

بھائی فضل اللہ صاحب نے اس عاجز راقم سطور کو اور صرف دو تین اور ساتھیوں کو بتلایا اور اپنی انتظامی ذمہ داریاں ان کے سپرد کر کے خاموشی سے روانہ ہو گئے۔ مدرسہ پہونچے تو وہاں صرف ایک ہی نہیں دونوں بچوں کے جنازے رکھے ہوئے تھے، انہی کا انتظار ہو رہا تھا نماز جنازہ ہوئی اور یہ بھائی فضل اللہ دونوں کو دفن کر کے لکھنؤ آ گئے، انہی سے حادثہ کی یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ اسی گاؤں ہتھورا ہی میں کوئی تالاب ہے، اس کے قریب سے گزرتے ہوئے کسی شخص نے دیکھا کہ تالاب میں ڈوبے ہوئے کسی آدمی کی لاش تالاب میں پانی پر تیر رہی ہے اس نے مدرسہ آ کر اس کی اطلاع دی، خود حضرت مولانا اور دوسرے لوگ دوڑے کہ خدا نہ کردہ مدرسہ کا کوئی طالب علم نہ ہو، پہونچ کے نکالا تو معلوم ہوا کہ بھائی فضل اللہ صاحب کا بڑا لڑکا ہے۔ اسی وقت ان کو لکھنؤ تار دلوایا، دوسرے بچے کے بارے میں اس وقت تک کچھ علم نہیں تھا، اس کے بعد دیکھا کہ چھوٹا بھائی بھی کہیں نظر نہیں آ رہا ہے، کسی نے بتلایا کہ دونوں بھائی نہانے کے لئے ساتھ ہی تالاب کی طرف گئے تھے، پھر حضرت مولانا وغیرہ تالاب پہنچے تو چھوٹے بھائی کی لاش بھی اوپر آ چکی تھی (بڑے بھائی کی عمر سولہ سال اور چھوٹے بھائی کی بارہ سال تھی)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا بھائی فضل اللہ صاحب کے پہونچنے کے بعد دونوں کی نماز جنازہ اور تدفین ہوئی، واپس آ کر انھوں نے ہی حادثہ کی یہ تفصیل بتلائی۔ اور یہ بھی کہ حضرت

ناصدیق احمد صاحب پر اس حادثہ کا کتنا غیر معمولی اثر ہوا ہے ، خود بھائی فضل اللہ صاحب قلب باطن پر اس کا جو اثر ہوا ہوگا ۔ اس کا اندازہ ہر سلیم الفطرت صاحب اولاد کر سکتا ہے ، لیکن ہم نے محسوس کیا کہ وہ اپنے دلی رنج و غم کو اپنے کریم پروردگار کے کرم پر نظر رکھتے ہوئے اس امید کے نیچے دبائے ہوئے تھے کہ یہ دونوں معصوم بچے جن کو انھوں نے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے سایۂ عاطفت میں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا ، ان کے اس طرح انتقال کا یہ صدمہ انشاء اللہ ان کے لئے مغفرت و رحمت کا وسیلہ بن جائے گا ۔ وہ اس امید پر تسلیم و رضا کی تصویر بنے ہوئے تھے ۔

ناظرین کو یہ معلوم کرکے مزید حیرت ہوگی کہ باندہ سے واپس آکر وہ ایک دن بھی گھر نہیں ٹھہرے ، بچوں کی والدہ وغیرہ گھر کے لوگوں کو صبر و تسلیم و رضا کی تلقین کرکے اس پیدل جماعت میں شامل ہونے کے لئے وہ اسی دن روانہ ہوگئے ، جو غالباً ایک چلہ کا پورا سفر پیدل کرنے کی نیت سے اجتماع سے روانہ ہوئی تھی اور اپنا پورا وقت اس کیساتھ لگا کے ہی واپس ہوئے ۔ یہ واقعہ اب سے ۳۰ سال پہلے ۱۹۵۵ء کا ہے)

بھائی فضل اللہ صاحب اب سے قریباً ۲ سال پہلے ریلوے کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوگئے تھے ، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے ان کی خصوصیات ، امانت و دیانت اور فعالیت جیسی صفات پر نظر رکھتے ہوئے دارالعلوم کی ایسی خدمات ان کے سپرد کردیں جن کے لئے ان صفات کے آدمی کی ضرورت اور تلاش ہوتی ہے ، اس وقت سے وہ برابر دارالعلوم کی یہ خدمات انجام دیتے رہے ، اگرچہ اب وہ بہت ضعیف ہوگئے تھے ، ان کی عمر ۸۰ سال ہو چکی تھی ، لیکن ان کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا ۔۔۔ وہ ہومیوپیتھک ڈاکٹر اور معالج بھی تھے ۔ دارالعلوم کا ایک کمرہ ان کا دواخانہ اور شفاخانہ بھی تھا جس میں مقررہ وقت پر وہ مریضوں کے علاج ہی کے لئے بیٹھتے تھے ، عام طور سے مریض ان کے علاج سے شفایاب ہوتے تھے ، خود راقم سطور کو پہلی دفعہ انہی کے علاج میں یہ تجربہ ہوا کہ ہومیوپیتھی دوا بعض اوقات جادو کا کام کرتی ہے ۔

۲۴ اکتوبر شنبہ کا دن تھا ، دارالعلوم آئے ۔ روزانہ کی طرح اپنے سے متعلق سارے

کام انجام دیئے، شام کو گھر واپس آئے، پھر دیر کے بعد قلبی دورہ (ہارٹ اٹیک) ہوا اسی وقت اسپتال پہونچایا گیا۔ راقم سطور کو دوسرے دن جمعرات کو اطلاع ہوئی، اس مستقل معذوری کے علاوہ جس کی وجہ سے شہر میں بھی کہیں جانا آنا نہیں ہوتا۔ اس دن مجھے کچھ تکلیف بھی تھی اس کے باوجود ان کی عیادت کے لئے اسپتال جانے کا تقاضا دل میں پیدا ہوا۔ میں نے مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میرے اسپتال جانے کیلئے ٹیکسی منگوائی جائے، یا کوئی دوسرا انتظام کیا جائے، انھوں نے کہا کہ آپ اس حال میں نہیں ہیں کہ اسپتال جانے کا ارادہ کریں، انشاء اللہ میں خود ہی جاؤنگا، وہ جمعہ کو گئے، میرا سلام بھی پہونچایا، اور میرے اسپتال آنے کے ارادہ کا بھی ذکر کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ ہرگز یہاں آنیکا ارادہ نہ کریں، بس دعا کریں۔ یہ ان کی زندگی کا آخری دن تھا، اسی رات میں ٹھیک نماز تہجد کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اگلے دن نماز ظہر کے بعد نماز جنازہ اور پھر تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے، اور ان کی اولاد و اخلاف کو ان کی صفات کا بھی وارث بنائے۔

مرحوم مغفور حاجی ابراہیم ٹیل صاحب

مشرقی افریقہ میں ایک چھوٹا سا ملک ری یونین ہے جو فرانس کے زیر اقتدار ہے، یہ ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ بہت ہی محدود ہے، اس میں چند چھوٹے چھوٹے شہر ہیں، بڑا اور مرکزی شہر سینٹ ڈینس ہے۔ غالباً سبھی شہروں میں مسلمان بھی ہیں جو زیادہ تر ہمارے ملک کے صوبہ گجرات سے آکر یہاں بس گئے ہیں، اب وہیں کے شہری ہیں۔ یہ عام طور سے تجارت پیشہ حضرات ہیں۔ جیسا کہ راقم سطور کو معلوم ہو سکا کسی نہ کسی درجہ کی دینداری ان لوگوں میں عام ہے، سینٹ ڈینس میں راقم سطور کے خیال کے مطابق، واللہ اعلم باحوال عبادہ، اللہ کے ایک بڑے مخلص اور صاحب صلاح و خیر بندے حاجی ابراہیم پٹیل صاحب تھے، یہ بہت معمر بزرگ تھے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی دولت کے ساتھ آخرت کی فکر اور ایسے کام کرنے کی بڑی توفیق دی تھی۔ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کا وسیلہ ہیں۔

یہ عاجز اپنے ایک مخلص دوست حاجی داؤد انگار صاحب اور ان کے صاحبزادے مولانا احمد سعید صاحب کی دعوت پر اب سے قریباً ۱۵ سال پہلے ری یونین گیا تھا۔ تب ہی حاجی ابراہیم پٹیل صاحب کو دیکھا تھا۔ بڑے ہی متواضع اور صاحب صلاح بزرگ تھے، اس عاجز کے ساتھ اس حسن ظن کی بنا پر (جس کا میں مستحق نہیں) لوجہ اللہ محبت فرماتے تھے۔

گزشتہ ستمبر میں ان کے صاحبزادوں کی طرف سے ان کے سفر آخرت کی اطلاع ملی۔ دعا ہے کہ ارحم الراحمین ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے، ان کی حسنات کو قبول فرما کر اپنی شان کریمی کے مطابق ان کا صلہ عطا فرمائے۔ ان کے صاحبزادوں اور دیگر پسماندگان کیلئے دنیا اور آخرت کی خیر مقدر فرمائے۔

مرحوم و مغفور مولینا محمود الحسن صاحب (ناظم دینی تعلیمی کونسل)

ہندوستان کی آزادی کے بعد یہاں کے مسلمانوں کے لیے جو سنگین مسائل پیدا ہوئے ان میں دینی لحاظ سے ایک سنگین ترین مسئلہ یہ بھی تھا کہ کچھ ہی عرصے کے بعد سرکاری اسکولوں کا نصاب تعلیم اور ان کا نظام و ماحول ایسا بن گیا کہ ان میں تعلیم پانے والے مسلمان بچوں کے دل و دماغ مشرکانہ اوہام و خرافات سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے، اس کے تدارک کے لئے دین کی فکر رکھنے والے مختلف حلقوں کی طرف سے کچھ کوششیں ہوئیں۔ ان میں سب سے زیادہ منظم اور مؤثر کوشش اب سے ٹھیک ۲۹ سال پہلے (دسمبر ۱۹۵۹ء میں) دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش" کا قیام تھا، جس کا دفتر لکھنؤ ہی میں ہے، اس کونسل کی جدوجہد کے نتیجہ میں سب سے بڑا کام یہ ہوا کہ بلا مبالغہ ہزار ہا دینی مکاتب شہروں اور دیہاتوں میں قائم ہوئے، جن میں ضروری درجہ کی ابتدائی دینی تعلیم کے ساتھ پرائمری کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں بلاشبہ لاکھوں سے بھی زیادہ مسلمان بچے سرکاری اسکولوں کی تعلیم والے زہر سے محفوظ رہے، کونسل کے اس کام میں سب سے زیادہ حصہ اس کے ناظم مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم کی جدوجہد اور محنت ومشقت کا ہے، وہ رہنے والے ضلع بستی کے ایک مردم خیز موضع بیارہ کے تھے لیکن دینی تعلیمی کونسل کا دفتر چونکہ لکھنؤ میں تھا۔ اور انھوں نے اپنے کو کونسل کے کام کیلئے گویا وقف

کر دیا تھا۔ اس لئے لکھنؤ ہی میں انھوں نے رہائش اختیار کرلی تھی۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے والا ذہن و دماغ بھی دیا ہو، لگن والا دل بھی، اور قوت عمل بھی مولانا محمود الحسن مرحوم انہی مستثنیات میں سے تھے۔

وہ بہت دبلے پتلے دیکھنے میں بس ہڈیوں کا ایک مختصر مجموعہ تھے۔ جس پر کھال منڈھی ہوئی تھی، قد بھی بہت چھوٹا تھا۔ صحت بھی اچھی نہیں رہتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے کام کی لگن دی تھی اور بہت وصلاحیت بھی۔ کونسل کے کام (یعنی کونسل کی شاخوں اور مکاتب کے قیام اور قائم شدہ مکاتب کی دیکھ بھال) کے لئے زیادہ تر دورہ ہی پر رہتے۔ شہروں کے علاوہ دیہات میں بھی جا کر کام کرتے۔ بکثرت ایسا ہوتا کہ بیمار ہو کر واپس آتے، لیکن طبیعت ٹھیک ہوتے ہی پھر روانہ ہو جاتے۔ جب لکھنؤ قیام ہوتا تو دفتر کا کام دیکھتے اور خود کرتے۔ اللہ کے اس بندے کے ۲۵ سال اسی طرح گزرے۔

شروع نومبر میں وہ دورہ پر سفر ہی میں تھے، وہیں مریض ہوئے، مرض نے جلد ہی شدت اختیار کرلی، اسی حال میں ۳ نومبر کو لکھنؤ اپنے گھر آئے، ڈاکٹری مشورہ کے مطابق ۴ نومبر کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ وقت موعود آچکا تھا۔ اگلے ہی دن آخرت کے اس سفر پر روانہ ہو گئے۔ جہاں سے کبھی واپسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان رحیمی و کریمی کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ فرمائے۔ اور پسماندگان کے لئے دین و دنیا کی خیر مقدر فرمائے۔

ناظرین کرام سے بھی درخواست ہے کہ ان مرحومین کے لئے دعاء مغفرت فرمائیں۔ اور توفیق ہو تو کچھ ایصال ثواب بھی۔ اس عاجز پر بھی احسان ہوگا۔

اہلیہ مکرمہ حضرت شیخ الحدیث الیٰ رحمۃ اللہ

رسالہ پریس جانے کیلئے تیار تھا کہ آج ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ / ۲۵ دسمبر ۸۵ء

کو ہم کو بذریعہ فون یہ اطلاع ملی کہ آج شب حضرت شیخ الحدیث کی اہلیہ مکرمہ کا وصال ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی خوش بختی کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت مولانا محمد الیاس کی اکلوتی صاحبزادی، حضرت شیخ الحدیث کی زوجہ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی ہمشیرہ اور مولانا محمد طلحہ صاحب زید مجدہٗ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ سر دست صرف قارئین کو انکی وفات کی اطلاع دینی ہے اور انکے لئے انکے حق کیمطابق دعاؤں کے اہتمام کی گزارش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، اور درجات بلند فرمائے،

(صفحہ ۲ کا بقیہ) اپنے کلمہ کو سربلند فرما، اور ہمیں اس راستے کے مجاہدات کے لئے قبول فرما، الہٰ العالمین! یاس کو آس سے، شک کو یقین سے، خوف کو امن سے، فساد کو صلاح سے، پست ہمتی کو بلند ہمتی سے اور انتشار و اختلاف کو اجتماع و الفت سے بدل دے اور اس ہمہ گیر تبدیلی کیلئے صحیح اسباب اختیار کرنے کی ہمیں توفیق نصیب فرما۔ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً ۵

اس موقع پر اشارۃً یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الفرقان کے معیار کو ظاہری اور معنوی دونوں پہلوؤں سے اور بہتر کرنے کے لئے ایک منصوبہ زیر غور ہے اس کیلئے مصارف میں اضافہ بھی ناگزیر ہوگا۔ انشاء اللہ عنقریب ہی اس کی تفصیلات سے آپ کو مطلع کیا جائے گا اور آپ سے رائے لی جائے گی — اللہ تعالیٰ خیر کو مقدر و میسر فرمائے۔

مدیر

ناچیز محمد منظور نعمانی کی طرف سے مخلص احباب کو ضروری اطلاع

معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ بمبئی، کلکتہ، احمد آباد جیسے مقامات پر پہنچ کر اس عاجز کے ساتھ اپنا قرابت و عزیز داری یا کسی دوسرے قسم کا خاص تعلق ظاہر کر کے میرے مخلص احباب سے کوئی معاملہ یا کسی مدرسہ وغیرہ کے لئے مالی تعاون حاصل کرنا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں اپنے احباب کو یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے تعلق کی بنیاد پر ایسے کسی صاحب کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کیا جائے جو کچھ کرنا ہو اپنی ذاتی تحقیق کی بنیاد پر کیا جائے —

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

Monthly 'AL FURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226018

VOL. 54 NO. 1 JANUARY, 1986 Phone : 45547

24 FEB 1986
الفرقان لکھنؤ

سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۴۰/- روپے
(۴ پونڈ یا ۲۵ ریال)
ہوائی ڈاک سے ۱۲۵/- روپے
(۹ پونڈ، ۴۵ ریال، ۱۵ ڈالر)

الفرقان

ماہنامہ

فی شمارہ ۲/۵۰

چندہ سالانہ
ہندوستان میں ۲۵/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۴۰/-
بنگلہ دیش سے ہندوستانی سکہ میں
۳۰/-

جلد (۵۴) | بابت فروری ۱۹۸۶ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ | شمارہ (۲)

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیئے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار حضرات: مبلغ ۵۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۶۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ اولین

چند دن پہلے کچھ نوجوان بھائی راقم سطور کے پاس آئے۔ ذکر چھڑ گیا ایرانی انقلاب کا، تھوڑی سی گفتگو سے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے ہی آئے ہیں۔ اور ان کے ذہنوں میں اس مسئلہ کے بارے میں بہت کچھ اشکالات ہیں، چنانچہ میں نے ہی پہل کرتے ہوئے کہا کہ

"آپ حضرات سے آج میری یہ پہلی ملاقات ہے، جو تھوڑی سی گفتگو اب تک آپ حضرات سے ہوئی اس سے جو کچھ میں آپ حضرات اور آپ کی اس وقت تشریف آوری کے مقصد کے بارے میں سمجھا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں خود عرض کر دوں۔" انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں نے کہا کہ:

میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ چند ساتھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں کروڑوں مسلم نوجوانوں کی طرح زمانہ کی صورت حال اور امت مسلمہ کے تباہ کن حالات سے بیزار ہیں۔ آپ کی تمنا ہے کہ جلد سے جلد ہماری عظمت رفتہ بحال ہو، اور دنیا کی ظالم طاقتیں اپنے کیفر کردار کو پہنچیں، اسی طرح آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ بھی دیا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ تمام دنیا اسلام کے خلاف متحد ہو کر کام کر رہی ہے کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے کہ ہمارا اندرونی دائرہ اختلاف اور بڑھے۔ اخبارات و رسائل اور متعدد ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کی بنیاد پر آپ کا خیال

ہے کہ اس دہائی کے شروع میں ایران میں جو انقلاب آیا اسلام کے احیاء ہی کے لئے آیا ہے اس لئے آپ کے خیال میں اس کا کم سے کم حق یہ ہے کہ اس کی مخالفت نہ کی جائے، اسی لئے آپ کو اُن لوگوں کے رویہ پر بڑی حیرت ہوتی ہے جو نہ صرف یہ کہ ایرانی انقلاب کی تائید نہیں کر رہے ہیں بلکہ مستقل طور پر اس کی مخالفت کا مشن چلا رہے ہیں۔ اور غالباً آپ حضرات بندہ کے پاس اپنی اسی حیرت کے اظہار کے لئے آئے ہیں... !!!

یہ سن کر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم آپ کے شکر گذار ہیں کہ آپ ہمیں اور ہمارے مقصد کو بالکل صحیح سمجھے اور آپ نے خود ہماری ترجمانی بالکل جچے تلے انداز سے کر دی۔ ہمیں امید ہے کہ ہم اسی انداز میں اپنے ان خیالات کے بارے میں آپ کا موقف بھی جان سکیں گے۔

اس کے بعد میں نے جو گفتگو ان سے کی وہ خاصی طویل تھی، ایک دوست نے اسی وقت اسے قلمبند کرنے کا اہتمام کیا، بعد میں جب میں نے خود ان کی مرتب کردہ یادداشت دیکھی تو میں نے اسے اپنی ڈائری میں نقل کروالیا۔ حضرت والد ماجد دامت برکاتہم سے اس کا ذکر آیا تو انھوں نے حکماً فرمایا کہ ماہ فروری کے شمارہ میں اسی گفتگو کو نگاہ اولیں کے صفحات میں نقل کر دو، اسی حکم کی تعمیل میں وہ گفتگو قدرے ترمیم واضافہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ خدا کرے کہ اس سے نفع ہو۔ میں نے بات شروع کرتے ہوئے کہا:

"پہلے تو میں آپ کے اس اقدام پر اپنی ممنونیت کا اظہار کر دوں کہ آپ نے براہ راست گفتگو کے ذریعہ اپنے اشکالات کو حل کرنا چاہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ حضرات کا مقصد مسئلہ کو سمجھنا ہے۔ نہ کہ اعتراضات والزامات کی بوچھار کر کے کسی کو رسوا اور خاموش کرنے کی کوشش کرنا، اور شاید آپ کے اسی طالبانہ جذبہ کا اثر ہے کہ میرا دل آپ حضرات سے بہت مناسبت محسوس کر رہا ہے ___ اور میں خود اس کا داعیہ محسوس کر رہا ہوں کہ جو کچھ میں آپ حضرات سے کہہ سکوں کہوں، اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی مدد فرمائے۔

جہاں تک آپ کی ان تمناؤں کا سوال ہے جن کا میں نے مختصراً ابھی تذکرہ کیا تھا تو میں ان پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ہم آپ جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں ہماری اکثریت کی تمناؤں اور ارمانوں کا مرکز صرف ذاتی خواہشات اور نجی اغراض ہیں۔ ایسے دور میں جسے بھی یہ

توفیق مل جائے کہ اسکی ہمت اور تمناؤں کا مرکز دین اور احیائے دین ہو جائے تو بلاشبہ یہ اللہ کی بہت بڑی عظیم نعمت ہے۔ تاہم میں یہ بات بھی وضاحت کے لئے عرض کردوں کہ عموماً آج ہم نوجوانوں میں جو بے چینی ہے وہ اس بات کی ہے کہ ہم محکومی اور غلامی کی زندگی گذار رہے ہیں اور ہماری شان و شوکت ماضی کی داستان بن کر رہ گئی ہے ..... حالانکہ میرے خیال میں ہمیں زیادہ غم اس کا ہونا چاہئے کہ ہماری زندگیوں سے دین نکل گیا ہے۔

ہم اسلام کی نمائندہ قوم تھے، اور اب ہماری حالت یہ ہے کہ من حیث القوم ہمیں دیکھ کر اسلام کے بارے میں جو رائے قائم کی جائے گی وہ جیسی ہوگی اس کے بارے میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ تو میرا احساس یہ ہے کہ ہمیں زیادہ دکھ اور صدمہ اس کا ہونا چاہئے کہ ہم وہ نہیں رہ گئے ہیں جو ہمیں ہونا چاہئے۔ اور دنیا کے کروڑوں انسان بڑی حد تک ہماری ہی وجہ سے ہدایت کی روشنی اور فلاح و سعادت سے محروم دنیا سے جا رہے ہیں۔ آپ حضرات بعد میں اس پر غور فرمائیں کہ ہمارے ساتھ دنیا کے لوگ جو سلوک کر رہے ہیں ہمیں اس پر تو غصہ ہے۔ ہم خود اسلام کے ساتھ اور عام انسانوں کے ساتھ جو معاملہ ان کے سامنے اسلام کا پرکشش نمونہ عملاً نہ پیش کر کے کر رہے ہیں اس پر صدمہ اور ندامت ہمیں نہیں ہے —— اور یقیناً یہ ایک اصلاح طلب رویہ ہے۔

بہرحال میں آپ کو اللہ کی اس توفیق پر مبارکباد دیتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ تمنائیں ہمیں بھی دی ہیں اور ہماری دن رات کی کڑھن۔ الحمدللہ۔ یہ ہے کہ یہ تمنا اس طرح ہمارے دل و دماغ اور ہمارے اعصاب پر چھا جائے کہ بقیہ تمام تمنائیں دل سے رخصت ہو جائیں یا مغلوب ہو جائیں تاکہ ہم بھی اس صدیقی جذبہ کا لطف لے سکیں اور کسی درجہ میں اس کا حق ادا کر سکیں کہ "اینقص الدین وانا حی" ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے جیتے جی دین میں کچھ کمی آجائے !!! آپ بھی ہمارے لئے (یہ) دعا کریں۔

جہاں تک امت میں اتحاد و تعاون کی فضا قائم کرنے اور تفرقہ و انتشار سے بچنے کی ضرورت کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ اس ضرورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذہن و دماغ پر خوب عیاں کر دیا ہے۔ میں اس سلسلہ میں اس وقت اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا

کہ اگر کچھ دن آپ ہمارے ساتھ رہیں اور قریب سے ہمیں پہچاننے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کی توفیق دیکھ کر انشاء اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اتحاد کا نام لیتے رہنا اور ہر وقت غیبتوں اور شکووں تردیدوں میں لگے رہنا اور بغض و حسد کی آگ میں جلتے رہنا اور بات ہے اور اسلام کے رشتے سے ہر شخص کی قدر کرنا اور کھلے دل سے ہر ایک سے تعلق رکھنا اور مختلف المزاج لوگوں اور حلقوں سے استفادہ کرتے رہنا اور سب کی نیکیوں کا مذاکرہ کرتے رہنا اور سب کے لئے دعاؤں کا اہتمام کرتے رہنا اور ایسی ہر بات سے گریز کرنا جس سے باہم رنجشیں پیدا ہوں۔ یہ ایک الگ بات ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم آپ حقیقت اور صداقت کو تلاش کرنے کے عادی بنیں، نعروں اشتہاروں اور سائن بورڈوں پر ریجھ جانے کی عادت بسا اوقات بڑے نقصان کا سبب بن جاتی ہے۔

اب آپ کے ذہنوں میں یہ سوال ہوگا کہ ہمارے آپ کے مابین ایسے اصولی و ذوقی اشتراک کے باوجود ایرانی انقلاب کے بارے میں ابھی تک ہمارے رویہ میں اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ تو آئیے میں اب اس بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ آپ کا رویہ اس اندازہ کی بنا پر ہے کہ ایرانی انقلاب ایک اسلامی انقلاب ہے۔ اس لئے اسلام کے رشتے سے تو اسکی قدر ہی ہونی چاہیئے۔

اور ہمارا رویہ اس یقین کی بنا پر ہے کہ ایرانی انقلاب سو فیصد غیر اسلامی انقلاب ہے۔ بلکہ ..... اس لئے پوری صراحت کے ساتھ یہ واضح کرنا چاہیئے کہ اسلام کا اس انقلاب سے تعلق اگر ہے تو صرف یہ کہ اسلام کے خلاف اس دور کی شاید سب سے بڑی سازش یہی انقلاب اور اس کا یہ اسلامی غلاف ہے۔ مجھے اس کی اجازت دیجیے کہ میں محض استحضار کے لئے پہلے یہ عرض کروں کہ اسلام ہے کیا؟ آپ حضرات کے علم میں یقیناً وہ ارشاد نبوی ہوگا جس میں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا "بنی الاسلام علی خمس، شھادۃ ان لا إلٰہ الا اللّٰہ وانّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلاۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان" اسی طرح آپ کے ذہن میں حدیث جبرئیل کا وہ حصہ بھی مستحضر ہوگا جس میں آپؐ نے سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ اخبرنی عن الاسلام! (مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟) ارشاد فرمایا تھا الاسلام ان تشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً رسول اللّٰہ وتقیم الصلاۃ وتؤتی الزکاۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلاً۔

ان دونوں موقعوں پر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ بنیادوں کے مجموعہ کو اسلام قرار دیا ہے توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی دل و زبان سے شہادت اور اقامت صلاۃ، ایتاء زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج بیت اللہ۔ اسلام کی اس تعریف کو مستحضر رکھیئے اور کسی ایسے شخص کا تصور کیجئے جو بہت سخی، بہت بہادر اور گوناگوں صفات کا حامل ہو، مظلوموں کے انتقام کا نعرہ بھی وہ بلند کرے غریبوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے تحریک بھی چلائے۔ اور یہ بھی کرے وہ بھی کرے.... لیکن ان پانچوں بنیادی حقیقتوں کا بالکل قائل نہ ہو، بلکہ اپنی ذہانت سے ان کو مسخ کرنے، ان کا حلیہ بگاڑ دینے اور ان کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کا کام بھی کر رہا ہو کیا آپ اُسے مسلمان کہیں گے؟ ہم آپ کے جواب کا انتظار کئے بغیر اپنا موقف عرض کرتے ہیں کہ ہم کسی شخص یا کسی تحریک کی اسلامیت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے ان بنیادوں کے ساتھ اس کا معاملہ دیکھتے ہیں اور جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ پانچوں اپنے صحیح مفہوم اور ہیئت کے ساتھ موجود نہیں ہیں بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کو منہدم کرنے کی اور ان کو غیر قرآنی اور غیر نبوی مفہوم دے کر ان کا حلیہ بگاڑنے اور ان کی طاقت برباد کر دینے کی سازش کی جا رہی ہے تو بلا کسی تردد اور توقف کے ہم اس شخص یا تحریک کی نااسلامیت کا اعلان کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو اس سے دور رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ اور صرف اللہ سے اس کے اجر کی توقع رکھتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے اسی قسم کا ایک شخص اٹھا تھا، عنایت اللہ مشرقی اس کی قائم کردہ "خاکسار تحریک" کے ساتھ بھی یہی ہوا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ــــــ مشرقی جس زمانہ میں تحریک خاکسار لے کر کھڑا ہوا تھا، اس زمانہ میں ہندوستان کے مسلمان ولایتی اور دیسی دونوں قسم کے کافروں کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے، مشرقی نے ایک تحریک شروع کی، جس میں سب سے زیادہ زور عسکری مشق اور طاقت کے حصول پر تھا، ہزاروں نوجوان تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپکے، ان کو اس نے فوجی وردیاں پہنا دیں، ہاتھ میں بیلچے تھما دیئے، اور شہر شہر قریہ قریہ ان بیلچہ بردار نوجوانوں کے مظاہرے ہونے لگے، بجلی کی سی تیزی سے اس کی مقبولیت کی

اور پھر جیسے جیسے اسے مقبولیت حاصل ہوتی گئی۔ اس کے عجیب غریب خیالات اور گمراہ کن افکار و عقائد بھی سامنے آتے گئے، پہلے اس نے اپنے الہامات کا ذکر شروع کیا، پھر پیشین گوئیاں شروع کیں۔ پھر مہدویت کا اعلان کیا، پھر مثیل مسیح اور مسیح موعود ہونے کی بات کی یہانتک کہ اس نے کہنا شروع کیا کہ میں نبی ہوں اگرچہ میری نبوت محدود قسم کی ہے اور بالآخر اس نے مکمل نبوت کا دعویٰ کرکے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔

اور یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے حضرات علماء کرام نے پوری تحقیق کے بعد اس کی قطعی تکفیر کا فیصلہ کیا۔ اس زمانہ میں مرزا غلام احمد کو اور اس کے سلسلہ کو جیسی مقبولیت حاصل تھی اسے دیکھتے ہوئے اس کی تکفیر کا فتویٰ دینا کوئی آسان کام نہیں تھا، یہ اپنے کو نکو بنانے کے مترادف تھا، اور اس کے نتیجہ میں لاکھوں روشن خیالوں اور پرجوش مگر سادہ لوح مسلمانوں کی طرف سے تکفیر بازی کی روایتی عادت، مولویانہ قدامت پرستی اور مذہبی اجارہ داری وغیرہ بے شمار الزامات کا نشانہ بننا یقینی تھا۔ لیکن ان اللہ کے شیروں کی حق گوئی و بیباکی کو کن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا جائے جنھوں نے اپنا فرض ادا کیا اور دین کو ایک زبردست تخریبی سازش سے بچا لیا، ..... پھر آہستہ آہستہ یہ حقیقت عام لوگوں پر بھی عیاں ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک زبردست اور تاریخ ساز علمی مباحثہ کے بعد دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیدیا۔ اور بہت سے لوگ جس آواز کو مسجدوں کے منبروں اور مدرسوں کی چٹائیوں سے سن کر نہیں قبول کر رہے تھے، قومی اسمبلی کے ایوان میں اسے گونجتا دیکھ کر ایمان لے آئے اور اب وہی لوگ ایسے دستاویزی ثبوت فراہم کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام احمد قادیانی کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت انگریزوں نے آگے بڑھایا تھا اور یہ سب ایک نہایت منصوبہ بند سازش تھی جس کے لئے انھوں نے غلام احمد کو استعمال کیا..... اور اب صورتحال یہ ہے کہ ہمارا بچہ بچہ جانتا ہے کہ غلام احمد قادیانی ایک جھوٹا مدعی نبوت اور ایک بہت بڑی سازش کا آلۂ کار تھا۔

میں نے آپ حضرات کے سامنے ماضی قریب کی ان دو مثالوں کو اس لئے بھی سامنے رکھا ہے

پھر دو ز گئی ـــــ لیکن تھوڑے دنوں ہی میں یہ بات کھل گئی کہ وہ ایک نئے اسلام کا علمبردار ہے، حقیقی اسلام اور قرآنی و نبوی اسلام سے جسے وہ "مولوی کا مذہب" کے نام سے یاد کرتا تھا نہ صرف یہ کہ وہ بیزار ہے بلکہ اس کی جگہ اکبر کے دین الٰہی کی طرح ایک نئے اور خود ساختہ اسلام کو رواج دینا ہی اس کا مقصد ہے تو جن لوگوں نے اس سے بڑی بڑی امیدیں قائم کرلی تھیں انھوں نے اپنی امیدوں کا بستہ لپیٹ کر فوراً سجدۂ سہو کرلیا۔ ...... اور آج صورتحال یہ ہے کہ برصغیر میں شاید ہی چند نفر ایسے ہوں جو کہ مشرقی کے نام اور اسکے کام سے صرف واقف ہی ہوں۔

اس سے زیادہ عبرتناک اور سبق آموز قصہ مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے ـــــ آج ہم آپ سب بڑی آسانی کے ساتھ قادیانی کو جھوٹا مدعی نبوت اور اس کی دعوت و شخصیت کو ایک بڑا فتنہ کہہ رہے ہیں اور ہمیں اس میں کوئی تردد محسوس نہیں ہوتا ـــــ حالانکہ آج سے صرف ۱۵۔۲۰ سال پہلے تک صورتحال یہ نہیں تھی۔

مرزا غلام احمد کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ہندوستان کے اس تحتی براعظم میں اسلام دو طرفہ شدید جارحانہ حملوں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف عیسائیت کے مبلغ پادری مضبوط اور طاقتور برطانوی حکومت کے زیر سایہ ہر چہار طرف گھوم پھر کر تقریر، تحریر اور ہر ممکن ذریعہ سے اسلام پر حملے کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف سوامی دیانند کی قائم کردہ تحریک آریہ سماج میدان میں تھی، اور اس کا نشانہ بھی اسلام تھا، سوامی دیانند کی تحریریں اور اس کے چیلے اسلام کے خلاف زہریلا مواد اگل رہے تھے، اسی زمانہ میں ایک شخص پنجاب سے کھڑا ہوا، جسکے پاس قلم کی طاقت تھی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں جو "لکھا زیادہ پڑھا کم" تھا، اس نے عیسائیت اور آریہ سماج دونوں کے حملوں سے اسلام کے دفاع کے لئے اپنے قلم کو استعمال کرنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنا مواد پیش کر دیا کہ مسلمانوں، خصوصاً اس کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی امیدوں کا مرکز بن گیا ـــــ یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ اس نے کہا میں اسلام کے دفاع کے لئے ایک کتاب "براہین احمدیہ" کے نام سے لکھنا چاہتا ہوں جو پچاس جلدوں میں ہوگی۔ اس کے لئے میں قوم سے مالی تعاون کی اپیل کرتا ہوں۔ چنانچہ زبردست مالی امداد بھی اسے حاصل ہو گئی۔

کہ آپ اندازہ کرلیں کہ ایسی تحریکوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کیا ہے جو بہت زور و شور سے اسلام کا جھنڈا لے کر اٹھتی ہیں حالانکہ حقیقی اسلام سے ان کا تعلق نہیں ہوتا، یہی وہ سنت الٰہی ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ واما الزبد فیذھب جفاء واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض ۔

میں یہ بھی واضح کر دوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے اشخاص اور ایسی تلبیسی تحریکوں کی حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے عموماً یہی شکل اختیار فرماتا ہے کہ وہ اپنے کچھ بندوں کو پہلے حقیقت سے آشنائی عطا فرما دیتا ہے پھر ان کے ذریعہ اس آشنائی کو عام فرماتا ہے اور یہ بندے بالعموم وہی ہوتے ہیں جو اپنے زمانہ کے منتخب تجدیدی سلسلہ اور مقبول اصلاحی شجرہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔

ان دو مثالوں کے بعد اب میں زیر بحث موضوع کی طرف آتا ہوں۔ خمینی صاحب کی قیادت میں ایران میں جو انقلاب آیا، اسکی بنیادوں اور خمینی صاحب کے ذاتی افکار و عقائد کے گہرے اور براہ راست مطالعہ کے بعد یہ حقیقت ہمارے بڑوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوئی، کہ اسلام کی یہ پانچوں بنیادیں وہاں بھی نہ صرف یہ کہ موجود نہیں ہیں بلکہ ان پر وہ مشق ستم ہے کہ الامان! الحفیظ!

میں مختصراً اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ انقلاب ایران کی بنیاد ایک مخصوص نظریہ پر ہے جسے شیعہ دنیا میں بھی سب سے پہلے خود خمینی صاحب نے پیش کیا تھا، اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ :

ا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی دینی و سیاسی قیادت صرف اور صرف ان بارہ[۱۲] اماموں کا حق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود حیات نبوی ہی میں نامزد کر دیا تھا۔

ب۔ اور چونکہ اس دور کے امام ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے غائب ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ہزاروں سال اور اُن کے قدوم میمنت لزوم سے پہلے گذر جائیں۔

ج۔ اس لئے صاحب علم و عدل شیعہ فقہاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امام غائب کے نائب کی حیثیت سے نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی جدوجہد کریں اور جب ان مجتہدین میں سے کوئی اہل اس مقصد کے لئے اُٹھ کھڑا ہو تو اسے وہ سارے حقوق اور اختیارات حاصل ہوں گے جو نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حاصل تھے ۔

یہ نظریۂ ولایت فقیہ خمینی صاحب کو اس مجبوری کی وجہ سے پیش کرنا پڑا ہے کہ وہ عقیدۂ امامت کے قائل ہیں جسکے بموجب اس دور میں حکومت وقیادت کا حق صرف اور صرف اس دور کے امام کو ہے جو ایک ہزار سال سے غار میں چھپے ہوئے ہیں ـــــ مجھے معلوم ہے کہ آپ حضرات سے خمینی صاحب کا جو تعارف کرایا گیا ہے اس میں اس کا کہیں ذکر بھی نہیں آنے دیا گیا ہے کہ خمینی صاحب اسی عقیدۂ امامت کے قائل ہیں جو اثنا عشری مسلک کی بنیاد ہے حالانکہ خود خمینی صاحب نے اپنے اس عقیدہ کو تھوڑا سا بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے ـــ کہیں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ائمہ کی تکوینی حکومت ہے ـــ کہیں لکھا ہے کہ ائمہ کا مقام ملائکہ مقربین اور انبیاء ومرسلین سے بالاتر ہے ـــ کہیں وہ ائمہ کو سہو اور غفلت سے معصوم قرار دیتے ہیں ، کہیں فرماتے ہیں کہ ائمہ کی تعلیمات قرآنی احکام وتعلیمات ہی کی طرح دائمی اور واجب الاتباع ہیں ۔ کہیں فرماتے ہیں کہ ائمہ اس عالم کی تخلیق سے پہلے انوار وتجلیات تھے جو عرش الٰہی کو محیط تھے ، ایک جگہ صاف صاف فرمایا ہے " نحن نعتقد بالولایۃ " ہم ولایت کے قائل ہیں ، (جو لوگ شیعہ مذہب کی اصطلاحات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ "ولایت" "امامت" ہی کے مترادف اور ہم معنی اصطلاح ہے ۔ یہ اور اس کے علاوہ خمینی صاحب کی بہت سی تحریریں ہیں (جن میں سے کئی کو تفصیلی حوالوں کے ساتھ حضرت والد ماجد دامت برکاتہم نے اپنی کتاب " ایرانی انقلاب ، امام خمینی اور شیعیت " میں نقل کر دیا ہے) جن سے ناقابل انکار طریقہ پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خمینی صاحب ایک راسخ العقیدہ ، شیعہ اثنا عشری عالم کی حیثیت سے عقیدۂ امامت کے اس طور پر قائل ہیں کہ اسکے انکار کے ساتھ ان کے نزدیک کسی شخص کے مسلمان ہونے کی گنجائش ہی نہیں ۔

ادھر ہمیں یقین ہے کہ امامت کا جو مفہوم خمینی صاحب اور ان کے پیشرو شیعہ اثنا عشری علماء کے نزدیک ہے ۔ اس کی براہ راست زد اسلام کی دو اہم ترین بنیادوں پر پڑتی ہے ۔ توحید اور ختم نبوت ـــــ

آپ غور فرمائیں کوئی شخص زبان سے لا الٰہ الا اللہ تو کہے ، اور اپنے گھر کے

دروازے پر اور ڈرائنگ روم کی دیوار پر اس کلمہ کا خوبصورت طغرہ بھی آویزاں کر دے، لیکن اس کا یہ ایمان ہو کہ فلاں فلاں لوگ بھی کائنات پر تکوینی قدرت رکھتے ہیں اور وہ بھی دنیا و آخرت کے مالک ہیں جسکو جو چاہیں دے دیں، اور اسی طرح وہ زبان سے محمد رسول اللہ بھی کہے اور یہ بھی کہے کہ میں محمدؐ کو خاتم النبیین بھی مانتا ہوں اور اس سب کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے بارے میں ان تمام خصوصیات و اختیارات کا قائل ہو جو کہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں (جن کا سرسری اندازہ آپ کو صرف حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی کتاب بلکہ اس کی فہرست ہی کے مطالعہ سے ہو جائے گا) تو آپ کا ایسے شخص کے بارے میں کیا موقف ہوگا؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایک عام مسلمان ان باتوں کو سن کر اگر فوری طور پر اس شخص کے بارے میں کفر کا فتویٰ نہیں دیگا تو کم سے کم اسے سچا پکا مسلمان اور اسلام کا نمائندہ کہنے سے تو رک ہی جائے گا، پھر جب اُسے طویل غور و فکر اور مطالعہ کے نتیجہ میں یہ اطمینان ہو جائے گا کہ اس شخص کا یہ رویہ کسی غلط فہمی یا "تعبیر کی غلطی" کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک طے شدہ پالیسی کی بنیاد پر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور اسلام کے حلیہ کو اندر سے بگاڑ دینے کے اپنے آبائی مشن کو آگے بڑھانے کی نیت سے ہے (اس لئے کہ یہ اس خاندان کا فرد ہے جس نے صدیوں سے توحید اور ختم نبوت کی بنیادوں پر تیشے چلا کر امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا کام سنبھال رکھا ہے)..... تو ظاہر ہے کہ پھر اس شخص کے بارے میں اظہار خیال کا انداز بدل جائے گا۔

سیدھی اور صاف بات یہ عرض ہے کہ ہمارے بڑوں کو اور ہمیں بھی یقین خمینی صاحب کے بارے میں ان کی اور ان کے ہمسر دوں کی پچاسوں کتابوں کے ہزاروں صفحات پڑھ کر اور حقائق کے براہ راست مطالعہ و مشاہدہ کے بعد حاصل ہو گیا ہے، اور یہی یقین ہمارے اس رویہ کی بنیاد ہے جس کی صدائے بازگشت آپ کو ہمارے پاس لے کر آئی ہے۔

میں یہ بھی واضح کر دوں کہ میں نے اس وقت صرف انہی دو بنیادوں توحید اور ختم نبوت کے ساتھ خمینی صاحب اور ان کے مذہب کے معاملہ کی بات کی ہے۔ جہاں تک نماز و زکوٰۃ اور روزہ و حج کے ساتھ ان کے معاملہ کی بات ہے تو اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ وہ بھی اسی رخ پر ہے، اور اسی لئے ایرانی انقلابی قیادت نے ان چاروں کو اپنی دعوت و تحریک کا موضوع

نہیں بتایا ہے، اور جو لوگ ایران ہو کر آتے ہیں وہ اپنی آنکھوں سے ان ارکان کے ساتھ ایرانی قوم کا سلوک دیکھ کر آتے ہیں اور یہ تو آپ کے علم میں بھی ہو گا کہ پاکستان میں شیعوں نے تحریک چلا کر زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنے کو مستثنیٰ کروا لیا ہے۔ تاہم چونکہ یہ چیزیں عملی ہیں، اس لئے ہم نے توحید اور ختم نبوت کے ساتھ معاملہ ہی کو اپنے موقف کی بنیاد کے طور پر پیش کیا ہے اور ان تمام لوگوں کے لئے جو کہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مفہوم اور اسکی اہمیت سمجھتے ہیں۔ یہ بات مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ (باقی)

نوٹ: اس گفتگو کا باقی حصہ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں انہی صفحات میں پیش کیا جائے گا اس میں کچھ ایسے شبہات کا جواب بھی آئے گا جو اس وقت ایران نواز حلقوں کی طرف سے کئے جانے والے پروپیگنڈے کے نتیجہ میں بہت سے ذہنوں میں ابھر رہے ہیں۔

ایک المناک اطلاع اور دعا کی درخواست

۶ فروری پنجشنبہ کے دن جبکہ یہ شمارہ کتابت کی آخری منزل میں تھا (اور بس یہی جگہ خالی تھی جس میں یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں) دہلی سے بذریعہ فون اطلاع ملی کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے جوان العمر صاحبزادے جو طویل عرصے سے مریض اور دہلی میں زیر علاج تھے قضا و قدر کے فیصلے کے نتیجہ میں اس جہان فانی سے اُس عالم بقا کی طرف منتقل ہو گئے جہاں ہم سب ہی کو جانا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

اس محدود جگہ میں اپنے ناظرین کرام سے بس یہی درخواست کی جا سکتی ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ رب کریم مرحوم کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے اور تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دیکر اجر جزیل سے نوازے — اور خاص کر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو وہ قلبی ہدایت و استقامت اور وہ تسلیم و رضا عطا فرمائے جسکی بشارت ایسے بندوں کو اس آیت میں دی گئی ہے۔ ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ واللہ بکل شیئ علیم ٥

راقم سطور کو معلوم ہے کہ مختلف وجوہ سے یہ حادثہ اور صدمہ مولانا موصوف کیلئے بہت غیر معمولی اور جانکاہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا اجر موعود نصیب ہو تو یہاں کی بڑی سے بڑی مصیبت فی الحقیقت نعمت اور رحمت ہے۔ فانما المصاب من حرم الثواب۔

محمد منظور نعمانی

مولانا محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

علامات قیامت

اس عنوان کے تحت پہلی قسط اپریل ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں اور اس کے بعد دوسری قسط ایک مہینہ کے ناغہ سے جون کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے کچھ ایسے حالات رہے کہ یہ عاجز اس مبارک سلسلہ کی کوئی قسط نہیں لکھ سکا۔ طویل مدت کے اس انقطاع کے بعد آج بنام خدا یہ سلسلہ پھر شروع کیا جا رہا ہے۔

اس عنوان کے تحت پہلی قسط میں وہ حدیثیں درج کی گئی تھیں، جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی عمومی قسم کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ اور دوسری قسط میں ان احادیث کی تشریح کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا، جن میں آپ نے قیامت کی اُن بڑی اور غیر معمولی قسم کی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے قریب ہی ظاہر ہوں گی۔ ان میں ایک حضرت مہدی کی آمد بھی ہے۔ آج کی صحبت میں چند وہ حدیثیں نذر ناظرین کی جا رہی ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب میں حضرت مہدی کی آمد اور اُن کے ذریعہ برپا ہونے والے عظیم و مبارک انقلاب کا اور ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والی آسمانی اور زمینی غیر معمولی برکات کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت مہدی کی آمد، ان کے ذریعہ برپا ہونیوالا انقلاب

اس موضوع سے متعلق جو احادیث و روایات کسی درجہ میں قابل اعتبار و استناد ہیں

ان کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ اور قیامت سے پہلے آخری زمانے میں امت مسلمہ پر اُس دور کے ارباب حکومت کی طرف سے ایسے شدید وسنگین مظالم ہوں گے کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی، ہر طرف ظلم وستم کا دور دورہ ہو گا، اس وقت اللہ تعالیٰ اس امت میں سے (بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسل سے) ایک مرد مجاہد کو کھڑا کریگا۔ اس کی جد وجہد کے نتیجہ میں ایسا انقلاب برپا ہو گا۔ کہ دنیا سے ظلم ونا انصافی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہر طرف عدل وانصاف کا دور دورہ ہو گا نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت غیر معمولی برکات کا ظہور ہو گا، آسمان سے ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی، اور زمین سے غیر معمولی اور خارق عادت پیداوار ہو گی۔ جس مرد مجاہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ انقلاب برپا فرمائے گا (بعض روایات کے مطابق اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہو گا۔ مہدی اس کا لقب ہو گا) اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کی ہدایت کا کام لے گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد ناظرین کرام اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ فرمائیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ بِاُمَّتِیْ بَلَاءٌ شَدِیْدٌ مِنْ سُلْطَانِہِمْ حَتّٰی یَضِیْقَ الْاَرْضُ عَنْہُمْ فَیَبْعَثُ اللّٰہُ رَجُلًا مِنْ عِتْرَتِیْ فَیَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا، یَرْضٰی عَنْہُ سَاکِنُ السَّمَاءِ وَسَاکِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَّخِرُ الْاَرْضُ شَیْئًا مِنْ بَذْرِہَا اِلَّا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (آخری زمانے میں) میری امت پر اُن کے ارباب حکومت کیطرف سے سخت مصیبتیں آئیں گی، یہانتک کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کریگا، اس کی جد وجہد سے ایسا انقلاب برپا ہو گا کہ اللہ کی زمین جسطرح ظلم وستم سے بھر گئی تھی اسی طرح عدل وانصاف

اَخْرَجَتْهُ وَلَا السَّمَاءُ مِنْ قَطْرِهَا إِلَّا صَبَّتْهُ وَيَعِيْشُ سَبْعَ سِنِيْنَ أَوْ ثَمَانَ سِنِيْنَ أَوْ تِسْعًا۔ رواہ الحاکم فی المستدرک (کنز العمال کتاب القیامۃ)

سے بھر جائے گی، آسمان والے بھی اس سے راضی ہوں گے اور زمین کے رہنے والے بھی، زمین میں جو بیج ڈالا جائیگا اس کو زمین اپنے پاس روک کے نہیں رکھے گی، بلکہ اس سے جو پودا برآمد ہونا چاہیئے وہ برآمد ہوگا بیج کا ایک دانہ بھی ضائع نہ ہوگا) اور اسی طرح آسمان بارش کے قطرے ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا، بلکہ ان کو برسا دیگا (یعنی ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی) اور یہ مرد مجاہد لوگوں کے درمیان سات سال، یا آٹھ سال یا نو سال زندگی گزارے گا۔" (مستدرک حاکم)

تشریح قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت قرّہ مُزنی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ "اِسْمُهٗ اِسْمِيْ وَاِسْمُ اَبِيْهِ اِسْمُ اَبِيْ" (اس شخص کا نام میرا والا نام (یعنی محمد) ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے والد کا نام (عبداللہ) ہوگا) یہ حدیث طبرانی کی معجم کبیر اور مسند بزار کے حوالہ سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہے ۔ ان دونوں حدیثوں میں مہدی کا لفظ نہیں ہے، لیکن دوسری روایات کی روشنی میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ مراد حضرت مہدی ہی ہیں۔ اُن کا نام محمد اور مہدی لقب ہوگا۔

اس حدیث میں حضرت مہدی کا زمانہ حکومت سات یا آٹھ یا نو سال بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت ابو سعید خدری ہی کی ایک دوسری روایت میں جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے آگے ذکر کی جائے گی، ان کا زمانہ حکومت صرف سات سال بیان کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا روایت میں جو "سات یا آٹھ یا نو سال" ہے وہ راوی کا شک ہو۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب

الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ ۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

تک یہ نہ ہوگا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک و فرمانروا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام کے مطابق (یعنی محمد) ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں بھی مہدی کا لفظ نہیں ہے لیکن مراد حضرت مہدی ہی ہیں۔ اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق (یعنی عبداللہ) ہوگا۔ نیز یہ بھی اضافہ ہے کہ "یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا" (وہ اللہ کی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جس طرح پہلے وہ ظلم و ناانصافی سے بھری ہوئی تھی) اس روایت سے اور حضرت مہدی سے متعلق دوسری بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکومت پوری دنیا میں ہوگی، پس جامع ترمذی کی زیر تشریح روایت میں جو عرب پر حکومت کا ذکر کیا گیا ہے وہ غالباً اس بنیاد پر ہے کہ ان کی حکومت کا اصل مرکز عرب ہی ہوگا۔ دوسری توجیہ اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابتدا میں ان کی حکومت عرب پر ہوگی۔ بعد میں پوری دنیا انکے دائرہ حکومت میں آجائے گی واللہ اعلم بالصواب۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَھْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَی الْجَبْھَۃِ اَقْنَی الْاَنْفِ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا ۔ یَمْلِکُ سَبْعَ سِنِیْنَ ۔ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مہدی میری اولاد میں سے ہوگا۔ روشن اور کشادہ پیشانی۔ بلند بینی۔ وہ بھر دیگا روئے زمین کو عدل و انصاف سے جس طرح وہ بھر گئی تھی ظلم و ستم سے۔ وہ سات سال حکومت کریگا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث میں آنکھوں سے نظر آنے والی حضرت مہدی کی دو جسمانی نشانیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ایک یہ کہ وہ روشن اور کشادہ پیشانی ہوں گے۔ اور دوسری یہ کہ وہ بلند بینی ہوں گے۔ ان دونوں چیزوں کو انسان کی خوبصورتی اور حسن و جمال میں خاص دخل ہوتا

ہے۔ اسی لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے، حدیثوں میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ مبارک اور سراپا بیان کیا گیا ہے، اس میں بھی ان دونوں چیزوں کا ذکر آتا ہے ان دونشانیوں کے ذکر کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ حسین و جمیل بھی ہوں گے، لیکن ان کی اصل نشانی اور پہچان ان کا یہ کارنامہ ہوگا کہ دنیا سے ظلم و عدوان کا خاتمہ ہوجائے گا، اور ہماری یہ دنیا عدل وانصاف کی دنیا ہوجائے گی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ خَلِیْفَۃٌ یَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا یَعُدُّہٗ (رواہ مسلم)

(مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک خلیفہ (یعنی سلطان برحق) ہوگا۔ جو مستحقین کو مال تقسیم کریگا۔ اور گن گن کر نہیں دیگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت میں ایک ایسا حاکم اور فرمانروا ہوگا جس کے دور حکومت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی برکت اور مال و دولت کی کثرت اور بہتات ہوگی۔ اور خود اس میں سخاوت ہوگی۔ وہ مال و دولت کو ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا۔ بلکہ گنتی شمار کے بغیر مستحقین کو تقسیم کرے گا۔ صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "یَحْثِیْ الْمَالَ حَثْیًا وَلَا یَعُدُّہٗ عَدًّا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کے مستحقین کو دیگا اور گنتی شمار نہیں کریگا) حدیث کے بعض شارحین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس حدیث میں جس خلیفہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ غالباً حضرت مہدی ہی ہیں۔ کیونکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا۔ اور مال و دولت کی فراوانی ہوگی۔ واللہ اعلم

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْمَھْدِیُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مِنْ

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے

مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ ۔ رواہ ابوداؤد
(مشکوٰۃ المصابیح)

تھے کہ مہدی میری نسل سے فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ وَنَظَرَ اِلٰی اِبْنِهِ الْحَسَنِ ۔ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاِسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا
رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ المصابیح)

ابواسحاق سَبیعی سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سیّد (سردار) ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو یہ نام (سیّد) دیا ہے ضرور ایسا ہوگا کہ اس کی نسل سے ایک مرد خدا پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی والا نام (یعنی محمد) ہوگا۔ وہ اخلاق وسیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ ہوگا۔ اور جسمانی بناوٹ میں وہ آپؐ کے زیادہ مشابہ نہ ہوگا۔ پھر حضرت علیؓ نے بیان فرمایا یہ واقعہ کہ وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا۔
(سنن ابی داؤد)

تشریح :۔ اس روایت میں ابواسحاق سَبیعی نے (جو تابعی ہیں) حضرت حسن کی نسل سے پیدا ہونے والے جس مرد خدا کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، چونکہ وہ امور غیب میں سے ہے اور سیکڑوں یا ہزاروں برس بعد ہونے والے واقعہ کی خبر ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے یہ بات صاحبِ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی فرمائی ہوگی، صحابۂ کرام کے ایسے بیانات محدثین کے نزدیک حدیث مرفوع (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات) ہی کے حکم میں ہوتے ہیں ان کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنا ہوگا۔

اس روایت میں حضرت علیؓ نے حضرت حسن کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ "میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نام (سید) دیا تھا، بظاہر اس سے حضرت علیؓ کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف ہے جو آپ نے حضرت

حسن کے بارے میں فرمایا تھا "اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ"، (میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے متحارب گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دیگا)۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے لئے سیّد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہونگے لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے، بعض شارحین نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہوں گے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ مہدی ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ لیکن یہ روایتیں بہت ہی ضعیف درجہ کی ہیں۔ جو روایتیں کسی درجہ میں قابل اعتبار ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسل اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ واللہ اعلم

اسی موضوع سے متعلق ایک ضروری انتباہ

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری معلوم ہوا کہ ان کے بارے میں اہلسنت کے مسلک و تصور اور شیعی عقیدہ کا فرق و اختلاف بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ بعض شیعہ صاحبان ناواقفوں کے سامنے اس طرح بات کرتے ہیں کہ گویا ظہور مہدی کے مسئلہ پر دونوں فرقوں کا اتفاق ہے، حالانکہ یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے۔

اہلسنت کی کتب حدیث میں حضرت مہدی سے متعلق جو روایات ہیں (جن میں سے چند ان صفحات میں بھی درج کی گئی ہیں) ان کی بنیاد پر اہل سنت کا تصور ان کے بارے میں یہ ہے

ؔ یہ روایتیں کنز العمال کتاب القیامہ قسم الاقوال اور قسم الافعال میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ طبع اول دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، جلد ۷ ص ۱۸۶ و ص ۲۶۰ ۔

کہ قیامت کے قریب ہیں ایک وقت آئے گا جب دنیا میں کفر و شیطنت اور ظلم و طغیان کا ایسا غلبہ ہو جائے گا کہ اہل ایمان کے لئے اللہ کی وسیع زمین تنگ ہو جائے گی، تو اس وقت اللہ تعالیٰ امت مسلمہ ہی میں سے ایک مرد مجاہد کو کھڑا کریگا (ان کی بعض علامات اور صفات و خصوصیات بھی احادیث میں بیان کی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ان کے ساتھ ہوگی۔ ان کی جد و جہد سے کفر و شیطنت اور ظلم و عدوان کا غلبہ دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ پورے عالم میں ایمان و اسلام اور عدل و انصاف کی فضا قائم ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی طریقہ پر آسمانی اور زمینی برکات کا ظہور ہوگا۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں دجال کا خروج ہوگا، جو ہماری اس دنیا کا سب سے بڑا اور آخری فتنہ اور اہل ایمان کے لئے سخت ترین امتحان ہوگا۔ اس وقت خیر اور شر کی طاقتوں میں آخری درجہ کی کشمکش ہوگی۔ خیر اور ہدایت کے قائد و علمبردار حضرت مہدی ہوں گے، اور شر اور کفر و طغیان کا علمبردار دجال ہوگا۔ پھر اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، اور انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے فتنہ کو ختم کرائے گا (نزول مسیح سے متعلق احادیث انشاء اللہ اسی سلسلہ میں آگے پیش کی جائیں گی، وہیں ان کی تشریح کے ساتھ حیات مسیح اور نزول مسیح کے مسئلہ پر بھی بقدر ضرورت انشاء اللہ کلام کیا جائے گا)

الغرض حضرت مہدی کے بارے میں اہل سنت کا مسلک اور تصور یہی ہے جو ان سطور میں عرض کیا گیا۔ لیکن شیعی عقیدہ اس سے بالکل مختلف ہے اور دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اور تنہا یہی عقیدہ جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے، ارباب دانش کو اثنا عشری مذہب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے کافی ہے یہاں تو صرف اہل سنت کی واقفیت کے لئے اجمال و اختصار ہی کے ساتھ اس کا ذکر کیا جا رہا ہے، اس کی کسی قدر تفصیل سے شیعہ مذہب کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ اس عاجز کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مہدی کے بارے میں شیعی عقیدہ

شیعوں کا عقیدہ ہے جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے بارہ امام نامزد کر دئے ہیں ان سب کا درجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے تمام نبیوں رسولوں سے برتر و بالاتر ہے۔ یہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم ہیں، اور ان کی اطاعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی کی طرح فرض ہے ان سب کو وہ تمام صفات وکمالات حاصل ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے بس یہ فرق ہے کہ ان کو نبی یا رسول نہیں کہا جائے گا بلکہ امام کہا جائے گا، اور امامت کا درجہ نبوت ورسالت سے بالاتر ہے۔ ان کی امامت پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا شرط نجات ہے۔ ان بارہ میں سب سے پہلے امام امیر المومنین حضرت علیؓ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن الحسین (زین العابدین) انکے بعد اسی طرح ہر امام کا ایک بیٹا امام ہوتا رہا یہانتک کہ گیارہویں امام حسن عسکری تھے جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی۔ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ ان کی وفات سے چار پانچ سال پہلے (باختلاف روایات ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں) ان کی ایک فرنگی کنیز (نرگس) کے بطن سے ایک بیٹے پیدا ہوئے تھے، جن کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا جاتا تھا۔ کوئی ان کو دیکھ نہیں پاتا تھا۔ اس وجہ سے لوگوں کو (خاندان والوں کو بھی ان کی پیدائش اور ان کے وجود کا علم نہیں تھا) یہ صاحبزادے اپنے والد حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے (یعنی ۴-۵ سال کی عمر میں) امامت سے متعلق وہ سارے سامان سا... لے کر جو امیر المومنین حضرت علیؓ سے لے کر گیارہویں امام ان کے والد حسن عسکری تک کے پاس رہے تھے اعجازانہ طور پر غائب اور اپنے شہر "سُرَّ مَنْ رَأیٰ" کے ایک ... روپوش ہو گئے۔ اس وقت سے وہ اسی غار میں روپوش ہیں، ان کی غیبوبت ... بحساب ساڑھے گیارہ سو برس سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، شیعہ صاحبان کا ایمان ہے کہ وہی بارہویں اور آخری امام مہدی ہیں، وہی کسی وقت غار ... اور دوسرے بیشمار معجزانہ اور محیر العقول کارناموں کے علاوہ وہ مُردو...

اور (معاذ اللہ) حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہم) کو (جو شیعوں کے نزدیک ساری دنیا کے کافروں مجرموں فرعون و نمرود وغیرہ سے بھی بدتر درجہ کے کفار و مجرمین ہیں) ان کی قبروں سے نکال کر اور زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے، سولی پر چڑھائیں گے۔ اور ہزاروں بار زندہ کر کے سولی پہ چڑھائیں گے، اور اسی طرح اُن کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کرام اور ان سے محبت و عقیدت رکھنے والے تمام سنیوں کو بھی زندہ کر کے سزا دی جائے گی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین حضرت علیؓ اور تمام ائمہ معصومین اور خاص شیعہ محبین بھی زندہ ہوں گے، اور (معاذ اللہ) اپنے ان دشمنوں کی سزا اور تعذیب کا تماشہ دیکھیں گے۔ گویا شیعوں کے یہ جناب امام مہدی قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کریں گے۔ شیعہ حضرات کی خاص مذہبی اصطلاح میں اس کا نام رجعت ہے اور اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے رجعت کے سلسلہ کی شیعی روایات میں یہ بھی ہے کہ جب یہ رجعت ہوگی تو ان جناب مہدی کے ہاتھ پر سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیعت کریں گے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر امیر المومنین حضرت علیؓ بیعت کریں گے، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے حضرات بیعت کریں گے۔ یہ ہیں شیعہ حضرات کے امام مہدی جن کو وہ القائم، الحجۃ اور المنتظر کے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور غار سے اُن کے برآمد ہونے کے منتظر ہیں اور جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے اور لکھتے ہیں عجل اللہ فرجہ (اللہ جلدی انکو باہر لے آئے)

اہل سنت کے نزدیک اول سے آخر تک یہ صرف خرافاتی داستان ہے جو اس وجہ سے گھڑی گئی تھی کہ فی الحقیقت شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری جب فوت ہوئے تھے، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اور اس سے اثنا عشریہ کا عقیدہ باطل ہوتا تھا کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے، اور بارہواں امام آخری امام ہوگا، اور اس کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ الغرض صرف اس غلط عقیدہ کی مجبوری سے یہ بےتکی داستان گھڑی گئی۔ جو غور و فکر کی صلاحیت رکھنے والے شیعہ حضرات کے لئے آزمائش

کا سامان بنی ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ اختصار کے ارادہ کے باوجود مہدی سے متعلق شیعی عقیدہ کے بیان میں اتنی طوالت ہوگئی۔ لیکن مہدی سے متعلق اہل سنت کے تصور و مسلک اور شیعی عقیدہ کے فرق و اختلاف کو واضح کرنے کے لئے یہ سب لکھنا ضروری سمجھا گیا۔

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے محقق اور ناقد و بصیر عالم مصنف ابن خلدون مغربی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف مقدمہ میں مہدی سے متعلق قریب قریب ان سب ہی روایات کی سندوں پر مفصل کلام کیا ہے جو اہل سنت کی کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں اور قریباً سبھی کو مجروح اور ضعیف قرار دیا ہے[1]۔ اگرچہ بعد میں آنے والے محدثین نے ان کی جرح و تنقید سے پورا اتفاق نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابن خلدون کی اس جرح و تنقید نے مسئلہ کو قابل بحث و تحقیق بنا دیا ہے۔ والمسئول من اللہ تعالیٰ ہدایۃ الحق والصواب۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون مغربی فصل فی امر الفاطمی وما یذہب الیہ الناس فی شأنہ وکشف الغطاء عن ذالک ص ۳۱۶ تا ص ۳۲۶۔

گاہے گاہے باز خواں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

قربِ الٰہی کے دو راستے

اہلِ ایمان کے لئے تقرب الی اللہ اور دینی و روحانی ترقی کے دو طریقے اور دو راستے ہیں جو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں اور بندگانِ خدا ہر زمانہ میں کم و بیش ان ہی پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی اصلاح و ترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ و تحلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات و قربات روزہ و نماز اور ذکر و فکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے — بعض ائمہ محققین کی اصطلاح کے مطابق اس طریقہ کو "قرب بالنوافل" کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے پرہیزگاری کا اہتمام کرتے ہوئے اور اوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں بھی خاص اشتغال رکھتے ہوئے، اپنا زیادہ وقت اخلاص نیت کے ساتھ (یعنی محض رضاء الٰہی اور اجرِ اخروی کو مطمحِ نظر بنا کر) دوسرے بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و [illegible] جیسے کاموں میں اور اعلاء کلمۃ الحق و احیاء شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے — اس طریقہ کو "قرب بالفرائض" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور اگرچہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں سا[illegible]

راہ رضا اور طالبین قرب مولیٰ کیلئے یہی عام شاہراہ تھی، لیکن بعد کے زمانوں میں کچھ خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہو گیا، یعنی اہل سلوک کے مختلف حلقوں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقہ کو اختیار کر لیا گیا۔ اور اس سے بھی بڑا اور افسوسناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور تقرب خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی و دینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا ـــــ مختلف زمانوں میں مصلحین و مجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کر کے اس کی اصلاح کی کوششیں بھی کیں لیکن پھر بھی بہت سے خاص و عام حلقوں میں یہ غلط فہمی ابتک چلی آرہی ہے۔ جس کا افسوسناک اور نہایت مضر رساں نتیجہ یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت اور اقامت دین و احیاء شریعت کا وہ اہم بنیادی کام جو دینی نظام کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ہے اور دین کی سرسبزی و شادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی اللہ کے نزدیک صرف نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے، آج ان عام و خاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور دینی و روحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جویا اپنے اس سفر میں اور اس مقصد کے لئے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت و عزیمت سے خالی اور یہ بازار سرد پڑا ہوا ہے حالانکہ "شہسواروں" کی تگ و تاز کے لئے اصل جولانگاہ اور "شاہبازوں" کی پرواز کے لئے اصل فضا یہی تھی۔

یہ کیوں ہے؟ ـــــ اور یہ عام و خاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط علمی میں کیوں مبتلا ہوئے۔ اور کیوں ابتک مبتلا ہیں؟ ـــــ اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے ہمارے

لہ گذشتہ صدیوں میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور ان کے خاص رفقاء نے اس غلطی کی اصلاح کی طرف خاص اور مستقل توجہ فرمائی۔ جیساکہ "مکتوبات امام ربانیؒ" اور "صراط مستقیم" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

موضوع سے خارج ہے تاہم اصل مدعا ہی کو سلجھانے کی خاطر اس بارہ میں اتنا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے سو اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے الگ تھلگ رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور مشاغل دنیوی میں پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بیحد مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کام سمجھتے ہیں اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہونا اور ان کی خاص اہمیت و وقعت سمجھنا چونکہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لئے یہ بیچارے اسی طریق کو قرب الٰہی اور خدا رسی کا خاص الخاص راستہ سمجھتے ہیں، علاوہ ازیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق و کشوف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے[1] اس لیے بھی خیال عام اسی طریق کو خدا رسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی و روحانی کمال سمجھتا ہے۔

رہے اس خیال کے خواص، یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور سلوک الی اللہ کو اسی طریق میں منحصر سمجھتے ہیں۔ سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔ جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ کثرت ذکر و فکر سے سالک کے باطن میں ایک گونہ لطافت و نورانیت اور ملاء اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت و موانست پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار و انوار محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور بسا اوقات خاص "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے — اور دوسرے طریقہ

---

[1] قرب بالنوافل کے اس طریق میں چونکہ سالک کو عالم ملکوت سے زیادہ مناسبت ہو جاتی ہے۔ نیز یکسوئی کے ساتھ حق جل جلالہ کی طرف متوجہ رہنے کی وجہ سے اس کی ہمت و روحانیت بھی بہت زیادہ قوی ہو جاتی ہے اسلئے خوارق و کشوف جیسی چیزوں کا ظہور ان حضرات سے زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زمانہ مابعد کے بہت سے اولیاء اللہ سے قریب تواتر اتنے خوارق منقول ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے صحابی حتیٰ کہ حضرات خلفائے اربعہ سے بھی منقول نہیں حالانکہ عند اللہ ان اولیاء اللہ کا درجہ ان حضرات صحابہ کے خدام کے برابر بھی نہیں۔ اس مضمون کی پوری تفصیل اور تحقیق مکتوبات امام ربانی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ بھی اختلاط رہتا ہے۔ اور احوال و اوقات میں بھی تشتت و انتشار ہوتا رہتا ہے اس لیے ان احوال و کیفیات کا ورود واحساس میں اس طرح سے عموماً نہیں ہوتا۔ یا بہت کم ہوتا ہے۔ بہر حال پہلے ہی طریقہ کے ساتھ بہت سے اہل سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔

حالانکہ یہ "احوال وکیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" اس فن کے اکابر وائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مبتدیانِ راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے، تاکہ شوق وطلب برابر ترقی پذیر رہے اور سعی وجہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مشہور خلیفہ ملا یار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی "مشاہدات و تجلیات" کے متعلق لکھتے ہیں۔

شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی فرمودہ اند. تلک خیالاتٌ تربّیٰ بہا اطفال الطریقۃ" (مکتوب ۲۱۱ ج۱)	"شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے"

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے۔ ارقام فرماتے ہیں:۔

احوال و مواجید وعلوم و معارف کہ صوفیہ را در اثنائے راہ دست میدہند نہ از مقاصد اند. بل اوہام وخیالات تربّیٰ بہا اطفال الطریقۃ (مکتوب ۳۶ ج۱)	جو احوال و مواجید اور علوم و معارف صوفیہ پر اثناء سلوک میں وارد ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اوہام و خیالات کے قبیل کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے۔

بہر حال یہ انوار و تجلیات اور یہ احوال و کیفیات جن کا ورود "قرب بالنوافل" کے

لہ حضرت مجددؒ کی ان عبارات کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" محض قسم کے وساوس و اوہام ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے (جیسا کہ خود حضرت مجدد ہی نے اسی مکتوب میں آگے چل کر وضاحت فرمائی ہے) کہ یہ بھی ایک درجہ میں انعامات الٰہیہ ہیں اور سالک کو ان سے بہت کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ان سے ہمت افزائی ہی کا کام لیا جائے اور سالک انہی کو مقصود و منتہا سمجھ کر ان میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

راستہ سے چلنے والے بہت سے سالکوں پر ہوتا ہے، اگرچہ وسیلۂ تربیت اور ذریعۂ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابلِ شکر انعامات الٰہیہ ہیں، تاہم نہ یہ خود مقصود و مطلوب ہیں اور نہ ایسی دولت ہیں جس کے لئے "قرب الفرائض" کا راستہ چھوڑ کے "قرب بالنوافل" ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام ربانیؒ ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

این فقیر از نقد وقت خود می نویسد کہ مدتہا از علوم و معارف واز احوال و مقامات در رنگ ابر نیساں بخشیدند و کارے کہ باید کرد بعنایت اللہ سبحانہٗ کردند۔ والحال آرزوئے نہ ماندہ است الا آن کہ احیائے سنت از سنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات نمودہ آید و احوال و مواجید ارباب ذوق را مسلم باشد (مکتوب ۳۶)

یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں علوم و معارف اور احوال و مقامات ابر نیساں کی طرح برسے اور ان کا جو نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ پورا ہوا، اور اب اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو نہیں رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کا احیاء کیا جائے اور اسکو رواج دیا جائے۔ اور احوال و مواجید ارباب ذوق کو مبارک ہوں۔

قرب بالفرائض کی ترجیح و فضیلت کے وجوہ

"قرب بالفرائض" کے طریقہ اور اس سلسلہ کے مشاغل (مثلاً خدا فراموش انسانوں میں تبلیغ و دعوت، جاہلوں نا واقفوں کی تعلیم و تربیت اور اقامت دین و احیاء شریعت کیلئے جد و جہد وغیرہ) کو "قرب بالنوافل" کے طریقہ کے مقابلہ میں ترجیح و فضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل و وظائف ہیں۔ اور وہ حضرات (علیہم الصلوٰۃ والسلام) خاص انہی کاموں کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، پس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کو اُن ہی کے طریقے پر اخلاص و احتساب کے ساتھ ان کاموں میں لگانا، اور اسی جد و جہد کو اپنا خاص وظیفہ حیات بنا لینا ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت، بلکہ ایک طرح سے ان کی رفاقت اور ان کے مقصد، اُن کی فکر اور اُن کے درد میں شرکت ہے اور ایک غیر نبی کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں اس طریقہ کا فیض متعدی ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح و تکمیل کے ساتھ ساتھ اور سیکڑوں ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس واسطے صحیح حدیث۔

من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ۔ (مسلم) جو شخص کسی آدمی کو کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرے تو اس شخص کو اس نیکی کے کرنے والے ہی کی برابر الگ ثواب ملے گا۔

کے مطابق سیکڑوں ہزاروں انسانوں کے بے حساب و بے شمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ "قرب بالنوافل" کے طریق میں زیادہ سے زیادہ محنت و مجاہدہ کرنے والے اپنے گنے چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نفلی عبادات و قربات کا ہی سرمایہ جمع کر سکتے ہیں، لیکن "قرب بالفرائض" کی راہ پر چلنے والے چونکہ سیکڑوں انسانوں کو ان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ و تلقین کرتے اور تعلیم دیتے ہیں اس لیے اُن کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض و نوافل کے علاوہ ان سیکڑوں آدمیوں کے فرائض (اور نوافل) کا بھی اجر لکھا جاتا ہے اور یہ معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور نفس ایمان و اسلام کا درجہ تو یقیناً فرائض و نوافل سب سے زیادہ ہے، پس اللہ کا جو بندہ "قرب بالفرائض" کی راہ اختیار کرکے خدا و رسول سے بیگانہ اور حقیقت ایمان و اسلام سے ناآشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں میں تبلیغ کرکے اور ان کو تعلیم و تربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے، اس میں کیا شبہ کہ اسکے نامۂ اعمال میں ان لوگوں کے نفس ایمان و اسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس اجر بے حساب کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز "قرب بالنوافل" کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جہاں موت نے روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلۂ عمل ختم ہوا تو ترقی

ختم ہو جاتی ہے۔ مگر "قرب بالفرائض" کی راہ میں جب تک اس کے دینی و علمی فیض کا سلسلہ جاری رہے (خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے) برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے، سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے بھی عرض کی گئی کہ "قرب بالفرائض" کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب و حواریین کا راستہ ہے؛ اور اس کے مشاغل (تعلیم و تعلم، دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد، اور اقامت دین و احیاء شریعت کی کوشش وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں، پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دینی خلفاء ہیں، اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہرہ ان کے پاس نہیں ہے، لیکن اصل امانت نبوی کی حفاظت اور تبلیغ و دعوت اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کا کام بھی بلاشبہ ایک طرح کی "خلافت نبوت" ہی ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے اور بروجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے "خلافت ظاہرہ" مقصود ہوتی ہے۔

[نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح کے مطابق خلافت باطنہ) اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو "خلافت ظاہرہ" تک بھی پہونچا دیتا ہے "استخلاف فی الارض" اور "تمکین دینی" کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور

لہ شاہ ولی اللہؒ نے "فیوض الحرمین" میں اس پر مستقل بحث فرمائی ہے اور اس کا نام انھوں نے "خلافت باطنہ" رکھا ہے۔

یہی اس کی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ "خلافتِ نبوت" کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جد و جہد کرنے سے اگرچہ "اپنی حکومت" قائم کی جاسکتی ہے لیکن خلافتِ نبوت قائم نہیں ہوسکتی ۔ والتفصیل لایسعہ المقام]

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ "قرب بالفرائض" کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کے مشاغل، تبلیغ و دعوت، تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لیے جد و جہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر ہی میں مشغول و منہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ یہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی و جمہوری دعوتوں کا ہے، اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جا رہی ہیں، ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت، دینی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی جد و جہد وسیع پیمانہ پر اور عوامی تحریک کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلبگار بندے خدمت دین کے اس عمومی میدان میں نہ اُترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے ۔

امام ابو اسحاق اسفرائینی کا پر جوش اور ولولہ انگیز پیغام رہ رہ کر یاد آتا ہے ان کے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین و ایمان بعض خاص گمراہانہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑگیا تھا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر و مشائخ کے پاس پہونچے جو دنیا و مافیہا سے یکسو ہو کر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت و مجاہدہ میں مصروف تھے اور کہا (اور اللہ اکبر کیسے درد سے کہا)

اکلۃ الحشیش انتم ھھنا	جنگل کی سوکھی گھاس پر گزارہ کرنے والو تم یہاں ہو
وامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گمراہیوں
فی الفتن	میں مبتلا ہو رہی ہے ۔

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم و تربیت اور غافلوں ناآشناؤں کو تبلیغ و دعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہر حال میں بہت بڑا اور بہت اہم کام ہے اور جیساکہ تفصیل سے اوپر عرض کیا گیا۔ عنداللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ وارفع ہے، اور امتیوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بقول حضرت مجددؒ۔

"ہیچ کمالے برتبۂ دعوت و تبلیغ نرسد فان احب عباد اللہ الی اللہ من حبب اللہ الی عبادہ و حبب عباد اللہ الی اللہ وھو الداعی والمبلغ۔" (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۷ ج ۲)

کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کو اس کے بندوں کا محبوب بنادے اور بندوں کو اللہ کا محبوب بنادے، اور وہ داعی اور مبلغ ہوتا ہے۔

لیکن بالخصوص ایسے زمانے میں کہ چاروں طرف سے مادیت اور لادینیت کے بادل امڈے ہوں اور دین سے غفلت و جہالت اور خدا فراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھائی چلی جارہی ہوں۔ سو ایسے وقت میں تو ان کاموں کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مجددؒ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے۔

مثلاً سپاہیان در وقت غلبہ دشمناں و استیلاء مخالفاں اگر اندک تردد می کنند آں قدر نمایاں میشود و اعتبارے گردد کہ در وقت امن اضعاف آں در حیز اعتبار نمی آید۔ (مکتوب ۴۴)

مثلاً جو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے چڑھ آنے کے نازک وقت میں تھوڑی سی بھی وفادارانہ جد و جہد کرتے ہیں وہ ایسا عظیم اعتبار و اعتماد حاصل کرلیتے ہیں کہ عام امن و سکون کے وقت کئی گنی جانفشانی بھی کریں تو وہ اعتبار و اعتماد پیدا نہیں ہوتا۔

الحاصل ہر زمانہ میں خاص کر ہمارے اس دور میں دینی و روحانی ترقی اور قرب الٰہی و رضاء خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ "قرب بالفرائض" ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعلیم اور اقامت دین و احیاء شریعت کیلئے

جد و جہد کا درجہ اور اجر یکسوئی کے ساتھ نفلی عبادات و قربات اور ذکر و مراقبہ ہی میں منہمک و مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے ـــــ لیکن "قرب بالفرائض" کی ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور "قرب بالنوافل" کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کاموں میں اشتغال اخلاص و احتساب اور خشیت و انابت کی صفت کے ساتھ ہو اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ دھوپ اور جد و جہد ایک بے روح عامیانہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے (اعاذنا اللہ من ذالک) اور ان اوصاف (اخلاص و احتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادی ذریعہ ان اوصاف والوں کی صحبت و رفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکر و فکر کی کثرت ہے۔ ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص و احسان جیسی کیفیات کا پیدا ہونا اگرچہ عقلاً نا ممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

ضروری استدراک:

اوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ "قرب بالنوافل" کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی یا غیر فرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا، ہزار بار حاشا!! ۔ ہماری گزارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ "قرب بالفرائض" کا راستہ قابل ترجیح اور افضل ہے، اور خصوصاً ہمارے اس زمانے کے حالات اور دینی ضروریات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کو اختیار کریں۔ اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔

نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ فی زمانہ ماحول کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر طبیعتوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ کچھ مدت یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر کے بغیر ان پر اخلاص و احسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا، سو ایسے حضرات کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور پر کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن مطمح نظر دین کی خدمت و نصرت ہی کے مشاغل ہوں کیونکہ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف کوئی نہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت و تبلیغ اور عوامی تعلیم و تربیت کا یہ کام جس کی طرف اس مضمون میں ہم نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے۔ اس سے ہماری مراد خاص متعارف وعظ گوئی نہیں ہے جس کے لیے علم دین کا

ایک خاص مقدار ضروری ہے، بلکہ حقیقت دین سے نا آشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم و تلقین کرنا اور اس درجہ کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی کام ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔

عن الحسن مرسلا۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلین کانا فی بنی اسرائیل، احدھما کان عالما یصلی المکتوبۃ ثم یجلس فیعلم الناس الخیر والاخر یصوم النھار و یقوم اللیل ایھما افضل؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل ھذا العالم الذی یصلی المکتوبۃ ثم یجلس فیعلم الناس الخیر علی العابد الذی یصوم النھار و یقوم اللیل کفضلی علی ادناکم۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ)

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت سوال کیا جن میں سے ایک دین کا جاننے والا تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز پڑھتا۔ اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو دین کی باتیں بتاتا اور سکھاتا اور دوسرا ہمیشہ دن کو روزے رکھتا اور رات بھر نوافل پڑھتا تھا (حضورؐ سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص جو فرائض ادا کرتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو دین کی باتیں بتلاتا اور سکھاتا تھا۔ اس قائم اللیل صائم النہار عابد کے مقابلہ میں ایسی فضیلت رکھتا ہے، جیسی کہ تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضورؐ کے جواب میں جو تمثیل ہے، یہ مقدار فضیلت میں نہیں ہے بلکہ فضیلت کی نوعیت میں تمثیل و تشبیہ ہے۔ فلا یغرنکم باللہ الغرور۔

مُحدّثِ کبیر علّامہ

محمد بدر الدین حسنیؒ

مُراکشی ثمّ دمشقی

مولانا عتیق احمد قاسمی

مخدوم گرامی مولانا سید ابو الحسن علی حسنی دامت برکاتہ کی ایما پر یہ مضمون مرتب کیا گیا ہے اس مضمون کی تمام تر بنیاد شیخ محمد ریاض المالح کی کتاب "عالم الامۃ وزاھد العصر" پر ہے، جو علامہ بدر الدین حسنیؒ کی نا تمام سوانح اور ان پر سوانحی مضامین کا مجموعہ ہے، اس مضمون کی ساری معلومات مذکورہ بالا کتاب سے حاصل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں بعض دوسری کتابوں حلیۃ البشر۔ الاعلام وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ______ عتیق احمد

اس مضمون میں ایک ایسی نادرۂ روزگار شخصیت کا تذکرہ مقصود ہے جو چودھویں صدی ہجری کے مشاہیر میں ہیں لیکن ان کے حالات سن کر قرون اولیٰ کی کسی بلند پایہ شخصیت کا دھوکہ ہونے لگتا ہے۔ وہ بہشت پہل شخصیت محدث دوراں علامہ بدر الدین حسنیؒ کی تھی علم و فضل، زہد و تقویٰ، اخلاص و ایثار میں بمشکل ہی ان کی مثال ملے گی۔

نام و نسب اور تعلیم

[illegible]

بن عبدالرحمٰن ۔ موصوف مراکش کے حسنی سادات میں سے تھے ۔ یہ خاندان ہمیشہ مراکش کا سربرآوردہ صاحب فضل و کمال خاندان رہا۔ آپ کے دادا علامہ بدرالدین حسنی اپنے دور کے ممتاز صاحب علم و تقوی بزرگ تھے اور والد ماجد علامہ کبیر شیخ یوسف چوٹی کے علماء و مشائخ میں شمار ہوتے تھے ۔ شیخ یوسف حسنی نے جامعہ زیتونیہ (تونس) اور جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی ، ان کی تصنیفات ، ان کے فضل و کمال ، تبحر علمی اور وسعت نظر کا پتہ دیتی ہیں ۔ شیخ بدرالدین حسنیؒ کی والدہ کا نام عائشہ تھا ۔ بہت دیندار ۔ پاکباز ۔ با کمال خاتون تھیں ، دمشق کے خانوادۂ آل کریزی سے ان کا نسبی تعلق تھا ۔ آل کریزی دمشق کا بڑا قدیم صاحب سیادت و شرافت خانوادہ تھا جس نے کم و بیش دو سو سال تک شام میں علم حدیث کا جھنڈا بلند رکھا ۔

دمشق میں دارالحدیث الاشرفیہ کے قریب ایک مکان میں علامہ بدرالدین حسنیؒ کے والد ماجد علامہ یوسف حسنیؒ کی رہائش تھی ۔ اسی مکان میں ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) میں علامہ یوسفؒ کے یہاں ملت اسلامیہ کا یہ بدر منیر طلوع ہوا جس نے ایک عالم کو منور کیا ، انھوں نے اپنی پارسا ماں کی گود میں پرورش پائی ۔ والد ماجد کے فیض تربیت سے بچپن ہی سے تحصیل علوم اور عبادت و ریاضت کا ذوق پیدا ہو گیا ۔ بہت کم عمری میں قرآن حفظ کر لیا ۔ اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ، مختلف علوم و فنون کے متداول متون حفظ کر لیے ، باری تعالیٰ نے انھیں بلا کا حافظہ اور خارق عادت ذہانت سے نوازا تھا ، اس لیے تعلیم میں برق رفتار ترقی کی ۔ صرف بارہ سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ، باہمت اور صاحب عزیمت ماں نے ہر طرح کی مشقت جھیل کر علامہ بدرالدین حسنی اور ان کے حقیقی بھائی احمد بہاؤالدین حسنی کی اعلیٰ تعلیم جاری رکھی ، علامہ بدرالدین حسنی کا حافظہ ضرب المثل تھا ۔ انھوں نے کل بارہ سال کی عمر میں مختلف علوم و فنون کے بارہ ہزار اشعار حفظ کر لئے تھے ۔ شام کے نامور علماء سے انھوں نے تعلیم حاصل کی ۔ تمام اساتذہ و مشائخ اس نوجوان کی ذکاوت و ذہانت ، شرافت و نجابت ، زہد و تقویٰ اور حیرت انگیز قوت حافظہ کے بہت مداح تھے ۔ چودہ سال کی عمر میں انھوں نے تمام علوم میں [illegible]

اور اجازت حاصل کرلی۔ اس دور کے ممتاز مشائخ و محدثین سے سند و اجازت حاصل کی۔

تصنیف و تالیف

تعلیم کی تکمیل کے بعد انھوں نے بالکل نوعمری میں اپنی تصنیفی اور تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیس سال عمر ہونے سے پہلے ہی ان کی تصنیفات کی تعداد چالیس تک ہو گئی تھی۔ علامہ بدرالدین حسنی بہت اخفاء حال اور کتمان فضل و کمال اس قدر تھا کہ شاگردوں اور قدردانوں کے اصرار کے باوجود اپنی قلمی کاوشیں شائع کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اس لئے ان کی اکثر تحریریں شائع نہ ہو سکیں۔ ان کی اجازت کے بغیر مصر میں ان کا رسالہ "شرح غزالی صحیح" شائع کر دیا گیا، تو ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ سارے نسخے جمع کر کے چھپا دیئے جائیں۔ اسی لئے زرکلی کو تلاش بسیار کے باوجود ان کے صرف دو مطبوعہ رسالے مل سکے۔ ان کی اکثر تصنیفات شکل درسی کتابوں پر شرح یا حاشیہ کی شکل میں ہیں۔ بخاری۔ جلالین۔ الشفا للقاضی عیاض۔ نخبۃ الفکر۔ عقائد نسفی و شرح المطوالع۔ السنوسیۃ الکبریٰ۔ شذور الذھب۔ شرح جامی۔ قطر الندی۔ مغنی اللبیب۔ قطبی۔ سلم العلوم۔ مطول وغیرہ پر انھوں نے شروح یا حاشے مرتب فرمائے۔

تدریسی زندگی

محدث کبیر علامہ بدرالدین حسنیؒ کی زندگی کی شاہ کلید ان کا معلمانہ ذوق و مزاج اور مدرسانہ جانفشانی و دلسوزی ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سے زندگی کے آخری لمحات تک انھوں نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ذکر و فکر عبادت و ریاضت کے بعد جو وقت بچتا اسے اسی مقدس مشغلہ میں صرف کرتے۔ ان کے کشور فضل و کمال میں تفسیر حدیث، فقہ سے لیکر منطق، فلسفہ، حساب، فلکیات تک سارے علوم و فنون شامل تھے۔

بیس سال سے بھی کم عمر میں انھوں نے جامع اموی دمشق میں صرف و نحو، بلاغت حدیث و فقہ کا درس شروع کیا۔ انھیں بشکل ہی منہ لیا تھیں یا اس سلسلے تک کے

تفسیر درس دیا کرتے تھے۔ بڑے بلند بانگ، خوش آواز تھے۔ بہت جلد آپ کی محفلِ درس میں طلبہ کا ہجوم ہونے لگا۔ دوسرے اساتذہ و شیوخ کے شاگرد بھی ٹوٹ ٹوٹ کر آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اس صورتِ حال سے دوسرے اساتذہ و شیوخ فکرمند اور دل گیر ہیں تو درس موقوف فرما دیا۔ اور اپنے حجرہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ پورے سات سال خلوت کدے میں گزار دیے۔ اس دوران عبادت و ریاضت کے علاوہ تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہے۔ اپنے کو فنِ حدیث کے لئے وقف کر دیا۔ سات سال کی محنت و جانفشانی سے علمِ حدیث میں یکتائے زمانہ اور فخرِ روزگار ہو گئے۔

سات سالہ خلوت نشینی کے بعد علامہ بدرالدین نے جامع سادات میں بخاری کا درس شروع کیا۔ اس درس کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ حاضرین کی کثرت کی وجہ سے جامع سادات تنگ محسوس ہونے لگی، تو جگہ بدل دی گئی۔ اور جامع سنان پاشا میں جمعہ و دوشنبہ کی راتوں میں یہ درس ہونے لگا۔ اتنا کثیر مجمع ہونے لگا کہ جامع سنان پاشا اور اس سے ملحق عمارتیں کھچاکھچ بھر جاتیں۔ اسی لئے لوگ مغرب سے پہلے ہی پہونچ کر اپنی جگہ محفوظ کر لیتے۔ اس کے علاوہ علامہ بدرالدین حسنیؒ کا خصوصی درس ان کی قیامگاہ پر جاری رہتا۔ مختلف علوم و فنون کے منتہی طلبہ مشکل کتابیں آپ سے پڑھتے۔ ایک جماعت کے فارغ ہوتے ہی دوسری جماعت حاضر ہو جاتی۔ موصوف اپنے مکان پر تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی دقیق اور بلند پایہ کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ان کا نظریہ تھا کہ مشکل اور دقیق کتابیں پڑھنے سے بلند ہمتی پیدا ہوتی ہے، اشکالات و شبہات دور کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے فکر و نظر، فہم و فراست کے ملکات پروان چڑھتے ہیں۔ کتبِ حدیث کے علاوہ تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، تفسیر نیشاپوری، جمع الجوامع، احیاء العلوم، رسالہ قشیریہ، شرح عقائد نسفی، ہدایہ، فتح القدیر، التحریر لابن ہمام، شرح مسلم الثبوت، حواشی تلویح، مطول، قطبی، خیالی [illegible] علم و فن کی بلند پایہ، مشکل ترین کتابیں ان کے زیرِ درس تھیں، بہت سی کتابیں [illegible] کے نصابِ درس میں شامل نہیں تھیں، [illegible]

نے قسطنطنیہ وغیرہ کے تاجروں سے منگوا کر داخل درس کیں، اس کے بعد وہ کتابیں نصاب درس کا جزو بن گئیں۔ ان کے درس میں عالم اسلام کے دور دراز کے علاقوں (افغانستان داغستان، ترکستان وغیرہ) کے طلبہ بھی شریک ہوتے۔

تدریس کا نقطۂ عروج

سنہ ۱۲۹۸ھ سے علامہ بدرالدین حسنیؒ کی تدریسی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا جب وہ آسمان علم و فضل کے بدر کامل بن کر چمکے، اور چمکتے ہی رہے، جامع اموی دمشق میں قبۃ النسر کے نیچے نماز جمعہ کے بعد کوئی ایسا محدث درس دیا کرتا تھا جس کی جلالت شان اور فضل و کمال پر عالم اسلام کا اتفاق ہوتا۔ یہ سلسلہ عرصہ دراز سے جاری تھا، کسی محدث کا قبۃ النسر کی مسند پر درس دینے کے لئے انتخاب اس کے عروج کا انتہائی نقطہ تصور کیا جاتا تھا، شیخ عبدالرزاق بیطار نے "حلیۃ البشر فی اعیان القرن الثالث عشر" کی جلد اول میں ان محدثین کی فہرست پیش کی ہے، جنھوں نے اس مسند کو رونق بخشی۔ علامہ بہجۃ البیطار حلیۃ البشر کی تعلیقات میں لکھتے ہیں "جامع اموی میں قبۃ النسر کے نیچے دمشق کا سب سے بڑا عالم درس دیا کرتا تھا۔ آخری دور میں بجا طور پر وارث الائمۃ الاعلام، خاتم المحدثین شیخ بدرالدین حسنی (متوفی سنہ ۱۳۵۴ھ) نے اس مسند کو رونق بخشی، لیکن ان کے بعد قبۃ النسر کی مسند پر کوئی ایسی شخصیت جلوہ افروز نہیں ہوئی جو علم و عمل میں ان بزرگوں کے جانشین ہو"

سنہ ۱۲۹۵ھ میں علامہ بدرالدین حسنیؒ سے قبۃ النسر کی مسند پر درس حدیث کی پیشکش کی گئی انھوں نے منظور فرما کر درس کا آغاز کیا، غیر معمولی مجمع تھا، شہر کے ممتاز ترین علماء و مشائخ عمائدین، گورنر شام و عراق مدحت پاشا اور اس کے متعلقین بھی درس میں شریک ہوئے، حاضرین کی کثرت سے جامع اموی تنگ محسوس ہونے لگی، شیخ بدرالدین نے خطبہ مسنونہ کے بعد بخاری کی پہلی حدیث سند کے ساتھ پڑھی، اس کے بعد علم حدیث کی تاریخ، عظمت و اہمیت پر بڑی زبردست تقریر کی۔ دوران درس ادنیٰ مناسبت سے متعدد علوم کے اہم

مسائل پر روشنی ڈالی۔ حاضرین مجلس ان کی فصاحت و بلاغت، وفور علم، دقت نظر اور خارق عادت یاد داشت سے دم بخود رہتے، رقت انگیز دعا پر عصر کے قریب یہ مجلس درس ختم ہوتی اس کے بعد زندگی کے آخری ایام تک کم و بیش ۷۰ سال تک انھوں نے محققانہ اور محدثانہ طرز پر جامع اموی میں پابندی کے ساتھ حدیث کا درس دیا۔ اس طویل مدت میں دمشق کی سرزمین نے زبردست انقلابات دیکھے۔ دمشق پر ہر طرح کے حالات کی یورش ہوئی، لیکن کبھی بھی علامہ بدرالدین حسنی کا درس متاثر نہیں ہوا۔ یہ درس خالص فنی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں امت مسلمہ کی رہنمائی کا پورا سامان ہوتا تھا۔ معاشرہ کے پوشیدہ امراض کی نشاندہی اور ان کا علاج ہوتا تھا۔ حاکم و محکوم دونوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی جاتی تھیں۔ علماء و محدثین سے لے کر کاشتکار اور مزدور تک امت کا ہر طبقہ اس درس میں شریک ہوتا۔ اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہر شخص علم و دین کے جواہر پارے سمیٹتا ——————— (باقی آئندہ)

Regd No. LW/NP-62

Monthly AL-FURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow 226018

VOL 54 NO 2 FEBRUARY, 1986 Phone: 45547

الفرقان لکھنؤ

Mar & April

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۲۵/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۶۰/-
بنگلہ دیش سے ہندوستانی سکہ
میں ۳۰/-

اس شترک شمارہ کی قیمت ۵/-

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۶۰ روپے
(۴ پاونڈ یا ۲۰ ریال)
ہوائی ڈاک سے ۱۲۵/- روپے
(۹ پاونڈ، ۴۵ ریال، ۱۵ ڈالر)

جلد (۵۴) | بابتہ مارچ اپریل ۱۹۸۶ء مطابق رجب شعبان ۱۴۰۶ھ | شمارہ ۳-۴

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اسکا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیئے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی۔ پی روانہ کیا جائے گا۔ **نمبر خریداری:۔** براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں۔ جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اگر دوبارہ بھیجنے کیلئے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائیگا۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۵۰ روپئے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعے دفتر الفرقان کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۶۰ روپئے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱- نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ اولین

مدیر

[گذشتہ شمارے کے ان صفحات میں ایک گفتگو پیش کی گئی تھی جو ناچیز مدیر الفرقان اور چند نوجوان بھائیوں کے درمیان ایرانی انقلاب کے بارے میں ہوئی تھی، اسی گفتگو کا بقیہ حصہ اس اشاعت میں پیش خدمت کیا جا رہا ہے]

میں نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے اس کا تعلق ایرانی انقلاب کی دینی بنیادوں اور اس کے قائدین کے مذہبی افکار و عقائد سے تھا، ایک اور پہلو ہے جو اہمیت کے لحاظ سے اس سے کسی طرح کم نہیں، اب تک کم از کم ہماری طرف سے اس پہلو کے بارے میں زیادہ کھل کر کچھ نہیں کہا گیا ہے اگرچہ اہمیت کے لحاظ سے وہ پہلو بھی کچھ کم نہیں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے اس پہلو کا مختصر ہی سہی، ذکر کر دوں۔

دنیا کے اسٹیج پر اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس کے لئے کم از کم میری دانست میں سب سے بہتر لفظ "ڈرامہ" ہے۔ اس ڈرامے کے دو مرکزی ہیرو یا اداکار ہیں۔ ایک کا نام امریکہ اور دوسرے کا روس ہے، دنیا کے کروڑوں انسان جب ان دونوں کو لڑتے ہوئے، ٹکراتے ہوئے ایک دوسرے کی دھمکیوں کا جواب دیتے ہوئے یا باہم ملتے ہوئے اور مذاکرات کرتے ہوئے دیکھتے اور سنتے یا پڑھتے ہیں، تو ان کی حالت ان بچوں کی مانند ہو جاتی ہے جو کسی تماشے کے دو کرداروں کی زور آزمائی بڑی سنجیدگی کے ساتھ بلکہ دم سادھے ڈرے سہمے دیکھتے رہتے ہیں اور اپنے بھولے پن کی وجہ سے

بہت اثر بھی لیتے ہیں اور اس حقیقت سے بالکل غافل رہتے ہیں کہ یہ سب مصنوعی اداکاریاں ہیں جو ہدایت کار کی ہدایتوں کے مطابق انجام دی جارہی ہیں۔ وہ لوگ جو حالات و واقعات اور ان کے پیچھے کام کرنے والے خفیہ ہاتھوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں "امریکہ اور روس" ایک ہی ہدایت کار کے اشاروں اور ہدایات پر صرف اپنے اپنے رول ادا کر رہے ہیں۔ وہ ہدایت کار ہے "عالمی صہیونیت" جو ہمارے زمانہ کی سب سے زیادہ طاقت ور خفیہ تحریک ہے۔

صہیونیت کا تعارف کرانے کے لئے میں مختصراً عرض کر دوں کہ یہودیوں کا ہمیشہ سے یہ زعم رہا ہے کہ وہ خدا کی واحد پسندیدہ نسل ہیں اور دنیا پر حکومت، اور کائنات میں پھیلے ہوئے وسائل سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف ان کو ہے۔ اسی لئے پوری دنیا پر قبضہ اور ان قوموں سے انتقام جنہوں نے ماضی میں ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہونے دی۔ ان کی واحد آرزو ہے اٹھارویں صدی عیسوی میں یہودیوں نے اپنی خفیہ تنظیم نو کا کام شروع کیا اور تیزی کیساتھ اس تنظیم کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ اقتصادیات، سیاسیات اور تعلیم۔ ان تینوں شعبوں میں دنیا پر ان کی گرفت خاصی مضبوط ہو چکی ہے۔ متعدد کتابوں اور دستاویزی حوالوں کے مطالعہ کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ عالمی صہیونیت کے پیش نظر صرف بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے منصوبہ کے مطابق فلسطین کی حیثیت اس کی عالمی حکومت کے پایۂ تخت کی ہے ــــ فلسطین میں اپنے قدم جما لینے اور وہاں اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے بعد اب صہیونیت کا رخ جزیرۂ عرب کی طرف ہے ــــ یہودی کھلم کھلا مدینہ منورہ اور خیبر کو اپنا آبائی وطن قرار دیتے ہیں اور اسے واپس لینے کی باتیں کرتے ہیں۔ جزیرۂ عرب پر قبضہ کی تمنا کے پیچھے اگر اسلام سے انتقام اور مرکز اسلام پر تسلط کی خواہش کے علاوہ خلیج عربی میں موجود طاقت اور انرجی کے وسائل پر تسلط کا جذبہ بھی کارفرما ہو تو بعید از قیاس نہیں۔

جو لوگ یہودی مزاج اور صہیونیت کے طریق عمل سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ زیر زمین دوز کارروائیوں اور ایک تیر سے کئی شکار کرنے میں انھیں ہمیشہ سے خصوصی مہارت اور

دلچسپی رہی ہے۔ خلیج عربی اور جزیرۃ عرب پر قبضہ کرنے کے لئے صہیونی نقشۂ جنگ اس طرز عمل کی تازہ ترین اور واضح ترین مثال ہے۔ صہیونی قیادت نے، مختلف مصلحتوں کے تحت، ایک طرف تو یہ بہتر سمجھا کہ خلیج عربی اور جزیرہ عرب پر قبضہ کے لئے وہ خود جنگ کے میدان میں آگے نہ ہوں بلکہ اس کے لئے اس خطے کی کسی ایسی طاقت کو کھڑا کریں جو ان کی یہ خدمت بحسن وخوبی انجام دے سکے — دوسری طرف انھیں علاقے کے اندر ایسی طویل جنگ برپا کرنی تھی جو خلیجی اور عرب ممالک کو اقتصادی طور پر بدحال کر دے، اس طویل جنگ میں اگر ایک فریق وہ خود ہوتے تو ان کے لئے یہ مضر زیادہ مفید کم ہوتا، عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کی اقتصادی حالت پر جنگ کے تباہ کن اثرات کا وہ تجربہ کر چکے تھے۔ اس کے لئے انھیں ایک ایسی طاقت کی تلاش تھی جس کی اپنی عداوتوں کا نشانہ یہی خلیجی ممالک ہوں۔

صہیونی قیادت کے لئے ایک مسئلہ اور پریشان کن تھا، وہ یہ کہ پوری دنیا، اور خصوصاً امریکہ و یورپ میں سکون قلب، ذہنی و روحانی اطمینان اور پاکیزہ معاشرتی زندگی سے محروم انسانوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان قابل لحاظ رفتار سے بڑھ رہا تھا اور خود امت مسلمہ کے اندر اسلام کی طرف واپسی اور اس سے قلبی و عملی وابستگی کا رجحان بھی زور پکڑ رہا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں علامتیں صہیونیت کے لئے ناقابل برداشت حد تک تکلیف دہ ہیں۔ بیرونی و خارجی محاذ پر اس مسئلہ کا حل ان کے نزدیک یہی تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی ایسی خونخوار اور دہشتناک اور نفرت انگیز تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جائے کہ کوئی بھی شریف آدمی دیکھتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے اور داخلی محاذ پر ایسی تحریک برپا کروائی جائے جو اپنے اسلامی لیبل اور پرکشش نعروں سے امت مسلمہ کی بڑی سے بڑی تعداد، خصوصاً نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچ لے تاکہ ان کی تشنگی بھی دور ہو اور مسخ شدہ اسلام کی حامل تحریک میں لگ کر ان کے جذبات صحیح رخ پر استعمال ہونے کے بجائے اس طرح ضائع ہوں کہ انھیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ ان سب منصوبوں کی تکمیل کے لئے صہیونیت کی نظر انتخاب ایرانی قوم اور آیۃ اللہ خمینی پر پڑی — اور واقعہ یہ ہے کہ تفصیلات سے واقف ہر شخص اس انتخاب کی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ

ایرانی قوم صدیوں سے عربوں کی دشمنی اور حسد و انتقام کی آگ میں جل رہی ہے — نسلی عصبیت اور مذہبی عداوت کا دو آتشہ اسے بے چین و بے قرار کئے ہوئے ہے، اور چونکہ حرمین شریفین پر قبضہ ایرانیوں کی دیرینہ تمنا ہی نہیں۔ مذہب شیعہ کی رو سے ان کا مذہبی فریضہ بھی ہے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی اُن کے لئے آسان ہے اس لئے صہیونی منصوبہ کی تکمیل کے لئے ایرانی قوم سے زیادہ بہتر کوئی اور قوم نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسری طرف ایرانی قوم اپنے ظالم فرمانروا رضا شاہ پہلوی کے ظلم و جبر سے تنگ آ گئی تھی۔ اور "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق بس بگل بجائے جانے کی منتظر تھی — یہ بات بھی آپ کے علم میں ہو گی کہ ایرانی قوم مزاجی و طبعی طور پر مذہبی قوم ہے اور اپنے علماء (مجتہدین) کے ساتھ عقیدتمندانہ وابستگی کے اعتبار سے شاید ہی کوئی اور قوم اس کی برابری کر سکے (اس کے اسباب بھی معلوم اور متعین ہیں۔ البتہ اس وقت ان کی تشریح کا وقت نہیں)۔ اسی وجہ سے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایرانی قوم صرف مذہبی جھنڈے تلے اور خالصۃً مذہبی قیادت کے ماتحت ہی مجتمع ہو سکتی تھی، اس کے لئے ان کی نظر انتخاب آیۃ اللہ خمینی پر پڑی جو شاہ کے سخت مخالفوں میں سے تھے اور ایک ایسا نظریہ اپنی عراق میں جلا وطنی کے زمانہ میں پیش کر چکے تھے جسکی رو سے "امام غائب کی غیبوبت کبریٰ کے زمانہ میں علماء و مجتہدین کی ذمہ داری ہے کہ نائب امام کی حیثیت سے وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں۔ نیز جب بھی کوئی شیعہ مجتہد اس کوشش کے لئے کھڑا ہو جائے تو پوری قوم پر اسکی اسی درجہ کی اطاعت فرض ہو گی جس درجہ کی اطاعت خدا کے رسول اور ان کے جانشین امیرالمومنین علیؓ کی ضروری تھی۔"

جس زمانہ میں حالات کا رخ پلٹا ہے اس زمانہ میں خمینی صاحب فرانس میں مقیم تھے — وہیں سے انھوں نے اس جنگ میں حصہ لینا شروع کیا اور تھوڑی ہی مدت میں ایران میں شاہ کی حکومت کے مخالفوں اور باغیوں کے مختلف گروہوں نے ان کی قیادت قبول کر لی[1] اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تقریروں کے کیسٹ، اور ان کے خفیہ پیغامات سے ایران گونج اٹھا، اور انکی شخصیت ایران کے افق پر چھا گئی۔

---

[1] خمینی صاحب کے بعض قریبی ساتھیوں کا خیال ہے کہ ان کی قیادت پر اس اتفاق رائے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عام طور پر لوگوں کو توقع تھی کہ خمینی صاحب اقتدار صرف اپنے ہاتھ میں نہیں رکھیں گے۔ ملاحظہ ہو — الثورۃ البائسۃ۔ ڈاکٹر موسیٰ موسوی۔

اُدھر امریکہ میں صدر کارٹر کا دور شروع ہوا، انھوں نے شاہ پر زور دینا شروع کیا کہ وہ عوامی مخالفت کو طاقت کے بل پر نہ کچلیں، بلکہ قدرے نرم رویہ اختیار کریں[1] شاہ کے پاس اس حکم کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا انھوں نے رسی ذرا ڈھیلی کر دی۔ ایرانی عوام اس نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے۔ جو لوگ اس زمانہ میں حالات کا قریبی جائزہ لے رہے تھے وہ جانتے ہیں کہ بی بی سی لندن (جو صہیونیت کا اہم ترین نشریاتی ذریعہ ہے) نے فارسی نشریوں کے ذریعہ کس طرح اس آگ کو مزید ہوا دی، خمینی کے پیغامات اور تقریریں ان نشریوں سے نشر ہوتی تھیں۔ ادھر فرانس خمینی کی حفاظت اور ان کے عملے کے لئے ہر ممکن سہولت فراہم کر رہا تھا، روس بھی" ایران کے مظلوم عوام کی حمایت میں اور امریکی سامراج کے خلاف" بڑھ چڑھ کر نعرے لگا رہا تھا، اور شاید آپ کو یہ جان کر تعجب ہو کہ اسی زمانہ میں امریکی حکومت کے کئی نمائندے جن میں آر، کلارک R. CLARC (سابق وزیر قانون) کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، خمینی سے مذاکرات کر رہے تھے — علاوہ ازیں، خمینی کے اس زمانہ کے سب سے قریبی ساتھی اور دست راست ڈاکٹر ابراہیم یزدی' جو انقلاب کے بعد پہلی حکومت کے نائب وزیر اعظم اور بعد میں وزیر خارجہ بنے، امریکی شہری اور بہت سے لوگوں کی معلومات کے مطابق "سی' آئی' اے" کے ایجنٹ تھے۔ یہی بات ان کے دو ساتھیوں امیر انتظام جو حکومت کے ترجمان کے منصب پر فائز تھے اور ڈاکٹر چمران جو وزیر دفاع تھے' کے بارے میں کہی جاتی ہے۔ بہر حال ان تمام "اسلام دوست" طاقتوں کی حمایت میں "خمینی صاحب" پیرس سے اڑ کر طہران کے ہوائی اڈے پر بڑی فاتحانہ شان کے ساتھ اترے، اور ساری دنیا ان کے "قدوم میمنت لزوم" پر ایران کے بھولے بھالے عوام کے جوش و خروش سے مبہوت ہو کر رہ گئی۔ ایران میں اسلامی جمہوریہ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا، جس کو سب سے پہلے جن حکومتوں نے تسلیم کیا ان میں امریکہ اور روس دونوں "اسلام دوست" حکومتیں بھی ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ بات طویل ہوتی جا رہی ہے۔ اب کافی دیر بھی ہو چکی ہے — تاہم میں اپنا یہ احساس زیادہ واضح الفاظ میں آپ کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں کہ ہم آپ جس

---

[1] یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکی صدارتی انتخاب میں شاہ ایران نے صدر کارٹر کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔

دور میں جی رہے ہیں وہ گذشتہ دور کی طرح سادہ دور نہیں ہے۔ حقیقت کو نگاہوں سے مخفی رکھنے، آنکھوں میں دھول جھونکنے، نہایت مکروہ اور ناپاک شئے پر دلکش اور پاکیزہ و خوش رنگ غلاف چڑھانے اور پروپیگنڈے کی طاقت کو ساحرانہ فنکاری کے ساتھ استعمال کرکے حقائق کو الٹ پلٹ کر دینے، اور معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا کر لوگوں کی عقلوں کو مسخر کر لینے کے "دجّالی کام" جس انہماک اور مہارت کے ساتھ اس دور میں کئے جا رہے ہیں۔ اس نے اس دور کو پہیلیوں والا زمانہ (PUZZLED AGE) بنا دیا ہے۔ اس دور میں تحریکوں، انقلابوں، لیڈروں اور افکار و خیالات کی حقیقت ہزاروں تہوں کے نیچے چھپی ہوئی ہوتی ہے اور لوگوں کی اکثریت ان تہوں ہی میں اٹک کر رہ جاتی ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو ان سب تہوں کو پار کرکے حقیقت تک پہنچ پاتے ہیں۔

میں نے ابھی ایک لفظ استعمال کیا ہے، "دجّالی کام!" یہ لفظ میں نے سرسری طور پر نہیں استعمال کیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے مزاج اور اس صدی کے خصوصی امتیاز کو بیان کرنے کے لئے دجل سے بہتر کوئی اور لفظ کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ دجل کے معنی ہیں خلط ملط کر دینا، دوسروں کو دھوکے میں ڈال دینا اور ملمع سازی کرکے باطل کو حق بنا کر پیش کرنا۔ پورے شرح صدر کے ساتھ میں عرض کرتا ہوں کہ موجودہ تہذیب اور دنیا پر آج کل مسلط طاقتوں کے مقاصد، طرزِ عمل اور مزاج کو صحیح طور پر سمجھ لینے سے "دجالی فتنہ" کی حقیقت کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس سے حفاظت کے لئے ضروری تدابیر بھی سمجھ میں آجاتی ہیں ہیں ــــ مجھے رہ رہ کر یہ خیال بھی آتا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے زمانہ کی خصوصیات اور بڑے بڑے فتنوں سے جس امت کو آگاہ فرمانے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی اور پھر ان فتنوں سے حفاظت کی تدبیریں بھی آپؐ نے اور قرآن مجید نے واضح طور پر بیان فرمائیں اسی امت کے عوام کا تو کیا ذکر خواص بھی جس طرح کی باتیں کر رہے ہیں، حالات کا جو تجزیہ کر رہے ہیں اور اصلاح کی جو کوششیں کر رہے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان حالات ملکے اسباب اور ان کی اصلاح کی تدبیروں کے سلسلہ میں جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب اور اپنے آخری رسولؐ کے ذریعہ دی تھیں ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے

اور ان پر کما حقہٗ غور کئے بغیر جو سمجھ میں آرہا ہے کیا جارہا ہے ۔

یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئی ! میں تو اس دور کی اس دجالیت کے متعلق عرض کر رہا تھا جس کی بنا پر دنیا میں ہونے والے واقعات پر صحیح تبصرہ یا ان کا صحیح تجزیہ مشکل ترین کام ہوگیا ہے ۔ ہر حقیقت پر پردے ہی اتنے ڈال دیئے جاتے ہیں کہ عام آدمی اگر حقیقت تک نہ پہنچ سکے تو اس میں کم سے کم حیرت کی کوئی بات نہیں ۔ اور عجیب بات یہ کہ نشر و اشاعت کے روز افزوں ذرائع اور گلی گلی نکلنے والے اخبارات و رسائل اور اطلاعات کے دوسرے ذرائع کی وجہ سے چونکہ جس خبر کو جس انداز سے لوگوں تک پہونچا دیا جاتا ہے وہ اسی انداز سے آناً فاناً پہنچ جاتی ہے اور پھر سب سے زیادہ آسان، سرسری اور سطحی جس کام کو سمجھا جاتا ہے وہ ہے اس پر تبصرہ کرنا، واقعات کا تجزیہ کرنا، اور فوری طور پر ایک رائے قائم کرلینا ۔

آپ حضرات کی دلچسپی دیکھ کر میں اس بات کو جسے میں بہت ہی اہم سمجھتا ہوں اس حد تک آپکے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں کہ کم از کم آپ یہاں سے جائیں تو کچھ نئے سوالات اور غور و فکر کے لئے کچھ نئے موضوعات لے کر جائیں ۔ میں اپنے اس معروضہ کی ایک مثال کے طور پر روس میں اسی صدی کے شروع میں آنے والے کمیونسٹ انقلاب کو پیش کرتا ہوں ــــ اس انقلاب سے پہلے اور بعد اسکے تعارف میں یہی کہا گیا کہ اس کا مقصد محنت کش طبقہ، مزدوروں اور غریب عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنا، اور مذہب کے نام پر قائم توہم پرستیوں اور جہالتوں کو مٹا کر عام انسانوں کو آزادئ رائے اور علم و عقل کی روشنی دینا ہے ۔ سرمایہ داری اور خدا پرستی و مذہبیت ان دونوں کو دنیا کی تمام مصیبتوں کا اصل سبب بتایا گیا، اور ان دونوں کے خلاف جہاد اور اشتراکیت (Socialism) اور شیوعیت (Communism) کا قیام انقلاب کا اصل مقصد بتایا گیا ۔ اور اسی بے مثال پروپیگنڈے کا یہ نتیجہ ہے کہ پوری دنیا اس انقلاب کے بارے میں اور روسی قیادت کے عزائم کے بارے میں جو بھی رائے (مثبت یا منفی) قائم کرتی ہے وہ اسی پروپیگنڈے کے مطابق اور اسی مزعومہ بات کو بنیادی طور پر صحیح تسلیم کرکے کہ

انقلاب روس کے مقاصد وہی ہیں جو بتائے جاتے ہیں۔ اب جو لوگ ان مقاصد سے ذوقی و مزاجی مناسبت محسوس کرتے ہیں وہ ان مقاصد ہی کے نام پر انقلاب روس کی حمایت بسا اوقات بڑے خلوص اور جوش سے کرتے ہیں، اور جو لوگ اشتراکیت اور شیوعیت کو غلط، اور علمی و منطقی طور پر گمراہ کن، بے سود اور مضر سمجھتے ہیں۔ وہ دلائل کے ذریعہ ان کے مقابلہ کی مخلصانہ کوششیں کرتے ہیں اور اس طرح تمام لوگوں کی حمایت کرنے والوں اور مخالفت کرنے والوں سب کی توجہ کا مرکز مثبت اور منفی کے فرق کے ساتھ اشتراکیت اور شیوعیت کے فلسفے اور نظامہائے زندگی ہی بنے رہتے ہیں ـــــ حالانکہ ـــــ اپنی معلومات اور مطالعہ کی روشنی میں میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روسی انقلاب خالصۃً یہودیوں کا برپا کردہ انقلاب ہے اور اسکی حقیقت عالمی صہیونیت کے منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں ایک قدم کے سوا کچھ نہیں .....

یقیناً یہ دعویٰ معمولی دعویٰ نہیں ہے ـــــ اس کے لئے دلائل کی ضرورت ہے اور الحمدللہ کہ میرے پاس وہ دلائل موجود بھی ہیں لیکن اس وقت اگر میں نے وہ دلائل پیش کرنا شروع کر دیئے تو سارا وقت اسی میں نکل جائے گا اور مجھے جو کچھ ایرانی انقلاب کے بارے میں کہنا ہے وہ رہ جائے گا ـــــ اس لئے میں صرف اسی کھلی ہوئی بات کی طرف اشارہ پر اکتفا کروں گا کہ "تیسری دنیا" بالخصوص عالم اسلام کے ساتھ امریکہ اور روس دونوں کا جو رویہ ہے کیا اس سے یہ بات صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ دونوں اپنے مشترکہ دشمن کو زیر کرنے کیلئے باہمی رضامندی اور صلاح اور مشورہ سے الگ الگ کام چن لیتے ہیں ؟ اور بڑی مہارت کے ساتھ دنیا کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں ـــــ میں نے سنا ہے کہ خرگوش کا شکار دو کتوں کی مدد سے کیا جاتا ہے شکاری ایک کتے کو، خرگوش کو ایک سمت کی طرف بھگانے کے لئے بھیجتا ہے، اس سمت میں دوسرا کتا پہلے ہی سے اسکے انتظار میں کھڑا ہوتا ہے اور ان دونوں کتوں کے درمیان وہ خرگوش پھنس کر رہ جاتا ہے

جو لوگ دنیا میں ہونے والے واقعات پر غور کرتے رہتے ہیں اور کھلی آنکھوں سے یہ دیکھتے ہیں کہ (مثلاً) جو طاقت افغانستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیل رہی ہے وہی مظلوم فلسطینیوں کی

ہمدردی میں پیش پیش ہے اور جو فلسطینیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں وہی افغانیوں کی ہمدردی کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں۔ گویا تقسیم کار اور اداکاری کا بہترین مظاہرہ ہر چہار طرف ہو رہا ہے ان کے لئے عالمی صورتحال کے متعلق زیادہ صحیح رائے قائم کرنا آسان ہوتا ہے۔

بہرحال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ہمارا یہ دور سادہ دور نہیں ہے۔ بہت پُرپیچ دور ہے۔ اور واقعات کا صحیح تجزیہ، دجل وتلبیس کے دبیز پردوں کی وجہ سے مشکل ترین کام ہے۔

اور اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ایران میں برپا ہونے والا حالیہ انقلاب بھی ہمارے نزدیک صہیونیت کے دجالی کارناموں اور اس دور کے تلبیسی فتنوں میں سے ایک بڑا کارنامہ اور خطرناک فتنہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس انقلاب کے قائدین نے امریکہ، روس اور صہیونیت کے خلاف جس قدر فلک شگاف آواز میں نعرے لگائے ہیں اور جتنے زور وشور سے اسلام دشمن طاقتوں کو للکارا ہے اس کی کوئی نظیر ماضی قریب کی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح مغربی طاقتوں نے اپنے وسائل نشر واشاعت کی پوری قوت کے ساتھ اس انقلاب کو جس طرح نشانہ بنایا، اور جس طرح اس پر اپنی ناگواری، بے چینی بلکہ ہیبت اور خوف کا اظہار کیا اس سے بھی ہم بخوبی واقف ہیں لیکن ان دونوں کے بارے میں ہمارا تاثر الحمدللہ کہ پہلے دن سے صرف یہی تھا کہ ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا یہ اظہار صرف اور صرف مصنوعی ہے اور آج تک ہمارے سامنے کوئی چیز ایسی نہیں آئی جس سے کہ ہم اپنے اس اولین تاثر کو غلط تسلیم کر سکیں بلکہ بے شمار شواہد اس کے حق میں ملتے چلے جا رہے ہیں، اور ابھی

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

کے مصداق بنے ہم ابھی بہت کچھ اور دیکھنے کے منتظر ہیں۔

اب میں انقلاب سے پہلے اور اس کے بعد رونما ہونے والے بعض ان شواہد کو ممکن حد تک اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا جو ہمارے اس تاثر کو یقین کے درجہ تک پہنچانے کا سبب بنے۔

۱۔ صہیونیت کے طرز عمل سے گہری واقفیت رکھنے والے لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ اس کے قائدین اپنے بعض منصوبوں کی کچھ جھلک پہلے ناولوں اور فلموں وغیرہ کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ اس میں ان کے پیش نظر کئی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں جبکہ شاہ ایران اپنے دور حکومت کے

نقطۂ عروج پر تھا، اچانک مغربی ممالک کے بازاروں میں ایک ناول "The Crash of 79" (۷۹ء کی تباہی) کے نام سے آیا، اس میں یہ دکھایا گیا کہ عراق نے شط العرب پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لئے اہواز اور ابادان وغیرہ پر حملہ کر دیا ہے، سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک عراق کی امداد پر کمربستہ ہو گئے ہیں، ایران نے عراق پر جوابی حملہ کر کے اسکے جنوب مشرقی علاقے پر قبضہ جما لیا ہے اور پھر خلیج کی دوسری ریاستوں اور سعودی عرب پر بھی حملے شروع کر دیئے ہیں...... یہاں تک کہ پورے خلیجی علاقے میں ایٹمی تابکاری پھیلنے سے زبردست جانی اور مالی تباہی پھیل جاتی ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں چھپی تھی، اس کے ۳ سال بعد یہ جنگ چھڑی ہے جو کسی طرح ختم ہونے کو نہیں آتی، اور ابھی اسکے ختم ہونے کی توقع کرنا اپنی ناواقفی کا ثبوت دینا ہے۔

لگے ہاتھوں میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ اس کتاب کے بارے میں ڈیلی ٹیلیگراف نے اپنے تبصرہ میں لکھا تھا کہ "یہ ہے تو ناول ہی، مگر کل کلاں یہ کمر توڑ دینے والی حقیقت کا روپ بھی دھار سکتا ہے" اس کے بعد ایک اور ناول "THE MAHDI" (مہدی) کے نام سے منظر عام پر آیا جس میں دکھایا گیا کہ امریکہ، روس اور برطانیہ کی مشترکہ منصوبہ بندی سے ایک ایجنٹ "ابو قادر" کو مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر مہدی بنا کر پیش کیا جاتا ہے........

اور اب حال ہی میں ایک نیا ناول "HOLY OF HOLIES" (مقدس ترین) کے نام سے سامنے آئی ہے۔ اسے برطانیہ کی مشہور "گراناڈا پبلشنگ کمپنی" نے شائع کیا ہے۔ اس میں اسلام کو کینسر کا نام دیا گیا ہے جسکے وجود سے کرۂ ارضی کو نجات دلانے کے لئے ایک مہیب آپریشن کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ اس مشن میں روس، فرانس، برطانیہ، امریکہ اور اسرائیل کی خفیہ تنظیموں کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ پانچ دیو قامت ہرکولیس جہاز جزیرۂ قبرص میں جمع کئے جاتے ہیں، جن میں جوہری بموں کے علاوہ ایک خاص اعلان کا ٹیپ فٹ کیا جاتا ہے ــــ اڑان سے پہلے مشن کے ارکان کو بتایا جاتا ہے کہ وہ ایسے خوش قسمت افراد ہیں جو مغرب کی مہذب تہذیب کے دفاع کی خاطر اور ایک غیر مہذب، جاہل اور ظالم طاقت (اسلام) کو تباہ کرنے

جاتے ہیں اور یہ کہ تاریخ میں وہ مغرب کے ہیرو قرار پائیں گے ۔ پھر عین حج کے دنوں میں جمعہ کے دن پانچوں جہاز قبرص سے اڑتے ہیں، راستہ میں وہ ایک جگہ اترتے ہیں، وہاں انہیں اسپیشل آٹو پائلٹ کے نظام سے آراستہ کیا جاتا ہے پھر جہاز دوبارہ اڑان بھرتے ہیں سب ہوا باز پیراشوٹ کے ذریعہ کود کر بحیرۂ قلزم میں موجود برطانوی بحری جہاز پر جا اترتے ہیں ۔ جہاز مکہ کی جانب اڑان جاری رکھتے ہیں ۔ وہاں اسرائیل کی خفیہ تنظیم کے دو لبنانی ایجنٹ موجود ہیں جن میں سے ایک دروز اور دوسرا عیسائی ہے ۔ یہ ایجنٹ ان جہازوں کو حرم کعبہ کی طرف گائیڈ کرتے ہیں ۔ مسجد حرام پر چکر لگاتے ہوئے ہر طیارہ باری باری عربی میں ریکارڈ شدہ اعلان حجاج کو سناتا ہے ۔ اعلان کا مضمون یہ ہے :۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر ! میں علی ہوں اور حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پرتو کے طور پر نازل ہوا ہوں ۔ میں ہی مہدی موعود ہوں ۔ اے دنیا کے گنہگار بندو ! اللہ تم سے سخت ناراض ہے، کیونکہ تم نے اسلام کو بگاڑ دیا ہے ۔ اور اسلام اور اللہ کو مذاق بنا دیا ہے ..... لہٰذا اللہ نے تمہیں سزا دینے کا فیصلہ صادر کر دیا ہے"۔

اس کے بعد کتاب میں جو کچھ ہے اسے سنانا آسان نہیں ۔ بس اتنا اشارہ دل پر جبر کرکے سنائے دیتا ہوں کہ اس کے پلاٹ کے مطابق ہوتا یہ ہے کہ پانچوں طیاروں سے خفیہ جوہری بم پھٹتے ہیں ..... اور ..... قیامت کی سی تباہی آ جاتی ہے ۔ حرم کعبہ اور مکہ مکرمہ کا پورا شہر گیس میں تحلیل ہو جاتا ہے وہاں موجود ۲۰ لاکھ حجاج میں سے ۵ لاکھ فوری طور پر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں ....

ان تینوں کتابوں میں جو کچھ افسانوی انداز سے لکھا گیا ہے کسی کا جی چاہے تو اسے محض ناولانہ تخیل اور خیالی دنیا کی باتیں قرار دے دے، اور کسی کو توفیق ہو تو اس افسانوی طرز بیان ہی کے ذریعہ سے صیہونیوں اور ان کے ایجنٹوں کے دماغوں میں پلنے والے منحوس ارادوں اور تمناؤں کو جھانک کر دیکھ سکتا ہے ۔

۲۔ صیہونی امریکی قیادت اور ایران کی انقلابی قیادت کے درمیان تعلق اور پس پردہ تعاون کے بے شمار شواہد اب دنیا کے باخبر لوگوں کے علم میں آ چکے ہیں جن میں سے چند میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ا۔ یہ بات ہر خاص و عام کے علم میں آچکی ہے کہ شاہ کے زمانہ میں ایرانی افواج براہ راست چالیس ہزار امریکی فوجی مشیروں کے ماتحت تھیں، یورپ میں متعین امریکی افواج کے وائس چیف آف اسٹاف جنرل ہویزر جنوری ۱۹۷۹ء ہی سے ایران میں تھے۔ انھوں نے ہی ایرانی افواج کو باغیوں (انقلابیوں) کے خلاف) اس راست اقدام سے باز رکھا جس کے لئے ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کی تاریخ طے ہوئی تھی، اور انھوں نے ہی شاہ کو ایران سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ یہ بات شاہ کی ذاتی ڈائری میں بھی ہے اور میں نے اسی زمانہ میں یہ خبر کویتی اخبار الوطن میں شائع ہونے والی ایک خفیہ رپورٹ کے حوالے سے بھی پڑھی تھی [1]

ب۔ اسی زمانہ کے اخبارات میں صدر کارٹر کا یہ بیان بھی میں نے پڑھا تھا کہ انھوں نے ایرانی انقلابی تحریک کے اعلیٰ ترین لیڈروں سے کئی بار مذاکرات کئے ہیں [2]

ج۔ مشہور اخبار ٹائمز نے اسی زمانہ میں (۵ر۳ر۷۹ء کی اشاعت میں) صدر کارٹر کا یہ بیان شائع کیا تھا کہ "جو لوگ (ایران میں) ہونے والے واقعات کو روکنے کے لئے امریکہ کی طرف سے راست اقدام کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور انھیں ایران میں ہونے والے واقعات کی اصلی نوعیت کا علم نہیں ہے۔"

د۔ خمینی کے اردگرد جو لوگ تھے، ایک ایک کرکے ان کی اصلیت ظاہر ہو چکی ہے ــــ مثلاً قطب زادہ، ابراہیم یزدی، حسن حبیبی، عباس انتظام .... ان سب کے بارے میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ یہ خفیہ صہیونی تنظیموں کے آلۂ کار تھے (اس سلسلہ میں ضروری حوالے ڈاکٹر عبداللہ محمد الغریب کی کتاب "وجاء دور المجوس" میں دیکھے جا سکتے ہیں)۔

ھ۔ اسرائیلی حکومت کے ساتھ بھی ایران کی انقلابی قیادت کے خصوصی روابط ڈھکے چھپے نہیں رہے ہیں۔ دنیا کے باخبر لوگ خوب جانتے ہیں کہ ایران کو فوجی ساز و سامان دینے والے ملکوں میں اسرائیل سرفہرست ہے۔ جنوری ۱۹۸۰ء میں اسلحہ سے لدا ایک ہوائی جہاز روس کے علاقہ میں گرا تھا جس سے دستاویزی ثبوت برآمد ہوئے تھے کہ یہ اسلحہ کی کھیپ اسرائیل سے ایران جا رہی تھی۔

---

[1] میری ڈائری میں اخبار مذکور کا شمارہ مورخہ ۱۸ر۳ر۷۹ء درج ہے۔

[2] صدر کارٹر کا یہ بیان ۱۲ر فروری ۱۹۷۹ء کے وائس آف امریکہ کے انگریزی نشریہ کے حوالے سے درج ہے۔

یہ جو کچھ میں نے اب تک عرض کیا ہے وہ "صہیونیت کے" دائیں بازو امریکہ، مغربی یورپ اور اسرائیل کے ساتھ ایرانی انقلاب کے قائدین کے تعلق کے بارے میں تھا، جہاں تک اس کے بائیں بازو یعنی روس، مشرقی یورپ اور دنیا کے سوشلسٹ و کمیونسٹ ملکوں اور تحریکوں کے ساتھ ان کے تعلق کا معاملہ ہے تو میرے خیال میں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ایران میں جشن وہاں کا مقدسوں میں ان ملکوں اور تحریکوں کے وفود بڑے اہتمام سے مدعو کئے جاتے ہیں، اور اگرچہ وہاں کمیونزم اور روس کے خلاف وقتاً فوقتاً نعرے بھی لگائے جاتے ہیں، لیکن انھیں ہاں تشریف جانے میں اور وہاں کی تقریبات میں سرگرم حصہ لینے میں کوئی حجاب تک محسوس نہیں ہوتا۔

میرے بڑے بھائی صاحب مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ۸۲ء میں ایرانی انقلاب کی تیسری سالگرہ کے موقع پر تہران گئے تھے۔ انھوں نے اس بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ نوٹ کیا تھا کہ اسلامی انقلاب کی سالگرہ کے جشن مسرت میں شریک ہونے والوں میں روس، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور رومانیہ کے وفد بھی شامل ہیں۔ یوم انقلاب کی فوجی پریڈ میں یہ تماشا بھی انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ روس اور امریکہ دونوں کے قومی جھنڈے پامال کرنے کے لئے بچھائے جاتے ہیں، پھر تھوڑی دیر بعد ہی روسی سفیر کے اشارے یا احتجاج پر روسی جھنڈے کو توہین سے بچانے کیلئے اٹھا لیا جاتا ہے۔ [1] اسی سالگرہ کے موقع پر تہران میں سفیروں کی جانب سے ایرانی وزیرخارجہ ڈاکٹر ولایتی کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا تھا، اس میں سفیروں کی نمائندگی روسی سفیر نے کی تھی، جنھوں نے اپنی تقریر میں انقلاب کو دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا تھا۔ [2]

اس سلسلہ میں ان چند امور کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے:

۱. خمینی صاحب جس زمانے میں بغداد میں مقیم رہے ہیں (۱۴ سال تک) وہ عراق پر روس کے

(آگے دو صفحوں کی ترتیب غلط ہو گئی ہے بندسیہ صحیح ہیں)

---

[1] پاکستان کے معروف صحافی جناب محمد صلاح الدین صاحب (مدیر "جسارت") بھی اس سال سالگرہ میں مدعو تھے۔ روسی پرچم کے ساتھ اس دوہرے سلوک کا یہ تماشا انھوں نے بھی دیکھا اور نوٹ کیا تھا؛ ان کے سفرنامہ "انقلاب ایران کیا کھویا کیا پایا" صفحہ ۲۳ اور صفحہ ۲۱ میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے ــــ بھائی صاحب کے مشاہدات ان کی تصنیف "انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو انقلاب ایران کیا کھویا کیا پایا۔ از محمد صلاح الدین ص

روس اور افغانستان کے سفارتخانوں کی طرف سے یہ پروپگنڈہ وقتاً فوقتاً کیا جاتا رہا ہے کہ افغانستان کا دیندار طبقہ اور علمار افغانی حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کر رہے ہیں — یہ پروپگنڈا بالکلیہ غلط نہیں ہوتا، صرف اتنی بات اس میں اور بڑھادی جائے کہ " ان دینداروں اور علمار کا تعلق شیعہ مذہب سے ہے "۔ تو بات بالکل سچی پکی ہو جائے گی۔ ابھی تھوڑے دنوں پہلے ہمارے پاس ایک رسالہ " AFGHANISTAN IN PICTURES " آیا، اس میں "مذہبی علما، اور صدر ببرک کارمل' دو طرفہ تعاون کی ایک مثال " کے زیر عنوان ایک تصویر تھی، جس میں جبہ و دستار سے آراستہ علمار صدر کارمل کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے دکھائے گئے ہیں، مسرت اور اعتماد سب کی آنکھوں سے ہویدا ہے — آپ سمجھے کہ یہ علما کون تھے؟ ایک ایک کرکے یہ سب شیعہ مجتہدین تھے۔

اور یہ بات تو ہوئی تصویر کی، ابھی میں نے اپنے بھائی صاحب مدظلہ کے سفر ایران کا تذکرہ کیا تھا۔ انھوں نے وہاں جو دیکھا انہی کی زبانی سنیے!

"...... افغان مظلوموں کے جو نمائندے جشن سالگرہ میں بلائے گئے تھے وہ سب کے سب ایک ایک کرکے شیعہ حضرات تھے، جبکہ افغانستان سنی اکثریت کا ملک ہے۔ وہ جس تنظیم کے نمائندے تھے وہ بھی سنی افغانیوں سے الگ ان حضرات کی اپنی تنظیم تھی! اور اس حقیقت کو دیکھ کر لندن کے ایک سنی افغان کی بات یاد آئی کہ ہمارا کوئی وفد آج تک ہزار کوشش کے باوجود امام خمینی کی بارگاہ میں بار نہیں پاسکا ہے"!

مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات کو یہ بات عجیب سی لگ رہی ہوگی۔ مجھے خود اگر یہ بات ان ذرائع سے براہ راست نہ معلوم ہوئی ہوتی جو افغانستان کے حالات سے سب سے زیادہ واقف ہیں بلکہ جن کی یہ آپ بیتی ہے اور مجھے اس پر سو فیصد یقین نہ ہوتا تو میں لئے آپ کے سامنے نہ رکھتا، لیکن حقیقتوں پر تمناؤں کا کوئی اثر نہیں پڑا کرتا، اور یہ جو اس قسم کی باتوں میں مبالغہ یا استبعاد نظر آتا ہے وہ دراصل نتیجہ ہے شیعیت کے مزاج، اسکے مقاصد اور اسکی تاریخ سے ناواقفیت کا، ورنہ ان چیزوں سے واقفیت کے بعد کچھ بھی بعید از قیاس نہیں رہتا۔ بہرحال امید ہے کہ آپ حضرات نے ان چند شواہد کی روشنی میں ایران کے انقلابی لیڈ

مکمل تسلط کا دور ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ روس کا ان سے کوئی براہ راست رابطہ تھا یا نہیں،
عراقی حکومت نے انھیں جو تحفظ فراہم کیا، وہ روس کی مرضی کے خلاف بلکہ اسکے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔
۲۔ ایک طرف دنیا بھر کے کمیونسٹ اور سوشلسٹ ممالک کا پریس اپنے تمام اخبارات و رسائل کے ذریعہ اسلامی انقلاب کی بھرپور حمایت کر رہا تھا اور دوسری طرف روسی حکومت شاہ سے بہترین تعلقات قائم کئے ہوئے تھی۔ حسنین ہیکل نے اپنے ذاتی مشاہدات کی روشنی میں لکھا ہے کہ آخری دنوں میں شاہ کی قریبی دوستی صرف روسی سفیر گراوڈوف کے ساتھ رہ گئی تھی —— یہ دوہرا کردار بالکل امریکہ کے دوہرے کردار کی مانند ہے —— اور دونوں کرداروں میں یہ مماثلت بلکہ یکسانیت اتفاقاً نہیں تھی بلکہ مقاصد اور قیادت کے اتحاد کی علامت تھی۔
۳۔ انقلاب کے بعد ایران کی دوستی "عالم اسلام" میں اگر کسی سے ہے تو شام، لیبیا، الجزائر اور تنظیم آزادیٔ فلسطین کے لیڈروں سے؛ دراں سب کا قبلہ و کعبہ روس ہی ہے اور ان میں سے بعض کی اسلام دشمنی تو بہت سے بدنام زمانہ اسلام دشمنوں سے بڑھی ہوئی ہو تو ہو، کم تو ہرگز نہ ہوگی۔
۴۔ اور اس سلسلہ کا شاید سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو افغانی مجاہدین کے ساتھ ایرانی انقلابیوں کا رویہ ہے، جن سخت ناسازگار حالات میں؛ جس ہمت و عزیمت اور جس حوصلے کے ساتھ افغانی قوم دنیا کی سب سے بے رحم شیطانی طاقت سے نبرد آزما ہے اس کا تصور کرنا بھی ہمارے آپ کیلئے آسان نہیں۔ اور میں آپ کو کس زبان سے یہ سناؤں کہ ایرانی انقلابی قیادت اوپر اوپر تو افغانی مجاہدین کی حمایت کے نعرے لگاتی ہے۔ اور افغانی پناہ گزینوں کو اپنے ملک میں پناہ بھی دیتی ہے لیکن درپردہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ نفاق، عداوت، کینہ اور تقیہ اور دغابازی کی بدترین مثال ہے۔

جو ہو رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ افغانستان میں موجود معدودے چند شیعہ ایرانی حکومت کی ہدایات کے مطابق افغانی مجاہدین کے منصوبوں کی مخبری اور روسی فوجوں کے لئے جاسوسی کا کام کر رہے ہیں۔ پناہ گزینوں کی آڑ میں افغانی شیعوں کو ایران میں بلا کر تربیت دے کر تخریبی کارروائیوں کے لئے افغانستان بھیجا جا رہا ہے —— مختصر یہ کہ افغانی مظلوم مجاہدین کے ساتھ ایران کے اتحاد اسلامی کے داعیوں کا رویہ شرمناک حد تک منفی ہے۔

صیہونیت کے بائیں بازو کے درمیان تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ضرور کرلیا ہوگا ۔ اور ایرانی انقلاب کے بارے میں ہمارے رویہ کی وجوہ سے بھی کسی حد تک اب آپ آشنا ہو گئے ہوں گے ۔

دینی و عقائدی پہلو سے یہ انقلاب کس قدر گمراہ کن ہے اور اسکی بنیاد جن اصول و افکار پر رکھی گئی ہے ان کا اسلام سے کیا تعلق ہے اس پہلو کے بارے میں میں نے جو کچھ عرض کیا تھا اسے بھی ذہن میں رکھیئے اور صیہونیت کے توسیعی اور جارحانہ اسلام دشمن بلکہ انسانیت کش منصوبوں کی تکمیل کے سلسلہ میں ایرانی انقلاب کے اب تک کے کارناموں اور اسکے قائدین کے آئندہ عزائم کو بھی پیش نظر رکھیے اور پھر ہمارے موقف کے بارے میں رائے قائم کیجئے اور اپنے رویہ پر اخلاص اور ہمت کے ساتھ نظر ثانی کیجئے ۔

اگر ہمیں اس مسئلہ میں ذرہ برابر شک ہوتا ، تو بخدا ہم خاموش رہنے ہی کو ترجیح دیتے کہ کرنے کے کام ہمارے پاس اور بھی ہیں ۔ لیکن میں آپ سے کیسے کہوں ؟ اور نہ کہوں تو کیا کروں کہ اس انقلاب سے اب تک جتنا نقصان اسلام کو پہنچ چکا ہے ، اور آئندہ جو مہیب حالات حرمین شریفین اور امت مسلمہ پر اسکے ذریعہ سے آنے والے ہیں اور جو گویا آنکھوں سے نظر آرہے ہیں ۔ نذیر مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک ادنیٰ سے نام لیوا ہونے کے لحاظ سے ان سے اپنی امت کو اور بالخصوص اپنے ہم عمر نوجوان دوستوں کو جن سے میں ہم عمری و ہمعصری کی وجہ سے زیادہ بے تکلفی سے بات کرسکتا ہوں اور ان کے احساسات اور جذبات کو اچھی طرح سمجھ بھی سکتا ہوں ۔ باخبر کرنے کی ذمہ داری کا احساس ہی ہے جس نے اس بارے میں بے چین و مضطرب کر رکھا ہے ۔۔ واللہ علیٰ ما نقول وکیل ۰

بس اب میں اپنی طویل گفتگو یہیں پر ختم کرتا ہوں ، رات کے ۱۱ بج چکے ہیں ۔ اتنی طویل گفتگو آپ حضرات نے جس ذوق اور جذبہ کے ساتھ سنی ہے میرے دل پر ہمیشہ اس کا اثر رہے گا جو کچھ میں نے صحیح کہا ہو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور آپ کے سینوں کو اس کے لئے کھول دے ، اور جو غلط کہا ہو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے اور ہمارے آپ کے دلوں سے اسے محو فرمادے ۔ اور ہم سب سے اپنے کلمہ کو بلند کرنے کا کام لے لے ۔ اور ہر دجل وتلبیس سے ، خاص کر فتنۂ دجال سے جو بہت قریب ہے ہماری حفاظت فرمائے اور حفاظت کے اسباب اختیار کرنے کی ہمیں توفیق نصیب فرمائے ۔

ناچیز مدیر الفرقان کی یہ گفتگو جو تقریباً ڈھائی گھنٹہ جاری رہی، ختم ہوئی تو ان نوجوان بھائیوں میں سے ایک نے اپنے تاثرات اور تشکر و امتنان کا اظہار بڑے شائستہ اور مہذب الفاظ میں کیا اور یہ بھی کہا کہ:

مولانا! ہم صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آپ کی اس گفتگو سے ایرانی انقلاب کے کئی پہلو بالکل پہلی بار آئے ہیں، اور اتنا تو ہم ابھی اقرار کئے لیتے ہیں کہ اتنی تفصیلی واقفیت ہمیں نہیں تھی، بہت ہی اجمال کے ساتھ ہمیں جو بتایا جاتا تھا ہم اسی کی بنیاد پر اس انقلاب سے ہمدردی رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے بہت سی ضروری باتیں ہمیں بتائیں ہم ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

البتہ دو تین سوالات ہمارے ذہنوں میں ہیں۔ اگرچہ آپ تھک چکے ہوں گے لیکن ہمارا جی چاہتا ہے کہ مختصراً ہی سہی آپ ان کی وضاحت بھی اسی وقت کر دیں۔ میں نے کہا ضرور!

ان کا پہلا سوال تھا:

ایک بات یہ کہی جا رہی ہے کہ آپ حضرات کو سعودی و عراقی حکومتوں کی طرف سے ایرانی انقلاب کی مخالفت پر مامور کیا گیا ہے۔ آپ حضرات کی طرف سے اس کی تردید بھی نہیں کی گئی ہے تو آخر اس بات کی کیا حقیقت ہے؟

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ:

انشاء اللہ اس کی حقیقت اس دن سامنے آئے گی جس دن احکم الحاکمین کے سامنے ساری مخلوق حاضر ہوگی۔ ہمارے علم میں ہزاروں دفعہ یہ بات آئی ہے کہ ہمارے کچھ دوستوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں، ان بیچاروں کو حکومتوں کی عیاریوں کے بغیر دین کی خدمت کا تجربہ ہی نہیں، وہ دوسروں کو اگر اپنے ہی جیسا سمجھتے ہیں تو یہ انسان کی عام کمزوری ہے ــــ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے ــــ ہم کس زبان سے اپنے مالک کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں دین کے خادموں کے اس گروہ سے وابستہ کر دیا ہے جس کے یہاں اپنی جان و مال کی قربانی کی ہر وقت پکار لگی رہتی ہے اور جن کے ذریعہ ساری دنیا کی سطح پر زبردست کام اسی اصول کی سو فیصد پابندی کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے جو ذوق و مزاج پیدا ہوا

اس کا اندازہ آپ ایک واقعہ سے کر سکتے ہیں۔

غالباً ۸۷ء کے اوائل کی بات ہے۔ میں مدینہ منورہ میں بسلسلۂ تعلیم مقیم تھا، ایک اسلامی ملک کے مفکروں اور دانشوروں کا ایک وفد تہران ہوتا ہوا مدینہ منورہ آیا، ایک استقبالیہ یا ایک خصوصی نشست بڑے اہتمام سے منعقد کی گئی۔ وفد کے قائد نے اپنی تقریر میں ایرانی انقلابی قیادت اور آیۃ اللہ خمینی کو خراج عقیدت پیش کرنا شروع کیا تو ان کو خلفائے راشدین کی طلائی زنجیر کی ایک کڑی، اور اس صدی کا مجدد و امام اور نہ جانے کیا کیا بنا ڈالا، تقدیرِ الٰہی کا کرشمہ دیکھئے کہ تقریر کا عربی میں خلاصہ پیش کرنے کے لیے اچانک مجھے بلا لیا گیا۔ خلاصہ کے بعد میں نے صدر جلسہ کی اجازت سے مقرر کے احترام کے ساتھ اپنے اختلافی موقف کا مختصر دلائل کے ساتھ اظہار کر دیا۔ بات ختم ہو گئی۔ اسی سال حج سے کچھ پہلے ایک حکومتی ادارے کی طرف سے مجھے طلب کر کے میری اس تقریر کے حوالے سے مجھ سے کہا گیا کہ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حجاج کی دینی تربیت کے لئے جو عملہ ہر سال متعین کیا جاتا ہے اس سال اس میں ایسے لوگوں کا خاص طور پر انتخاب کیا جائے جو ایرانی انقلاب سے واقف ہوں اور اس بارے میں لوگوں کو مطمئن کر سکیں، اس کے لئے درخواستیں طلب کی گئی تھیں۔ آپ کی درخواست نہیں آئی ہے۔ اب آپ کو اس لئے طلب کیا گیا ہے کہ آپ سے اس پروگرام میں شمولیت کی گذارش کی جائے۔ میں نے فوراً یہ کہتے ہوئے معذرت کی کہ مجھے جو خدمت بھی کرنی ہو وہ میں انشاء اللہ اپنے طور پر کروں گا، حکومت کی طرف سے اس کام کی انجام دہی کے لئے میں تیار نہیں ہوں ......[1]

میں نے اپنا یہ واقعہ آپ کو اس لئے سنایا ہے کہ جن بزرگوں کی جوتیوں کے صدقے ان کے غلاموں کا یہ طرز عمل اور یہ ذوق ہو، ان کے بارے میں اس قسم کا پروپیگنڈا کتنا سنگین بہتان ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمائے۔ اور ہم سب کو کذب و افترا سے بچائے۔

ان کا دوسرا سوال تھا:

آپ نے اپنی گفتگو کے ابتدائی حصہ میں مذہب شیعہ میں امامت کے مفہوم اور ائمہ کے بارے میں ان کے عقیدوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، اسی سلسلہ میں ایک بات یہ بھی کہی جا رہی ہے

[1] یہ حادثہ بات قابل ذکر ہے کہ اس کام کیلئے جو معاوضہ عموماً پیش کیا جاتا تھا اس میں [illegible]

کہ اسی طرح کے غالیانہ عقائد سنیوں میں بھی اپنے بزرگوں کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی سوانح کا حوالہ بھی دیا جارہا ہے تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

میں نے جواباً کہا: جی ہاں! آپ نے بالکل صحیح اور اہم سوال کیا، ہمارے علم میں یہ بات ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا جارہا ہے اس کا نام "روضۃ القیومیۃ" ہے جو خواجہ کمال الدین کی تصنیف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت مجدد صاحب کے بارے میں اور ان کے سلسلہ کے بارے میں ایسے غالیانہ خیالات بیان کئے گئے ہیں جن پر تنقید اور جن کی تردید کا حق ہر اس شخص کو ہے جو خود مجدد صاحبؒ کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں سے واقف ہو ۔۔۔ مجدد صاحب کی تاریخ اور ان کی تجدیدی جدوجہد سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کتاب خود مجددی سلسلہ کے محقق مؤرخوں کے نزدیک غیر مستند اور ناقابل اعتنا ہے۔ آپ حضرات اس سلسلہ میں پروفیسر محمد زمان کی کتاب "حیات مجدد" اور مولانا ابوالحسن زید فاروقی کی تصنیف "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" کا مطالعہ کریں۔ بہر حال میرے جواب کا پہلا جزو یہ ہے کہ "روضۃ القیومیۃ" ایک غیر مستند کتاب ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اس کی ذمہ داری سو فیصد اس کے مصنف پر ہے ۔۔ اور میرے جواب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ ائمہ کے بارے میں وہ غالیانہ عقائد کسی ایک عقیدت مند کی غالیانہ عقیدت کا نتیجہ نہیں۔ شیعی اثنا عشری مذہب کے اصول اور بنیادی عقائد ہیں جو ہزاروں روایات میں خود ان کے ائمہ سے منقول ہیں، ان دونوں میں یعنی ایک مذہب کے بنیادی اصول و عقائد میں اور ایک عقیدتمند مرید کی غالیانہ عقیدتمندی میں جو فرق ہے اسے تو ایک ادنیٰ سا طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے۔ کاش کہ ہمارے یہ محترم حضرات اس فرق کو ملحوظ رکھتے ۔

ان کا تیسرا سوال تھا:

ہمارے بعض دوست یہ کہتے ہیں کہ دو تین کتابچے اور پچاسوں مضامین شیعوں کی طرف سے مختلف اخبارات و رسائل میں آچکے ہیں لیکن آپ لوگوں کی طرف سے ان کا کوئی جواب نہیں دیا جاتا کیا یہ بات صحیح ہے؟

میرا جواب تھا، جی ہاں! بالکل صحیح ہے اور یہ ہمارا سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ ہماری اس پوری کاوش کی مخاطب سنی دنیا ہے جسے ہم حقیقی صورتحال سے واقف کرنا چاہتے ہیں — جہانتک شیعوں کا معاملہ ہے ہم نے فی الحال طے کرلیا ہے کہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دینا ہے۔ ہم اپنی توانائی اور وقت کو وہیں صرف کرنا چاہتے ہیں جہاں اس کی افادیت کا احتمال کم سے کم ہو۔ بحیثیت مجموعی حق کی طرف شیعوں کے رجوع کی امید کم از کم ہمیں فی الحال نہیں ہے۔ ہم اگر اپنے سنی بھائیوں کو ہی ان کے مکر و فریب سے بچا سکیں تو بڑی بات ہوگی۔

علاوہ ازیں اس سلسلہ میں ہم نے اب تک جو کچھ پڑھا ہے اس میں کوئی بات ہمارے سامنے ایسی نہیں آئی جو کسی جواب کی مستحق ہو — وہاں تو ہر بات کے جواب میں بس ایک اتحاد کا نعرہ اور "اسلام خطرہ میں ہے" کی دوہائی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس نعرے کی حقیقت کلمۃ حق ارید بہا الباطل کے سوا کچھ نہیں —

نوٹ: جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا تھا! یہ گفتگو ایک دوست نے بر وقت قلمبند کرلی تھی۔ اسی یادداشت کو سامنے رکھ کر یہ تحریر میں لائی گئی ہے۔ خصوصاً آخری حصہ میں اس میں کئی جگہ اضافے کئے گئے ہیں۔

اعتذار!

کچھ ناگزیر وجوہ کی بنا پر فروری ۱۹۸۸ء کے شمارہ کی اشاعت کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ مارچ و اپریل کا مشترکہ شمارہ اپریل میں شائع کیا جائے — قارئین کرام کو مارچ کے شمارہ کے لئے انتظار کی جو زحمت گوارا کرنی پڑی اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

ناظم ادارہ الفرقان

اللہ تعالیٰ سے کامل محبت حاصل کرنے کا طریقہ

از افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ

اپنے قلوب کو ٹٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبت کامل ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اس کی تحصیل کی تدبیر کرو اور تدبیر ہی میں بتلاتا ہوں لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ محبت امر غیر اختیاری ہے اس کا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے پھر اس کی تدبیر کیا ہو کیونکہ یہ گمان غلط ہے محبت گو غیر اختیاری ہو مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں جن پر ترتب محبت کا عادۃً ضروری ہے اور ایسے امور میں خدا تعالیٰ نے ہر امر کی تدبیر بتلائی ہے سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کر لو۔ ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا کرو اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو لیکن اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس معاملہ کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آ رہے ہیں، تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبان خدا ہیں ان سے علاقہ پیدا کر لو اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی جاری رکھو لیکن اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لے جاؤ نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو۔ اپنے باطنی امراض کا ان سے علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ۔ چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرما دیں۔ یہ پانچ جزو کا نسخہ ہے اس کو استعمال کر کے دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائیگی اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائیگی (والحمد)

(ماخوذ از معارف حکیم الامت۔ تالیف حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ)

مولانا محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

علامات قیامت

(۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

قیامت کی علامات کبریٰ جو احادیث نبویہ کے بیان کے مطابق دنیا کے خاتمہ کے قریب قیامت قائم ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی، ان میں ایک بہت مشہور واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔ ان صفحات میں تو حسب معمول اس موضوع سے متعلق بھی چند ہی حدیثیں پیش کی جائیں گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی قریباً تمام ہی کتابوں میں مختلف سندوں سے اتنے صحابہ کرام سے نزول مسیح کی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن کے متعلق (ان کی صحابیت سے قطع نظر کر کے بھی از روئے عقل و عادت) یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے باہم سازش کر کے حضور پر یہ بہتان باندھا ہے کہ آپ نے قیامت سے پہلے آسمان سے حضرت مسیح کے نازل ہونے کی خبر دی تھی۔ اور اسی طرح یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب صحابہ کرام سے آپ کی بات سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہوگی۔ بہرحال حدیث کے ذخیرہ میں اس مسئلہ کے متعلق جو روایات ہیں ان کو جاننے سمجھنے کے بعد ہر صاحب علم کو اس بات کا قطعی اور یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی اطلاع امت کو دی تھی۔ اس کے لئے استاذنا حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا مطالعہ

کافی ہے، اس میں صرف اسی مسئلہ سے متعلق حدیث کی کتابوں سے منتخب کر کے ستر سے اوپر حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔

پھر احادیث نبوی کے علاوہ قرآن مجید سے بھی حضرت مسیحؑ کا آسمان کیطرف اٹھا لیا جانا۔ اور پھر قیامت سے پہلے اس دنیا میں آنا ثابت ہے۔ اس بارہ میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے حضرت استاذ قدس سرہٗ کے رسالہ "عقیدۃ الاسلام فی حیٰوۃ عیسیٰ علیہ السلام" کا مطالعہ کافی ہوگا۔ (ملحوظ رہے کہ حضرت استاذ قدس سرہ کے یہ دونوں رسالے عربی زبان میں ہیں)

اس عاجز راقم سطور کا ایک رسالہ ہے "قادیانی کیوں مسلمان نہیں۔ اور مسئلہ نزول مسیح وحیات مسیح" اس میں تقریباً ۷۰ صفحات اسی مسئلہ سے متعلق لکھے گئے ہیں، اردو خواں حضرات کو اس کے مطالعہ سے بھی انشاء اللہ یہ اطمینان و یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ انداز میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ قیامت کے قریب حضرت مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی ہے۔

لیکن چونکہ اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے لوگوں کو عقلی شبہات اور وساوس ہوتے ہیں، اور قادیانی مصنفین و اہل قلم نے (مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے دعوائے مسیحیت کی گنجائش پیدا کرنے کے واسطے) اس موضوع پر چھوٹے بڑے بے گنتی رسائل اور مضامین لکھ کر شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس سلسلہ کی احادیث کی تشریح سے پہلے تمہید کے طور پر کچھ اصولی باتیں عرض کر دی جائیں۔ امید ہے کہ ان کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ صاحب ایمان اور سلیم الفہم ناظرین کرام کو اس مسئلہ کے بارے میں وہ اطمینان و یقین حاصل ہو جائے گا، جس کے بعد کسی شبہ اور وسوسہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ واللہ ولی التوفیق

مسئلہ نزول مسیح سے متعلق چند اصولی باتیں

(۱) سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ پر غور و فکر کرتے وقت پیش نظر

رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اس کا تعلق اس ذات سے ہے جس کا وجود ہی عام سنۃ اللہ اور اس دنیا میں جاری قانون فطرت کے بالکل خلاف ہے، یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح ہماری اس دنیا میں انسان مرد اور عورت کے ملاپ اور مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں (اور جس طرح تمام اولوالعزم پیغمبر اور ان کے خاتم و سردار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی پیدا ہوئے تھے) بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور اس کے حکم سے اس کے فرشتہ جبریل امین (روح القدس) کے توسط سے اپنی ماں حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے بغیر اس کے کہ ان کو کسی مرد نے چھوا بھی ہو معجزانہ طور پر پیدا کئے گئے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ان کو "اللہ کا کلمہ" بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی آیات ۴۵ و ۴۶ میں اور سورۂ مریم کی آیات ۱۹ تا ۲۲ میں ان کی اس معجزانہ پیدائش کا حال تفصیل سے بیان فرمایا ہے (اور انجیل کا بیان بھی یہی ہے۔ اور اسی کے مطابق ساری دنیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں کا عقیدہ)

ایسی ہی ایک دوسری عجیب بات قرآن مجید نے ان کے بارہ میں یہ بیان فرمائی ہے کہ جب وہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم (کلمہ) سے معجزانہ طور پر مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے (جو کنواری تھیں اور ان کا کسی مرد سے نکاح نہیں ہوا تھا) اور وہ ان کو اپنی گود میں لئے بستی میں آئیں۔ اور برادری اور بستی کے لوگوں نے ان کے بارے میں اپنے گندے خیالات کا اظہار کیا۔ اور معاذ اللہ اس نومولود بچے کو ولد الزنا سمجھا۔ تو اسی نومولود بچہ (عیسیٰ بن مریم) نے اللہ کے حکم سے اسی وقت کلام کیا۔ اور اپنے بارے میں اور حضرت مریم کی پاکبازی کے بارے میں بیان دیا۔ (سورہ مریم آیات ۲۷ تا ۳۰)

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کے ہاتھوں پر انتہائی محیر العقول معجزے ظاہر ہوئے کہ۔ وہ مٹی کے گوندے سے پرندہ کی شکل بناتے۔ پھر اس پر پھونک مار دیتے تو وہ زندہ پرندہ کی طرح فضا میں اڑ جاتا۔ اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیر دیتے یا دم کر دیتے تو وہ فوراً اچھے بھلے چنگے

ہو جاتے۔ اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جاتیں، اور کوڑھیوں کے جسم پر کوئی اثر اور داغ دھبہ بھی نہ رہتا۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کرکے دکھا دیتے۔ اُن کے ان محیر العقول معجزوں کا بیان بھی قرآن مجید (سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ) میں تفصیل اور وضاحت سے فرمایا گیا ہے۔ اور انجیل میں بھی ان معجزات کا ذکر کچھ اضافہ ہی کے ساتھ کیا گیا ہے اور عیسائی دنیا کا عقیدہ بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوّت ورسالت کے منصب پر فائز کیا اور آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ایمان اور ایمان والی زندگی کی دعوت دی تو آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ کو جھوٹا مدعیٔ نبوت قرار دیکر سولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا [له]۔ اور اپنے خیال میں انھوں نے اس فیصلہ کا نفاذ بھی کر دیا۔ اور سمجھ لیا کہ ہم نے عیسیٰ کو سولی پر چڑھا کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا۔ (انھوں نے جس شخص کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھایا وہ دوسرا شخص تھا) عیسیٰؑ کو تو وہ یہودی پا ہی نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے اُن کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ اور وہ قیامت سے پہلے اللہ کے حکم سے پھر اس دنیا میں آئیں گے۔ اور یہیں وفات پائیں گے۔ اور ان کی وفات سے پہلے اس وقت کے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان سے دین محمدی کی خدمت لے گا۔ اور ان کا نازل ہونا قیامت کی ایک خاص علامت اور نشانی ہوگا۔ (یہ سب سورۂ نساء اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا گیا ہے [له])

پس جو اہل ایمان قرآن پاک کے بیان کے مطابق اُن کی معجزانہ پیدائش اور ان کے مذکورہ بالا محیر العقول معجزات پر ایمان لا چکے ہیں۔ اُن کو بحکم خداوندی آسمان پر اُن کے اٹھائے جانے اور اسی کے حکم سے مقرر کئے ہوئے وقت پر آسمان

له تورات کے قانون اور اسرائیلی شریعت میں نبوت ورسالت کا جھوٹا دعویٰ کرنیوالے کی یہی سزا تھی، جس طرح اسلامی شریعت میں بھی جھوٹا مدعیٔ نبوت سزاوار قتل ہے۔

له سورۂ نساء اور سورۂ زخرف کی جن آیات میں یہ بیان فرمایا گیا ہے انکی تشریح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے نازل ہونے کے بارے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

الغرض سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ نزول مسیح پر غور و فکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نرالی شخصیت اور ان کی مذکورہ بالا وہ خصوصیات ہیں جو قرآن پاک کے حوالے سے سطور بالا میں ذکر کی گئیں اور جن میں وہ انسانی دنیا میں منفرد ہیں۔

(۲) اسی طرح کی ایک دوسری بات بھی اس مسئلہ پر غور کرتے وقت پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جس کی اطلاع قرآن مجید میں بالاجمال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دی گئی ہے، اُس وقت ہوگا جبکہ قیامت بالکل قریب ہوگی، اور اُس کی قریب ترین علامات کبریٰ کا ظہور شروع ہو چکا ہوگا۔ مثلاً آفتاب کا بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، اور دابۃ الارض کا خارق عادت طریقہ پر زمین سے پیدا ہونا، اور وہ کرنا جس کا ذکر صحیح احادیث میں ہے گویا اُس وقت قیامت کی صبح صادق ہو چکی ہوگی۔ اور نظام عالم میں تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہوگا۔ اور لگاتار وہ خوارق و حوادث رونما ہوں گے، جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا انھیں میں سے دجّال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوگا۔

پس عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یا دجّال کے خروج و ظہور کا اس بنا پر انکار کرنا کہ اُن کی جو نوعیت اور تفصیل حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ ہماری عقل میں نہیں آتی۔ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قیامت اور جنت دوزخ کا اس وجہ سے انکار کر دیا جائے کہ ان کی جو تفصیلات خود قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی ہیں، اُن کو ہماری عقلیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفسیر راقم سطور کے رسالہ "قادیانی کیوں مسلمان نہیں اور مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح" میں دیکھی جا سکتی ہے (صفحہ ۹۴ تا ۱۲۰) امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہر سلیم الفطرت صاحب ایمان کو انشاء اللہ اطمینان ہو جائیگا کہ ان آیتوں میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھا لئے جانے اور آخری زمانے میں پھر اس دنیا میں نازل کئے جانے کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ان کے اس نزول کو قیامت کی علامت اور نشانی بتلایا گیا ہے۔ ۱۲-

ہضم نہیں کر سکتیں۔ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ اُن کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ خداوند قدوس کی معرفت سے محروم اور اس کی قدرت کی وسعت سے ناآشنا ہیں۔

(۳) مسئلہ حیات مسیح و نزول مسیح پر غور و فکر کرتے وقت ایک تیسری بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہیئے۔ کہ قرآن مجید کے بیان اور ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح ؑ ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں۔ جہاں کا عام فطری نظام یہ ہے کہ آدمی کھانے پینے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عالم سموات میں ہیں جہاں اس طرح کی کوئی ضرورت اور کوئی تقاضا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فرشتوں کا حال ہے حضرت مسیح ؑ اگرچہ ماں کی طرف سے انسانی نسل سے ہیں۔ لیکن ان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے "کلمہ" سے اس کے فرشتے روح القدس کے توسط سے ہوئی۔ اس لئے وہ جب تک ہماری انسانی دنیا میں رہے۔ انسانی ضروریات اور تقاضے بھی اُن کے ساتھ رہے لیکن جب وہ انسانی دنیا سے عالم سموات اور عالم ملکوت کی طرف اٹھا لئے گئے۔ تو وہ ان ضروریات اور تقاضوں سے فرشتوں ہی کی طرح بے نیاز ہو گئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے۔ "الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح" (جو دراصل عیسائیوں کے رد میں لکھی گئی ہے) اس میں ایک جگہ گویا اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "حضرت مسیح جب آسمان پر ہیں تو ان کے کھانے پینے جیسی ضروریات کا کیا انتظام ہے"، شیخ الاسلام نے تحریر فرمایا ہے۔

فليست حاله كحالة اهل الارض فى الاكل والشرب و اللباس والنوم والغائط والبول ونحو ذالك ۔	(وہاں آسمان پر) کھانے پینے اور لباس اور سونے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں کے معاملہ میں ان کا حال زمین والوں کا سا نہیں ہے (وہاں وہ فرشتوں کی طرح ان چیزوں سے بے نیاز ہیں)۔
(الجواب الصحيح ج ۲ ص ۲۸۰)	

امید ہے کہ ان اصولی باتوں کو پیش نظر رکھا جائیگا تو حضرت مسیح کی حیات و نزول کے بارے میں وہ شبہات اور وساوس انشاء اللہ پیدا نہ ہوں گے جو عقلوں کی خامی ایمان کے ضعف اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے نا آشنائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ —— اس تمہید کے بعد نزولِ مسیحؑ سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ۔ ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ "وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ" الآیۃ —— رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یقیناً قریب ہے کہ نازل ہوں گے تم میں (یعنی مسلمانوں میں) عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے، پھر توڑیں گے وہ صلیب کو، اور قتل کرائیں گے خنزیروں کو اور ختم کر دیں گے جزیہ، اور کثرت و بہتات ہوگی مال کی، یہاں تک کہ کوئی قبول نہیں کریگا اسکو، تا آنکہ ہوگا اس وقت ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر —— پھر کہتے تھے ابوہریرہ کہ اگر قرآن سے اس کا ثبوت) چاہو، تو پڑھو (سورۂ نساء کی یہ آیت) "وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ" الآیۃ (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) "اور سب ہی اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ضرور بالضرور ایمان لے آئیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ ان کے بارے میں شہادت دیں گے" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:- رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں حضرت مسیح کے نزول

اور ان کے چند اہم اقدامات اور کارناموں کا ذکر فرمایا۔ اور امت کو اس کی اطلاع دی ہے چونکہ یہ بالکل غیر معمولی تھا اور بہت سے کوتاہ عقل اور ضعیف الایمان لوگوں کو اسمیں شک شبہ ہو سکتا تھا، اس لئے آپؐ نے اس کو قسم کے ساتھ ذکر فرمایا۔ سب سے پہلے فرمایا "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ"، (اس خداوند پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے) اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا "لَیُوْشِکَنَّ" (یقیناً قریب ہے) یہ بھی نزول مسیح کے یقینی اور قطعی ہونے کی ایک تعبیر ہے، جس طرح قرآن مجید میں قیامت کے بارے میں فرمایا گیا۔ "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ" (قیامت قریب ہی ہے) مطلب یہ ہے کہ اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں سمجھنا چاہیئے، کہ بس آنے ہی والی ہے، بہر حال قسم کے بعد "لَیُوْشِکَنَّ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو اطلاع دی جا رہی ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

قسم اور "لَیُوْشِکَنَّ" کے ذریعہ مزید تاکید کے بعد جو اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس ارشاد میں دی، اس کو واضح اور عام فہم الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ یقیناً یہ ہونے والا ہے کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم اللہ کے حکم سے عادل حاکم کی حیثیت سے تم مسلمانوں میں (یعنی اس وقت ان کی حیثیت مسلمانوں ہی میں کے ایک عادل حاکم اور امیر کی ہوگی) اور وہ اپنی حاکمانہ حیثیت سے جو اقدامات کریں گے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صلیب جو بت پرستوں کے بتوں کی طرح عیسائیوں کا گویا "بت" بن گئی ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہ کن اور موجب کفر عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کو توڑ دیں گے، توڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو تعظیم اور ایک طرح کی پرستش عیسائیوں میں ہو رہی ہے، اس کو ختم کر دیں گے۔ الغرض اس "صلیب شکنی" کا مطلب وہی سمجھنا چاہیئے جو ہماری زبان میں "بت شکنی" کا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ وہ خنزیروں کو قتل کرائیں گے، عیسائیوں کی ایک بڑی گمراہی اور دین عیسوی میں ایک بڑی تحریف یہ بھی ہے کہ خنزیر (جو تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے) اسکو انھوں نے جائز کر لیا ہے، بلکہ وہ ان کی مرغوب ترین غذا ہے، عیسیٰ علیہ السلام

نہ صرف یہ کہ اس کی حرمت کا اعلان فرمائیں گے، بلکہ اس نسل ہی کو نیست و نابود کر دینے کا حکم دیں گے، اس کے علاوہ ان کا ایک خاص اقدام یہ بھی ہو گا کہ وہ جزیہ کے خاتمہ کا اعلان فرما دیں گے (جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرما دیا۔ تو حضرت عیسیٰ ع کا یہ فیصلہ اور اعلان اسی کی بنیاد پر ہو گا، اپنی طرف سے اسلامی شریعت و قانون میں تبدیلی نہیں ہو گی)۔ آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں مال و دولت کی ایسی کثرت اور بہتات ہو گی کہ کوئی کسی کو دینا چاہے گا تو وہ لینے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو گا، دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور اس کے مقابلہ میں آخرت کے اجر و ثواب کی طلب و رغبت اللہ کے بندوں میں اس درجہ پیدا ہو جائے گی کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک سجدہ زیادہ عزیز اور قیمتی سمجھا جائے گا حضرت ابو ہریرہؓ نے نزول مسیح سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ "اقرءوا ان شئتم الخ" مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت سے پہلے حضرت مسیح کے نازل ہونے کا بیان قرآن میں پڑھنا چاہو تو سورہ نساء کی یہ آیت "وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ الآیہ

سورہ نساء آیت ۱۵۹) پڑھو۔

حدیث کی تشریح و وضاحت کے لئے اتنا ہی لکھنا کافی سمجھا گیا، آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے قرآن مجید سورہ نساء کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، اس کی تفسیر و تشریح راقم سطور کی کتاب "قادیانی مسلمان کیوں نہیں، اور مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (ص ۱۰۰ تا ۱۱۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا اُس وقت جب نازل ہوں گے تم میں عیسٰی ابن مریم اور امام تمہارے ہوں گے تم میں سے
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح :۔ بظاہر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت حالات بہت غیر معمولی ہوں گے، جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث اور اس موضوع سے متعلق دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث کے آخری جزء "وامامکم منکم" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اس وقت عیسٰی بن مریم کی حیثیت یہ ہوگی کہ اگلے زمانے کے ایک نبی و رسول ہونے کے باوجود تم میں کے یعنی تم مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے تمہارے امام اور امیر ہوں گے۔ اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں "وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" کی جگہ "فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ" ہے، اور اس کے ایک راوی ابن ابی ذئب نے اس کی شرح ان الفاظ میں کی ہے۔ "فَاَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ" یعنی عیسٰی بن مریم نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کے امام و حاکم ہوں گے، اور وہ امامت و حکومت قرآن مجید اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق کریں گے، اس تشریح کے مطابق اس حدیث میں عیسٰی علیہ السلام کی امامت سے مراد صرف نماز کی امامت نہیں بلکہ امامت عامہ مراد ہے یعنی امت کی دینی و دنیوی قیادت و سربراہی اور حاکمانہ حیثیت، گویا اس وقت وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب و خلیفہ ہوں گے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ

رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق کے لیے لڑتی رہے گی۔ اور کامیاب رہے گی۔ اسی سلسلہ کلام میں آگے آپ نے فرمایا کہ۔ پھر نازل ہونگے عیسیٰ بن مریم، تو مسلمانوں کے اس وقت کے امیر وامام ان سے کہیں گے کہ آپ نماز پڑھائیے، تو عیسیٰ بن مریم فرمائیں گے کہ نہیں (یعنی میں اس وقت امام بن کر نماز نہیں پڑھاؤں گا) تمہارے امیر وامام تم ہی میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔

(صحیح مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کے پہلے جز میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے ہو چکا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق پر ہو گی۔ اور حق کے لئے حسب حالات وضرورت دشمنانِ حق سے لڑتی رہے گی۔ اور کامیاب رہے گی۔ حدیث کے شارحین نے لکھا ہے کہ دین حق کی حفاظت وبقا اور فروغ کے لئے یہ لڑائی تلوار جنگ کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، اور زبان وقلم اور دلائل وبراہین سے بھی۔ اور دین حق کی اس طرح حفاظت اور اس کے فروغ کی جدوجہد کرنے والے سب ہی باتوفیق بندے دین حق کے سپاہی اور مجاہد فی سبیل الحق ہیں۔ اور بلاشبہ کوئی زمانہ ایسے بندگان خدا سے خالی نہیں رہا۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے۔ حدیث کے دوسرے جز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشین گوئی وآگاہی یہ اطلاع دی ہے کہ قیامت کے قریب آخری زمانے میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ نماز کا وقت ہو گا، تو اس وقت مسلمانوں کے جو امام وامیر ہوں گے وہ حضرت عیسیٰ سے عرض کریں گے، کہ آپ تشریف لے آئے۔ اب آپ ہی نماز پڑھائیں۔ اس وقت حضرت عیسیٰ نماز کی امامت کرنے سے انکار کر دیں گے، اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھاؤ، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جو خاص اعزاز بخشا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا امام انہی میں سے ہو۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے خروجِ دجال اور

نزول مسیح کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے، اس میں یہ تفصیل ہے کہ مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے (یعنی دجال کے فتنہ سے حفاظت اور اس کے مقابلہ کے لئے مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے) فجر کی نماز کا وقت ہوگا۔ اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ ان کے امام جو ایک مرد صالح ہوں گے (ہو سکتا ہے کہ وہ مہدی ہوں) نماز پڑھانے کے لئے امام کی جگہ کھڑے ہو جائیں گے۔ اور اقامت کہی جا چکی ہوگی اس وقت اچانک عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں گے، تو مسلمانوں کے جو امام و امیر نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑے ہو چکے ہوں گے، وہ پیچھے ہٹنے لگیں گے، اور حضرت عیسیٰؑ سے عرض کریں گے کہ اب نماز آپ پڑھائیں (کیونکہ بہتر یہی ہے کہ جماعت میں جو سب سے افضل ہو وہی امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اگلے زمانے میں اللہ کے نبی و رسول تھے بلاشبہ وہی سب سے افضل ہوں گے، اس لئے اس وقت کے مسلمانوں کے امام امامت کے مصلے سے پیچھے ہٹ کر ان سے درخواست کریں گے کہ اب جبکہ آپ تشریف لے آئے تو نماز آپ ہی پڑھائیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت نماز پڑھانے سے انکار کر دیں گے۔ اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھائیں، کیونکہ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے لئے اس وقت جماعت کھڑی ہوئی ہے اور اقامت کہی جا چکی ہے۔

بہر حال عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ پہلی نماز ہوگی، اور وہ یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے مقتدی بن کر ادا کریں گے، اور خود امامت سے انکار فرما دیں گے۔ وہ ایسا اس لئے کریں گے کہ ابتدا ہی میں عمل سے بھی یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اگلے زمانے کے ایک جلیل القدر نبی و رسول ہونے کے باوجود اس وقت وہ امت محمدیہ کے افراد کی طرح شریعت محمدی کے متبع ہیں، اور اب دنیا کے خاتمہ تک شریعت محمدی ہی کا دور ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس بینی وبینہ (یعنی عیسی علیہ السلام) نبیٌّ وانہ نازلٌ فاذا رأیتموہ فاعرفوہ رجلٌ مربوعٌ الی الحمرۃ

والبیاض بین ممصرتین کأن رأسه یقطر وإن لم یصبه بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویهلک الله فی زمانه الملل کلها الا الاسلام ویهلک المسیح الدجال فیمکث فی الارض اربعین سنة ثم یتوفی فیصلی علیه المسلمون۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے (اور انکے ... ساتھ اپنا خاص تعلق بیان فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں (ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے) اور یقیناً وہ (میرے دور نبوت میں قیامت سے پہلے) نازل ہونے والے ہیں۔ تم جب ان کو دیکھو، تو پہچان لیجیو، وہ میانہ قد ہوں گے، ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا۔ وہ زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے۔ ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں اگرچہ سر کو تر نہ کیا گیا ہو گا۔ وہ نازل ہونے کے بعد اسلام کے لئے جہاد و قتال کریں گے، وہ صلیب کو پاش پاش کر دیں گے، اور خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔ اور ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ساری ملتوں اور مذہبوں کو ختم کر دیں گے، اور حضرت مسیح دجال کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس کو فنا کر دیں گے۔ پس وہ اس زمین اور اس دنیا میں چالیس سال رہیں گے، پھر یہیں وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح:- اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

بے کے نزول کی اطلاع کے ساتھ اُن کی بعض ظاہری علامتیں بھی بیان فرمائیں، ایک یہ کہ نہ تو وہ زیادہ دراز قد ہوں گے نہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد ہوں گے، دوسری یہ کہ اُن کا رنگ سرخ و سفید ہوگا۔ تیسری یہ کہ ان کا لباس ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے۔ چوتھی یہ کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ اُن کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، حالانکہ ان کے سر پر پانی نہ پڑا ہوگا۔ وہ تو اسی وقت آسمان سے اترے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے صاف شفاف ہوں گے اور ان کے سر کے بالوں کی کیفیت ایسی ہوگی، جیسے کہ ابھی غسل فرما کے تشریف لا رہے ہیں،

یہ چند ظاہری علامتیں تبلانے کے بعد آپؐ نے ان کے خاص اقدامات اور کارناموں کا ذکر فرمایا۔ اس سلسلہ کی پہلی اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین حق اسلام کی دعوت دیں گے۔ (جس کی دعوت اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنیوالے سب پیغمبروں نے دی ہے) اور اُن کا آسمان سے نازل ہوکر دینِ اسلام کی دعوت دینا اس کے دین حق ہونے کی ایسی روشن دلیل ہوگی جس کے بعد اس کو قبول کرنے سے صرف وہی بدبخت اور سیاہ باطن لوگ انکار کریں گے جن کے دلوں میں حق سے عناد ہوگا، اور اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہ ہوگی تو حضرت عیسیٰؑ ان کو بھی دین حق اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لئے بالآخر طاقت استعمال فرمائیں گے، اور جہاد و قتال کریں گے۔ اس کے علاوہ دو اقدام ان کے خاص طور سے ان کے نام لیوا عیسائیوں سے متعلق ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ صلیب کو پاش پاش کردیں گے، جس کو عیسائیوں نے اپنا شعار اور گویا معبود بنا لیا ہے۔ اور جس پر اُن کے انتہائی گمراہانہ عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے۔ اس کے ذریعہ اس حقیقت کا بھی اظہار ہوگا کہ وہ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اس بارہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں فرقوں کا عقیدہ غلط باطل ہے۔ حق وہ ہے جس کا اعلان قرآن پاک میں کیا گیا ہے اور جو امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ اپنے نام لیوا عیسائیوں سے ہی متعلق دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ وہ خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے، جن کو عیسائیوں نے اپنے لئے حلال قرار

دے لیا ہے۔ حالانکہ وہ تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے۔ اس کے بعد حدیث شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ جزیہ لینا موقوف اور ختم کر دیں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر ظاہر فرما دیا کہ ہماری شریعت میں جزیہ کا قانون نزول مسیح کے وقت تک کے لئے ہے، جب وہ نازل ہو جائیں گے۔ اور آپ کے خلیفہ کی حیثیت سے امت مسلمہ کے سربراہ اور حاکم ہوں گے۔ تو جزیہ کا قانون ختم ہو جائے گا۔ (اس کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر معمولی برکات ہوں گی۔ تو حکومت کو جزیہ وصول کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ جو ایک طرح کا ٹیکس ہے) اس کے بعد حدیث شریف میں اُن کے دو اور اہم کارناموں کا ذکر فرمایا گیا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ذریعہ دینِ حق اسلام کے سوا دوسرے تمام باطل مذہبوں اور ملتوں کو ختم فرما دے گا۔ سب ایمان لے آئیں گے۔ اور اسلام قبول کر لیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی کے ہاتھ سے دجّال کو ہلاک کرا کے جہنم واصل کرے گا اور دنیا دجّال کے اس فتنہ سے نجات پائے گی۔ جو اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہو گا۔ آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسیح علیہ السلام نازل ہونے کے بعد اس دنیا اور اس زمین میں چالیس سال رہیں گے۔ اس کے بعد یہیں وفات پائیں گے۔ اور مسلمان اُن کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہاں نقل کی گئی اور یہاں تک اس کی تشریح کی گئی یہ مسند امام احمد میں بھی ہے اور اس میں کچھ اضافہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اور اُن کے زمانۂ حکومت و خلافت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خارق عادت برکات ہوں گی اُن میں سے ایک یہ بھی ہو گی، کہ شیر بھیڑیئے وغیرہ درندوں کی فطرت بدل جائے گی، بجائے درندگی کے اُن میں مسالمتی آجائے گی۔ شیر چیتے، اونٹوں، گایوں، بیلوں کے ساتھ، اسی طرح بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ گھومیں گے۔ کوئی کسی پر حملہ نہیں کریگا۔ اسی طرح چھوٹے بچے سانپوں

سے کھیلیں گے، اور سانپ کسی کو نہیں ڈسیگا۔ اور کسی سے کسی کو ایذا نہیں پہونچے گی۔ یہ خوارق اور درندوں کی فطرت تک میں یہ انقلاب اس کی علامت ہوگا کہ یہ دنیا اب تک جس نظام کے ساتھ چل رہی تھی۔ اب وہ ختم ہونے والا ہے۔ اور قیامت قریب ہے اور اس کے بعد آخرت والا نظام چلنے والا ہے۔ جیسا کہ راقم سطور نے تمہیدی اصولوں کے ضمن میں عرض کیا تھا۔ اس وقت کو روز قیامت کی صبح صادق سمجھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت پر جس کا ایمان ہو، اس کے لئے اُن میں سے کوئی بات بھی ناقابل فہم اور ناقابل یقین نہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ فَیَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَهٗ وَیَمْکُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یَمُوْتُ فَیُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ۔ (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہوں گے، وہ یہاں آکر نکاح بھی کریں گے، اور اُن کی اولاد بھی ہوگی۔ اور وہ پینتالیس ۴۵ سال رہیں گے پھر اُن کی وفات ہو جائے گی، وفات کے بعد اُن کو میرے ساتھ (اس جگہ جہاں میں دفن کیا جاؤں گا) دفن کیا جائے گا۔ پھر جب قیامت قائم ہوگی تو میں اور عیسیٰ بن مریم ابو بکر و عمر کے درمیان قبر کی اسی جگہ سے اٹھیں گے، (کتاب الوفا لابن الجوزی)

تشریح:۔ یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ہماری اس دنیا میں تھے تو انھوں نے یہاں پوری زندگی تجرد کی گزاری، نکاح نہیں کیا۔ حالانکہ نکاح اور تزوج انسان کی فطری ضروریات میں سے ہے، اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔ اسی لئے جہاں تک معلوم ہے، اُن سے پہلے اللہ کے تمام پیغمبروں نے اور ان کے بعد آنے والے خاتم

النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی نکاح کیا ہے۔ ابن الجوزی کی کتاب الوفا کی اس روایت سے معلوم ہوا، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ نزول کے بعد کی یہاں کی زندگی میں وہ نکاح بھی کریں گے، اور اولاد بھی ہوگی۔ آگے اس روایت میں ان کے قیام کی مدّت پینتالیس ۴۵ سال بیان کی گئی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجہ بالا روایت میں (جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے اوپر نقل کی گئی ہے) نزول کے بعد اُن کی مدت قیام چالیس ۴۰ سال بتلائی گئی ہے، بعض اور روایات میں بھی ان کی مدت قیام چالیس ۴۰ سال ہی بیان فرمائی گئی ہے۔ بعض شارحین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ چالیس والی روایات میں اوپر کا عدد حذف کر دیا گیا ہے۔ اور عربی محاورات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسر حذف کر دی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ روایت کے آخری حصہّ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہیں وفات پائیں گے۔ اور جہاں میں دفن کیا جاؤں گا، وہیں وہ بھی دفن کئے جائیں گے۔ اور جب قیامت قائم ہوگی، تو میں اور وہ ساتھ ہی اٹھیں گے، اور ابوبکر و عمر بھی دائیں بائیں ہمارے ساتھ ہونگے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر مستقبل کی جو بہت سی باتیں منکشف کی گئی تھیں، جن کی آپؐ نے اُمّت کو اطلاع دی، اُن میں سے یہ بھی تھی کہ جس جگہ میں دفن کیا جاؤں گا، وہیں میرے بعد میرے دونوں خاص رفیق ابوبکر و عمر بھی دفن کئے جائیں گے، اور آخری زمانے میں جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ اور یہیں وفات پائیں گے۔ تو اُن کو بھی اُسی جگہ میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے گا۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو ہم دونوں ساتھ اُٹھیں گے، اور ابوبکر و عمر ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

معلوم ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں ہوئی تھی۔ اور آپ کے ایک ارشاد کے مطابق اسی جگہ آپ دفن کئے گئے۔ اسکے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو وہ بھی وہیں برابر میں دفن کئے گئے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے، تو حضرت

صدیقہ رضؓ کی رضا اور اجازت سے وہ بھی وہیں صدیق اکبرؓ کے برابر میں دفن کئے گئے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حجرہ شریفہ میں ایک قبر کی جگہ اس کے بعد بھی باقی رہی، پھر سبط اکبر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو لوگوں نے چاہا کہ اُن کو وہاں دفن کیا جائے، ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی اور اجازت دیدی، لیکن اُس وقت اموی حکومت کے جو حکام مدینہ منورہ میں تھے وہ مانع ہوئے (غالباً اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں کیا گیا۔) پھر جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) تب بھی یہی ہوا۔ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تدفین کی اجازت دیدی، لیکن وہ بھی وہاں دفن نہیں ہو سکے۔ پھر جب خود ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مرض وفات میں اُن سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو اس جگہ دفن کیا جائے، تو انھوں نے فرمایا کہ بقیع میں جہاں حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات مدفون ہیں، مجھے بھی اُن کے ساتھ بقیع ہی میں دفن کیا جائے، چنانچہ وہ وہیں دفن کی گئیں۔ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جو جگہ خالی رہی تھی، وہ خالی ہی ہے، اور مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونے کے بعد وفات پائیں گے تو وہیں دفن کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں یہ پہلے یہودی تھے اور تورات اور قدیم آسمانی صحیفوں کے بہت بڑے عالم تھے امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ جامع ترمذی میں اُن کا یہ بیان روایت کیا ہے، جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ترمذی ہی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ قال مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ صلے اللہ علیہ وسلم وَعِیسیٰ بن مریم یُدْفَنُ مَعَهُ۔ (جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ المصابیح)

عبداللہ بن سلام رضؓ نے بیان فرمایا کہ تورات میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا

حال بیان کیا گیا ہے۔ (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ بن مریم اُن کے ساتھ (یعنی اُن کے قریب ہی) دفن کئے جائیں گے۔

امام ترمذی کی سند میں اس حدیث کے راویوں میں ایک ابومودود ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ ان ابومودود کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے۔ وَقَدْ بَقِيَ فِي الْبَيْتِ مَوْضِعُ قَبْرٍ (یعنی حجرہ شریفہ میں (جو اَب روضۂ مقدسہ ہے) ایک قبر کی جگہ باقی ہے) کیا عجب بلکہ قرین قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قبر کی جگہ خالی رہنے کا تکوینی انتظام اسی لئے ہوا ہو کہ اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مدفون ہونا مقدر ہو چکا ہو واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيَقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ۔ رواہ الحاکم فی المستدرک

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی عیسیٰ بن مریم کو پائے، وہ اُن کو میرا سلام پہونچائے۔ (مستدرک حاکم)

تشریح: اس مضمون کی ایک اور حدیث مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔ اور مسند احمد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "اِقْرَؤُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامَ"، (تم لوگ اگر عیسیٰ ع کو پاؤ تو اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام پہونچائیو) اور مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک مجلس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بیان کرنے کے بعد حاضرین مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی طرف سے فرمایا مائے بَنِيْ اَخِيْ اِنْ رَأَيْتُمُوْهُ فَقُوْلُوْا اَبُوْهُرَيْرَةَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ (اے میرے بھتیجو اگر تم عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو تو

لہ عرب کے لوگ جب اپنے سے بڑے سے بات کرتے ہیں تو ادب واحترام کے طور پر کہتے ہیں یا عَمِّ
(باقی اگلے صفحہ پر)

میری طرف سے اُن سے عرض کیجیو کہ ابوہریرہؓ نے آپ کو سلام کہا ہے)

حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول سے متعلق یہاں صرف سات حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور اُن کی بقدر ضرورت ہی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے (جیسا کہ اس سلسلہ "معارف الحدیث" میں راقم سطور کا عام معمول رہا ہے) — ابتدائی تمہیدی سطروں میں استاذنا امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس میں حضرت استاذ رحؒ نے اسی مسئلہ نزول مسیحؑ سے متعلق حدیث کی صرف مطبوعہ کتابوں سے مختلف صحابۂ کرام کی روایت کی ہوئی پچھتر حدیثیں جمع فرمائی ہیں۔ یہ مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں میں فرمائے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں جن میں آپ نے آخر زمانے میں قیامت سے پہلے جبکہ دجّال کا خروج ہو چکا ہوگا۔ جو آپؐ کی امت کے لئے عظیم ترین فتنہ ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی اور اُن کے اُن اہم اقدامات اور کارناموں کی امت کو خبر دی ہے، جن کا خاص تعلق آپ کی اُمّت سے ہوگا۔ اس رسالہ میں حضرت استاذ رحؒ نے احادیث نبویہ کے علاوہ اسی مسئلہ نزول مسیح سے متعلق حضرات صحابہ وتابعین کے ۲۶ ارشادات بھی حدیث کی کتابوں سے جمع فرما دیئے ہیں — اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری زمانے میں حضرت مسیح بن مریم کے نازل ہونے کی امت کو خبر دینا ایسے تواتر سے ثابت ہے کہ اس میں کسی تاویل اور شک شبہ کی گنجائش نہیں۔ نیز یہ کہ حضرات صحابہ کرام اور اُن کے بعد حضرات تابعین کا عقیدہ بھی یہی تھا اور انھوں نے قرآنی آیات اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہی سمجھا تھا۔ بلاشبہ حضرت استاذ رحؒ کا یہ رسالہ اس مسئلہ میں حجت قاطعہ ہے۔ وللہ الحجۃ البالغۃ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) (اے چچا جان) اور جب چھوٹوں سے بات کرتے ہیں تو شفقت اور پیار کے طور پہ کہتے ہیں "یا ابن اخی" (اے میرے بھتیجے)

لے ابتدائی تمہیدی سطروں میں جہاں اس رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں یہ تبلایا جا چکا ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے ۱۳۴۲ھ میں یہ لکھا گیا تھا اور اسی سال طبع ہوا تھا (باقی اگلے صفحہ)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) راقم سطور کے پاس اس پہلے ہی اڈیشن کا نسخہ تھا۔ اس کی تالیف اور طباعت کے قریباً چالیس سال بعد ۱۴۰۳ھ میں حلب (شام) کے جلیل القدر عالم علامۃ العصر محدّث کبیر شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ نے اس کو اپنی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع فرمایا۔ اس سلسلہ میں علامہ موصوف نے ایک بہت بڑا کام یہ کیا کہ اصل رسالہ میں حدیثوں کے حوالہ کے لئے صرف کتابوں کے نام لکھنے پر اکتفا کیا گیا تھا صفحات کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی (جیساکہ پہلے علماء مصنفین کا عام معمول تھا)۔ شیخ ابوغدّہ نے اپنی تعلیق میں ہر حوالہ کے صفحہ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ حضرات اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے لئے ان کو کتنی محنت اور کتنا وقت صرف کرنا پڑا ہوگا۔ راقم سطور نے حوالوں کا شمار کرنا ضروری نہیں سمجھا لیکن وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کئی سو حوالے ہیں جن کے صفحات کی انھوں نشاندہی کی ہے۔ علاوہ ازیں کسی حدیث کے متن میں اگر کوئی لفظ تشریح طلب تھا تو تعلیق میں اس کی تشریح بھی کی ہے۔ ایک مستقل اضافہ یہ کیا ہے کہ اصل رسالہ میں پچھتر حدیثیں تھیں۔ اپنے مطالعہ اور تلاش سے ان پر دس حدیثوں کا اضافہ کیا ہے اس طرح اب حدیثوں کی تعداد پچاسی ہوگئی ہے اسی طرح صحابہ کرام و تابعین کے آثار و اقوال میں بھی دس کا اضافہ کیا ہے۔ اب انکی تعداد چھبیس ۲۶ سے بڑھ چھتیس ۳۶ ہوگئی ہے۔ کتاب کی اس خدمت کے علاوہ شروع میں جو "مقدمہ" لکھا ہے وہ بڑا قیمتی اور بصیرت افروز اضافہ ہے۔ اُسی کے ساتھ رسالہ کے مؤلف استاذنا امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رح کا تذکرہ بھی "ترجمۃ المؤلف" کے عنوان سے لکھا ہے جو ۱۲ صفحات پر ہے۔ اس کی قدر و قیمت خاص طور سے حضرتؒ کے وہ تلامذہ اور خدام ہی سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے حضرت کو دیکھا تھا اور استفادہ کی توفیق ملی۔ بلاشبہ شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ نے اس رسالہ کے سلسلہ میں جو کام کیا ہے۔ وہ اُن کی عظیم دینی و علمی خدمت اور ہم جیسے طالبعلم پر احسان جزیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مطابق اس کا صلہ اُن کو عطا فرمائے۔ ان ہشکورٌ کریم ——— محمد منظور نعمانی

ڈاکٹر موسیٰ موسوی اصفہانی
ترجمہ مولانا شمس تبریز فاضل دیوبند ایم اے

خمینی کی شخصیت
میرے اپنے تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں

ڈاکٹر موسیٰ موسوی اصفہانی ایک شیعہ مجتہد ہیں، جو فقیہ و مجتہد ہونے کے ساتھ علوم جدیدہ کے بھی حامل ہیں، انھوں نے فقہ اور اجتہاد کی اعلیٰ تعلیم اور سندِ اجتہاد پہلے نجف اشرف کی "جامعۃ الکبریٰ" سے حاصل کی۔ اس کے بعد طہران یونیورسٹی سے قانون اسلامی میں ڈاکٹریٹ (پی۔ ایچ ڈی) کیا۔ اس کے بعد انھوں نے پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کیا وہ طہران یونیورسٹی میں اسلامی اقتصادیات کے استاذ بھی رہے۔ دو دفعہ وہ اپنے حلقہ سے اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ چونکہ وہ شاہ کے خلاف انقلابی تحریک کے قائدین میں تھے۔ اور ایک دفعہ شاہ سے گرم و تلخ گفتگو بھی کی تھی (جو ان کی ڈائری میں ۱۹۶۰ء میں شائع بھی ہو چکی ہے) اس لئے شاہ کے مخصوص قاتل دستہ ساواک کی گولیوں کا نشانہ بھی بنے۔
حال ہی میں ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب سے متعلق ان کی ایک کتاب عربی زبان میں "الثورۃ البائسۃ" کے نام سے شائع ہوئی ہے، یہ قریباً سوا دو سو

ل؎ کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں جو کچھ ان سطور میں لکھا گیا ہے وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے

صفحے کی کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے خمینی صاحب اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب سے متعلق جو حقائق سامنے آئے ہیں وہ انتہائی عبرتناک ہیں اور ایک دیرینہ رفیق کی زبانی اور "وشھد شاھدٌ من اھلھا" کے مصداق ہونے کے اعتبار سے ان کی خاص معنوی اہمیت ہے۔ اسی خیال سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان کی اس کتاب کے چند اہم مشتملات اردو داں قارئین کے سامنے بھی پیش کر دیئے جائیں۔

ذیل میں ہم کتاب کی جس فصل کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں وہ کتاب کے آخری صفحات میں ہے۔ اور اس کا عنوان ہے "انا والخمینی"، اس سے ڈاکٹر موسوی کی شخصیت اور ان کے اور خمینی صاحب کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم نے اپنی ترتیب میں اس کو اسی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

ادارہ الفرقان

میں نے دوسری فصلوں کے ساتھ اس فصل کا اضافہ اس لئے ضروری سمجھا تاکہ عام قاری اور ایران کے اس دور کا مورخ کہیں یہ نہ سمجھے کہ کتاب کا مصنف انقلاب سے ناواقف اور اس کا دور کا تماشائی، اور اسلامی احوال و معاملات سے دور کا تعلق رکھتا ہے، اس لئے میں ان لوگوں کے سامنے جنھیں "ولایت فقیہ" کے نظریہ نے مسحور و مرعوب کر دیا ہے، فقہائے اسلام کے ایک فرد کی حیثیت سے پوری صراحت کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ "ولایت فقیہ" کا نظریہ خمینی کی ایجاد کی ہوئی ایک بدعت اور ضلالت ہے۔ جس کے ذریعہ انھوں نے معاشرے کو گمراہ کیا ہے اور اس نظریہ پر خود ان کا اور ان کی جماعت کا بھی یقین نہیں ہے، بلکہ اسے انھوں نے مسلمانوں کے اوپر ظالمانہ طور پر مسلط ہونے کا ایک بہانہ بنایا ہے، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اور ہر اس شخص سے بری ہیں جو باطل کے ذریعہ حکومت کرتا ہے اور ظالموں کو امام و رہنما بناتا ہے۔

میں امام اکبر جد محترم سید ابوالحسن موسوی اصفہانی کی خدمت میں جو شرق و مغرب میں

ساری دنیا کے شیعوں کے مرجع اعلیٰ تھے) سترہ سال رہا ہوں۔ جن کے بارے میں امام کاشف الغطاء الکبیر نے ایک بار کہا تھا کہ "انھوں نے اپنے علم وفضل سے اگلوں کو بھلا دیا، اور پچھلوں کو مشکل میں ڈال گئے،، ان سے میں نے کبھی ایسی بات نہیں سنی۔ بلکہ وہ مراجع اسلام (علماء مجتہدین) کو حکومت سے دور رہنے کی وصیت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجتہد کی ذمہ داری لوگوں کی ہدایت اور ایسے بہتر معاشرے کی تشکیل ہے جس میں "بغض وحسد اور ظلم وزیادتی" نہ ہو۔ اور جب ان کے بڑے صاحبزادے (جو میرے والد تھے) نجف میں مغرب وعشاء کے درمیان شہید ہوئے اور جنھیں ایک ایسے جاسوس نے قتل کر دیا، جو طالب علموں والا لباس پہن کر آیا تھا۔ جسے قم سے نجف اسی جرم کے ارتکاب کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تو ہمارے جد محترم نے قاتل کو یہ کہتے ہوئے معاف کر دیا کہ مسلمانوں کے امام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنی امت کے کسی فرد سے بدلہ لے، اگرچہ وہ اس کے بیٹے ہی کا قاتل ہو، اور عدالت کو اپنے قلم سے لکھ دیا کہ "امام المسلمین تمام مسلمانوں کے روحانی باپ کے درجے میں ہوتا ہے اس کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی فرد سے بدلہ لے۔ والی اللہ المشتکی وھو نعم المولیٰ ونعم النصیر،،

ایرانیوں کا یہ خیال اور تصور تھا کہ خمینی ان کی تحریک کے قائد اور انقلاب کے رہنما ہیں اس لئے سابق علمائے اسلام کی خصوصیات بھی رکھتے ہوں گے، ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ رحم وکرم سے بہت دور اور شر سے نزدیک ہیں۔ اور قتل وغارت میں انھیں ایسا مزہ آتا ہے کہ نوعمر نوجوانوں کو بھی ان کی تلوار نہیں بخشتی۔ چنانچہ تین ماہ کے اندر تین ہزار مسلمان نوجوان مرد اور عورتیں "مرگ بر خمینی،، کہنے کے جرم میں تہ تیغ کئے گئے۔ میں نہیں جانتا کہ خمینی اپنے رب سے اس حال میں کیسے ملیں گے کہ ان کی گردن پر بے شمار بے قصور مسلمانوں کا خون ہوگا۔

اب میں اس فصل کی مقصدی بات یعنی خمینی سے اپنے تعلق کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ ان سے میرا تعلق قم سے لیکر جہاں وہ ایک نامعروف آدمی کی زندگی گزار رہے تھے آج تک کی مدت تک وسیع ہے، جبکہ وہ آج ایسے معروف ومشہور ہو چکے ہیں کہ ہر

ایک ان کا نام جانتا ہے۔
میں جب بھی قم جاتا تو خمینی سے راستے میں یا کسی دوست کے یہاں ملاقات کرتا، ان کی مجلس بڑی دلچسپ اور پُر لطف ہوتی۔ ان کے درس میں اسلامی فلسفہ پڑھایا جاتا۔ جس میں تصوف کی چاشنی بھی ہوتی تھی۔
وہ ہر سال گرمیاں قم کی گرمی سے گھبرا کر طہران میں گزارتے تھے، اور جب وہ طہران آتے تو میں ان سے ایک دو ملاقاتیں کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک بار اپنے گھر پر ان کی دوپہر کے کھانے کی دعوت کی تھی، اور ان کے ساتھ شیخ مرتضیٰ حائری بھی تھے جو قم میں رہتے تھے اور وہاں کے بڑے علماء میں ہیں۔ اس وقت ہمیں کیا پتہ تھا کہ تقدیر ایرانیوں کے ساتھ مذاق کرے گی، اور جسے میں آج اپنے ہاتھوں سے کھلا پلا رہا ہوں۔ اسے وہ ایسا ڈکٹیٹر بنا دے گی جس کے پیچھے ہمہ گیر تباہی و بربادی ہے یہ ۱۹۵۵ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔
میں ایران سے باہر جامعہ سوربون سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ حاصل کرنے فرانس روانہ ہو گیا۔ میں فقہ اسلامی کی اعلیٰ ڈگری رکھنے والا پہلا مجتہد تھا جو علم جدید کی طلب ادراس سے آراستہ ہونے کے لئے یورپ گیا۔ اس موقع پر جبکہ میں نے یورپ میں چار سال گزارے خمینی کے حالات سے بے خبر رہا۔ پھر ۱۹۵۹ء میں ایران واپس آکر سیاست میں داخل ہوا۔ اور اپنے حلقہ سے اسمبلی کا ممبر ہو گیا۔ اس ممبری کے زمانے میں حکومت کیخلاف تحریک کی قیادت بھی کرتا تھا۔ اسوقت بھی میں خمینی کے بارے میں ناواقف رہا۔ اور میرے مشاغل نے ان کے بارے میں سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ انھی دنوں روحانی رہنما امام بروجردی کا ۱۹۶۱ء میں قم میں انتقال ہو گیا۔ اور نئے رہنماؤں کے نام سامنے آئے جن میں خمینی کا کہیں نام نہ تھا، البتہ ان میں شریعت مداری، گلپائگانی اور مرعشی کے نام تھے جو اب بھی بقید حیات ہیں۔
اب مصیبتوں کا آغاز ہوا۔ اور شاہ نے کسانوں کو زمین دینے کا اعلان کیا۔ اور بہت سی جماعتیں شاہ کے خلاف کھڑی ہو گئیں جن میں علمائے دین بھی تھے۔ خمینی بھی اس

جماعت میں شامل ہو گئے۔ اور انھوں نے بڑی جرأت دکھائی۔ اور لوگوں کے قائدین گئے خمینی شاہ کے حکم سے قید کئے گئے۔ ان کے ساتھ امام قمی، امام محلاتی اور دوسرے رہنما بھی تھے۔ اور حکومت و عوام کے درمیان خونی جھڑپ ہوئی۔ خمینی زیادہ دن قید نہیں رہے بلکہ وہ رہا ہو کر کچھ عرصے طہران میں پابند اقامت رہے۔ پھر قم آکر شاہ کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ اور ترکی جا کر بورسا میں ٹھہرے۔ پھر عراق گئے جہاں نجف میں کچھ عرصہ سے جب طہران میں خمینی اور ان کے ساتھی پکڑے گئے تو میں حکومت اور دینی قیادت کے درمیان ثالثی کے خیال سے شاہ کے پاس گیا۔ مگر وہاں بڑی بدمزہ ملاقات اور سخت بات ہوئی۔ اور میں مایوس ہو کر قصر شاہی سعد آباد سے نکل آیا۔ یہ ملاقات شاہ سے میرے قطع تعلق اور ایران چھوڑنے کا سبب بنی۔ پھر اس کے نتیجے میں مجھے ایذا دی گئی۔ اور بصرہ میں ساواک کے ذریعہ مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر اللہ کے فضل سے میں پشت اور دائیں ہاتھ میں گولی کھانے کے بعد بھی بچ گیا۔ میں یہاں شاہ سے اپنی گفتگو کی تفصیل نہیں درج کرتا کہ اسے میں نے اپنی ڈائری (ایران ربع صدی میں) دیدیا ہے جو ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۶۵ء کی گرمیوں میں خمینی عراق آئے، میں نجف میں تھا۔ میں نے انھیں خوش آمدید کیا۔ اور کاظمیہ میں ان کا استقبال کیا۔ اور امامین کی زیارت کے لئے ان کے ساتھ سامرا گیا۔ وہ راستے میں مجھ سے ترکی میں پیش آنیوالی تکلیفوں کا ذکر کرتے رہے کہ کس طرح ترک انھیں دینی لباس اتار کر فرنگی لباس پہننے پر مجبور کرتے تھے، خصوصاً جب وہ زیر حراست گھر سے کہیں باہر جاتے تھے تاکہ لوگ انھیں پہچان نہ سکیں۔

ان کے نجف آنے کے کچھ دنوں بعد ان کے لڑکے مصطفیٰ اپنے والد اور مالی مشکلات کے سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کرنے آئے۔ چنانچہ میں نے کویت کے ایک ممتاز عالم سید عباس مہدی کے نام ایک خط لکھا (جو اب حکومت کویت کے حکم سے خمینی سے تعلق کے جرم میں جلا وطن ہو کر قم میں ہیں) میں نے ان سے خمینی کی مالی امداد کی درخواست کی تھی۔ کیونکہ ان کا تعلق ان تاجروں سے تھا جو شاہ مخالف علماء کی مدد کرتے تھے

اور خمینی سے ان کو بھی خاص تعلق تھا۔ انھوں نے میری بات مانتے ہوئے خمینی کی فوری مالی مدد کی۔ یہاں میں پھر کہوں گا کہ صرف خمینی شاہ مخالف دینی رہنما نہیں تھے۔ بلکہ اس راہ کے اور بھی مسافر تھے جن کے حصے میں قید و بند اور جلا وطنی کی زندگی آئی تھی۔ اور جن کا ہم نے بعد میں ذکر بھی کیا ہے۔ مگر خمینی نے اقتدار میں آنے کے بعد اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ اور ہی سلوک کیا۔

امام شریعت مداری تقریباً خانہ قید ہیں۔ امام خاقانی بھی خانہ قید ہیں۔ امام قمی جنھوں نے شاہ کی قید میں ۱۴ سال گزارے ہیں وہ بھی اس المیے کے شکار ہیں۔ امام زنجانی جو شاہی قید میں ۷ سال رہے ہیں دو سال سے اپنے گھر میں مقیم ہیں۔

قیام نجف کے دوران میں نے خمینی کی خاصی مدد کی۔ انھیں جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ میری مدد چاہتے تھے۔ بارہا میں نے ان کی جماعت کو قید سے رہائی دلائی، کیونکہ وہ غیر قانونی طریقے سے عراق میں داخل ہوتے تھے، اور گرفتار ہوتے تھے اور وہ مجھ سے حکام تک سفارش کے لئے کہتے تھے اور ان کا کام ہو جاتا تھا۔

مجھ سے ان کے لڑکے مصطفےٰ نے یہ فرمائش کی کہ میں عراقی ذمہ داروں سے ان کے والد کی جماعت کے لئے نجف کے باہر فوجی ٹریننگ کی اجازت حاصل کروں جو حاصل کر لی گئی اور ان کی خواہش پر میں نے حکام سے اسلحے بھی حاصل کر لئے، نجف آنے کے ابتدائی برسوں میں خمینی کو اس علمی حلقے سے کچھ مشکل پیش آ رہی تھی، جس کی قیادت عراق کے شیعی مرجع اعلیٰ امام حکیم کر رہے تھے، اور جن کا شاہ سے گہرا تعلق تھا، ان کے مریدین اور کچھ اولاد و اقربا شاہ کے وظیفہ خوار ایجنٹ تھے، اور ساواک سے ممکن تعاون کرتے تھے، امام حکیم اور ان کا حلقہ شاہ سے قریب ہونے کے سبب خمینی کے افکار و اعمال کا مخالف تھا ان کے لڑکے مصطفےٰ نے مجھے بتایا کہ جب الحکیم اور ان کی اولاد میرے والد کو کہیں راستے میں دیکھتے تو منھ پھیر لیتے، اور مجلسوں میں ان سے کتراتے تھے۔ امام حکیم جب تک زندہ رہے، خمینی کو نجف کے دینی حلقے کی طرف سے بولنے کے مخالف رہے، مصطفےٰ نے مجھے ایک بار بتایا کہ وہ لوگ میرے والد کو اسلام اور نجف کے علمی حلقے کا دشمن قرار دیتے ہیں جب

ایران کے وزیر خارجہ عباس آرام نجف آئے تو اخباروں میں ان کے ساتھ امام حکیم کی تصویریں شائع ہوئیں، تاکہ ایرانی عوام جن کی اکثریت حکیم کی پیرو تھی، یہ سمجھیں کہ دینی قیادت شاہ کے ساتھ ہے، اور بقول خمینی وہ شاہ مخالف نہیں، بلکہ خمینی ہی گمراہ ہو گئے ہیں، مصطفیٰ نے مجھ سے بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ میں امام حکیم کی اس جارحیت کا سد باب کروں چنانچہ میں نے انھیں دھمکایا۔ وہ نجف و عراق میں میری اہمیت اور امام اکبر سید ابو الحسن سے میرے انتساب کی سبب سے ڈرے، کہ کہیں امام حکیم کے خلاف علم بغاوت نہ بلند کردوں اس لئے انھوں نے خمینی کو بخش دیا۔

خمینی سے ملاقاتوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ خمینی کی خود بینی جنون کی حد تک بڑھتی جا رہی ہے، میرا یہ احساس اس وقت اور قوی ہو گیا، جب میری کتاب "ایران ربع صدی میں" شائع ہوئی جو میری ڈائری اور ایران کے بہت سے سیاسی واقعات پر مشتمل تھی، کتاب بہت سے سیاسی اسرار کی حامل ہونے کے سبب بہت ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔ "دینی قیادت" کا باب کتاب کے اہم ابواب میں تھا، جس میں میں نے امام حکیم اور ان کی جماعت کے شاہ سے تعلقات سے پردہ اٹھایا تھا۔ اور خمینی کا بڑے احترام کے ساتھ ذکر اور شاہ کے خلاف ان کی سرگرمی کا تفصیل سے تذکرہ کیا تھا۔ کتاب کے شائع ہونے کے چند دنوں کے بعد میرے ایک عزیز مجھ سے ملے، اور کہنے لگے کہ میں خمینی کا ایک زبانی پیغام لایا ہوں، میں نے کہا اسے پہونچا دیجئے! انھوں نے کہا کہ خمینی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر موسیٰ کو بتا دیجئے کہ آپ نے یہ کتاب فقط میری تصویر بگاڑنے کے لئے لکھی ہے، اور اس میں کامیاب ہیں، میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا وہ پاگل ہو گئے ہیں؟ کتاب میں تو ان کا با عظمت تذکرہ ہے، اور ان کی سرگرمیوں کی تعریف کی گئی ہے، پھر انھوں نے ایسا کیوں کہا؟ اس پر وہ کہنے لگے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے ذکر کے ساتھ امام طباطبائی قمی کا نام بھی لیا ہے، اور اس ترادف کو وہ اپنے لئے بڑی توہین سمجھتے ہیں اور وہ اپنے کو ایسا زعیم و قائد سمجھتے ہیں جس کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لینا درست نہیں، میں نے ان سے کہا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ امام طباطبائی قمی بھی انھیں کی طرح مجتہد

اور مرجع ہیں، اور آپ کے ساتھ قید میں اور ایک ہی جیل میں رہے ہیں۔ اور ۷ سال سے جیل ہی میں ہیں۔ اور آپ آزادانہ گھوم رہے ہیں، پھر آپ اپنے ساتھ ان کا نام کیوں نہیں پسند کرتے؟ یہ تحریک کسی کی جاگیر نہیں۔ جس طرح کہ مرجعیت کسی کی جاگیر نہیں آپ برسوں قم میں اخلاق کے معلم رہے ہیں کیا اپنا کوئی سبق یاد نہیں رکھا؟ کیا اخلاق کا یہ پہلا سبق نہیں کہ اپنے کو بھول کر انسانوں سے محبت کی جائے؟

اس کے بعد ہمارے درمیان دوری پیدا ہو گئی۔ مگر قطع تعلق کی نوبت نہیں آئی، چنانچہ ۱۹۷۳ء میں مصطفیٰ خمینی مجھ سے بغداد میں ملے، اور مجھ سے نجف سے فارسی میں "النہضۃ الروحیہ" کے نام سے ایک فارسی ماہنامہ کی اشاعت میں مدد چاہی، جو شاہ مخالف لوگوں کا ترجمان ہوگا، اور عراقی حکومت کی اجازت کے بعد ان کے والد کے رفقار نجف میں اس کی اشاعت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے۔ میں مصطفیٰ کو لیکر ایرانی پناہ گزینوں کے ذمہ دار کے پاس گیا، اور ان کو یہ تجویز بتائی۔ جس سے انھوں نے اتفاق کیا، اور مصطفیٰ نے رسالہ کے نگراں مقرر کئے، جو خمینی کے رفقار تھے، سید شبیب مالکی محافظ کربلا نے سرکاری رقم سے رسالے کے ذمہ داروں کی مدد کی۔ رسالے کے دو یا تین شمارے نکلنے کے بعد اس کے ایک ذمہ دار مجھ سے گھر پہ ملے، اور بتایا کہ خمینی آپ سے فوری ملاقات چاہتے ہیں، چنانچہ میں ان کے گھر گیا۔ اور ان سے یہ عجیب باتیں سنیں۔ مجھ سے انھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ رسالے کا نام بدل دیں، میرے استعجاب پر انھوں نے بتایا کہ روحانی انقلاب کا میں رہنما ہوں، اور رسالے کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرا ترجمان ہے، جبکہ میں کوئی رسالہ نہیں نکالنا چاہتا ہوں، اس پر میں نے کہا کہ آپ کے علاوہ بھی روحانی رہنما ہیں جو شاہ مخالف تحریک میں شریک رہے ہیں، اور بعض اب بھی جیل میں ہیں جیسے امام طباطبائی قمی۔ اور بعض جلاوطن ہیں، جیسے امام زنجانی، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے بیٹے مصطفیٰ ہی نے رسالہ اور اس کا نام تجویز کیا تھا۔ اور رسالہ انھیں کی طلب پر نکلا تھا، تیسرے یہ کہ بغداد ریڈیو پر آپ کا مخصوص پروگرام "نہضت روحیہ" کے نام سے آتا ہے جو رسالے کا بھی نام ہے، اور آپ ہی کے آدمی اس کی نگرانی کرتے ہیں،

اور روزانہ دو گھنٹے کا پروگرام ہوتا ہے، تو آپ اسے کیوں نہیں بند کرا دیتے؟ یہ سن کر وہ بولے کہ گفتگو تو فضا میں رہ جاتی ہے، اور رسالہ ایک مطبوع و محسوس چیز ہے اور تقریر و تحریر میں بڑا فرق ہوتا ہے، اس طرح دیر تک یہ بحث رہی، اور حسب عادت وہ اپنی رائے پر اصرار کرتے رہے، تو میں نے کہا کہ کسی رسالہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ دو ماہ کے بعد بلا وجہ اس کا نام بدل دیا جائے جو مضحکہ خیز معلوم ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ایسا ہے تو میرے رفقاء یہ رسالہ نہیں نکالیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ اسے دوسرے لوگ نکالیں گے۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔

ان کے کہنے پر ان کے ساتھیوں نے رسالہ سے ہاتھ کھینچ لیا، اور دوسروں نے اسے سنبھال لیا۔ اور اسی نام اور پروگرام کے تحت تیس ماہ تک رسالہ نکلتا رہا۔ اور اب اس کے اولین صفحات میں خمینی کا ذکر موقوف ہوگیا، جو پہلے ہوتا تھا۔ اور مجھے بھی یہ بہتر معلوم ہوا کہ میں ایسے شخص سے قطع تعلق کرلوں جو میرے لئے ناقابل برداشت پریشانیوں کا سبب بنتا رہا ہے۔ چنانچہ پانچ سال تک یہ ترک تعلق قائم رہا، جس میں خمینی کو کبھی کبھی نجف کے صرف عام جلسوں میں دیکھا۔ اس دوران اُن کے بہت سے دوستوں اور ان کے بیٹے کی طرف سے تجدید تعلق کی تحریک کو نظر انداز کرتا رہا، سید ابوالحسن بنی صدر عراق آئے، تو بغداد میں میرے گھر بھی آئے، اور تجدید تعلق کی کوشش کی، تو میں نے صاف کہہ دیا کہ وہ یہ آدمی جنون عظمت کا مریض ہے اور وہ اپنی انانیت کی راہ میں دنیا و مافیہا کو بھی قربان کرسکتا ہے، اور ایسے انسان کے ساتھ تعاون فرد و معاشرہ دونوں کے لئے خطرہ ہے۔ بنی صدر کہنے لگے کہ میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں۔ لیکن ہم ایک روحانی رہنما کے محتاج ہیں۔ جو شاہ مخالف تحریک کی قیادت کرتا رہے اور وعد و وعید سے بلند رہے اور وہ خمینی ہی ہوسکتے ہیں، میں نے جواب دیا کہ اگر آپ کی بات صحیح بھی ہو، تب بھی میری رائے وہی ہے۔

یہ ترک تعلق ۱۹۷۶ء تک باقی رہا۔ جب ان کے لڑکے مصطفیٰ کسی انجانی سازش میں فوت ہوئے، بغداد میں مجھ سے ان کے نمائندے نے ٹیلی فونی رابطہ قائم کیا، اور مصطفیٰ کی

وفات کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ خمینی آپ کو سلام کہتے ہیں۔ اور آپ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ صدر جمہوریہ سے ان کے بیٹے کی روضۂ حیدریہ میں تدفین کی اجازت حاصل کرلیں گے، جہاں انقلابی کونسل کی طرف سے تدفین ممنوع تھی۔ میرا یہ اصول ہے کہ مصیبت کے وقت لوگوں سے بدلہ لینا مروت و اخلاق کے خلاف ہے، چنانچہ اس کے باوجود کہ وہ ترک تعلق کے سبب میرے والد صاحب کے فاتحہ میں بھی نہیں آئے تھے، اور میں ان کا مطالبہ ٹھکرا بھی سکتا تھا۔ مگر میں نے انکی فرمائش کے مطابق وزیر اوقاف ڈاکٹر ابجواری سے رابطہ قائم کرکے حادثے کی خبر دی۔ اور خمینی کی خواہش بتائی جسے انھوں نے صدر تک پہونچایا۔ اور انھوں نے اسے قبول کرتے ہوئے نجف کے ذمہ داروں کو تجویز سے مطلع کیا۔ اور مصطفیٰ ان کے حسب منشا دفن کئے گئے۔ اس کے بعد حسین خمینی مجھ سے ملے اور میرا شکریہ ادا کیا۔ اور میں نے اسی دن عصر کے وقت نجف جاکر غمزدہ باپ سے اس کے بڑے بیٹے اور اپنے دوست کی تعزیت کی۔ انھوں نے غمزدہ انداز میں میرا استقبال کیا۔ اور میرا شکریہ ادا کیا، ان کے بیٹے احمد بھی موجود تھے اور رو رہے تھے، اور میرا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

میں یہاں تاریخ کے لئے یہ گواہی دیتا ہوں کہ سید مصطفیٰ جب تک زندہ تھے تو خمینی بہت سے غلط کاموں سے باز رہے، اور وہ ان کے لئے ڈھال بنے رہے، ان کے والد خمینی ان سے اور ان کے غصے سے ڈرتے رہتے تھے اور خمینی کی جماعت بھی ان سے زیادہ ان کے لڑکے سے ڈرتی تھی۔ جب سید مصطفیٰ نامعلوم طریقہ پر مر گئے تو نجف میں یہ افواہ اڑی کہ خمینی کی جماعت ہی نے ان کا قتل کیا ہے۔ تاکہ انھیں عمل کی آزادی حاصل ہو، کیونکہ مصطفیٰ اپنے والد کو انتہا پسندی سے روکتے تھے، جو ان کے مقام و عمر کے مناسب نہ تھی، مصطفیٰ کی موت سے احمد اور خمینی جماعت کے لئے میدان صاف ہوگیا۔ اور وہ اس پیر مرد کی عقل سے اس طرح کھیلی کہ اسے تماشا بنا دیا۔ میں نے مصطفیٰ کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "میرا باپ تخریب کار ہے معمار نہیں"، اس کے والد جب اپنی تقریروں میں شاہ اور ان کے خاندان کے خلاف سخت اور ناشائستہ الفاظ کہتے تو مصطفیٰ ان الفاظ کو حذف کر دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ طرز کلام مرجع دینی، قائد اور میرے والد کی عمر کے کسی شخص کے شایان شان

نہیں۔ بلکہ یہ فتنہ پردازوں کا طرز ہے۔ اس بیٹے کی وفات کے بعد خمینی سے بحث میں ملا صرف ایک بار ملا۔ پھر ہارورڈ یونیورسٹی امریکا فراغت علمی کے لیے چلا گیا، بغداد واپسی کے وقت میں پیرس کے اورلی ہوائی اڈے کے لائونج میں داخل ہوا۔ تو خمینی کو وہاں دیکھا۔ چنانچہ مصافحہ ہوا۔ اور میں نے خیریت دریافت کی کہنے لگے۔ الخیر فیما وقع

اسی اثناء میں ان کے منتظرین ان کے گرد جمع ہو گئے، اس کے دو ماہ بعد جب میں امریکا لوٹ رہا تھا۔ اور پیرس سے گزر رہا تھا جہاں دو ہفتہ ٹھہرنا ہوا۔ تو میں خمینی سے کئی بار ملا۔ یہاں میں آخری ملاقات کی دو گفتگوئیں نقل کرتا ہوں، ایک گفتگو بتاتی ہے کہ یہ شخص بڑا کینہ پرور ہے، اور دوسری یہ بتاتی ہے کہ وہ بڑا مکار بھی ہے۔ پہلی گفتگو اس طرح تھی۔

میں:- میں عنقریب طہران جاؤں گا۔

وہ:- طہران کیوں جائیں گے۔

میں:- موجودہ حالات کے تقاضوں کی تکمیل کیلئے (یعنی شاہ کیخلاف انقلابی تحریک کی خدمت وتقویت کیلئے)

وہ:- یہ تو آپ باہر رہ کر پریس کانفرنسوں اور ذرائع ابلاغ سے بھی کر سکتے ہیں

میں:- ایران میں رہ کر یہ کام میں بہتر طور پر انجام دے سکتا ہوں۔

وہ:- میں تو نہیں سمجھتا۔

میں:- بہرحال میں تو جاؤں گا۔

اس مرحلے پر وہ خاموش ہو گئے، اور ان کا منھ پھولا ہوا تھا۔ اس طرح گفتگو ختم ہو گئی جب میں ان کے پاس سے نکلا تو میرے ساتھی نے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ وہ کیسے آپ کو ایران سے دور رکھنا چاہتے ہیں، یہ آپ سے حسد کا نتیجہ ہے، اور ان کے لڑکے کی وفات پر تدفین کے سلسلہ میں آپ کی مدد پر جو شکریہ کا اظہار تھا، وہ ریاکاری ومکاری پر مبنی تھا۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ "ولا تک فی ضیق مما یمکرون، ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔"

دوسری گفتگو کچھ اس طرح تھی۔

میں نے ان سے پوچھا کہ اگر قوم غالب آگئی تو شاہ کا انجام کیا ہوگا؟

وہ:۔ اگر ثابت نہ ہوا کہ انھوں نے کسی کو خود قتل کیا ہے تو ان سے قصاص لینا جائز نہ ہوگا؟

میں:۔ مگر ان کی گردن پر تو ہزاروں ابنائے وطن کا خون ہے۔

وہ:۔ خود قتل کرنے والے سے قصاص لیا جاتا ہے قتل کا حکم دینے والے سے نہیں۔

سخت تعجب ہے کہ یہ بات کہنے والا اپنی حکومت کے چار مہینوں میں چالیس ہزار انسانوں کا قتل کرتا ہے۔ جن میں بوڑھے اور جوان مرد اور عورتیں سب ہوتی ہیں اور ان کا جرم یہ کہنا ہوتا ہے کہ حریت زندہ باد و استبداد مردہ باد۔

مذکورہ رائے رکھنے والے نے خود ہزاروں کردوں اور عربوں، بلوچوں، ترکمانوں کو یہ کہنے پر قتل کرایا کہ "ہم شاہ کے زمانے کے مغصوبہ حقوق کی بحالی چاہتے ہیں"۔

اس باب کو میں اس قصے پر ختم کرتا ہوں جسے میں نے چند سال پہلے ان کے بیٹے مصطفیٰ سے سنا تھا۔ اور میرے استفسار پر خمینی نے بھی اس کی تصدیق کی تھی، مصطفیٰ نے مجھے بتایا تھا کہ جب میرے والد شاہ کی قید میں تھے، اور ان سے سخت اختلاف کر رہے تھے تو شاہ کی عدالتوں نے ان کے کچھ ساتھیوں کو پھانسی کا حکم سنایا۔ جن میں طیب اور حاجی رضائی بھی تھے۔ کیونکہ انھوں نے خمینی حامی مظاہروں کی تائید کی تھی، مختلف حلقوں نے شاہ سے معافی کی اپیل کی جو نامنظور کر دی گئی۔ جب میرے والد نے یہ سنا تو کہا کہ میں قصر شاہی میں جا کر ان کی سفارش کروں گا، تو شاہ میری بات مان لیں گے، اور اس طرح دو مسلمانوں کی جان بچ جائے گی۔

جب خمینی نجف میں تھے تو میں نے ایک خاص تقریب میں خمینی سے اس کے بارے میں پوچھا کہ میں نے مصطفیٰ سے ایسا سنا ہے، تو انھوں نے کہا کہ آپ نے صحیح سنا ہے۔

اس طرح یہ خمینی اللہ کے بندوں کے لئے محبت و شفقت کا مظاہرہ کرتے تھے مگر جب اقتدار میں آئے تو ان پر وحشی درندے کی طرح ٹوٹ پڑے، حتیٰ کہ ان کی شمشیر بے اماں سے بچے، حاملہ عورتیں، اور زخمی و معذور افراد بھی نہیں بچ سکے شاعر

نے صحیح کہا ہے کہ :-

صلّٰی وصام لأمر کان یطلبہ	لما قضی الامر ما صلّٰی ولا صاما
حصول مطلب تک تو صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی	اور مطلب پورا ہو جانے کے بعد نماز وروزہ سب

فراموش کردیا۔ (الثورۃ البائسہ ۸ آ۱۹۲)

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ دیکھئے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت ——— لکھنؤ

وقفۂ اشاعت ——— ماہانہ

پرنٹر وپبلشر کا نام وپتہ ——— محمد حسان نعمانی ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

قومیت ——— ہندوستانی

ایڈیٹر کا نام وپتہ :- خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

۳۱۔ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

قومیت :- ہندوستانی

ملکیت :- محمد حسان نعمانی وخلیل الرحمٰن سجاد ندوی

میں محمد حسان نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم ویقین میں بالکل صحیح ہیں۔

دستخط محمد حسان نعمانی

مولانا عتیق احمد قاسمی دوسری قسط

مُحدِّث کبیر علامہ
محمد بدر الدین حسنی رح
مراکشی ثم دمشقی

غیر معمولی حافظہ

علامہ بدرالدین حسنیؒ کا حافظہ بڑا حیرت انگیز اور خارق عادت تھا۔ دور اول کے ممتاز محدثین کی غیر معمولی قوت حفظ کی جو خبریں کتب تاریخ اور اسماء الرجال میں درج ہیں اسی طرح کی چیزیں علامہ بدرالدینؒ کے معاصرین و تلامذہ ان کے حافظہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ شام کے مشہور مورخ و ادیب علی طنطاوی لکھتے ہیں "شیخ بدرالدین حسنیؒ کو بخاری اور مسلم سندوں کے ساتھ حفظ تھی، اسی طرح مؤطا مالک سنن ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بھی حفظ تھی۔ ان کتابوں کی حدیثیں موصوف اس طرح روایت کرتے گویا کتاب ان کے سامنے کھلی رکھی ہے۔ احادیث کے راویوں کے حالات، سنین وفات، ناقدین حدیث کی آراء اُن کی نوک زبان پر تھیں۔ مختلف علوم و فنون کے شعری متون کے بیس ہزار اشعار حفظ تھے"

اخلاق و تواضع

تواضع، خوش اخلاقی، خود داری اور بلند انسانی صفات میں علامہ بدرالدین حسنیؒ کا پایہ بہت بلند تھا۔ موصوف اخلاق نبوی کا پیکر اور اسلامی سیرت و اخلاق کا مجسم نمونہ تھے۔ شہرت طلبی اور ریا کاری سے دور، بے کسوں اور مظلوموں کے مددگار و غمخوار، ساری انسانیت کے بہی خواہ تھے، عزت و وجاہت، فضل و کمال کے بلند سے بلند تر مقام پر فائز ہونے کے باوجود ان کا آئینۂ دل کبر و غرور سے آلودہ نہیں ہوا۔ تواضع و انکساری ان کا شعار رہا۔ ان کے ایک ممتاز شاگرد سلیم الجندی لکھتے ہیں "تواضع نے انھیں مُردوں کی صف میں شامل کر دیا تھا کبھی میں نے نہ ان سے ایسا لفظ سنا نہ ایسا عمل دیکھا جس سے تکبر اور غرور و خود پسندی کی بو محسوس ہوتی ہو۔ اپنے شاگردوں سے بار بار کہتے تھے، آپ حضرات کا بڑا احسان ہے کہ سارے کام چھوڑ کر میرے پاس آتے ہیں" اسی تواضع اور فنائیت کا نتیجہ ہے کہ زندگی میں کبھی نماز کی امامت نہیں کی، اگر لوگ اصرار کرتے تو کثرت گناہ کا عذر پیش کرتے، بسا اوقات کسی نوجوان یا طالب علم کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیتے۔ حالانکہ زندگی کے آخری ایام تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا معمول تھا۔

ایک شاگرد نے علامہ بدرالدین حسنیؒ کے نورانی چہرے کا دیدار کرتے ہوئے عرض کیا کیا عالم کی زیارت کرنا عبادت نہیں ہے؟ فرمایا۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک امام شافعی، امام احمد، امام غزالی، علامہ نووی رحمہم اللہ جیسے علماء کی زیارت کرنا عبادت ہے۔ ہم جیسوں کی نہیں۔

ایک بار ایک ہندوستانی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی تعریف کرنے لگے۔ شیخ نے فرمایا، جناب مدح سرائی بند کیجئے، فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش الٰہی حرکت میں آجاتا ہے۔

ایک روز شیخ بدرالدین حسنیؒ کے دروازے پر ایک شخص آیا۔ وہ شخص دست بستہ بڑی لجاجت سے اندر آنے کی اجازت چاہ رہا تھا۔ اور لوگ اسے اندر آنے سے روک رہے تھے۔ اس پر شور و غوغا ہوا۔ شیخ نے دروازہ پر آکر اس شخص سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا، جناب میں ایک سارنگی بجانے والا ہوں۔ کیا میری بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ علامہ بدرالدین نے فرمایا، بندۂ خدا! اللہ کا شکر ادا کرو کہ مجھ جیسے تو نہیں ہو، اس پر شیخ اور وہ شخص دونوں رو پڑے۔

خدمت خلق

علامہ بدرالدین حسنی رحؒ کے دل میں ساری انسانیت کا درد تھا، مظلوموں بیکسوں کی امداد ان کے نزدیک افضل ترین عبادت تھی۔ مشائخ، علماء اور فقراء کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے۔ ابتدائی مدارس میں تشریف لے جاکر بچوں اور ان کے اساتذہ سے دعا کی درخواست کرتے، بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، جیل میں جاکر قیدیوں کو سلام کرتے، انھیں وعظ و نصیحت فرماتے، مظلوموں کو صبر کی تلقین فرماتے جس طرف جاتے ان کا انتہائی اعزاز و اکرام ہوتا۔ لوگ پروانہ وار امنڈ پڑتے، زندگی میں کبھی اپنی غرض سے حکام کے یہاں قدم نہیں رکھا۔ حکام کے پاس صرف مظلوموں کی داد رسی کے لئے جاتے تھے، مظلوموں کی سفارش میں روزانہ دس سے زیادہ خطوط لکھنے کا اوسط تھا۔

جنگ عظیم اول کے زمانہ میں دولت عثمانیہ پر چاروں طرف سے دشمنوں کی یلغار تھی اس لئے جنگ کے قابل ہر مسلمان پر فوجی خدمت لازم کر دی گئی۔ فرمان سلطانی تھا کہ فوجی خدمت سے گریز یا پہلو تہی کرنے والے کو پھانسی دیدیا جائے، دمشق کی ایک بڑھیا کا اکلوتا اور چند دوسرے لوگ فوجی خدمت سے گریز کرنے کے جرم میں اس قانون کی زد میں آگئے، فوجی عدالت نے ان سب کو پھانسی کا حکم سنا دیا۔ بڑھیا

نے حکم بدلوانے کی بڑی کوشش کی، لیکن ناکام رہی۔ آخر مایوس آہ وزاری کرتی ہوئی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اپنی دکھ بھری داستان کہہ سنائی۔ شیخ اسی وقت گورنر شام کے بنگلہ پر پہونچے، باہر ہی کھڑے ہو کر گورنر شام جمال پاشا صغیر کو بلوایا۔ جمال پاشا نے بنگلہ کے اندر تشریف لانے کی درخواست کی، شیخ نے معذرت کی، اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ جمال پاشا صغیر نے اپنی جیب سے فرمان سلطانی نکال کر شیخ کی طرف بڑھا دیا جس میں درج تھا کہ جو شخص فوجی خدمت سے گریز یا پہلوتہی کرے۔ اسے فوراً پھانسی دیدی جائے، اس فرمان پر وزیر جنگ انور پاشا کا دستخط تھا، شیخ نے فرمان پڑھ کر فرمایا: میری طرف سے انور پاشا کو لکھئے کہ بدرالدین حسنیؒ فلاں آدمی کی سفارش کر رہا ہے۔ جمال پاشا صغیر نے ارشاد کے مطابق تار کے ذریعہ پورا قضیہ انور پاشا کی خدمت میں پیش کیا۔ انور پاشا کا جواب آیا کہ چونکہ تم نے شیخ بدرالدین کا پرتپاک استقبال کیا، اور ان کی سفارش کے احترام میں پھانسی کا حکم نافذ کرنے میں عجلت نہیں کی اس لئے تمہیں ترقی دی جاتی ہے اور اس دن جتنے مجرم گرفتار کئے گئے۔ سب کو شیخ بدرالدین کے اعزاز میں معاف کر دیا گیا۔

شیخ کی زندگی میں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ انھوں نے اپنے کو خطرہ میں ڈال کر مظلومین کو رہائی دلائی، اور اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ بے سہاروں کا سہارا بنے۔ اس سلسلے میں وہ مذہب وملت کے امتیاز کے بھی قائل نہیں تھے ہر قوم ومذہب کے مظلومین کی حفاظت واعانت اپنا فریضہ تصور کرتے تھے۔ بعض اوقات ارمنی عیسائیوں کی کسی حرکت سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو جاتا اور فساد کے شعلے بھڑک اٹھتے، تو علامہ بدرالدین حسنیؒ سیکڑوں عیسائیوں کی بھی جان بچاتے انھیں اپنے یہاں پناہ دیتے تھے اسی بنا پر ہر مذہب کے لوگ ان کی یکساں عزت کرتے۔ فرقہ وارانہ ہنگاموں کے زمانہ میں مظلوم عیسائیوں کی حفاظت واعانت کے سلسلے میں شیخ نے جو ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ ان کا اعتراف تمام پادریوں کو بھی تھا۔ پوپ پال نے اٹلی سے ایک قاصد شیخ کی خدمت میں ان کا شکریہ ادا

کرنے کے لئے بھیجا۔ تو شیخ نے فرمایا: میں نے کسی پر احسان نہیں کیا۔ بلکہ اپنا فرض ادا کیا۔

امت مسلمہ کے لئے دلسوزی اور فکرمندی

علامہ بدرالدین حسنیؒ اگرچہ بہ ظاہر تارک الدنیا گوشہ نشین بزرگ تھے۔ ان کا میدان کار اپنے دارالحدیث کے حجرے سے مسجد تک محدود تھا۔ لیکن اللہ جل شانہ نے انھیں دل دردمند، دماغ ہوشمند سے نوازا تھا۔ امت مسلمہ کے لئے برابر فکرمند رہتے، عامۃ المسلمین کے مسائل و مشکلات سے باخبر رہتے، اور انھیں سلجھانے کی فکر میں رہتے تھے۔ وہ ان بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے اپنے خلوت کدوں میں بیٹھکر امت کے مسائل میں پوری روشن ضمیری اور بیدارمغزی کا ثبوت دیا ہے۔ الاستاذ محمد سعید حمزاوی لکھتے ہیں "علامہ بدرالدین حسنیؒ کی زندگی کا دائرہ کار اگرچہ بظاہر بہت محدود تھا لیکن فی الواقع بہت وسیع و ہمہ گیر تھا جو امت کے تمام افراد و طبقات کو حاوی تھا، لوگ ان سے پناہ طلب کرتے تو شیخ انھیں پناہ دیتے۔ اعانت طلب کرنے پر اعانت کرتے، دمشق میں کوئی دوسرا شخص نہیں تھا، جو علامہ بدرالدین کے برابر امت مسلمہ کے مصائب و آلام کی چبھن اور کسک اپنے دل میں محسوس کرتا ہو، برابر اشیاء کی قیمتوں کا اتار چڑھاؤ، لوگوں کی خوشحالی و بدحالی، آمدنیوں کے بارے میں معلوم کرتے رہتے تھے، حکام سے اگر ان کا کچھ ربط و تعلق تھا تو اسی غرض سے تھا کہ لوگوں کو ان کے ظلم سے بچائیں، اگر حکام کو ظلم سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہوتے تھے تو بزدلی اور کم ہمتی کا ثبوت دیکر راہ فرار اختیار نہ کرتے، نہ تنہا اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے۔ بلکہ پوری ہمت و عزیمت کے ساتھ میدان میں جم جاتے، اور عامۃ المسلمین کے درد و غم میں برابر شریک رہتے، شام پر فرانس کے تسلط کے بعد جب وہاں کے باشندے انقلاب کی جد وجہد میں مصروف تھے اور انقلاب کی کوشش ناکام کرنے کیلئے فرانس شام کے باشندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا، اس زمانہ میں دمشق کے اکثر سربرآوردہ لوگوں نے خوف و ہراس کی وجہ

سے دمشق کو الوداع کہہ دیا تھا۔ اور شہر ویران ہونے لگا تھا، اس دوران ایک طالبعلم نے علامہ بدرالدین کی محفل میں یہ عرض کرنے کی جرأت کی "مناسب ہے کہ حضرت والا موجودہ حالات میں دمشق سے ترک وطن کر کے کہیں اور تشریف لے چلیں" یہ پیش کش علامہ کو بہت ناگوار ہوئی۔ فرمایا "ارے بھائی میں دمشق کیسے چھوڑ دوں، کیا دمشق کے سارے باشندے ترک وطن کر سکتے ہیں"

تحریک جہاد و حریت کی سرپرستی

یہی امت کیلئے فکرمندی اور دلسوزی کا جذبہ تھا جس نے بعض اوقات شیخ کو عبادت و ریاضت کے خلوت کدہ اور درس و تدریس کے عافیت کدہ سے نکلکر کارگاہ حیات اور کارزار جہاد میں آنے پر مجبور کیا، ۱۹۲۰ء میں جب شام پر فرانس کا تسلط مکمل ہو گیا۔ اور فرانسیسی جنرل گورو نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو دوسرے علماء و مشائخ کے ساتھ علامہ بدرالدین حسنیؒ نے بھی فرانس کے خلاف جہاد و انقلاب کا نعرہ دیا۔
جنرل گورو نے ملاقات کرنا چاہی تو علامہ بدرالدین نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا عوام کو فرانسیسیوں کو ٹیکس ادا کرنے سے روکا۔ مکمل بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا، اپنے مواعظ اور اسباق میں اعلان کرنے لگے، کہ اس وقت ہر اس مسلمان پر جہاد فرض ہے جو ہتھیار استعمال کرنا جانتا ہو، میسلون کے معرکہ میں شیخ نے اپنے صاحبزادے تاج الدین اور مفتی عطاالکسم کو جہاد کرنے کے لئے بھیجا۔ شیخ نے شام کے تمام صوبوں کا طوفانی دورہ کیا، ہر شہر میں پہونچنے کے بعد پہلے وہاں کی جامع مسجد میں تقریر فرماتے اور سب کو فرانس کے خلاف انقلاب لانے پر آمادہ کرتے، پورے ملک میں فرانس کے خلاف فضا پیدا کر دی۔ اور ہر طرف بغاوت پھوٹ پڑی۔
شیخ بدرالدین حسنیؒ درپردہ مجاہدین کی پوری سرپرستی اور رہنمائی فرماتے تھے تحریک جہاد و انقلاب کے اہم قائدین شیخ محمد الاشمر اور شیخ حسن خراط روزانہ شیخ بدرالدین سے خفیہ مشورے کر کے آئندہ کا پروگرام ترتیب دیتے، اور شیخ کو، مجاہدین

کی گذشتہ چوبیس گھنٹے کی کارگزاریاں اور کامیابیاں سناتے، شیخ اپنے تلامذہ اور مریدین کے ذریعہ مجاہدین کی ہر نوع کی امداد کرتے، اسلحہ، رسد وغیرہ مہیا فرماتے، غرضیکہ شیخ تحریک جہاد وانقلاب کے روحانی مربی اور حقیقی پیشوا تھے، ان کی روحانی، اخلاقی، مادی مدد کی وجہ سے تحریک بڑی حد تک کامیاب رہی۔ اور فرانسیسیوں کو ناقابل تلافی نقصان اور غیر معمولی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

فرانسیسی حملہ آوروں کو معلوم تھا کہ اہل شام کے دلوں پر علامہ بدرالدین کی حکومت ہے اور انھیں ادنیٰ گزند پہونچانے سے پورے شام میں طوفان برپا ہو سکتا ہے جو شام سے فرانسیسی استعمار کو بہا لیجائیگا، اس لئے تحریک انقلاب میں شیخ بدرالدین کے قائدانہ کردار ادا کرنے کے باوجود فرانسیسی کمانڈروں کو شیخ پر دست اندازی کی ہمت نہیں ہوئی۔ شیخ برابر جامع اموی میں درس دیتے رہے، پورے ملک میں افرا تفری مچی ہوئی تھی۔ انقلاب وجہاد کی تحریک شباب پر تھی۔ خوف وہراس کی وجہ سے کسانوں نے اپنے گاؤں چھوڑ دیئے تھے، کھیتیاں ویران پڑی تھیں، شاداب لہلہاتے کھیت چٹیل میدان ہو رہے تھے، فرانسیسی حملہ آوروں کو اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگا تھا، انھیں دنوں جامع اموی میں پوری شان وشوکت اور سابقہ روایات کے ساتھ شیخ کا عمومی درس ہو رہا تھا۔ فرانسیسی کمانڈر اندریا بھی درس میں شریک ہوا ترجمان کے ذریعہ وہ شیخ کے ارشادات سمجھ رہا تھا، اور غیظ وغضب سے دانت پیس رہا تھا، درس ختم ہونے کے بعد وہ شیخ کے حجرہ کے پاس جا کر ان سے ملا، اور ترجمان کی مدد سے گفتگو کی۔ اس نے عرض کیا۔ اگر آپ کسانوں کو حکم دیدیں کہ وہ اپنے اپنے وطن واپس جا کر کھیتوں اور باغات کی دیکھ بھال کریں تو بہتر ہو، کیونکہ فصلیں اور باغات تباہ ہو رہے ہیں، پیداوار بند ہو جانے کی وجہ سے شہر کے باشندے بھی تنگی میں مبتلا ہیں"۔ شیخ نے ترجمان کے ذریعہ جواب دیا: "عدل ملکوں اور حکومتوں کو ثبات ودوام بخشتا ہے۔ عدل وانصاف سے خدا راضی ہوتا ہے اور بندے بھی خوش ہوتے ہیں، تم لوگوں نے رعایا کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ دوبارامان دیکر عہد کی

رعایا کو مارا پیٹا۔ ان کا مال لوٹا۔ اس لئے رعایا کی نفرت میں اضافہ ہو گیا، اس کے علاوہ رات بھر کا کرفیو نافذ کر کے تم نے مسلمانوں کو فجر و عشا جیسی مقدس نمازوں کو جماعت سے ادا کرنے سے محروم کر دیا۔ اس لئے اگر امن و امان قائم کرنا اور حالات معمول پر لانا چاہتے ہو، تو کرفیو ختم کر دو، اور رعایا کے ساتھ نرمی اور عدل کا برتاؤ کرو۔ ندریا نے کہا، بہت اچھا، اس کے بعد دانت پیستا ہوا اور آداب بجا لاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے حکومت کی طرف سے اعلان سنا کہ عشا کے ایک گھنٹہ بعد تک اور سورج نکلنے کے ایک گھنٹہ پہلے سے نکلنے اور گھومنے کی اجازت ہے

صبر و عزیمت اور توکل

علامہ بدر الدین حسنی صبر و استقلال کے پہاڑ تھے، بڑے بڑے مصائب بھی ان کے پائے ثبات میں جنبش نہیں پیدا کرتے تھے، اللہ جل شانہ کے انتہائی صابر و شاکر بندے تھے، عزیمت و توکل ان کا شیوہ تھا۔ ان خاصانِ خدا میں سے تھے جو ہر حال میں مالک حقیقی کے فیصلوں پر راضی رہتے ہیں۔ ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں شیخ بدر الدین کے جوان صاحبزادے عصام الدین سخت بیمار پڑے۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ شیخ بدر الدین ایک مشفق باپ کی طرح ان کے علاج معالجہ کا اہتمام کرتے رہے، ایک دن علامہ بدر الدین حسب معمول مدرسہ میں اسباق پڑھا رہے تھے اسی دوران ان کے جوان سال فرزند مرض کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے۔ مدرسہ کے باہر تعزیت کرنے والوں کی بھیڑ لگ گئی۔ شیخ برابر درس میں مصروف تھے۔ ان کے رعب و جلال کی وجہ سے کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اندر جا کر انھیں حادثۂ جانکاہ کی خبر دے۔ لوگ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے اسی دوران شام و مصر و حجاز کے گورنر اور چوتھی عثمانی فوج کے کمانڈر جنرل جمال پاشا حکومت کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ تعزیت کرنے حاضر ہوئے، جمال پاشا نے دیکھا کہ حاضرین میں سے کوئی اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں کر رہا ہے، تو خود

نے کہا، میں اندر جا کر شیخ سے گفتگو کرتا ہوں،، وہ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ مطالعہ میں مصروف ہیں اس لئے گفتگو کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ خاموش کھڑے رہے تھوڑی دیر کے بعد شیخ نے نظر اٹھا کر انھیں دیکھا اور پوچھا کیا وفات ہوگئی ؟ جمال پاشا نے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا، شیخ کی نگاہیں اشک آلود ہوگئیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھکر خاموش ہوگئے۔ اور جمال پاشا کے سہارے باہر تشریف لائے، باہر بے پناہ مجمع اُن کے انتظار میں تھا۔ بڑے صبر وسکون اور خاموشی کے ساتھ مجمع جنازہ لے کر قبرستان کی طرف بڑھا، شیخ بدرالدین اور جمال پاشا ایک ساتھ سواری پر سوار تھے، اس گنج گرانمایہ کو سپرد خاک کرکے واپس آگئے۔ غالباً دمشق نے ایسا پُر وقار اور باہیبت جنازہ کم دیکھا ہوگا۔

علامہ بدرالدین کی عبادت میں انہماک و استغراق، اعتماد علی اللہ اور توکل کا ایک واقعہ اُن کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ ایک بار موصوف حجاز جانیوالی ریل پر سوار ہوکر سفر کر رہے تھے کسی وقتی خرابی کی وجہ سے ریل ایک لق ودق ریگستان میں رکی۔ جہاں باد سموم اور تمازت کے تھپیڑے چل رہے تھے، پورے ریگستان میں گرم تر ریت اور آتش ریز دھوپ کے سوا کوئی چیز نہیں تھی۔ کسی نماز کا وقت تھا۔ بعض مسافروں نے نیچے اتر کر نماز کی نیت باندھ لی۔ شیخ بدرالدین بھی انھیں لوگوں میں شامل تھے۔ نماز کی نیت باندھتے ہی گاڑی نے سیٹی دیدی، لوگ نماز توڑ توڑ کر گاڑی پر چڑھ گئے۔ اور ریل گاڑی روانہ ہوگئی راوی کہتا ہے میں نے شیخ کو دیکھا۔ بخدا نہ کسی طرف متوجہ ہوئے، اور نہ ان کے جسم میں ادنیٰ حرکت ہوئی۔ یہ صورتِ حال دیکھکر میں پاگل سا ہوگیا۔ میں نے بڑی لجاجت اور اصرار سے ڈرائیور وغیرہ سے گاڑی روکنے کی درخواست کی۔ انھوں نے ایک نہ سنی۔ اس کے بعد میں نے ایک ریلوے افسر کے پیر پکڑ لئے، اور گاڑی روکنے کی درخواست کی۔ وہ کچھ نرم پڑا۔ اس کے حکم سے گاڑی لوٹا کر اس مقام پر لائی گئی جہاں شیخ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس وقت شیخ قعدۂ اخیرہ میں تھے، انھوں نے سلام نہیں پھیرا تھا۔ پورے اطمینان کے ساتھ نماز پوری کرکے گاڑی پر سوار ہوئے۔

مالک ارض و سماء کے دربار میں کھڑے ہونے کے درمیان انھیں بالکل پرواہ نہیں تھی کہ اس ہولناک ریگستان میں ان پر کیا گزرے گی۔ اور موت کا عفریت ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔

قلندرانہ بے نیازی

علامہ بدرالدین حسنیؒ کو اللہ جل شانہ نے بے پناہ مقبولیت اور شہرت سے نوازا تھا۔ ان کا تذکرہ غریبوں کی جھونپڑیوں سے لے کر سلاطین و امراء کے ایوانوں تک یکساں محبت و عزت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ زندگی بھر وہ اہل علم و فقراء کے ساتھ رہے، اور ہمیشہ فقراء و مساکین کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ سلاطین و حکام سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے، سلاطین کی دعوت و اصرار پر بھی حتی الامکان ان کے یہاں جانے سے کتراتے تھے، اگر کبھی گئے تو کسی مظلوم یا ضرورت مند کی سفارش کرنے یا مسلمانوں کی کسی قومی مصلحت کی بنا پر۔

سلطان عبدالحمید ثانی نے انھیں قسطنطنیہ تشریف لانے کی دعوت دی اور ایک اہم سرکاری عہدہ دار کو شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن شیخ نے معذرت کر دی اسی طرح شہنشاہ روس نے ۱۹۱۳ء میں عالمی پیمانے پر ایک بڑا جشن منایا، اور دنیا کے مختلف ممالک کے سربراہوں اور بڑے مذہبی پیشواؤں کو اس میں مدعو کیا، شیخ کے پاس بھی شہنشاہ روس کا قاصد آیا۔ اور اس نے عرض کیا کہ اگر جناب والا شرکت منظور فرمالیں تو روس کا مخصوص بحری جہاز آپ کو بیروت کے بندرگاہ سے لے جانے کے لئے بھیج دیا جائے۔ شیخ نے معذرت کر دی۔

علامہ بدرالدین حسنی نے جب آخری سفر حج کیا، تو اس وقت حجاز میں شاہ حسین کی حکومت تھی۔ شاہ حسین نے ان کے استقبال کے لئے کہ سے دو فرسخ دور اپنے چاروں شہزادوں علی۔ عبداللہ۔ فیصل، زید کو بھیجا، اور کہلوایا کہ حضرت والا کے قیام کے لئے قصر شاہی کا ایک حصہ خالی کر دیا گیا ہے۔ اگر آپ وہاں قیام منظور فرمائیں

تو زہے سعادت۔ اور مکہ پہونچنے پر شاہ حسین نے خود شیخ کا پُر تپاک استقبال کیا۔ شیخ نے شریف حسین کے قصر میں قیام فرمانا منظور نہیں کیا۔ اور اپنے پرانے خاندانی میزبانوں کے یہاں ٹھہرے۔

جنگ عظیم اول کے درمیان جب انور پاشا دولت عثمانیہ کے وزیر جنگ تھے اور سارے عالم اسلام میں ان کی شجاعت و جوانمردی کے چرچے تھے، ان کی شہرت و عزت و محبوبیت کا ستارہ پورے عروج پر تھا، انھوں نے شام و حجاز کا دورہ کیا، اور ہر مقام پر مسلمانوں کی طرف سے ان کا بے مثال استقبال کیا گیا۔ اسی سفر میں وہ دمشق بھی آئے۔ انھوں نے مدرسہ دار الحدیث الاشرفیہ کے لئے قرآن کا ایک نفیس نسخہ اور شیخ بدر الدین کے لئے ایک عمدہ تسبیح ھدیۃً پیش کی۔ انور پاشا جب شیخ بدر الدین حسنی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت شیخ بیٹھے ہوئے تھے، تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے، انور پاشا نے خود جھک کر شیخ کے گھٹنہ کو بوسہ دیا، اور آبدیدہ ہوگئے، شیخ نے ان کے لئے دعا کی، اور مظلوموں کے ساتھ انصاف کرنے اور رعایا کی خبر گیری کی نصیحت فرمائی۔

علامہ بدر الدین اپنی ذات میں انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، اہل علم و دین اور عامۃ المسلمین کا بڑا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ صلحاء علماء کے استقبال کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ بڑے باوقار اور خود دار بھی تھے، طبیعت میں غیر معمولی شان استغنار تھی۔ اسی لئے بڑے سے بڑے ظالم و جابر کے سامنے گردن نہیں جھکائی۔ اور علم و دین کی آن بان میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا۔ کوئی کتنا ہی بڑا بادشاہ امیر۔ حاکم آجائے۔ وہ ان اہل دنیا کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے

جائز حدود میں حکومت کا تعاون

بڑے سے بڑے ظالم و جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنا اور عدل و رعایا پروری کی نصیحت کرنا علامہ بدر الدین الحسنیؒ کا شیوہ تھا۔ لیکن انھوں نے کبھی اپنے کو حکومت اور

اہل حکومت کے مقابلہ میں ایک فریق نہیں بنایا۔ وہ ان سیاسی لیڈروں میں نہیں تھے جو سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے حکومت وقت کی ہر چیز میں مخالفت اور حکام سے محاذ آرائی ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ عوام اور حکام دونوں کا بھلا چاہتے تھے۔ حکام کو برملا ان کی غلطیوں پر ٹوکتے، ظلم و ستم سے روکتے۔ اور رعایا کو جائز کاموں میں حکام کی اطاعت کی تلقین فرماتے، فتنہ و شورش رفع کرنے میں اہل حکومت کا تعاون کرتے۔ اسی لئے ان کے اخلاص و للہیت پر کبھی شبہ نہیں کیا گیا، نہ ان پر اقتدار پرستی، اور شوق جاہ و منصب کا الزام لگایا گیا، ذیل میں ایک واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔ جس سے ان کی حق پسندی اور جذبہ خیر خواہی کے ساتھ ساتھ باشندگانِ ملک پر ان کے غیر معمولی اثر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

دمشق میں بھی دولت عثمانیہ کی ایک بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔ ان دنوں دولت عثمانیہ دشمنوں سے طویل و خطرناک جنگ میں مصروف تھی۔ عثمانی فوجیوں کو ایک خاص مدت گزارنے کے بعد اپنے وطن جانے کا قانونی حق تھا۔ لیکن نازک جنگی حالات کی بنا پر بہت سے فوجیوں کو مقررہ وقت گزارنے کے بعد بھی وطن واپس جانے کی اجازت نہیں ملی۔ اس لئے فوج کا ایک بڑا حصہ آمادۂ بغاوت ہو گیا۔ بہت سے فوجی اپنی بارکوں سے نکل کر جامع اموی میں چلے آئے، اور انھوں نے مطالبات پورے ہونے تک فوجی بارکوں میں آنے سے انکار کر دیا۔ فوجی افسروں کی سرزنش اور فہمائش بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ اس واقعہ کی بقیہ تفصیلات عثمانی وزیر جنگ سلیمان شفیق کمال پاشا کی زبانی سنئے۔ وہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔ "میں نے حالات کی نزاکت دیکھکر شیخ دمشق علامہ بدرالدین حسنی رح کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ اور صورت حال عرض کر کے تشریف آوری کی دعوت دی۔ موصوف ادنی تاخیر کے بغیر میری دعوت پر فوجی مرکز تشریف لائے۔ گورنر صوبہ عارف بک ماردینی اور بعض اہم فوجی افسران میرے پاس پہلے سے موجود تھے، میں نے علامہ بدرالدین حسنیؒ کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور ان سے عرض کیا کہ ان فوجیوں کی سرکشی ایک بھیانک سازش کا نتیجہ ہے میرا

خیال یہ ہے کہ انھیں آزادی دیدی گئی۔ جس کے نتیجے میں انھوں نے بارکیں چھوڑ دیں میں بخوبی جانتا ہوں کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو دمشق میں بے پناہ عزت و جاہت اثر و رسوخ سے نوازا ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ عالم اسلامی کے چوٹی کے علماء میں ہیں۔ لہذا آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جامع اموی میں تشریف لے جا کر فوجیوں کو میرا اسلام پہونچائیں۔ اور انھیں سمجھائیں کہ ملک حالت جنگ میں ہے اور اسلام پر خطرات منڈلا رہے ہیں، لہذا سب لوگ امن وسکون کے ساتھ اپنی چھاؤنیوں میں واپس ہو جائیں۔ ورنہ مجھے ان کے خلاف طاقت استعمال کرنی پڑے گی حضرت والا کو معلوم ہے کہ میں نے اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے کافی لشکر مہیا کر لیا ہے لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ طاقت استعمال کرنے سے پہلے میں فتنہ فرو کرنے کے لئے آپ کے اثر و رسوخ، مقبولیت و عزت سے کام لوں،،

سلیمان شفیق کمال پاشا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ،، اس دن مجھے معلوم ہوا کہ عالم اسلام میں شیخ کا کتنا اثر ہے۔ شیخ جوں ہی حمیدیہ بازار میں داخل ہوئے۔ سیکڑوں مریدین و معتقدین نے انھیں گھیر لیا، اور غیر معمولی عقیدت و محبت سے استقبال کیا۔ بہت بڑا مجمع تکبیر و تہلیل کہتا ہوا شیخ کے پیچھے جامع اموی پہونچا۔ باغی فوجیوں نے شیخ کو دور سے دیکھتے ہی مسجد کے باہر دو رویہ صفیں بنالیں، اور انھیں فوجی سلامی دی، شیخ نے فوجیوں کے مجمع میں ایک تقریر فرمائی۔ جس میں انھیں امن وسکون قائم رکھنے اور حکام وافسران کی اطاعت کی تلقین فرمائی۔ ان کی تقریر نے جادو کا اثر کیا۔ فوجیوں نے باواز بلند کہا۔ ہم لوگ آپ کا حکم ماننے کے لئے تیار ہیں۔ انشاء اللہ آپ ہمیں انصاف دلائیں گے۔ شیخ نے فرمایا۔ آپ سب لوگ میرے ساتھ فوجی ہیڈ کوارٹر چلیں،، تو سب نے فوراً ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور فوجی ترانہ گاتے ہوئے شیخ کے پیچھے پیچھے واپس آگئے،،

(باقی آئندہ)

مولانا محمد منظور نعمانی

الیٰ رحمۃ اللہ

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی علیہ الرحمۃ والرضوان

۱۷ر رجب ۱۴۰۶ھ (۲۸ر مارچ ۱۹۸۶ء) جمعہ کا دن تھا۔ نماز جمعہ کے بعد لکھنؤ ہی کے ایک مخلص دوست (جو حضرت ڈاکٹر صاحب کے عقیدتمند ہیں، اور کچھ عرصہ پہلے کراچی گئے تھے تو حسب توفیق حضرت کی اصلاحی مجالس میں حاضر ہوتے تھے) مسجد ہی میں راقم سطور کو بتلایا کہ آج صبح میں نے پاکستان ریڈیو سنا تھا اس نے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب کی خبر وفات بھی نشر کی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

الفرقان کے ناظرین حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کی بابرکت شخصیت سے کسی درجہ میں واقف ہیں۔ حضرت کی اصلاحی تالیفات سے ماخوذ مضامین الفرقان کے صفحات میں کبھی کبھی شائع ہوتے رہے ہیں (حسن اتفاق سے اس شمارہ میں بھی حضرت ڈاکٹر صاحب کی آخری تالیف "معارف حکیم الامت" کا ایک مختصر مضمون شائع کیا جارہا ہے) جب پہلی دفعہ حضرت کی تالیف "بصائر حکیم الامت" کا ایک مضمون الفرقان میں شائع کیا گیا تھا تو حضرت کا تعارف کراتے ہوئے راقم سطور نے لکھا تھا کہ

> حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی دامت برکاتہم (متوطن حال کراچی) حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں، اس عاجز کو حضرت کی بعض اصلاحی تالیفات ہی کے ذریعہ تعارف حاصل ہوا ہے۔ ناچیز راقم سطور کا احساس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص توفیق سے ڈاکٹر صاحب نے حضرت حکیم الامتؒ کے فیوض اور خاص کر طریق ارشاد و اصلاح کو جس طرح جذب کیا ہے اس کی مثالیں کم ہی ہوں گی .... ڈاکٹر صاحب نے اپنی تالیفات میں اپنی طرف سے بہت کم ہی تحریر فرمایا ہے، حضرت حکیم الامتؒ کے مرقوم یا ملفوظ افادات ہی کو مرتب کرکے پیش فرمایا ہے ـــــ یہ ناچیز امتنان و تشکر کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ (ڈاکٹر صاحب کی) ان تالیفات کو اپنے حق میں بہت نافع پایا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے ایک دوسرے جلیل القدر خلیفہ اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اپنا تاثر ایک تحریر میں ظاہر کرتے ہوئے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون اور حضرت حکیم الامت کی مجالس کا ذکر کرنے کے بعد ارقام فرمایا تھا کہ

اس مجلس کے جو حضرات ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بحمد اللہ ابتک بھی بہت سے موجود ہیں، کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی دامت برکاتہم کو حق تعالیٰ نے حضرت سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا، خلیفہ مجاز تو بحمد اللہ اور بھی ہیں، مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے اپنے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔ ؎

مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں میں		جلا کردۂ دست دلدار ہوں میں

یہ بات خاص طور سے قابل ذکر اور ہم جیسوں کے لئے سامان عبرت ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کسی دینی مدرسہ یا دارالعلوم کے تعلیم یافتہ "عالم فاضل" نہیں تھے، انھوں نے پہلے علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کیا تھا، اسکے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کر کے وکالت شروع کی تھی، اسی زمانہ میں حضرت حکیم الامت سے بیعت ہوئے اور اصلاحی تعلق قائم کیا، دین کا ایسا رنگ چڑھا کہ وکالت ترک کر دی اور معاش کے لئے ہومیوپیتھی طریقہ علاج کا مطالعہ کر کے مطب شروع کر دیا، جو آخر تک جاری رہا، (اسی لئے "ڈاکٹر" کا لفظ گویا نام کا جز بن گیا ہے) بہر حال اگرچہ عرفی معنی میں "عالم دین" نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص فضل سے اس مقام پر پہنچایا کہ بڑے بڑے اصحاب علم و فضل نے اپنی دینی اصلاح اور روحانی علاج کے لئے ان سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ جہاں تک راقم سطور کو معلوم ہے پاکستان میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی دینی عظمت و جلالت پر اہل حق کے مختلف حلقوں کا اتفاق تھا۔ حضرت کی تالیفات "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" ۔ "مآثر حکیم الامت" ۔ "بصائر حکیم الامت" ۔ "معارف حکیم الامت" اور "اصلاح المسلمین" کا مطالعہ کر کے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقی علم دین کی دولت سے کیسا نوازا تھا اور خاصکر دین کے اعلیٰ ترین اور نازک ترین شعبہ احسان (تصوف و سلوک) کی تنقیح کی کیسی عظیم خدمت آپ نے لی —
ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار ٥

ریڈیو پاکستان کی مندرجہ بالا اطلاع سے معلوم ہوا کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" کے قانون کے مطابق یہ بابرکت ہستی بھی ہماری اس دنیا سے اٹھالی گئی —— ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

اللہ تعالیٰ اپنی شان کریمی و رحیمی کے مطابق ان کے ساتھ مغفرت و رحمت اور رفع درجات کا خاص معاملہ کرے ان کی تالیفات کے ذریعہ ان کے دینی فیض کو جاری رکھے اور اپنے بندوں کو ان سے استفادہ کی توفیق دے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ رحلت کے بارے میں یہاں تک جو کچھ آپ نے پڑھا وہ ریڈیو پاکستان کی خبر کے حوالے سے ملی ہوئی اُس اطلاع ہی کی بنیاد پر لکھا گیا تھا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اسکی کتابت بھی ہو چکی تھی ـــــ اسکے بعد آج ۲۶ رجب (۲۰ اپریل) کو حضرت رحمہ اللہ کے ایک محب صادق اور اس عاجز پر عنایت فرما جناب مولانا محمد احمد صاحب کا گرامی نامہ ملا جس میں حضرتؒ کی صرف تین روزہ علالت اور سانحۂ وفات کی تفصیل لکھی گئی ہے، اُس سے معلوم ہوا کہ وفات ۱۴ رجب (۲۶ مارچ) چہار شنبہ کی صبح ۵ بجکر ۵۰ منٹ پر ہوئی، اور اسی دن بعد نماز عصر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ دارالعلوم کے قبرستان میں حضرت مفتی صاحب کے سرہانے تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

مرحوم مغفور الحاج شیخ غلام رسول صاحب (کلکتہ)

ہمارے اس دور میں کم ہی ایسے اللہ کے بندے ہوتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین و دنیا دونوں کی دولت نصیب ہو۔ بعض عارفین کا ارشاد ہے "مَا اَحْسَنَ الدِّيْنُ وَالدُّنْيَا لَوِاجْتَمَعَا" (بہت ہی خوب ہے اگر کسی بندے کو یہ دین و دنیا دونوں جمع ہوں) اس عاجز بندے کے خیال میں (ولا ازکّی علی اللہ احداً) ایسے ہم خوش نصیب مستثنیات میں سے کلکتہ کے ایک مخلص بندۂ خدا حاجی شیخ غلام رسول صاحب بھی تھے۔ قریباً ۳۵۔۳۰ سال سے راقم سطور کا ان سے تعارف و تعلق تھا، وہ آجکل کے معیار کے مطابق بڑے دولتمندوں اور سیٹھوں میں تو نہ تھے، تاہم دنیوی لحاظ سے بھی اُن پر اللہ کا بڑا فضل تھا۔ کلکتہ کے مسلمانوں میں ان کو وقار وعزت اور وجاہت کا خاص مقام حاصل تھا ـــــ ان کے بارے میں اس عاجز کا اندازہ ہے کہ اپنی دنیا اور دنیوی کاروبار ہی کی طرح یا اُس سے بھی زیادہ ان کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دین کی اور امت مسلمہ کی دینی ضرورتوں اور اس سلسلہ کے کاموں کی فکر رہتی تھی ـــــ دینی دعوت کی اُس جد و جہد کے ساتھ جو تبلیغی کام کے نام سے معروف ہے ان کو گہرا تعلق تھا۔ جماعتوں کے ساتھ خود بھی دور اور قریب کے سفر کرتے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس کام میں شریک کرنے اور ساتھ لینے کی امکانی کوشش کرتے۔ کلکتہ اور پورے صوبہ مغربی بنگال میں، اسکے علاوہ قریبی صوبوں بہار، اڑیسہ اور آسام میں بھی اس دینی دعوت کا جو کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوا یا ہو رہا ہے، اپنے معلومات کی بنا پر راقم سطور کو امید ہے کہ اُس کا بڑا حصہ اُن کے نامۂ اعمال میں لکھا گیا ہوگا۔

انھوں نے دعوت کے کام کے علاوہ دینی تعلیم اور دینی مدارس و مکاتب کو بھی، وہ ملک کی موجودہ حالت میں امت مسلمہ کی اہم ترین ضرورت سمجھتے تھے، خود بھی دینی مدارس کی اپنی وسعت کے مطابق امداد کرتے اور اپنے حلقۂ تعارف و تعلق میں بھی اس کے لئے کوشش بھی کرتے۔ خاص اسی کام کے لئے انھوں نے اپنے حلقۂ احباب کے ساتھ ایک انجمن بھی بنائی تھی، اس کے ذریعہ بہت سے ایسے مقامات پر جہاں دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا حسب ضرورت دینی مکاتب یا مدارس بھی قائم کئے، ان میں سے بعض کے مصارف کی کفالت انجمن ہی کی طرف سے کی جاتی تھی ـــــ اس سلسلہ میں ایک بہت ہی غیر معمولی کام یہ کیا کہ بہت سے مدارس کا سروے اور واقعی حال اپنا نمائندہ بھیج کر یا حتی الامکان قابل اعتماد ذرائع سے معلوم کرکے مدارس عربیہ دینیہ کی ایک ڈائرکٹری (فہرست) شائع کرادی، جس میں ملک کے مختلف صوبوں کے ہزار سے اوپر عربی دینی مدارس کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون مدرسہ کس حال میں ہے اور اس کے ماہانہ مصارف کیا ہیں ــــ مدارس کی امداد کرنے والے اصحاب خیر اس سے رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔

اسکے علاوہ بھی دین اور امت مسلمہ کی خدمت کے مختلف انواع کاموں اور سلسلوں سے حاجی غلام رسول صاحب کا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی فکر اور درد مندی کی دولت اُن کو بھرپور عطا فرمائی تھی اور ان کاموں میں جد و جہد اور قربانی کی توفیق بھی۔

کئی سال سے صحت کی خرابی اور مختلف امراض و عوارض کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اخیر جنوری میں [illegible] تبلیغی اجتماع تھا۔ اس میں شرکت کے لئے مولوی خلیل الرحمن سجاد سلمہ اللہ بھی گئے تھے، وہاں جاتے ہوئے اور واپسی میں بھی کلکتہ میں ان سے ملاقات کی تھی اور میرا سلام و پیام پہنچایا۔ واپسی پر آکر بتلایا تھا کہ حاجی صاحب بظاہر زندگی کے آخری مرحلہ میں ہیں، کمزوری اور نقاہت انتہائی درجہ کو پہنچ چکی ہے۔ اسی حالت میں صرف نماز کے وقت [illegible] (جو تبلیغی کام کا مرکز بنا ہے) جاتے ہیں، کچھ دیر بیٹھتے بھی ہیں لیکن سانس قابو میں نہیں ہوتا، مختصر سے مختصر بات کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ آپ کو سلام کہا ہے اور حسن خاتمہ کی دعا کے لئے خاص طور سے کہا ہے ـــــ [illegible] تھا ـــــ لیکن ان کی اس حالت کی اطلاع کے بعد میں نے خط لکھا اور ان کی [illegible] نہ لکھا۔ چند روز بعد ایک جماعت کلکتہ سے لکھنؤ آئی، اسی سے معلوم ہوا کہ [illegible] فروری کو حاجی صاحب [illegible] منتقل ہوگئے [illegible] اللہ [illegible]

اس کے بعد حاجی صاحب کے صاحبزادگان کا خط آیا جس میں حادثہ کی اطلاع کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ انتقال سے پہلے بھی اور انتقال کے بعد بھی ٹیلی فون سے بات کرنے کی بار بار کوشش کی لیکن رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کے ساتھ اپنی شانِ رحیمی و کریمی کے مطابق معاملہ فرمائے اور اخلاف کو ان کے دینی جذبہ اور دینی فکر و عمل کا بھی وارث بنائے۔

مرحوم مغفور حاجی عبدالواحد صاحب ایم اے

الفرقان کے پرانے قارئین حاجی عبدالواحد صاحب کو بھولے نہ ہوں گے، ملک کی تقسیم (۱۹۴۷ء) سے پہلے کئی سال تک اُن کا ذکر الفرقان کے صفحات میں آتا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کی خدمت اور غلبۂ اسلام کا جذبہ عطا فرمایا تھا، جہاں تک اندازہ ہے اس کی تخم ریزی اور آبیاری لاہور میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن کریم اور ان کی صحبت سے ہوئی تھی، غالباً وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی تھے۔ ۱۹۳۹ء میں اس عاجز کا اُن سے تعارف اور تعلق رفیق محترم مولانا علی میاں کے واسطے سے ہوا تھا، وہ پہلے سے ان سے واقف تھے —— ہم تینوں دین کی کچھ خدمت کرنا چاہتے تھے اور اُس وقت کی اپنی سوچ فکر کے مطابق اس کے کچھ منصوبے بھی بنائے تھے۔ —— پھر مناسب سمجھا کہ خود کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اُن کاموں کو دیکھ لیا جائے جو دین کی خدمت ہی کے سلسلے کے کہیں ہو رہے ہیں، اس مقصد کے لئے ہم تینوں نے چند دینی مراکز کا ایک سفر بھی کیا۔ اس سفر کی روداد بھی رفیق محترم مولانا علی میاں نے لکھی تھی جو غالباً الفرقان کے ۱۹۳۹ء کے کسی شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اسکا ذکر نہ ضروری ہے نہ یہاں اسکی گنجائش —— پھر ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم نے دوسرے سیکڑوں مخلص دوستوں کی طرح ان کو بھی ہم سے دور اور جدا کر دیا۔ لیکن قلبی تعلق اور قدر و محبت کا رشتہ برابر قائم رہا۔

ادھر کئی برس سے وہ ضعیف و مریض اور مستقل صاحبِ فراش تھے۔ راقم سطور کبھی کبھی اپنے مخلص اور حاجی صاحب کے بھی دوست "ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور" کے ناظم چودھری عبدالعزیز صاحب کے ذریعہ ان کا حال دریافت کرتا اور سلام پہنچاتا تھا —— معلوم ہوا کہ ۸ر جنوری کو وقت موعود آگیا اور وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اپنے مالک کے حضور میں حاضر ہوگئے۔ جہاں ہم سب کو حاضر ہونا ہے

اناللہ وانا الیہ راجعون ۰ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور ان کے اخلاف کو
اُن کے دینی جذبات کا بھی وارث بنائے۔

(افسوس ہے کہ چودھری صاحب نے جس خط کے ذریعہ حاجی صاحب کے سانحۂ انتقال کی اطلاع
دی تھی وہ مجھ تک نہیں پہنچا، اس کے بعد جب ان کو میرا خط ملا جس میں میں نے حاجی صاحب کا حال دریافت
کیا تھا تو انہوں نے لکھا کہ میں تو بہت پہلے اُن کے انتقال کی اطلاع دے چکا ہوں)

حضرت مولانا منور حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

گیا (بہار) کے راقم سطور کے ایک مخلص و محترم دوست مولانا اصغر حسین صاحب کا ۲۵ر مارچ کا لکھا ہوا
خط ۳۱ر مارچ کو ملا جس میں یہ مختصر اطلاع بھی تھی کہ آج ہی حضرت مولانا منور حسین صاحب (پورنیہ) کے انتقال کی
اطلاع ملی ہے ـــ مولانا موصوف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے خواص معتمد اصحاب
اور جلیل القدر خلفاء میں تھے، پہلے حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے تھے، حضرت کے وصال کے بعد حضرت
شیخ الحدیثؒ سے بیعت کی اور اصلاحی تعلق قائم کیا، اور پھر حضرت شیخ ہی کے رنگ میں رنگ گئے،
اسی کا نتیجہ تھا کہ ذکر و سلوک، تعلیم و تدریس اور تبلیغ و دعوت تینوں شعبوں سے بڑا متوازن، بہت گہرا
اور عملی تعلق رہا۔

حضرت شیخ سے انہیں تعلقِ قلبی تو مظاہر علوم میں طالب علمی کے زمانے ہی سے ہو گیا تھا، پھر جب
حضرت شیخ نے "الکوکب الدری" کے حاشیہ کے سلسلہ میں اُن سے مختلف کتابوں سے مضامین کے
انتخاب و ترتیب کا کام لیا تو یہ تعلق اور گہرا اور پختہ ہو گیا، اور پھر تو انہیں مناسبت اور خصوصی اعتماد کا
وہ مقام حاصل ہوا جس سے حضرت شیخ کے اہل تعلق واقف ہیں ـــ شیخ کے یہاں رمضان مبارک
میں اعتکاف کرنے والوں اور آنے جانے والوں کا ہجوم رہتا تھا، جن کی تعداد خصوصاً آخری دہے
میں سیکڑوں سے متجاوز ہوتی تھی، حضرت شیخ کے خصوصی معتمد اور گویا نائب مناب کی حیثیت سے
ان کے اوقات و احوال کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمہ داری انہی کے سپرد ہوتی تھی۔

اپنے علاقہ میں دین کی خدمت عمومی دعوت و اصلاح اور تعلیم و تربیت کا کام اللہ تعالیٰ نے

اُن سے خوب لیا۔ چند سال پہلے ارریہ کورٹ (پورنیہ) میں جو عظیم اجتماع دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ہوا تھا اُس کے روح رواں وہی تھے۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ مراتب سے نوازے اور ان کے فیض کو قائم و دائم رکھے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ مذکور الصدر حضرات مرحومین کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا فرمائیں۔ اور اس عاجز راقم سطور کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ زندگی کے جو دن باقی ہیں، ایمان، اعمالِ مرضیہ کی توفیق، معصیات سے حفاظت اور عافیت کے ساتھ پورے ہوں، جب وقت موعود آئے تو ایمان کے ساتھ اٹھا لیا جائے اور ارحم الراحمین اپنے رحم و کرم سے مغفرت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے۔

عازمین حج بیت اللہ کیلئے بہترین تحفہ

کچھ نئی کتابیں اور نئے ایڈیشن

سپریم کورٹ کا فیصلہ
حقائق و واقعات کی روشنی میں

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی

اس کتاب میں عریاں حقائق و واقعات کی روشنی میں سپریم کورٹ کے غلط اور بے بنیاد فیصلے اور اسکے تباہ کن [illegible]ت کا ایک بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز تحریری عناصر کیطرف [illegible] پرسنل لا پر کئے جانے والے اعتراضات کا دنداں شکن [illegible]ب بھی دیا گیا ہے۔ قیمت صرف دس روپے

معمولات یومیہ

از عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ

اصلاح نفس کے سلسلہ میں روزانہ معمولات کا ایک مختصر نصاب

پاکٹ سائز میں عکسی طباعت سے مزین ۱/۵۰

حکیم سید فخرالدین احمد خیالی
حیات اور کارنامے

[illegible]د ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی

[illegible]س کتاب میں آپ پائیں گے مولانا سید ابوالحسن علی [illegible]ندوی کے جد مکرم مولانا حکیم سید فخرالدین احمد خیالی کے [illegible]حیات و کارناموں کا تذکرہ نیز تذکرہ ریختہ گویان ہند [illegible]ید کی تدوین ۔ ۲۸۰ صفحات ۔ قیمت ۲۰/-

اتحاد و اختلاف کے شرعی حدود

از مولانا عبدالکریم مفتاحی

ایک مخصوص دینی فکر رکھنے والا طبقہ بڑے زور شور سے امت کے تمام فرقوں کو (ایکدوسرے سے اصولی و فروعی اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے) اتحاد کی دعوت دے رہا ہے۔

اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ظاہر میں خوبصورت نظر آنیوالا یہ نظریہ نہایت غلط اور شریعت کے بالکل مخالف ہے۔

قیمت صرف ۳/-

صبح و شام کی ماثورہ دعائیں

از حضرت مولانا عبدالغفور عباسی نور اللہ مرقدہٗ

مختصر معمولات و وظائف پر مشتمل صبح و شام کی ماثورہ دعاؤں کا عجیب و غریب مجموعہ جو اوراد و فضیلہ کے نام سے معروف ہے عکسی طباعت ۔ پاکٹ سائز قیمت ۔/۲

شیعہ اور قرآن

از حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ

یہ اہم کتاب جو "تنبیہ الحائرین" کے نام سے مشہور ہے بڑی تعداد میں شائع ہوکر مقبول عام ہو چکی ہے۔

اب نئی معیاری کتابت شاندار عکسی طباعت کے ساتھ اس کا نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے ۔ قیمت صرف ۔/۴

[illegible] جہیز بدعات اور اسلامی تعلیمات ۳/۵۰

دار المصنفین اعظم گڈھ

کی مطبوعات

- سیرت النبی مکمل ۷ جلدیں ... ۲۴۸/-
- مجلد ریگزین .. ۳۲۰/-
- خلفائے راشدین ۲۵/۵۰
- مہاجرین اول ۲۸/- دوم ۳۲/-
- سیر الانصار اول ۲۶/۵۰ دوم ۲۰/۵۰
- سیر الصحابہ ششم ۲۱/- ہفتم ۲۱/-
- سیر الصحابیات ۱۱/۵۰
- اسوۂ صحابہ اول ۳۰/۵۰ دوم ۲۵/۵۰
- تابعین ۳۰/۵۰
- اہل کتاب صحابہ و تابعین ۱۲/-
- اسوۂ صحابیات دوم ۶/۵۰
- تبع تابعین دوم ۳۰/-
- تاریخ اسلام مکمل چار جلدیں ۱۰۴/-
- تاریخ دولت عثمانیہ اول ۳۰/- دوم ۳۰/-
- تاریخ صقلیہ اول ۲۴/۵۰ دوم ۳۰/-
- تاریخ اندلس ۲۹/-
- تاریخ فقہ اسلامی ۲۹/-
- اسلام اور عربی تمدن ۲۴/۵۰
- اسلام کا سیاسی نظام ۲۱/-
- [illegible] ۳/-
- [illegible] تعلیم ۱۴/-
- بزم تیموریہ اول ۲۰/- دوم ۱۹/- سوم ۲۰/-
- بزم مملوکیہ ۴۲/-
- بزم صوفیہ ۳۹/-
- مختصر تاریخ ہند ۱۲/۵۰
- ہندستان کی کہانی ۶/-
- تاریخ سندھ ۲۴/۵۰
- ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ۳۰/-
- ہندوستان عربوں کی نظر میں اول ۱۵/۵۰ دوم ۱۵/۵۰

- گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۰/۵۰
- ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے ۴۰/-
- تغلق کا زمانہ ۳۲/-
- ہندوستان کے سلاطین و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ۱۵/-
- کشمیر سلاطین کے عہد میں ۲۶/۵۰
- عہد مغلیہ مسلمان اور ہندو مورخین کی نظر میں ۳۵/-
- ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں اول ۱۵/- دوم ۱۲/۵۰
- ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ۱۲/۵۰
- ہندوستان کے سلاطین حکمرانوں کی مذہبی رواداری اول ۱۴/- دوم ۲۶/۵۰ سوم ۳۴/۵۰
- صوفی امیر خسرو ۱۲/۵۰
- عرب و ہند کے تعلقات ۴۶/-
- [illegible] ۶/-
- حکمائے اسلام اول ۳۰/- دوم ۴۲/-
- افکار عصریہ ۱۹/۵۰
- الکلام ۳۲/-
- الغزالی ۱۵/-
- سیرت عمر بن عبد العزیز ۱۲/۵۰
- سیرت عائشہ ۲۲/-
- حیات شبلی ۵۵/-
- امام رازی ۲۵/۵۰
- حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۴/۵۰
- حضرت ابو الحسن ہجویری ۶/۵۰
- مکاتیب شبلی اول ۲۲/- دوم ۱۹/۵۰
- شعر الہند اول ۳۰/- دوم ۲۶/۵۰

- انتخابات شبلی ۱۴/-
- اقبال کامل ۲۵/۵۰
- غالب مدح و قدح کی روشنی میں مکمل ۵۳/-
- مقالات عبد السلام ۲۹/-
- صاحب المثنوی ۲۳/-
- نقوش سلیمانی ۳۶/-
- خیام ۲۹/-
- مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام ۱۹/-
- دروس الادب اول ۳/۵۰ دوم ۴/۵۰
- ارض القرآن اول ۲۱/- دوم ۱۵/-
- رحمت عالم ۵/۷۵
- خطبات مدراس ۱۲/۷۵
- الفوز العظیم ۵/۷۵
- صلیبی جنگ ۳/۵۰
- اردو زبان کی تمدنی اہمیت ۲۱/-
- سلوک سلیمانی اول ۳۴/۵۰ دوم ۲۹/-
- تذکرۃ المحدثین اول ۲۶/- دوم ۲۹/۵۰
- عربوں کی جہازرانی ۱۴/-
- حیات سلیمان ۵۰/-
- مقالات سلیمان اول ۴۰/- دوم ۲۶/۵۰ سوم ۲۹/۵۰
- کلیات شبلی ۸/-
- مقالات شبلی مکمل ۸ حصے ۹۸/-
- شعر العجم مکمل ۵ حصے ۸۸/۵۰

ہم سے طلب فرمائیے

الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

اپنے لئے بہترین کتابوں کا انتخاب کیجیے

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تفسیر ابن کثیر	۳۴۰/-	تاریخ تفسیر و مفسرین	۶۰/-	حصن حصین	۱۵/-
تفسیر معارف القرآن	۵۵۰/-	بنات اربعہ	۳۵/-	مرنے کے بعد کیا ہوگا	۱۵/-
تفسیر بیان القرآن	۲۶۰/-	انفاس العارفین	۴۸/-	جنت کی کنجی	۱۵/-
چند اہم فقہی مسائل	۱۲/-	اسلام اور موسیقی	۴۸/-	دوزخ کا کھٹکا	۸/-
مدنی بہشتی زیور	۴۰/-	شمع رسالت کے تیس پروانے	۵۵/-	تبلیغی نصاب یا فضائل اعمال اول	۳۵/-
تاج بہشتی زیور	۴۵/-	شمائل رسول	۲۸/-	فضائل صدقات	۳۰/-
بہشتی ثمر مکمل	۱۱/-	شریعت مصطفیٰ اور دین احمد رضا خاں	۱۲/-	حیاۃ الصحابہ مکمل	۱۵۰/-
نقش حیات مکمل	۳۰/-	عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی	۲۵/-	مسلمان خاوند	۶/-
گھریلو جھگڑے اور ان کا حل	۳/۵۰	تحقیق مذاہب	۷/۵۰	مسلمان بیوی	۷/-
ارشادات مدنی	۱۲/۵۰	حضرت تھانوی اور اعلیٰ حضرت	۶/-	مسلم خواتین کیلئے بیس سبق	۵/-
فرمودات مدنی	۷/۵۰	اعلیٰ حضرت کا دین	۶/-	اوراد فضلیہ	۲/-
زکوٰۃ کی اہمیت	۵/-	احکام اسلام عقل کی نظر میں	۱۲/-	معمولات یومیہ	۱/۵۰
شہد	۴/۵۰	اشرف الجواب	۴۱/-	احکام نماز	۱/-
الطہارت	۲/۵۰	ایمان ویقین	۱/۸۰	برکت نماز	۷/-
الاذان	۲/۵۰	آئینۂ نماز	۵/-	فضائل لباس	۵/-
عورتوں کی شان مبارک	۲/-	حقوق زوجین	۵/-	درود و سلام	۲/-
نئی عرب دنیا	۳۰/-	اسلام کے چار رکن	۸/-	دارالعلوم ندوۃ العلماء اور	
ہندوستان میں عربی علوم و فنون کے ممتاز علماء	۱۵/-	آپ تقریر کیسے کریں مکمل	۱۷/۵۰	دینی تعلیمی کونسل کی نصابی کتب	
		آئینۂ رسول	۲/۵۰	بھی ہم سے طلب کریں ـ منیجر	

ملنے کا پتہ: الفرقان بکڈپو۔ نظیر آباد (۳۱- نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

Regd. No. LW/NP-62

Monthly AL FURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow-226018

VOL 54 NO. 3, 4 MARCH-APRIL 1986 Phone : 45547

22 MAY 1986

الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۱۰۰ روپے
(۳ پونڈ یا ۲۵ ریال)
ہوائی ڈاک سے ۱۲۵ روپے
(۹ پونڈ ۴۵ ریال ۱۵ ڈالر)

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

فی شمارہ ۲/۵۰

چندہ سالانہ
ہندوستان میں ۲۵/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۶۰/-
بنگلہ دیش سے ہندستانی سکہ میں
۳۰/-

جلد ۵۴ | بابت ماہ مئی ۱۹۸۶ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ | شمارہ ۵

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہئے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھدیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں، اگر دوبارہ بھیجنے کیلئے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۵۰ روپے ہندستانی ڈاکخانہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۶۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ اولین

——————— مدیر

یہ شمارہ جن دنوں طباعت کی آخری منزل میں ہوگا ، امید ہے کہ پارلیمنٹ میں اس وقت تک مسلم مطلقہ کے حقوق کے تحفظ سے متعلق بل بحث اور انشاء اللہ منظوری کے مرحلے سے گذر چکا ہوگا ، اسی توقع کے پیش نظر کچھ ضروری باتیں عرض کرنے کے ارادہ سے اس وقت قلم اٹھایا ہے ۔ خدا کرے کہ کچھ مفید اور کام کی بات کہی جاسکے ۔

قوموں کی زندگی میں آزمائشیں کبھی کامیابیوں کی شکل میں آتی ہیں اور کبھی ناکامیوں کی شکل میں ، دونوں صورتوں میں قوم کا جو ردعمل ہوتا ہے اسی سے اسکی عقلی بہ شعوری سطح ظاہر ہوتی ہے ۔ کامیابی ملنے پر جو قوم اترانے لگتی ہے اور جس سے فخر و غرور اور اکثر کی باتیں اور حرکتیں سرزد ہونے لگتی ہیں اور کامیابی کا سہرا اپنے سر پر باندھنے یا بندھوانے اور کریڈٹ لینے کی کوشش میں جس قوم کے قائدین کے درمیان ایک رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے ، وہ قوم عقل شعور اور " رشد " کے لحاظ سے " نابالغ " قرار پاتی ہے ۔ ایسی قوم کسی چھوٹے یا جزوی مسئلہ میں " کامیابی " پاکر بھی مجموعی اعتبار سے ناکام ہو جاتی ہے ۔

اسی طرح جو قوم کسی مسئلہ میں ناکامی سے دوچار ہونے کے نتیجہ میں پست ہمتی کا شکار ہوتی ہے ، اور مایوسی ، چڑچڑے پن ، قنوطی ذہنیت اور ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے ، اور اپنی شکست کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر اپنے احتساب سے اور اپنے طرز عمل کے جائزہ سے

غافل رہتی ہے، وہ کسی اور کو نہیں اپنے ہی کو نقصان پہنچاتی ہے اور مکمل شکست کے تباہ کن انجام کی طرف آگے بڑھتی رہتی ہے۔

اس کے برعکس جو قوم اپنی کسی کامیابی کے پیچھے کارفرما ان اسباب عوامل کو بھی تلاش کرلیتی ہے جو خود اسکے دائرۂ اختیار سے بہت دور تھے، اور جن کا انتظام کائنات میں چلنے والے خدا کے نظام تکوینی نے کردیا تھا، اور ان اسباب کے پردے میں کام کرنے والے خدائی ہاتھ اور خداوندی ارادہ و تدبیر کو بھی دیکھ لیتی ہے اور پھر یہ حقیقت اس پر روشن ہوجاتی ہے کہ اس کامیابی میں زیادہ تر دخل ان اسباب کو ہے جن میں خود اس کی سعی و کوشش کو بالکل دخل نہیں تھا، تو بجائے اترانے اور اکڑنے کے اسکے اندر اپنی بے بسی و بے کسی اور اللہ کی طاقت کے اعتراف، اور تشکر و امتنان کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اس کا مزاج عبدیت تواضع معرفت، خود شناسی اور حقیقت پسندی کے رنگ میں اور زیادہ رنگ جاتا ہے۔ اور پھر اس قوم کی عقلی و شعوری بلندی، اور ان مزاجی اوصاف و خصوصیات کے سامنے اقوام عالم سرنگوں ہوجاتی ہیں — اور صرف اس وجہ سے کہ یہ قوم اپنے اندر کے دشمن کو زیر کرچکی ہوتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خارجی و بیرونی سطح پر بھی دنیا کے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں اسکی عظمت اور محبت کا سکہ جم جاتا ہے۔

اسی طرح جو قوم کسی مسئلہ میں ناکامی سے دوچار ہوکر فوری طور پر اپنے احتساب کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اپنے طرز عمل اور اپنی جد و جہد کے طریق کار میں غلطیوں اور کوتاہیوں کو بالآخر تلاش کرلیتی ہے اور شکوے شکایت، احتجاج، لعنت ملامت وغیرہ فضول کاموں میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی ہمت اور نئے ارادہ کے ساتھ سابقہ غلطیوں سے بچتے ہوئے اپنی جد و جہد میں لگ جاتی ہے، وہ قوم وقتی طور پر ناکام ہوکر بھی بالآخر کامیاب رہتی ہے اور اس دنیا کی لوح پر اس کی بالغ نظری اور پختہ شعوری کا نقش ثبت ہوجاتا ہے۔

صدر اسلام میں مکی و مدنی دونوں مرحلوں میں حکمت الٰہی نے اہل ایمان کی تربیت کے لئے جو واقعات رونما کئے ان میں دونوں قسمیں ملتی ہیں، ان میں، طائف کی بظاہر ناکامی،

بھی ہے اور "حدیبیہ" کی عظیم کامیابی بھی، اور احد و حنین میں درپیش ہونے والے سخت اور جاں گسل حالات بھی ہیں اور بدر سے لے کر مکہ کی فتح تک کے وہ بے شمار واقعات بھی؛ جن میں اہلِ ایمان کو سبکی اور کھلی ہوئی کامیابی ملی تھی ——— اس دور کی تاریخ کا ہر طالب علم اس بات کی شہادت دینے پر مجبور ہے کہ انسانوں کا یہ طبقہ دونوں قسم کی آزمائشوں میں سو فیصد کامیاب ہوتا ہوا اپنی جد و جہد کی راہ پر مثالی عزیمت و استقامت کے ساتھ گامزن رہا۔ اور بالآخر بنی نوعِ انسان کی کامیاب ترین اور سب سے زیادہ خوش بخت و خوش نصیب نسل قرار پایا۔ جب جد و جہد کے کسی مرحلہ میں اُن دانا و ہوشمند لوگوں کو مطلوبہ نتائج برآمد ہوتے ہوئے نظر نہ آتے تو وہ فوراً اپنا جائزہ لیتے تھے، اور پھر اپنی جد و جہد کی کسی خامی اور اپنی کسی کوتاہی کی تشخیص اور اعتراف میں اور پھر تلافی و اصلاح کی سنجیدہ کوشش میں کبھی ایک لمحہ کی بھی دیر نہ کرتے۔

اور جب کبھی انھیں کامیابی ملتی، وہ بلاجھجک اس کا اقرار کرتے تھے کہ تمہاری کسی مہارت، سلیقہ مندی یا ہنر کا نتیجہ نہیں، بلکہ محض خدائے عزیز و قدیر کی قدرت و حکمت کا ثمرہ ہے۔ اور اسی لئے پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسے یہ جاننے کا شوق ہو کہ حوصلہ شکن اور ناساعد حالات میں ایک دانا و ہوشمند قوم کا کیا رویہ ہونا چاہیئے۔ اسے طائف، احد اور حنین میں پیش آنے والے حالات، اور انہی کی طرح کے دوسرے واقعات پر غور کرنا چاہیئے اور یہ جاننے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ ان حالات کا کیا ردِ عمل ان لوگوں پر ہوتا تھا؟ اور وہ لوگ ان تجربوں سے کیا کچھ اور کیونکر اخذ کرتے تھے اور کس طرح بظاہر شر نظر آنے والا امر انجام کے اعتبار سے ان کیلئے خیر بن کر سامنے آتا تھا ——— ؟؟ اور اسی طرح جسے یہ جاننے کا شوق ہو کہ حوصلہ افزا اور موافق حالات و واقعات میں کسی قوم کا کیا "موڈ" ہونا چاہیئے، اور اسکی ذہنی و قلبی کیفیت اور عملی روش کس قسم کی ہونی چاہیئے۔ اسے یہ جاننے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ ایسے موقعوں پر اس مثالی گروہ کا کیا موڈ، اور کیا طرزِ فکر و عمل ہوا کرتا تھا جو دنیا کے سب سے عظیم مبلغ و مربی اور دانائے سبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تربیت کے زیرِ سایہ پروان چڑھ رہی تھی۔

اس قوم کے اندر یہ دانائی، یہ ہوشمندی، یہ بالغ النظری کسی کراماتی طریقے پر نہیں آگئی تھی، اور نہ اللہ نے ان کے لئے اپنی ازلی سنت کو توڑا تھا ——— بلکہ یہ جو کچھ تھا،

منطقی اور فطری نتیجہ تھا اس عظیم اور ہمہ گیر تربیتی نظام سے ان کی مکمل اور صحیح وابستگی کا جس کا فیصلہ انھوں نے پورے شعور اور ارادہ کے ساتھ اس طرح کیا تھا کہ علم و حکمت کی بلند ترین سطح اور قیادتؐ امامت کے اعلیٰ ترین منصب تک پہنچنے کے بعد بھی ان کی اس طالبانہ وابستگی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا —— خود رائی اور خود روی سے وہ قوم پاک صاف ہو چکی تھی، ہر ہر قدم پر رہنمائی کے لئے اللہ و رسول اور اولو الامر کے اشاروں کا انتظار اس کا شیوہ بن گیا تھا، کوئی مسئلہ سامنے آتا، کوئی واقعہ رونما ہوتا۔ ہر شخص اس کے بارے میں اپنی عقل سے بعجلت خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اللہ و رسول کی منشا کو سمجھنے کی کوشش میں لگ جاتا، اور جو لوگ اس اعتبار سے ممتاز ہوتے ان سے صلاح و مشورہ اور ان کی ہدایات کی پابندی ہی کو اپنے لئے بہتر سمجھتا۔

یہ تھا ہمارا ماضی، یا ہمارے بزرگوں کا حال، ہمارا "حال" یہ نہیں ہے۔ کامیابی اور ناکامی ہر موقع پر ہم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ سطحیت اور بے توازنی کا شکار ہو جاتے ہیں کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنے، اور ناکامی کی ذمہ داری کسی اور پر ڈالنے کے ہم عادی ہو گئے ہیں —— وقتاً فوقتاً ہمارے شعور کا امتحان لینے، اور ہماری عقلی سطح کی جانچ کے لئے اور بہت کچھ ہمیں سمجھانے، سکھانے اور بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالمی اور علاقائی سطح پر واقعات رونما کئے جاتے رہتے ہیں اور شاید اس بات سے کسی کو اختلاف نہ ہو کہ ماضی قریب میں جتنے ایسے واقعات امت مسلمہ میں پیش آئے ہیں ان میں ہم مجموعی حیثیت سے اس طرز عمل کی نمائندگی نہیں کر پائے ہیں جو ہمارے اسلاف کا شیوہ تھا، اور ہر واقعہ کے بعد یہ حقیقت اور زیادہ عیاں ہوئی ہے کہ ہمارے اندر اجتماعی شعور کی بڑی تکلیف دہ حد تک کمی ہے!!

ہمیں اس کے آگے جو بات کہنی ہے، اس سے پہلے یہیں پر یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی شعور کی یہ کمی جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا، اور جس کا بہت رونا رویا جاتا رہتا ہے، نہ تو لا علاج مرض ہے، اور نہ صرف تبصروں، دہائیوں، تقریروں اور اداریوں سے اس کا علاج ممکن ہے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے اور اس کی تفصیلات کو بڑی گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس عظیم تربیتی نظام کے ذریعہ یہ اجتماعی شعور

ہمارے ابتدائی عہد میں پیدا ہوا تھا، صرف اور صرف اسی کے ذریعہ آج بھی پیدا ہو سکتا ہے ــــ اسے نظر انداز کر کے دوسرے کسی راستے سے اس منزل تک رسائی ممکن نہیں ــــ کاش کہ یہ بات ہم سب کی سمجھ میں آجائے !!

مسلم مطلقہ کے حقوق کے تحفظ سے متعلق بل کی منظوری میں ایک پہلو ملت اسلامیہ ہندیہ کے شعور کے امتحان کا بھی ہے !!

اس پہلو کی وضاحت کے لئے عرض ہے کہ اگر اس کامیابی کے سلسلہ میں ہمارے تبصروں اور تجزیوں کا رخ خودستائی کی طرف ہوا، اور اس سلسلہ میں جو کوششیں اللہ کی توفیق سے کی گئیں، کامیابی کے اسباب کی تعیین میں ہماری عقل و نگاہ ان سے آگے نہ بڑھ سکی، اور ـ اور اپنے سر اس کامیابی کا سہرا باندھنے کی دوڑ میں ہم کو دیکھے تو علامت ہوگی ہماری کوتاہ بینی اور ناقص العقلی کی، اور پھر ہم پر فتح کا وہ نشہ بھی سوار ہو سکتا ہے جو دوسرے محاذوں پر سنگین اور تکلیف دہ حالات سے دوچار کر سکتا ہے۔

اور اگر ہم نے اس کامیابی کو محض خداوند عزیز و حکیم کی تکوینی قدرت اور اس کی مخفی طاقت کا ظہور سمجھا اور حقیقی اسباب کی تشخیص میں ہم کامیاب ہو گئے تو یہ چھوٹی سی کامیابی بڑی اور حقیقی کامیابی تک پہنچنے کا زینہ ثابت ہوگی۔ جو شخص ملک کے تازہ حالات اور اندرونی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں سے واقف ہے اس کے لئے اس حقیقت کا اعتراف محض تواضع، انکسار اور خوش عقیدگی کی بات نہیں بلکہ ریاضی کے قواعد کی طرح ایک اٹل اور یقینی حقیقت کا اعتراف ہے کہ اس کامیابی میں بڑا دخل اس سبب کو ہے جو ہماری کسی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہندوستانی سماج کی بنیاد جن مخصوص مذہبی و تہذیبی بنیادوں پر ہے ان میں سے ایک ذات پات کی تفریق اور طبقاتی امتیاز بھی ہے۔ جو لوگ ہندوستانی سماج کو گہرائی اور قریب سے دیکھتے اور برتتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تمام دعووں، پروپیگنڈوں، اور کسی حد تک کوششوں کے باوجود آج بھی یہاں کا معاشرہ نسلی و طبقاتی امتیاز کے متعلق قدیم خرافاتی خیالات و روایات کی زنجیروں میں بری طرح جکڑا ہوا ہے ــــ اور یہاں کی سیاست، اور باہمی تعلقات پر بڑا اثر اسی کا ہوتا ہے ــــ بزعم خود اعلیٰ ذات کے ہندو عددی تناسب کے لحاظ سے صرف ۱۶٫۵ فیصد ہیں

لیکن مذہبی واقتصادی اجارہ داری کی وجہ سے ہندو سماج اور ہندو قوم پر انہی کی گرفت زمانۂ قدیم سے رہی ہے۔ —— مذہبی روایات اور صدیوں سے چلی آرہی اس حیثیت کی وجہ سے ان کے دل و دماغ میں یہ خیال راسخ ہوگیا ہے کہ قیادت کا حق اور برتری کا مقام پیدائشی طور پر صرف انہی کو حاصل ہے —— ادھر بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ملک کے موجودہ وزیراعظم جو اس اعلیٰ (نسل) یا ذات کے نہیں ہیں اس طبقہ کی مستقل طور پر حمایت اور تائید حاصل کرنے سے مایوس ہوچکے ہیں۔ — اور اندازہ کیا جارہا ہے کہ وہ اپنی پارٹی اور ملکی سیاست کو ان کی گرفت سے نکالنے کا تہیہ کرچکے ہیں۔ کیونکہ اسکے بغیر وہ ملک کی قیادت نہیں کرسکتے اس اندازہ کی تائید میں بہت سے شواہد موجود ہیں۔

بہرحال ہمیں تو یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہ تقدیر الٰہی ہی تو ہے جس کے نتیجہ میں یہ مسئلہ اس دور میں اٹھا جب کہ ملک کی اعلیٰ قیادت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ ان گروہوں کی حمایت اور تائید کے ضرورتمند ہیں جنھیں ماضی میں نظر انداز کیا جاتا رہا ہے —— اور جو مسائل کو جوں کا توں باقی رکھنے کے بجائے انہیں حل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں —— اور پھر یہ حکمت الٰہی کا کرشمہ ہی تو ہے جس کے نتیجہ میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صاحب نے ایک مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ میں فیصلہ صادر کرتے ہوئے اپنی حدود سے بیجا تجاوز کیا اور پھر اس شر سے جو خیر ظاہر ہوا وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی تو تقدیر الٰہی کا ثمرہ ہی ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت —— ایسے حضرات کے ہاتھ میں ہے جو اپنے مخصوص علمی و دینی رنگ، رائج الوقت سیاست سے بُعد اور متعدد دوسرے اوصاف وخصوصیات کی وجہ سے ملک کی اعلیٰ قیادت کے سامنے، اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔ اور بلاشبہ یہ بھی خدا کی مدد ہی کا کرشمہ ہے کہ ان حضرات اہل علم کے اجماعی موقف کی تائید میں کچھ ایسے حضرات نے زبان کھولی، جو نہ مولوی ہیں نہ ملا، بلکہ ملک کے منتخب ماہرین قانون اور دانشوروں میں ان کا شمار ہے اور جن کی بات کو دقیانوسیت یا مذہبی کٹرپن کہہ کر بھی ٹالا نہیں جاسکتا۔

بہرحال حاصل کلام یہ ہے کہ ہمیں ان تمام کوششوں کے پورے اعتراف کے ساتھ جو اس محاذ پر کی گئیں، یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے کہ اس کامیابی میں زیادہ تر دخل ان اسباب و عوامل کا ہے، جو ہمارے دائرۂ اختیار وعمل سے ماوراء تھیں۔ سوچنے کا یہی طرز ہے

جو مستقبل میں ہماری جد و جہد کو صحیح سمت میں رکھنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور کامیابی کے تجربہ کا یہی انداز ہے جو ہمیں بہت سی خود فریبیوں اور خوش فہمیوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اس ضمن میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مسئلہ خالصۃً دینی تھا، اور اس کے لئے کی جانے والی جد و جہد کی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی، جنھوں نے عالمانہ وقار اور داعیانہ سنجیدگی کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا، اور مثبت انداز میں نفس مسئلہ کی وضاحت پر زور دیا، اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے ملک کی اصل قیادت اور دوسرے رہنماؤں، عمائدین اور دانشوروں سے نجی ملاقاتوں، اجتماعی بات چیت اور خط و کتابت کے ذریعہ نفقۂ مطلقہ کے متعلق اسلامی قانون اور مجموعی طور پر اسلام کے اصول و مزاج کی جس طرح ترجمانی کی، اس سے بہت لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوگئیں، بہت سوں کی زبانیں بند ہوئیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس صحیح طرز عمل پر اللہ کی نصرت سے مدد آئی، اور پھر وہ حالات رونما ہوئے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔

آخر میں، حاصل کلام کی وضاحت کے طور پر، یہ عرض کرنا ہے کہ اگر ہم نے اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا، اور اپنے دیگر مسائل کے حل کے لئے یہی سنجیدہ، خاموش اور مثبت طرز عمل اختیار کیا تو آنے والے دنوں میں ان شاء اللہ مزید خیر کی توقع ہے۔ اور اگر ہم نے یہ موقع گنوا دیا، اور ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے آنکھ بند کر کے چل پڑنے کی روش برقرار رکھی تو وہی ہوگا جو اب تک ہماری اس روش کی وجہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

حالات بہت نازک ہیں ـــــ ان حالات میں ذرا سی غلطی بہت بڑے نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ دشمن کی جیت یہ ہے کہ وہ آپ کو اشتعال دلا دے، آپ کو آپ کے اصل کام سے ہٹا کر کسی اور جھگڑے میں الجھا دے، اور آپ کی جیت یہ ہے کہ آپ کو اشتعال نہ آئے آپ اپنے کو تھامے رہیں اور یاد رکھیں کہ آپ کا اصل میدان اللہ کے تمام بندوں سے محبت، اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، اور سب کے لئے، یہاں تک کہ ان کے لئے بھی جو آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائیں، خوش بختی، سعادتمندی اور فلاح یابی کی دعاؤں اور کوششوں کا اہتمام ہو آپ اپنے

دشمن کے میدان میں اگر اترے جو ظلم، سنگدلی، خود غرضی، نفرت اور قتل و غارتگری کا میدان ہے تو کبھی بھی آپ فاتح نہیں بن سکتے ــــ اگر ہم اس حقیقت کو کماحقہٗ سمجھ لیں تو دشمن دوست ہو جائیگا غلط فہمیاں دور ہوں گی، اور زمین و آسمان بدل جائیں گے۔ اور جن میں یہ استعداد نہیں ہوگی ان کے شر سے وہ رب ہماری حفاظت کرے گا جو قادر مطلق اور بہت طاقت والا ہے۔

کوئی اشتعال دلائے اور ہمیں غصہ نہ آئے! کوئی ہمارے ساتھ بدخواہی کرے اور ہم دل سے اسکے خیر خواہ ہوں! کوئی ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، اور ہم اس کیلئے ہدایت اور فلاح کی دعائیں کریں! کوئی ہمارے لئے دنیا میں رزق کے دروازے بند کرے اور ہم اس کے لئے جنت کی ابدی نعمتوں کی خواہش کریں! کوئی ہمارے بچوں کو زندہ جلائے، ہماری عورتوں کو بے آبرو کرے، ہماری عبادت گاہوں پر قبضہ کرے، اور ہم اسکے بچوں، اسکی عورتوں اور اسکی عبادت گاہوں کے محافظ بن جائیں، ....! ہمیں تسلیم ہے کہ اس میں سے کوئی بات بھی آسان نہیں!! لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ راستہ یہی ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشین، اور سلسلۂ نبوت کی قائم مقام ایک امت کی حیثیت سے یہی ہماری شان ہے اس کے سوا ہر راستہ ہمارے لئے اجنبی ہے۔ اور اس کے نقصانات اسکے فوائد سے بہت زیادہ ہیں۔

سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ ہماری اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک ایک کرکے جتنے رنگ ہم پر چڑھ گئے ہیں ان سب کو اتارنے کی اور دعوت و خیر خواہی کا نبوی رنگ اپنے اوپر اور اپنی پوری امت پر چڑھانے کی دھن ہمارے دل و دماغ پر سوار ہو جائے ــــ رنگ و مزاج کی اس تبدیلی کے بغیر بنے بنائے کام بگڑ جائیں گے، اور کامیابیاں ناکامیوں میں تبدیل ہو جائیں گی ..... کسی ایک فرد کی کوئی ایک عادت بدل دینا، دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ چہ جائیکہ ایک پوری قوم کا مزاج بدل دینا، یہ یقیناً کوئی آسان کام نہیں، لیکن سب سے بڑا کمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی تو تھا اور یہی تو یہ کہ آپ خود اس کام کے سب سے بڑے ماہر تھے، بلکہ آپنے ایک ایسا نظام تربیت قائم فرمایا تھا جس میں ہر شخص کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنے اور پوری انسانیت کے مزاج کی تبدیلی کا جذبہ اور سلیقہ مل رہا تھا اور مختصر وقت میں بہت زیادہ کام ہو رہا تھا۔

اشرکے جو بندے، ہنگاموں، نعروں اور پروپیگنڈے کے اس دور میں، پوری یکسوئی، انہماک اور بے نیازی کے ساتھ اسی نظام تربیت کو زندہ کرنے اور اسی نسخۂ کیمیا کی تقسیم کی عظیم جد وجہد میں مصروف ہیں، وہ یقیناً ایک بہت اہم اور عظیم کام میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مبارک اور بارآور فرمائے اور ہمیں اس اہم اور ضروری کام کی اہمیت اور ضرورت کا کما حقہٗ احساس نصیب فرمائے۔

الیٰ رحمۃ اللہ

حضرت قاضی عبدالقادر صاحبؒ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہٗ حضرت شیخ الحدیثؒ اور تبلیغی کام سے قریبی تعلق رکھنے والے حضرات قاضی عبدالقادر صاحبؒ سے ضرور آشنا ہوں گے۔ چند دن ہوئے دہلی سے اچانک بذریعہ فون اطلاع ملی کہ رائے ونڈ میں ان کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

راقم سطور کو قریب سے ان کی زیارت کا پہلا موقع ۱۹۷۳ء میں مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث کے یہاں ملا تھا، اور پھر تو پورے ۹ سال تک وہاں کے زمانۂ قیام میں تقریباً روزانہ ہی زیارت و ملاقات ہوتی تھی، حضرت شیخ کے مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں زیادہ تر ذمہ داریاں قاضی صاحب کے ذمے ہی ہوتی تھیں۔ بعد عصر حضرت کی مجلس سے اٹھ کر قاضی صاحب اپنے کمرے میں بڑے اہتمام سے چائے پلاتے تھے۔

یہ راقم شروع شروع میں اپنی ناتجربہ کاری اور نوواردی کی وجہ سے حضرت شیخ کے قریبی خدام و مصاحبین سے دور دور رہتا تھا، لیکن تھوڑے دنوں ہی میں قاضی صاحبؒ مخدومی صوفی محمد اقبال صاحب اور ڈاکٹر اسماعیل صاحب، مولوی حبیب اللہ صاحب اور بھائی ابوالحسن صاحب زید مجدہم کے حسن معاملہ اور کریمانہ اخلاق، اور سب سے بڑھ کر حضرت شیخ کی شفقتوں اور عنایتوں کی وجہ سے اس ماحول سے ایسی مناسبت ہو گئی کہ اگر کسی دن ان حضرات سے ملاقات کی نوبت نہ آتی تو بڑی کمی محسوس ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحب کو بہت حسین وجمیل، اور خوش مزاج و خوش اوقات بنایا تھا۔ معمولات کی پابندی، تازگی و نشاط، سبک روحی اور ذکر و دعوت سے یکساں مناسبت ان کی ظاہری خصوصیات تھیں۔

حضرت والد ماجد مدظلہ سے بہت گہرا تعلق تھا، ماہ دسمبر میں اجتماع بھوپال میں شرکت کیلئے قاضی صاحب ہندوستان تشریف لائے تو والد ماجد مدظلہ کی عیادت و ملاقات کے لئے حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لکھنؤ بھی تشریف لائے —— پھر جنوری میں ڈھاکہ (بنگلادیش) کے اجتماع میں بھی قاضی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ راقم کی یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ حضرت والد ماجد کی نسبت، اور تبلیغی کام سے تعلق کی برکت سے اس طفل مکتب کو بھی قاضی صاحب کی خصوصی توجہ حاصل تھی اس وقت قاضی عبدالقادر صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا تفصیلی تذکرہ بیان کرنا مقصود نہیں، کہ یہ تو راہ سلوک و محبت میں ان کے ہم سفر رفقاء کا کام ہے۔ راقم تو یہاں اپنے قارئین کو ان کی وفات کی اطلاع دے کر ان کے لئے مغفرت و رحمت اور اعلیٰ مراتب کی دعاؤں کی درخواست کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعاؤں کے اہتمام کی توفیق دے۔

چند ضروری گذارشات

◉ رمضان مبارک کی وجہ سے ماہ جون کا شمارہ جولائی میں جولائی کے شمارہ کے ساتھ مشترک طور پر شائع ہوگا۔ اسلئے جون کے مہینے میں کسی شمارہ کا انتظار نہ کیا جائے۔

ماہ رمضان کے مبارک موقع پر کتبخانہ الفرقان کی خصوصی پیشکش سے فائدہ اٹھایئے

◉ ۲۹ رمضان المبارک سے قبل موصول ہونے والے کتابوں کے ہر آرڈر پر ۱۵٪ فیصد رعایت دی جائیگی۔

◉ آرڈر کی مالیت -/۱۰۰ ہونے پر ٪20 اور -/300 ہونے پر ٪25 رعایت دی جائے گی۔

◉ اخراجات بہرصورت بذمے خریدار ہوں گے۔

◉ آرڈر کے ہمراہ چوتھائی رقم ایڈوانس آنا ضروری ہے۔

◉ تاجر حضرات کے لئے کم ازکم ایک ہزار کے آرڈر پر F.O.R کی چھوٹ۔

◉ اس شمارے میں ہم اپنے ادارے کی فہرست کتب شائع کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اپنی پسندیدہ کتب کے آرڈر سے نوازیں گے۔ ہماری مکمل فہرست زیر ترتیب ہے۔ انشاءاللہ ماہ شوال میں شائع ہوگی۔

◉ انگریزی کتابوں کی فہرست جگہ کی تنگی کی وجہ سے شامل نہ کی جاسکی۔

منیجر
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

مولانا محمد منظور نعمانی

رمضان مبارک سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور و معمول تھا کہ رمضان مبارک کی آمد پر آپؐ اسکی برکات سے فائدہ اٹھانے کے لئے صحابہ کرامؓ کو خصوصی ہدایات دیتے تھے۔ اس سلسلہ کے آپؐ کے چند خطبے حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک بہت مختصر اور جامع خطبہ وہ ہے جو طبرانی نے مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"ایک دفعہ رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا لوگو! ماہِ رمضان آگیا ہے یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں اپنے خاص فضل و کرم سے تمھاری طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے، خطاؤں کو معاف اور دعائیں قبول کرتا ہے اور اس مہینے میں نیکیوں اور عبادتوں کی طرف تمہاری رغبت اور سبقت کو ملاحظہ فرماتا ہے اور مفاخرت و مسرت کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھی دکھلاتا ہے۔ پس اے لوگو اِن مبارک دنوں میں اللہ پاک کو اپنی طرف سے نیکیاں ہی دکھاؤ (یعنی عبادت اور دوسرے نیک اعمال کی کثرت کرو) بلاشبہ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو رحمتوں والے اس مہینہ میں بھی خدا وند رحیم و کریم کی رحمت سے محروم رہے"

سبحان اللہ! کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کا آقا و مولا اُن کو رحمت کی بھوک پیدا

کی حالت میں نماز پڑھتے یا قرآن پاک کی تلاوت، یا ذکر و تسبیح، یا دعا میں مشغول، یا رات کو تراویح میں رکوع و سجدہ اور قیام و قعود کرتے یا پچھلے پہر نماز تہجد پڑھتے اور اپنے حضور میں روتے گڑگڑاتے دیکھے اور اپنے دربار کی فرشتوں سے فرماتے کہ ہمارے اس بندے کو دیکھو ہماری رضا و بخشش کی طلب میں اس کا کیا حال ہے۔

یوں تو، خداوند کریم علیم و بصیر ہے، سب کچھ ہر وقت اسکی نظر میں ہے، لیکن یہ دیکھنا جس کا اس حدیث شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے، ایک خاص قسم کا ہے۔ یہ وہ نظر عنایت و کرم ہے جس کی طلب و اشتیاق میں اس کے طالب و مشتاق تڑپتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہنچ جانے کے بعد آپ کا جو اُمتی رمضان مبارک میں اللہ تعالیٰ کی یہ نظر کرم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اور یہ مہینہ بھی غفلت میں گذار دے۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے۔

طبرانی ہی میں ایک دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رمضان مبارک ہی سے متعلق روایت کی گئی ہے۔ اس کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا:

"پھٹکار اس شخص پر جس نے رمضان کا مہینہ پالیا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی" (یعنی اس نے وہ عمل نہیں کئے جن سے اسکی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ ہوجاتا)

اس مبارک مہینے کے خاص اعمال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اسکی رضا اور موعود ثواب و جنت حاصل کرنے کی نیت سے دن کو روزہ رکھنا۔ اس کے علاوہ حسب توفیق قرآن پاک کی تلاوت، ذکر و دعا، توبہ و استغفار اور دوسرے اعمال صالحہ میں مشغول رہنا، اپنی استطاعت کے مطابق دوسرے ضرورتمند بندوں کی اعانت و خدمت کرنا۔ رات کو تراویح و تہجد اور اس وقت خصوصیت سے دعا و استغفار کا اہتمام کرنا، اپنے لئے بھی مانگنا اور اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی مانگنا۔

ظاہر ہے کہ یہ سب اعمال تجارت اور ملازمت جیسے جائز دنیوی مشاغل کے ساتھ بھی کئے جاسکتے ہیں۔ صحابہ کرام یہ سب اعمال اپنے دنیوی مشاغل کے ساتھ ہی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان سطروں کے لکھنے والے کو بھی اور پڑھنے والے سب بھائیوں کو بھی توفیق عطا فرمائے

کہ وہ اس رمضان مبارک میں ان اعمال کا اہتمام کریں۔ معلوم نہیں ہم میں سے کس کو آئندہ یہ مبارک مہینہ ملے گا۔

رحمت والے اس مہینے میں کن باتوں سے پرہیز ضروری

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان میں اور روزہ کی حالت میں بعض باتوں سے پرہیز کی بھی خاص طور سے ہدایت اور تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب کسی کا روزہ ہو تو وہ کوئی بیہودہ بات نہ کرے اور شور و شغب بھی نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوج اور لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں" (یعنی میری زبان کا بھی روزہ ہے اس لئے تم کو جواب بھی نہیں دوں گا)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے غلط باتوں اور غلط کاموں سے پرہیز نہ کرے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی پروا نہیں" (یعنی اس کا روزہ عند اللہ روزہ نہیں)۔

ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے روزہ کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا" (یعنی زبان وغیرہ کی بے احتیاطیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ان کا روزہ قابلِ قبول نہیں ہوتا اور اس کے نتیجہ میں بس اُن کے دنیا کی بھوک پیاس ہی اُن کے حصہ میں آتی ہے، آخرت میں اُن کا یہ روزہ کھوٹا سکہ ثابت ہوگا وہاں کچھ حاصل نہ ہو سکے گا)۔

ایک دوسری حدیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے:

"روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ بیہودہ کاموں اور بری باتوں سے بھی اپنے نفس کو روکے رکھے تو حقیقی روزہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رمضان مبارک کے سلسلہ میں ہماری غلطیاں جنکی اصلاح ضروری ہے

بعض شہروں اور بستیوں میں رواج ہے کہ سحر کے وقت (یعنی صبح صادق سے گھنٹہ دو گھنٹے پہلے سے صبح صادق کے وقت تک) گا گا کر نظمیں پڑھنے والی پارٹیاں سڑکوں پر اور گلیوں میں گشت کرتی ہیں، ان کے ساتھ تماش بینوں کا اچھا خاصا مجمع بھی ہوتا ہے۔ رمضان مبارک میں یہی وقت آسمانی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص وقت ہے۔ جو لوگ اس وقت سڑکوں پر اس طرح گشت کرتے ہیں وہ اپنے کو تو اس وقت کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم کرتے ہی ہیں لیکن اللہ کے جو بندے نماز یا قرآن پاک کی تلاوت یا ذکر و دعا اور مناجات و مراقبہ جیسے اعمال میں اس وقت مشغول ہوتے ہیں یہ اُن کے ان اعمال میں بھی خلل ڈالتے ہیں اور اُن کو تکلیف پہونچاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو عملی زندگی میں روزہ نماز سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اپنے عمل سے غیر مسلموں کو یہ بتلاتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں اس طرح گانا اور سڑکوں پر گشت کرنا بھی ایک اسلامی عمل ہے۔ بلاشبہ یہ سب شیطان کا کھیل ہے اور ہمارے یہ بھائی ناسمجھی سے اس کے آلۂ کار بنتے ہیں۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو اپنے امتیوں کے اس طرح کے غلط کاموں سے شدید اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسی طرح کا ایک غلط رواج یہ ہے کہ بعض مقامات پر ہمارے بعض بھائی صبح صادق سے گھنٹوں پہلے سے سڑکوں پر اور گلیوں میں چیخ چیخ کر لوگوں کو جگاتے ہیں، آواز لگاتے ہیں کہ اب اتنا وقت ہوگیا، اب یہ وقت ہوگیا۔ ہمارے یہ بھائی ناواقفی سے غالباً اس کو نیکی اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کی شریعت نے اس کا حکم نہیں دیا اور ظاہر ہے کہ سڑکوں پر اور گلیوں میں اس طرح چلانے سے بھی اُن بندوں کی نماز دعا، و مناجات اور توجہ الی اللہ میں خلل پڑتا ہے جو اس وقت ان مبارک اعمال میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض لوگ ایسے حال میں ہوتے ہیں کہ اُن کے لئے کسی وجہ سے اس وقت سونا ضروری ہوتا ہے سڑکوں پر اور گلیوں میں چیخنے چلانے سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور

یہ گناہ کی بات ہے۔ بہرحال سڑکوں پر اور گلیوں میں گھوم گھوم کر اس طرح چیخنا چلانا ہرگز دین کا کام نہیں ہے اسی لئے نہ کوئی عالم دین یہ کام کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اس کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے ہاں اگر کسی بھائی نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ فلاں وقت مجھے آپ جگا دیا کریں تو اُن کے گھر پر جاکر آواز دینا اور جگانا صحیح اور نیک کام ہوگا اور اس پر انشاء اللہ آپ کو ثواب ملے گا۔

اسی طرح رمضان مبارک میں ہمارے بعض بھائی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ٹھیک اُسی وقت جو توجہ الی اللہ نماز اور دعا کا وقت ہوتا ہے، نظمیں سناتے یا تقریر فرماتے یا کسی کتاب سے کچھ پڑھ کر سناتے ہیں اور بعض بھائی ہر دس منٹ، پانچ منٹ کے بعد اعلان فرماتے ہیں کہ اب یہ وقت ہوگیا ہے، اب اتنے منٹ باقی ہیں! بس اللہ ہی جانتا ہے کہ ان چیزوں سے اُس کے اُن بندوں کی نماز، دعا، مناجات اور توجہ الی اللہ میں کتنا خلل پڑتا ہے اور اُن کو کیسی روحانی اذیت ہوتی ہے جو اُس وقت ان اعمال و احوال میں مشغول ہوتے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی بات کا بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاکؐ اور اُن کی شریعت نے حکم نہیں دیا ہے۔ یاد رہے دینی اعمال جن پر ثواب کی امید ہے بس وہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ یا اُس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے سب بھائیوں کو توفیق عطا فرمائے کہ
رمضان مبارک میں ہم اپنے کو ان مبارک اعمال میں مشغول کریں جن کی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے اور اس مبارک مہینہ کے
ایک ایک لمحہ کی قدر کریں۔

سلوک و تصوف کی حقیقت

(از افادات حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ)

(۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو۔ یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات تبلادی جایا کرے (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے ۔ اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں، مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے، یا علم دین و قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جائے (۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں خطرات ہی نہ آویں، خوب رونا آوے، ایسی محویت ہو جاوے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ بلکہ اصل

مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ـــــــ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے ۔ ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں، جیسے نماز روزہ حج وزکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح وطلاق، ادائے حقوق زوجین قسم وکفارۂ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین وپیروی مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیم ترکہ وغیرہ ۔ اور جیسے سلام وکلام وطعام ومنام وقعود وقیام ومہمانی ومیزبانی وغیرہ ۔ ان مسائل کو **علم فقہ** کہتے ہیں ـــــ اور بعضے متعلق باطن کے ہیں۔ جیسے خدا سے محبت رکھنا۔ خدا سے ڈرنا ۔ خدا کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم ہونا۔ خدا کی مشیت پر راضی رہنا حرص نہ کرنا ۔ عبادت میں دل کا حاضر رکھنا ۔ دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا ۔ خود پسندی نہ ہونا ۔ غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو **سلوک** کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض وواجب ہے ۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی، یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی، یا کبر وغلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا ۔ حقوق تلف ہوگئے اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی ۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری ۔ لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں، اور جو سمجھ میں آتی ہیں ۔ ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج وتدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور آسانی ، اور قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار واشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے ۔ پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں، ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری وباطنی کی پابندی ہے ـــــ

دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے۔ اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے یہ ہے خلاصہ سلوک (تصوف) کے طریق اور مقصود کا۔ (التکشف ص۔)

مکتوب ملقب بہ روح الطریق

سوال :۔ ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور والا میں ایک میں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں۔ الخ

جواب :۔ تحریر فرمایا مقصود تو بحمد اللہ معلوم ہے یعنی رضائے حق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کار کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر جس قدر دوام ہو سکے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ جس قدر زیادہ میسر ہو۔ (اشرف السوانح ص ۱۲)

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

سوال :۔ ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اسکا کیا طریقہ ہے؟

جواب :۔ تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ کچھ اعمال منہی عنہا ہیں، ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں ۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سن کر ان عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں۔ عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔

دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس قدر کثرت سے مقدور ہو۔

اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات اور مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے۔

اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغولی اور

ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے، یعنی شیخ کو اطلاع حالات کا التزام۔
اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے حسب اختلاف استعداد مقصود میں دیر سویر ہوتی ہے۔ میں اس میں سب کچھ لکھ چکا۔ (اشرف السوانح)

سلوک مسنون

ملفوظ:- فرمایا کہ جس امر کو رضائے الٰہی میں دخل ہو اور جس کا انحصار واجب مستحب مامورات میں ہو ان پر عمل رکھے۔ اگر فوت ہو جائے قضا کرلے، اس سے بڑھ کر دین کی کیا آسانی ہوگی قال اللہ تعالیٰ ماجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (دین میں کوئی تنگی و دشواری اللہ نے نہیں رکھی ہے) اسی طرح جس امر میں حق تعالیٰ کی ناراضی کو دخل ہو جس کا انحصار منہیات میں ہے ان سے اجتناب رکھے اگر صدور ہو جائے استغفار کرلے، نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ عام آدمیوں کے احوال سے گھبرا دے اور نہ ثمرات کا عاجلہ میں (اس دنیوی زندگی میں) اور نہ مراتب علیا کا آجلہ (اخروی زندگی میں) میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرمائیں اور عذاب سے نجات بخش دیں بس ہو گیا سلوک مسنون (اشرف السوانح)

حاصل تصوف

وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس گناہ کا تقاضہ ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہو گئی۔ اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے ـــــــ وعظ التقویٰ

ماخوذ از بصائر حکیم الامت۔ تالیف حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عتیق احمد قاسمی

محدثِ کبیر علامہ
محمد بدر الدین حسنی
مراقشی ثم دمشقی

تیسری اور آخری قسط

زہد و عبادت

علامہ بدر الدین صرف علم و فضل، اخلاق و عادات میں یکتائے روزگار نہیں تھے بلکہ زہد و عبادت، مجاہدہ و ریاضت میں بھی ان کی مثال صدیوں میں ملے گی ان کی عبادت و مجاہدات کی تفصیلات سن کر بے اختیار قرونِ اولیٰ کے وہ صوفیا اور اہل اللہ یاد آجاتے ہیں جن کے تذکروں سے ہماری اسلامی تاریخ درخشاں ہے' اور جن پر سارے عالم اسلام کو ناز ہے ان کے شاگرد رشید الاستاذ محمد سعید البخرادی لکھتے ہیں ــــــ " استاذ محترم کی پوری زندگی علم و عبادت میں گذری ان کے دن رات کے چوبیس گھنٹے انھیں دو کاموں پر تقسیم تھے، طلبہ کو درس دیکر فارغ ہوتے ہی عبادت میں مصروف ہو جاتے، اور عبادت سے فارغ ہوتے ہی طلبہ کا استقبال کرتے بہت تھوڑا بقدر ضرورت سوتے۔ جس سے جسم و دماغ کو آرام مل جائے

اور اتنا تھوڑا کھاتے جس سے زندہ رہ سکیں۔ کسی خاص کھانے، مشروب اور لباس کا شوق نہیں تھا صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔

علم حقائق اور تصوف میں ان کا مقام

علامہ بدرالدین حسنی کی پیدائش ایسے خانوادہ میں ہوئی جو علم وفضل معرفت وتصوف کا جامع تھا اس خانوادہ میں ایسی سرآور روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں جو "جام شریعت" اور "سندان عشق" دونوں کی حامل تھیں اگر ایک طرف ان کا شمار چوٹی کے علماء میں تھا، تو دوسری طرف پاک باطن خدارسیدہ مشائخ میں بھی ان کا نام سر فہرست آتا تھا۔ علامہ بدرالدین حسنی میدانِ احسان وتصوف معرفت وحقائق میں بھی اپنے خاندانی بزرگوں کے سچے وارث تھے۔ افسوس ہے کہ انکی سوانح میں اس پہلو پر بالکل روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ہمیں یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ انھوں نے کس کی صحبت میں منازل سلوک طے کئے اور اصلاح باطن کا کام کس پیمانہ پر انجام دیا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ وہ اپنے دور کے بہت بڑے صاحب نسبت بزرگ بھی تھے انھوں نے بڑے مجاہدات کرکے اپنے آئینۂ دل کو دنیا کی آلائشوں سے پاک کرنے کے بعد بڑے پیمانہ پر تزکیۂ نفوس اور اصلاح باطن کی عظیم خدمت بھی انجام دی۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اپنے سفرنامہ شام میں لکھتے ہیں ــــــ

"دمشق میں مشائخ وفقہا کی بڑی تعداد موجود ہے۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ یہی علمائے کبار ہیں جن سے طلباء بیعت بھی ہوتے ہیں، اور علوم شریعت وفقہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں، علماء شام میں سب سے مشہور و ممتاز شخصیت شیخ بدرالدین حسنیؒ کی ہے، جن کا شمار کبار محدثین میں ہے۔ اور دمشق کا ہر چھوٹا بڑا ان سے واقف ہے، ہمیشہ سے لوگ انھیں اپنے زمانے کا سب سے بڑا پیر و مرشد مانتے ہیں۔ وہ بہت معمر اور نحیف انسان ہیں۔ قائم اللیل صائم النہار ہیں

مدرسہ دارالحدیث جو جامع اموی کے نزدیک ہے اس سے متصل ایک حجرہ میں ان کا قیام ہے

الاستاد محمد سعید البحراوی لکھتے ہیں : علامہ بدرالدین حسنی نرے عالم نہیں تھے بلکہ بلند پایہ عارف ربانی بھی تھے۔ اور صوفیا رکرام کے بلند احوال ومقامات پر فائز تھے۔ دمشق کے جلیل القدر مشائخ مثلاً شیخ امین سوید۔ شیخ مصطفیٰ شقفی شیخ عارف محلی، شیخ محمد المبارک، شیخ عبدالقادر القصاب، شیخ توفیق ایوبی، وغیرہ نے ان سے علم تصوف وسلوک سیکھا۔

معاصرین کی نظر میں

تاریخ اسلام میں ایسی شخصیتیں معدودے چند ہونگی جن کے فضل وکمال للہیت اور عبقریت کا تمام معاصرین نے بیک زبان اعتراف کیا ہو ہماری تاریخ کی اکثر بلند قامت شخصیتوں کے بارے میں بعض معاصرین نے ضرور ناقدانہ رویہ اختیار کیا ہے لیکن علامہ بدرالدین حسنیؒ سے کسی قابل ذکر معاصر نے ہمارے مطالعہ کی حد تک کوئی اختلاف یا تنقید نہیں کی ہے ذیل میں ہم نمونہ کے طور پر ان کے چند ممتاز معاصرین کی ان کے بارے میں آراء تحریر کرتے ہیں۔

امیر البیان شکیب ارسلان لکھتے ہیں، شیخ کبیر علامہ بدرالدین حسنیؒ سے ملاقات کے وقت میں نے محسوس کیا کہ دور ماضی کے کسی جلیل القدر امام کی مجلس میں حاضر ہوں، ان کو دیکھ کر قرون اولی کے علماء ومشائخ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے موصوف بہت کم گو، صحیح الفکر، وسیع العلم، دوررس انسان تھے، میں خود محدث نہیں ہوں کہ فن حدیث میں ان کا مقام جان سکوں لیکن اہل علم کا اتفاق تھا کہ وہ اس دور کے سب سے بڑے محدث تھے۔"

علامہ سید عبدالحی کتانی لکھتے ہیں" علامہ بدرالدین کو تمام علوم میں کمال شامل

تھا۔ تصوف کے تمام سلاسل سے بخوبی واقف تھے، ان کی سیرت وحالات سننے والے کو خیال ہونے لگتا ہے کہ وہ فضیل بن عیاض، بشر حافی، سری سقطی رحمہم اللہ کے حالات سن رہا ہے، علامہ بدرالدین نادرۂ روزگار، یگانہ عصر تھے، علم وفضل، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا۔

مصر کے مفتی اعظم علامہ شیخ محمد بخیتؒ شہادت دیتے ہیں "علامہ بدرالدین دمشقی بالکل اسم بامسمیٰ تھے، آسمان مشرق پر بدرکامل بن کر طلوع ہوئے تمام لوگوں نے ان سے رہنمائی حاصل کی، دمشق میں بارہا ان سے ملاقات ہوئی، ان کے درس حدیث میں شرکت کا شرف بھی حاصل ہوا، میں نے محسوس کیا کہ وہ اہل علم کے لئے نمونۂ کامل اور محدث یگانہ تھے، ان کی زبان سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے، زندگی کے آخری لمحہ تک موصوف اس بدر تاباں کی طرح رہے جسے فرش والوں کی نگاہیں عزت و محبت سے دیکھتی ہیں، انکی وفات سے علم حدیث کے میدان میں زبردست خلا پیدا ہوگیا۔

المنار کے مدیر شہیر علامہ رشید رضا لکھتے ہیں "محدث شام علامہ بدرالدین حسنی کی وفات ہوگئی یقیناً یہ بڑا اندوہناک حادثہ ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان کی شکل میں شام کے محدث یگانہ کا انتقال ہوگیا اور شام محدث سے خالی ہوگیا اس نابغۂ روزگار کا انتقال ہوگیا جو علوم حدیث، روایت حدیث، درایت حدیث، اصول حدیث فقہ حدیث میں پورے شام میں تنہا مرجع تصور کی جاتی تھی، غیر منقسم شام (سوریا، فلسطین، اردن، لبنان) میں شیخ بدرالدین حسنیؒ کے بعد کوئی ایسی شخصیت موجود نہیں جو "محدث شام" کے لقب سے یاد کی جاسکے۔

علامہ محمد بدرالدین تفتازانی لکھتے ہیں "۔۔۔ شیخ بدرالدین حسنیؒ سے ملاقات کرکے ہمیں ایسا محسوس ہوا گویا ہم نے کسی صحابی رسول سے ملاقات کی، موصوف اپنے اخلاق وعادات، زہد وعبادت، ہیئت اور قوت حفظ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قریب تر تھے، ان کی پیشانی سے خاندان نبوت کا نور جھلکتا تھا"

الاستاد نجیب الریس لکھتے ہیں "۔۔۔ گذشتہ کل بدرالدین حسنی کا انتقال ہوگیا

جو کم و بیش نوّے سال کی عمر تک "المحدث الاکبر" کے لقب سے سرفراز رہے، صرف شام ہی نہیں بلکہ مصر سے حجاز تک اور عراق سے مغرب اقصیٰ تک پورے عالم اسلام میں "المحدث الاکبر" کے لقب سے انہیں کی شخصیت مراد ہوتی تھی، شیخ بدرالدین ایک پورا اسلامی عہد تھے، ممکن ہے اس خطہ میں اسلام کی عزت سربلندی، رونق و شادابی کا آخری عہد ہوں ان کی وفات سے اسلامی آب و تاب کے وہ خوشنما و درخشاں رنگ ختم ہو گئے جو جمال و شکوہ دونوں کے جامع تھے ــــ"

شیخ الحربیہ سلیم الجندی رقمطراز ہیں ــ" بسا اوقات نسلیں گذر جاتی ہیں اور کوئی ایسا فرد پیدا نہیں ہوتا ہے جو نیکیوں کے لئے پوری زندگی وقف کر دے اور خواہشات نفس کو لگام لگا دے، عرب قوم میں اس نوع کی آخری شخصیت خاتمۃ المحققین شیخ المحدثین علامہ بدرالدین حسنی تھے، موصوف نے تعلیم و تعلم، عبادت و ریاضت، ہدایت و ارشاد کے لئے زندگی وقف کر دی، دس سال تک برابر میں ان کے درس میں شریک ہوتا رہا اور انھیں بہت قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، میں گواہی دیتا ہوں کہ درس سے فارغ ہوتے ہی ان کی زبان ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتی، اس سے ایک لمحہ غافل نہ ہوتے، اس طویل مدت میں میں نے ان کی زبان سے کسی کے بارے میں برا لفظ نہیں سنا، اور نہ کوئی خلاف شرع یا خلاف ادب بات سنی ــــ اگر میرے الفاظ کو غلو پسندی یا قنوطیت پر محمول نہ کیا جائے تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہ واپس ہونے والے ماضی اور بے بدل متاع گم گشتہ ہیں ــــ"

سید الادبا رعلی طنطاوی لکھتے ہیں ـــ" علامہ بدرالدین حسنیؒ علماء سلف کی سنہری زنجیر کی آخری کڑی، زریں قرون اولیٰ کی زندہ یادگار تھے، اسلامی عظمت و شوکت کی تاریخ کے ایک درخشاں صفحہ تھے، اس عہد ظلمت میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نشانی تھے جو قرن اول کے نور سے اس تیرہ و تاریک دور میں روشنی پھیلا رہے تھے، جس طرح چودھویں کا چاند سورج سے روشنی حاصل کر کے شب دیجور کی تاریکیوں کو کافور کرتا ہے، علامہ بدرالدین دور اول کے قافلۂ محدثین کے ایک بچھڑے ہوئے مسافر تھے

جنھوں نے اپنی سیرت و زندگی سے مسلمانوں کی علمی تاریخ مرتب کی ۔
دارالحدیث الاشرفیہ میں شیخ بدرالدین کا حجرہ وہ جگہ تھی ، جہاں جمال پاشا کا سطوت و جبروت اور فرانسیسی استعمار کی قہر سامانیاں بھی سرنگوں ہو جائیں ، بڑے بڑے ظالم و جابر حکام جن سے پورے پورے ملک لرزتے تھے اس حجرہ میں جوتے نکال کر سر جھکائے نگاہیں نیچی کئے ہوئے داخل ہوتے اور دوزانو شیخ کی خدمت میں بیٹھتے اور ان کی اجازت کے بغیر زبان کھولنے کی بھی ہمت نہیں کرتے ۔،،

علالت و وفات

علامہ بدرالدین حسنی کی عمر ستاسی سال ہوئی آخری عمر میں پیرانہ سالی کی وجہ سے مختلف امراض میں گرفتار تھے ۔ وفات سے چند روز قبل مرض نے شدت اختیار کر لی ۔ اطباء اور ڈاکٹروں کی پوری ٹیم علاج میں مصروف تھی عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا ۔ جس روز انتقال ہوا اس سے پہلے والی رات یعنی ۲۷/ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ بروز جمعہ کی شب میں لوگ ان کی شفایابی سے مایوس ہو گئے تھے ہر ایک کے چہرہ پر اداسی تھی دمشق کے باشندوں نے بڑے شک تردد اور بیم و رجا کی فضا میں رات کاٹی علامہؒ نے اسی حال میں فجر ادا کی اور صلوۃ چاشت بھی وقت پر ادا کی ، معالجین کی پوری جماعت بڑے فکر و انہماک سے مصروف علاج تھی عیادت کرنے والوں کا ہجوم تھا ۔ علامہ حسنیؒ نے اشارہ سے مجمع کو اپنے پاس سے ہٹانے کے لئے فرمایا ۔ مجمع ہٹ گیا ۔ نماز چاشت ادا کرنے کے ٹھیک ایک گھنٹہ بعد ان کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی ۔ ملت کا وہ بدر کامل نیر تاباں غروب ہو گیا جس نے کم و بیش تین چوتھائی صدی تک عالم اسلام کو قرآن و حدیث سے منور رکھا ۔ وہ مرشد کامل رخصت ہو گیا ۔ جس کی شخصیت بیاباں کی شب تاریک میں قندیل ربانی تھی اور جس نے اپنی پاکیزہ سیرت اور بلند کردار سے تاریخ اسلام کا انتہائی روشن و تابناک باب تصنیف کیا ۔ یہ اندوہ ناک سانحہ ۲۷/ ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ

مطابق ۱۸؍جون ۱۹۳۵ء کو پیش آیا۔ خبر پھیلتے ہی عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی ڈیڑھ لاکھ کا مجمع نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ دمشق کے مقبرہ الباب الصغیر میں اس علم و عمل فضل و کمال کے گنجینہ کو سپرد خاک کیا گیا مصر و شام کے تمام اخبار و رسائل نے ممتاز اہل قلم اور رہنماؤں کے تعزیتی اور سوانحی مضامین شائع کئے، عراق، مغرب اقصیٰ، یمن، ایران، ہندستان، فرانس وغیرہ کے بھی مختلف اخبار و رسائل نے مضامین شائع کئے علامہ بدرالدین حسنی کے سلسلے میں تین سو سے زائد مرثیے اور قصیدے لکھے گئے ــــ

ایک مبارک خواب

صفد کے نقیب الاشراف مصطفیٰ سعدالدین ادریسی نے علامہ بدرالدین حسنی کو اپنا ایک خواب تحریر فرمایا۔ اس خواب پر ہم اس مضمون کو ختم کر دیتے ہیں۔ ۱۵؍ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ جمعہ کی شب میں میں نے نیم بیداری کی حالت میں خواب دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور آسمان سے ایسا نور نازل ہوا جس سے نگاہیں خیرہ ہو گئیں چکا چوند کم ہونے پر نظر پڑا کہ ہری بھری زمین ہے اور وہاں بہت سے تخت بچھے ہوئے ہیں جن پر نورانی صورتوں والے انسان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک شخص میرے قریب آیا اور مجھے بلا کر لے گیا۔ میں اس کے ساتھ ایک ایسی جگہ پہونچا۔ جہاں ہیرے جواہرات سے مرصع ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک جلیل القدر باوقار، پر ہیبت بزرگ جلوہ افروز ہیں۔

میں نے اس شخص سے جو مجھے بلا کر لے گئے تھے پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا میں علی بن ابو طالب ہوں۔ اور ہیرے جواہرات کے مرصع تخت والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے پاس ایک اور تخت بچھا ہوا تھا میں نے پوچھا یہ کس کا تخت ہے؟ جواب دیا حضرت الاستاد شیخ بدرالدین کا اور باقی تخت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہیں،، شیخ بدرالدین کے تخت

کے علاوہ بقیہ تختوں پر کوئی نہ کوئی صاحب تشریف فرما تھے "
شیخ بدرالدین حسنی اپنی تعریف پر مشتمل کوئی تحریر محفوظ نہیں رکھتے تھے لیکن یہ خط ان کے پاس محفوظ تھا۔ جب بھی اسے پڑھتے تو رو پڑتے۔

گاہے گاہے باز خواں

ہماری مشکلات کا یقینی حل

(حضرت مولانا نعمانی کا ایک خطاب)

[ملک کی تقسیم کے بعد جب ایک طویل مدت تک شمالی ہند کے بہت سے مقامات پر حالات مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک تھے اور لوگ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو یہاں غیر محفوظ سمجھ رہے تھے، اسی زمانے میں ایک ایسے مقام پر جہاں کے مسلمان اپنے لئے زیادہ خطرہ محسوس کر رہے تھے، حضرت مولانا نے ایک اجتماع میں یہ تقریر فرمائی تھی۔]

(خطبہ مسنونہ کے بعد)

بزرگو۔ دوستو اور عزیزو!

ہم اور آپ، بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمان اس وقت جن حالات سے گذر رہے ہیں اور جن مشکلوں اور پریشانیوں میں گرفتار ہیں اُن پر غور کرنے اور ان کا حل سوچنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک ان عام انسانوں کا طریقہ ہے جو صرف ظاہری و مادی اسباب تدابیر ہی کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کے ان خاص قوانین سے وہ آشنا نہیں ہیں جن کا علم انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے یا اُن کے اُن امتیوں کو جو اُن سے یہ علم حاصل کریں اور اس پر یقین لائیں۔

اور دوسرا طریقہ انبیاء علیہم السلام کا اور ان کی باتوں پر ایمان لانے والوں کا ہے جو ظاہری اسباب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اُس خاص قانونِ قدرت پر بھی یقین رکھتے ہیں جس سے خدا ناشناس لوگ ناواقف ہیں۔

اس دنیا کے ظاہری اسباب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے جس خاص قانونِ قدرت کا میں حوالہ دے رہا ہوں۔ پہلے اُس کو آپ ایک مثال سے سمجھئے!

دیکھئے ! بارش کے جو ظاہری اسباب ہیں، ان کو ہم آپ اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے جانتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب موسم سخت گرم ہوتا ہے تو سمندر سے کچھ بخارات اٹھتے ہیں جو بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر ہوائیں ان کو جوڑ کے کسی خاص سمت کو چلاتی ہیں پھر کہیں جاکر وہ برس جاتے ہیں ۔۔۔ تو بارش کا یہ ظاہری قانون تو ہم آپ اور مؤمن و کافر سب ہی جانتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام نے بارش ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ایک خاص قانون اور بھی بتلایا ہے جس سے عام لوگ بالکل واقف نہیں ہیں، اور وہ یہ ہے کہ کسی علاقہ کے لوگ اگر اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور نیکی کا راستہ اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان پر بارش بھیجتا ہے اور ان کی کھیتیوں کو سیراب کرتا ہے اور ان کی پیداوار اور دولت میں اضافہ فرماتا ہے اور ان کی نسل بھی بڑھاتا ہے جس سے ان کی طاقت اور تعداد میں اضافہ ہوتا ہے ۔ قرآن شریف میں کئی نبیوں کی زبانی اللہ تعالیٰ کے اس خاص قانون کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ نوح میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ٥ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ٥ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ ٥ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ٥

اے میری قوم کے لوگو ! تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو وہ بہت بخشنے والا ہے، پھر وہ تم پر خوب بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و دولت اور تمہاری اولاد میں اضافہ فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اور نہریں بنا دے گا ۔

اسی طرح سورۂ ہود میں بیان کیا گیا ہے کہ ہودؑ پیغمبر نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ۔

يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ

اے میری قوم کے لوگو ! تم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو پھر توبہ کر کے اس کی طرف پلٹ جاؤ وہ تم پر خوب بارشیں بھیجے گا اور تمہاری قوت میں اپنی طرف سے بہت بڑی قوت کا اضافہ کر دے گا ۔

تو اللہ تعالیٰ کے ان دو پیغمبروں (حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ) کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ بارش کے جن ظاہری اسباب کو عام دنیا والے جانتے ہیں ان کے علاوہ بارش ہونے کا ایک سبب استغفار اور توبہ بھی ہے ـــــ اور ان ہی آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ کی وجہ سے قوموں کی دولت اور تعداد اور طاقت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عام دنیا والے دولت اور طاقت بڑھنے کے جن ظاہری اسباب اور تدبیروں کو جانتے ہیں وہ اور ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا یہ خاص قانون کہ وہ کسی قوم کی توبہ اور استغفار سے اس کی تعداد اور دولت و طاقت میں اضافہ کر دیتا ہے صرف انبیاء علیہم السلام ہی نے بتلایا ہے۔

اب اگر آپ نے اس تفصیل سے میری یہ بات سمجھ لی ہے کہ اس مادی دنیا کے ظاہری اسباب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص قانون قدرت بھی ہے جس کا علم براہ راست صرف انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے تو اب میں پھر اپنی یہ بات دہراتا ہوں کہ جن پریشانیوں اور مشکلوں میں ہم ہندی مسلمان اس وقت گھرے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں غور کرنے اور سوچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ صرف ظاہری اسباب پر یقین رکھنے والے خدا ناشناس لوگوں کا ہے۔ اور دوسرا طریقہ انبیاء علیہم السلام اور ان پر سچا ایمان رکھنے والوں کا ہے جن کو ظاہری اسباب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اس خاص قانون پر یقین حاصل ہوتا ہے جس کا میں نے حوالہ دیا ہے۔

اب ہمیں اپنے موجودہ مسائل اور اپنے حالات پر غور کرنے سے پہلے اپنی پوزیشن اور اپنی حیثیت متعین کر لینی چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ آپ صرف ظاہری اسباب و تدابیر ہی پر یقین رکھنے والوں میں ہیں اور بس اسی راہ سے اپنی موجودہ مشکلات کا حل چاہتے ہیں تو میں صاف عرض کرتا ہوں کہ اس بارے میں، میں آپ کو کوئی ایسا مشورہ نہیں دے سکتا جس پر خود میرا دل مطمئن ہو۔

اس لئے میرا روئے سخن صرف اُن حضرات کی طرف ہے جو اسباب کے علاوہ خالقِ اسباب کو بھی جانتے اور مانتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اسکی قدرتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

انھیں سب سے پہلے تو اپنے دل میں اس عقیدہ کو تازہ کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس سارے عالم کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے اور اس دنیا میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اس کے علم اور حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس ہم مسلمان اس وقت جن حالات میں ہیں یہ بھی بلاشبہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تو ہمیں اس ملک میں عزت اور عافیت سے رکھنا چاہتا ہو لیکن کچھ لوگ اتنے زبر ہو گئے ہوں کہ وہ اللہ کی چلنے نہ دیتے ہوں اور وہ ہمارے لئے ذلتوں اور پریشانیوں کا باعث بن رہے ہوں بلکہ ہمیں یقین کے ساتھ جاننا چاہیئے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے فیصلہ اور اس کے حکم سے ہو رہا ہے۔

پھر ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ بلا قصور کسی قوم اور کسی امت کو ذلتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرے بلکہ قوموں پر بُرے حالات ان کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے آتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ	اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ آدمی خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

اس کے بعد ہمیں جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں جا بجا اپنے اس قانون کا ذکر فرمایا ہے کہ جب کوئی قوم اور امت اللہ سے بندگی کا عہد کر کے اور اس کے دین پر چلنے کا اقرار کر کے نافرمانی اور عہد شکنی کی زندگی اختیار کر لیتی ہے تو وہ اللہ کی نظر کرم سے گر جاتی ہے اور لعنت کی مستحق ہو جاتی ہے پھر جب اس پر بُرے حالات آتے ہیں تو اللہ اس کی مدد نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں بنی اسرائیل پر غضب اور لعنت کا جہاں جہاں ذکر آتا ہے اس سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ	ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اُن کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔

اور سورۂ بقرہ کے نویں دسویں رکوع میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو یہ یہ احکام دیئے تھے ان میں سے اکثر کی انھوں نے نافرمانی کی اور صرف ایک حکم پر

انھوں نے عمل کیا ـــــ پھر (اللہ کے احکام کے ساتھ بنی اسرائیل کا یہ طرز عمل بیان کرنے کے بعد) ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○	پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے، ان کی جزا اس کے سوا کچھ نہ ہوگی کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈالے جائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر اور غافل نہیں ہے ۔

بہرحال ہم سب مسلمانوں کو اپنی موجودہ مصیبتوں اور پریشانیوں پر غور کرتے وقت اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ اس کا اصلی اور حقیقی سبب ہماری نافرمانی اور عہد شکنی والی یہ زندگی ہے جو ہم صدیوں سے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان مشکلوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ ہم اس طرز زندگی کو چھوڑنے کا فیصلہ کریں ، اب تک کی بداعمالیوں اور نافرمانیوں کی اللہ سے معافی چاہیں اور آئندہ کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کریں ۔ قرآن پاک میں صاف صاف وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی قوم اس طرح استغفار اور توبہ کرکے اپنے معاملہ کو اللہ سے درست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا میں بھی اچھی عزت اور اطمینان والی زندگی مرحمت فرمادیں گے ۔ سورۂ ہود کے بالکل شروع میں ارشاد ہے۔

وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۔	اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اپنے پروردگار سے پھر توبہ کرکے رجوع ہو جاؤ اس کی طرف ۔ وہ تم کو دنیا کی اچھی زندگی دے گا اور اچھی طرح اس کو برتنے کا موقع دے گا ایک مقررہ مدت تک ـــــ اور جو خاص فضل کے مستحق ہوں گے انکو خاص فضل سے نوازے گا ۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	اور جو لوگ اللہ سے ڈریں اور تقویٰ کی

وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ　　زندگی اختیار کرلیں، اللہ اُن کیلئے مشکلوں اور مصیبتوں سے نکلنے کی راہیں پیدا کرے گا۔ اور ان کو ایسے طریقوں سے نعمتیں عطا کرے گا جو اُن کے گمان میں بھی نہ ہوں گے۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔　　اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جمائیگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی قوم اور کوئی امت اللہ کے دین کی مدد میں لگ جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا اور اس کے حالات ایسے کرے گا کہ اسکے پاؤں اکھڑنے نہ پائیں۔

پس اگر اللہ و رسول کی ان باتوں پر ہم کو یقین ہے کہ استغفار و توبہ اور تقوے والی زندگی اور اللہ کے دین کی خدمت و نصرت میں لگ جانے سے ہماری مشکلیں حل ہو سکتی ہیں اور ہماری مصیبتیں دور ہو سکتی ہیں اور ہمارے لئے روزی کے دروازے کھل سکتے ہیں اور اللہ کی مدد ہم کو حاصل ہو سکتی ہے تو پھر ہم بڑے بدنصیب ہوں گے اگر اس کا فیصلہ نہ کریں اور پوری قوم کو اس راہ پر لگانے کی کوشش نہ کریں۔

میرا مشورہ ترک اسباب کا نہیں ہے:۔

اب تک میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اپنے حالات درست کرنے اور موجودہ مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لئے ظاہری اسباب و تدابیر کے راستہ سے جو کوششیں اس وقت کی جا سکتی ہیں، وہ ہم نہ کریں اور بس توبہ و استغفار کو وظیفہ بنا کے اللہ پر "توکل" کرکے بیٹھ جائیں ـــ توکل کے یہ معنی بالکل غلط ہیں۔

خوب سمجھ لیجئے اللہ و رسولؐ کا ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ اور میرا ہرگز یہ مشورہ نہیں ہے ـــ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ اس وقت صرف ظاہری اسبابی کوششوں سے یہ حالات نہیں بدل سکتے۔ اور ہم ان مشکلوں سے نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ ہم زندگی میں ایسی تبدیلی نہ کریں جس سے آسمان کے فیصلے بدل جائیں اور ہم اللہ کی مدد اور رحمت کے مستحق ہو جائیں

اور قرآن پاک نے اس کی صورت یہی بتلائی ہے کہ ہم پچھلی زندگی کی بداعمالیوں سے سچی توبہ کریں، اللہ سے معافی چاہیں، آئندہ کے لئے تقوے والی زندگی اختیار کریں اور اللہ کے دین کی خدمت اور اس کو رواج دینے کے اس کام میں لگیں جس کے لئے دراصل ہم پیدا کئے گئے ہیں اور اور جو بحیثیت مؤمن ہونے کے ہمارا فرض ہے ـــــ جب ہم ایسا کریں گے تو اللہ کی رحمت اور مدد ہماری طرف متوجہ ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ پریشانیوں اور مشکلوں سے نکلنے کے لئے اور عزت و اطمینان کی زندگی حاصل کرنے کے لئے جو ظاہری کوششیں اور تدبیریں ہم کریں گے اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ کامیاب ہوں گی ـــــ تدبیر کرنا اور ظاہری اسباب کے راستے سے جدوجہد کرنا تو خود اللہ کا حکم ہے لیکن مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ میری تدبیر اور کوشش جب ہی کامیاب ہوگی جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے اور جیسا کہ میں نے بتلایا اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب کوئی قوم اللہ سے اپنا معاملہ درست کرلے اور اس کی رضا کے راستہ پر چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کی تدبیروں کو کامیاب کرتے ہیں اور اپنی خاص رحمت اور مدد سے اس کو مشکلوں سے نجات دیتے ہیں ۔ تو میرا مشورہ ہرگز تدبیر اور ظاہری کوشش چھوڑنے کا نہیں ہے بلکہ میری گذارش یہ ہے کہ جب تک اللہ کی رحمت اور مدد کے قابل ہم اپنے کو نہ بنائیں گے کوئی تدبیر بھی ہم کو نجات نہیں دلا سکے گی ۔

بلکہ اگر آپ غور کریں تو خود سمجھ سکتے ہیں کہ زندگی میں یہ تبدیلی جس کی میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں یہ ایک طرح کی ظاہری تدبیر بھی ہے ۔ ذرا سوچئے جب ہم توبہ و استغفار کرکے حقیقی ایمان و تقوے والی زندگی اختیار کرلیں گے تو اس کی عملی صورت یہی تو ہوگی کہ اللہ پر اور اس کی قدرت پر ہمیں پورا یقین ہوگا ۔ اللہ کے سوا ہر چیز کا اور موت کا ڈر ہمارے دل سے نکل جائے گا ۔ اللہ پر ہمیں پورا بھروسہ ہوگا ۔ ہماری ہمتیں بلند اور ہمارے دل مضبوط ہوں گے ، زندگی کے ہر شعبہ میں ہم اللہ و رسول کے احکام کے مطابق چلیں گے ، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری پوری زندگی ایمانداری اور خدا پرستی کی زندگی ہوگی ۔ ہم ہر معاملہ میں سچائی اور انصاف سے کام لینے والے، اور اللہ کے لئے غریبوں، مفلسوں سے ہمدردی کرنے والے ہوں گے ۔ ہم میں سے جن کے پاس کچھ دولت ہوگی وہ ضرورتمندوں کو

بلا سود قرضے دیں گے ۔ بے کاروں کے لئے کاروبار مہیا کرنے میں مدد دیں گے ۔ مفلسوں اور معذوروں کی صدقات سے مدد کیا کریں گے کیونکہ اسلام نے دولت مندوں کو یہ سب احکام دیئے ہیں ۔ اسی طرح ہم میں جو تاجر ہوں گے وہ دھوکہ بازی کی تجارت نہیں کریں گے ، کسی کو فریب نہیں دیں گے ، چور بازاری نہیں کریں گے ، غرض ان کی تجارت سچائی اور ایمانداری کی تجارت ہوگی ۔ اسی طرح ہم میں سے جو ملازم پیشہ ہوں گے وہ پوری محنت اور دیانتداری سے اپنا کام انجام دیں گے ۔ جن کو حکومت کا کوئی عہدہ سپرد کیا جائے گا وہ رشوت نہیں لیں گے اور ہمیشہ انصاف کے ساتھ فیصلے کریں گے ۔ اسی طرح ہم میں جو نوکری پیشہ اور مزدور ہوں گے وہ صرف نوکری چھوٹنے کے ڈر سے نہیں بلکہ خدا کے مواخذہ کے ڈر سے اپنی ڈیوٹی محنت سے انجام دیں گے ۔ ہم میں جو پیشے والے ہوں گے وہ بات کے پکے اور ہاتھ کے سچے ہوں گے اور یہ سب کچھ وہ اپنے ایمانی ضمیر کے تقاضے اور خدا کے خوف سے' آخرت کے حساب کتاب کے ڈر سے کریں گے ۔ اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں آج اگر کوئی قوم ایسی زندگی رکھنے والی موجود ہو تو یقیناً سب کے مقابلہ میں وہی چمکے گی ۔ دوسرے لوگ اس کی قدر اور عزت کرنے پر مجبور ہوں گے ۔ اس کے تاجر دوسرے تاجروں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے وہ اگر ملازمتیں اور عہدے نہیں بھی چاہیں گے تو جمہور عوام انھیں مجبور کریں گے اور ذمہ داریاں ان کے سپرد کی جائیں گی ۔ ہر موقع پر اور ہر ضرورت کے وقت سب سے پہلے ان ہی کو پوچھا جائے گا ــــــ لیکن یہ سب کچھ جب ہوگا کہ دس پانچ برس کے تجربہ سے دنیا یہ جان لے کہ آپ وہ نہیں رہے جو کہ تھے بلکہ اب آپ کی زندگی دنیا سے ممتاز ہوگئی ہے اور آپ نے ہر معاملہ میں ایمانداری ، خدا پرستی اور سچائی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لیا ہے ــــــ اور صرف دس بیس آدمیوں کے ایسا بن جانے سے بھی یہ نتائج نہیں نکل سکتے ۔ اللہ کے فضل سے کچھ نہ کچھ تو اب بھی ہم میں ایسے موجود ہیں جن کی زندگی ایمان اور تقوے والی زندگی ہے ــــــ اس لئے حالات کی تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ قوم کی اکثریت یا کم از کم قوم کے اس متوسط طبقہ کی زندگی درست ہو جو قوم کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے اور جس کا عام دنیا سے واسطہ پڑتا ہے ۔

بہرحال اس وقت ہندوستان کے مسلمان جس پوزیشن میں ہیں اور جن حالات میں وہ اپنے کو گھرا ہوا پارہے ہیں. اُن سے نجات پانے اور عزت واطمینان والی زندگی حاصل کرنے کی یہ بالکل یقینی تدبیر ہے کہ وہ اللہ سے اپنا معاملہ درست کرکے اس کی رحمت اور مدد کے قابل بنیں اور خودغرضی و نفس پرستی کی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو چھوڑ کر خدا پرستی اور اللہ کی فرمانبرداری والی زندگی اختیار کریں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال :-

مصر کی بت پرست قوم میں یوسف علیہ السلام اکیلے مرد مؤمن اور خدا پرست تھے اور شروع میں ایک جھوٹا ناپاک مقدمہ ان پر قائم کرکے ان کو جیل میں بھی بھیجدیا گیا تھا، لیکن ان کی ایمان اور تقوے والی زندگی ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ جب قیدخانہ کے ان کے ایک ساتھی کے ذریعہ لوگوں کو اور خصوصاً بادشاہ مصر کو ان کی درویشانہ اور متقیانہ زندگی کا علم ہوا اور ان کی صلاحیتوں کا پتہ چلا تو بغیر ان کی درخواست اور کوشش کے خود بادشاہ نے ان کو جیل خانہ سے نکلواکر حکومت کا انتظام ہی اُن کے سپرد کردیا۔ حالانکہ یوسف علیہ السلام مذہب میں، نسل میں، زبان میں، غرض ہر چیز میں مصری قوم سے مختلف تھے ——— قرآن مجید میں یوسف علیہ السلام کا قصہ ایک دلچسپ تاریخی قصہ کی حیثیت سے نقل نہیں کیا گیا ہے اور نہ قرآن کوئی قصہ کہانی کی یا تاریخ کی کتاب ہے، وہ تو سراسر ہدایت ہے. اس میں اگلی قوموں یا اگلے پیغمبروں کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ ہماری ہدایت اور سبق آموزی کے لئے ہی بیان کئے گئے ہیں۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا بہت بڑا سبق ہمارے لئے یہی ہے ۔

اور یوسف علیہ السلام کا قصہ تو بہت پرانا ہے اور ایک پیغمبر کا اور مصر کا ہے۔ خود ہمارے اس ملک ہندوستان میں اللہ کے جن بندوں نے شروع میں آکر اسلام کی روشنی پھیلائی آپ جانتے ہیں کہ وہ چند بے نوا فقیر تھے جن کے پاس ایمان اور تقوے والی زندگی کی طاقت کے سوا کوئی ظاہری اور مادی طاقت بالکل نہ تھی۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پاس کیا تھا؟ بابا فریدالدین شکر گنجؒ کے پاس کیا تھا؟ بس یہی تقویٰ والی زندگی تھی اور اسکے نتیجہ میں اللہ کی خاص رحمت اور مدد تھی

—— آج بھی ہم مسلمان اپنے اندر یہ روح پیدا کرلیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے ——
بندگو اور دوستو! مادہ اور مادی اسباب اصل طاقت نہیں ہیں، بلکہ اللہ پر سچا ایمان اور اس کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق ہی اصل طاقت ہے۔

اور میرا یہ پیام جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہے اسی طرح اُن دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے جو بظاہر ابھی اطمینان کی زندگی گذار رہے ہیں —— اگر وہ اپنی نافرمانی اور خدا فراموشی والی زندگی کے ساتھ مستقبل سے مطمئن ہیں تو بڑے غافل ہیں اور اس دنیا میں مہلت اور پکڑ کے متعلق اللہ کا جو خاص قانون ہے وہ اس سے ناواقف ہیں۔

سب سے آخر میں مجھے یہ اور عرض کرنا ہے کہ میری اس گفتگو سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ دین و ایمان اور تقوے والی زندگی کی دعوت ہم بس اپنی اور اپنی قوم کی دنیا بنانے کیلئے اور اس دنیاوی زندگی میں عزت و اطمینان حاصل کرنے کے لئے دیتے ہیں۔ یہ تو دین اور ایمان کا محض ضمنی فائدہ ہے۔ اصل مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی نجات و فلاح ہے۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ کسی قوم کے ایمان اور تقوے والی زندگی اختیار کرنے پر دنیا کی نعمتوں سے بھی اس کو نوازتا ہے ورنہ حق تو یہ ہے کہ اگر یہ فرمادیا جاتا کہ دین پر چلنے کے بدلے میں تم کو صرف آخرت میں نجات اور ہماری رضا حاصل ہوگی اور دنیا میں دین پر چلنے والوں کی ہمیشہ کھالیں کھینچی جائیں گی۔ تب بھی ہم کو دین ہی پر چلنا چاہیئے تھا۔ اور ایمان و تقوے ہی کو اصول زندگی بنانا چاہیئے تھا —— دنیا میں کھالیں کھنچوا کر اور بوٹیاں نچوا کر بھی اگر آخرت کی ابدی نجات اور اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ سودا گراں نہیں ارزاں ہی ہے ——

یاد کیجیے! فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے جن جادوگروں کو بلوایا تھا جب ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کھل گئی اور انھوں نے بھرے دربار میں اپنے ایمان کا اعلان کردیا تو فرعون نے غضبناک ہوکر ان سے کہا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کے تم کو سولی پر لٹکواؤں گا۔ اس کے جواب میں اللہ کے ان بندوں نے کہا۔

فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ، إِنَّمَا	ہمارے متعلق تو جو فیصلہ کرنا چاہے کرڈال،
تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا	تو بس اسی دنیا کا تو فیصلہ کرسکتا ہے،

اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا ۝ (یعنی تیرے فیصلہ سے بس دنیوی زندگی ہی میں تو ہمیں دکھ پہونچے گا جو بہرحال ایک دن ختم ہونے والی ہے ہم تو ان خطرات کے باوجود خوب سوچ سمجھ کے) اس لئے ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری خطائیں بخشدے اور ہمیں اخروی نجات مل جائے۔

بہرحال اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات ہی دین وایمان کا اصل مقصد ہے۔ دین کا ہر چھوٹا بڑا کام دراصل اسی مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہیئے لیکن یقین اس پر بھی رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے شاہانہ وعدوں کے مطابق دین وایمان کی راہ پر چلنے والی قوم کو دنیا میں بھی اچھی زندگی نصیب فرماتے ہیں ـــــ آخر میں قرآن مجید کی ایک آیت پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں سبحان اللہ کیسی ایمان افروز آیت ہے۔ سورۂ یونس کا ساتواں رکوع اس آیت سے شروع ہوتا ہے۔ شروع آیت میں بندوں کے ساتھ اپنا تعلق اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

	(آیت کا حاصل مقصد یہ ہے)
وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝	تم جس حال میں ہوتے ہو اور خاص کر جب تم کہیں سے قرآن پڑھتے ہو اور جو عمل بھی کرتے ہو تو اس کے دیکھنے والے ہم وہیں تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں (یعنی کسی حال میں بھی ہم تم سے غائب اور بے خبر نہیں ہوتے) اور زمین وآسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی تمہارے پروردگار سے چھپی نہیں ہے اور اس سے چھوٹی اور بڑی ہر چیز بھی لوح محفوظ میں مرقوم ہے
اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ	یاد رکھو اللہ سے تعلق رکھنے والوں کیلئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

یہ اللہ والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کی راہ چلتے ہیں ان کیلئے دنیوی زندگی میں بھی ہماری طرف سے خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی یعنی یہ دونوں جہانوں میں اچھے حال میں رہیں گے (یہ اللہ کی بات ہے اور اسکا وعدہ ہے) اور اللہ کی باتیں اٹل ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ایمان اور تقویٰ والوں کی دنیا اور آخرت میں یہ کامیابی بڑی کامیابی ہے۔

حضرات! اس آیت میں کتنے صاف صریح طریقہ سے اعلان فرمایا گیا ہے کہ ایمان اور تقوے والی زندگی اختیار کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت میں کوئی خوف اور غم نہیں۔ اللہ سے تعلق درست کر لینے کے بعد دنیا اور آخرت کے ہر خوف سے نجات حاصل ہو جانا یقینی ہے۔ اگر افراد میں یہ چیز ہوگی تو اس کا ظہور افراد ہی کے پیمانہ پر ہوگا جس کو خود وہی محسوس کریں گے اور اگر یہ چیز امت اور قوم میں پیدا ہو جائے تو پوری امت اور قوم کو یہ نعمت حاصل ہوگی ــــ اللہ تعالیٰ ان ایمانی حقیقتوں کو سمجھنے اور ان پر یقین کرنے کے لئے ہمارے سینے کھول دے اور اس راہ پر چلنا ہمارے لئے آسان فرما دے۔

اللهم لا سهل الا ما جعلته سهلا وانت تجعل
الحزن سهلا اذا شئت لا اله الا الله الحليم الكريم

سابقہ فہرستیں منسوخ

مختصر فہرست کتب

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

ہماری مطبوعات

از ـــ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

اسلام کیا ہے ؟ اعلیٰ ۱/۔ عام ۸/۔

دین و شریعت ۱۵/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟ ۲۲/-

معارف الحدیث

اول ۳۸/۔ دوم ۳۶/۔ سوم ۴۲/۔

چہارم ۲۶/۔ پنجم ۴۲/۔ ششم ۳۲/۔

ہفتم ۲۲/- مکمل مجلد ۲۲۵/۔

تذکرہ مجدد الف ثانی رح ۲۵/-

ملفوظات مولانا الیاس رح ۱۰/-

شیخ محمد بن عبدالوہاب رح کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندستان کے علمائے حق پر اس کے اثرات ۸/۵۰

کلمہ طیبہ کی حقیقت ۲/۵۰

نماز کی حقیقت ۲/۔ برکات رمضان ۴/۔

آپ حج کیسے کریں ۱۰/۔ آسان حج ۲/۵۰

تصوف کیا ہے ؟ ۱۰/=

ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت ۳۰/-

فیصلہ کن مناظرہ ۷/۔ بوارق الغیب ۲۲/۔

تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات (زیر طبع)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ۵/۔

قادیانی کیوں مسلمان نہیں ؟ ۸/-

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۲/۵۰

کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت ۲/۵۰

نصرانیت زندہ ہے ۳/۔ میری طالبعلمی ۱/-

آپ کون ہیں کیا ہیں ؟ اور آپ کی منزل کیا ہے ؟ ۲/-

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف ۱۵/=

منتخب تقریریں ۱۸/=

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

تجلیات ربانی (مکتوبات مجدد الف ثانی رح)

جلد اول ۲۵/۔ جلد دوم ۲۰/-

مکتوبات خواجہ محمد معصوم رح ۲۰/-

تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۴/-

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی ۲/۵۰

تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان ۱۲/=

دیگر مصنفین کرام کی تصانیف

صحبتے با اہل دل (مولانا ابوالحسن علی ندوی) ۱۲/۔

رہنمائے تلاوت (سید محمود حسن ایڈوکیٹ مرحوم) ۱۲/۔

تاریخ میلاد (مولانا عبدالشکور مرزاپوری) ۱/۔

بریلوی فتنہ کا نیا روپ (مولانا محمد عارف سنبھلی) ۱۴/=

تذکرہ مولانا یوسف رح (الفرقان حضرت جی نمبر) ۱۲/۔

تذکرہ شیخ الحدیث (الفرقان شیخ نمبر) اول ۲۲/۔ دوم ۲۲/۔

انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ـــ ۸/=

تبلیغ دین کے لئے ایک اہم اصول (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ۱/۵۰

احکام نماز ۱/۵۰ قرآنی علاج ۲/۵۰

معمولات یومیہ (حضرت ڈاکٹر عبدالحی رح) ۱/۵۰

انیس نسواں (بیگم سید اصغر حسین) ۴/۔

صبح و شام کی ماثورہ دعائیں (مولانا [illegible]) ۲/-

دوسرے اداروں کی مطبوعات !

معریٰ و مترجم قرآن پاک و حمائل

معریٰ قرآن مجید حافظی نظامی ع ۱۲۶ ۳۲/=
معریٰ قرآن مجید ۶½×۱۰ ع ۵۲ ۲۶/=
معریٰ قرآن مجید ع ۲ جلی حروف (۱۳ سطری) ۴۲/=
〃 〃 ع ۲۰۳ ۷½×۱۰ سائز ۴۴/=
〃 〃 ع ۶۲ ۶½×۱۰ ۱۸ سطری ۲۲/=
〃 〃 ع ۳۳۳ کلاں چوب تلہ ۱۰×۱۵ ۸۰/=
〃 〃 ع ۲۴۳ ۷½×۱۰ ۱۴ لائن ۴۲/=
〃 مجلد تیسوں پارے الگ الگ [illegible]
〃 ع ۵۳ 〃 〃 〃 ۹۵/=
〃 ع ۱۲۶ 〃 〃 〃 ۶۵/=
معریٰ حمائل ع ۱۴۱ پریس ۱۷/= پلاسٹک ۹/۵۰
〃 〃 ع ۲۴۶ پریس ۲۱/= 〃 ۱۴/=
〃 〃 ع ۲۲۳ پریس ۳۰/= 〃 ۲۲/=
قرآن مجید مترجم ع ۸۱ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ حاشیہ پر تفسیر بیان القرآن ۶۰/=
قرآن مجید مترجم ع ۲۲۶ ترجمہ مولانا فتح محمد صاحب جالندھریؒ ۵۰/=
قرآن مجید مترجم شیخ الہندؒ حاشیہ پر تفسیر عثمانی ۶۵/=
قرآن مجید مترجم ع ۶۳ ترجمہ حکیم الامت ۴۰/=
قرآن مجید مترجم ع ۵۵۵ دو ترجمہ - ترجمہ اول مولانا شاہ رفیع الدینؒ ترجمہ دوم مولانا اشرف علی تھانویؒ ۶۵/-
حمائل مترجم ع ۴۴ پلاسٹک ۲۲/۵۰ پریس ۳۲/=
پارہ جات ع ۱ تا ع ۶ ۱/-
قاعدہ بغدادی ۳۲ صفحہ ۰/۵۰ ، ۱۶ صفحہ ۱/-

تختی الف بے پلاسٹک ۱/۲۵ ، ورقی ۲/۵۰

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ارکان اربعہ ۲۲/= نبی رحمت ۵۰/-
سیرت سید احمد شہیدؒ اول ۵۰/= دوم ۵۰/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۲۵/=
مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ۲۶/=
معرکۂ ایمان و مادیت ۱۵/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں ۱۵/=
نقوش اقبال ۲۶/=
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک ۲۵/=
پاجا سراغ زندگی ۱۸/=
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۱۶/=
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل پانچ جلد ۱۸۳/=
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ۲۵/=
کاروان مدینہ ۱۶/= مذہب و تمدن ۱۲/=
مغرب سے صاف صاف باتیں ۱۸/=
دستور حیات ۲۲/= تحفۂ دکن ۶/=
تحفۂ کشمیر ۱۸/= تحفۂ انسانیت ۱۸/=
عالم عربی کا المیہ ۱۸/=
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب ۱۶/=
تحفۂ مشرق ۵/- اسلام اور مغرب ۲/۵۰
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب ، امیدوں اور اندیشوں کے درمیان ۱۰/-
حدیث کا بنیادی کردار ۴/-
تحقیق و انصاف کی عدالت میں
ایک مصلح کا مقدمہ ۵/-

اسلامیات اور مغربی مستشرقین ۷/-
دو متضاد تصویریں ۱۰/-
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
ایک تازہ ترین تصنیف ۱۵/-
مطالعۂ قرآن اور اس کے اصول و مبادی ۱۵/=
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ۱۰/-
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ ۸/=
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ۲۰/=
کاروان زندگی اول ۲۵/= دوم ۳۰/=
پرانے چراغ مکمل ۲ حصے ۳۴/=
دو ہفتے مسجد اقصیٰ مراکش میں ۱۰/=
مشرق اوسطیٰ کی ڈائری ۴۰/=
جب ایمان کی بہار آئی ۱۶/=
کاروان ایمان و عزیمت ۱۲/-
قادیانیت مطالعہ و جائزہ ۸/-
نیا طوفان اور اس کا مقابلہ ۲/-
قادیانیت ۳/= نشان راہ ۲/۵۰
پندرہویں صدی ہجری ۴/=
ایک بہتر ہندوستانی سماج کی تشکیل ۳/-
لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ ۲/۵۰
خواص ملت میں ان کا مقام ۲/-
حالات کا نیا رخ ۱/- دو انسانی چہرے ۰/۷۵
مسلمانان ہند سے صاف صاف باتیں ۲/-
علم کا مقام ۱/- پیام انسانیت ۶/-
مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت و اہمیت ۱/-
شرعی و عائلی قوانین پر عمل ۱/-
آئندہ نسلوں کے اسلام کی ضمانت ۱/-

ہمارے ادارہ میں دوسرے اداروں کی موجودہ مطبوعات بلحاظ موضوعات

آپ بیتیاں

آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریابادی ۲۵/-
کاروان زندگی مولانا ابوالحسن علی ندوی مکمل ۴۵/-
طوفان سے ساحل تک ۲۲/-
لطیفے کی کہانی ۵/-
نقش حیات (از مولانا حسین احمد مدنی) ۴۰/-

آداب

آداب المساجد ۳/۵۰
آداب المعلمین ۲/۵۰
آداب السلام ۳/-
آداب النبی ؐ ۶/-

اخلاق !

اچھا مسلمان /۵۰
اخلاق نبوی ؐ ۸/-
ام الامراض (حضرت شیخؒ) ۵/۵۰
زبان کی نیکیاں ۵/-
مخزن اخلاق ۴۵/-

ادبی کتب !

انتخابات شبلی ۴/- اقبال کامل ۲۵/-
اردو زبان کی تمدنی اہمیت ۲۱/-
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ ۴۰/-
جلیل حسن جلیل مانک پوری ۴۰/-
مخزونات قرآں ۲۵/- صاحب المثنوی ۲۴/-
شعر الہند ۲۵/- شعر العجم مکمل ۹۱/-
غالب مدح وقدح کی روشنی میں ۵۴/-
فسانۂ عبرت ۸/-

کلیات شبلی ۱۰/- مثنوی میر حسن ۵/-
مرآۃ العروس ۷/- مفید الانشاء ۱/۵۰
میزان سخن ۲/۵۰
مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام ۲۶/-
نقوش سلیمانی ۴۰/-

اسلامیات

اسلام کا پیغام بنی نوع انسانی کے نام ۲۰/-
اسلام کے چار رکن ۶/۵۰ اسلامی عقیدے ۱/۵۰
اسلام اور عہد حاضر ۱۰/-
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ۱۰/-
اسلامی حکومت کے نقش ونگار ۴/-
اسلام اور امن عام ۶/-
اسلام کے تین بنیادی اصول ۵/۵۰
اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر ۵/-
اسلام مکمل دین مستقل تہذیب ۳۰/-
اسلامیات اور مغربی مستشرقین ۷/-
اسلام اور اشتراکیت ۳/-
اسلامی مذاہب ۲۸/-
اسلام اور چھوت چھات ۲/-
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۴۰/-
امت کے لئے لمحۂ فکریہ ۲/-
تجارت اور اسلام ۴/-
تعلیم الاسلام (از مفتی کفایت اللہ صاحبؒ)
مکمل مجلد ۷/۵۰
تعلیم الاسلام (مولانا عبدالحی حسنیؒ) ۲/۵۰
دولت اور عزت اسلام کی نظر میں ۲/-
کیا اسلام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ ۱/۵۰

زکوٰۃ کی اہمیت ۵/-

اسلامی نظام

اسلام کا اقتصادی نظام ۴۰/-
اسلام کا زرعی نظام ۲۵/-
اسلام کا سیاسی نظام ۲۱/-
اسلام کا نظام تقسیم دولت ۳/۵۰
اسلام کا نظام حکومت ۲۲/-
اسلام کا نظام عفت وعصمت ۱۵/-
اسلام کا نظام زکوٰۃ ۱/۵۰
اسلام کا نظام مساجد ۱۶/-
اسلامی نظام تعلیم ۱۴/-
تہذیب وتمدن ۱۵/-

الٰہیات !

معرفت الٰہیہ ۶۵/-
محبت الٰہی ۴/- حمد باری ۳/-
عرش الٰہی کا سایہ ۲/۵۰
شان رب العالمین ۴/۵۰

ایمان افروز حکایات واقعات اور قصے

اللہ والوں کے ۲۵ قصے /۴۵
آخرت کے فکرمندوں کے ۵۰ قصے ۴/-
ارواح ثلاثہ (حکایات اولیا) ۲۴/۵۰
اسلامی تاریخی کہانیاں ۷/-
بچوں کی قصص الانبیاء اول ۶/- ۴/-

سوم -/۶ چہارم -/۵ پنجم -/۷
حکایات صحابہ -/۱۱
حکایات کا گلدستہ -/۱۱
روشنی -/۴۰

ایمانیات !

ایمان و یقین ۱/۸۰ آئینۂ ایمان -/۳
فروغ الایمان -/۸ کتاب الایمان -/۶
نورالایمان -/۱ ہمارا ایمان ۲/۲۵

تاریخ !

اسلام اور عربی تمدن -/۲۶
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ -/۱۶
اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں -/۱۰
ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء -/۵
ایک عالمی تاریخ -/۹
بزم صوفیہ -/۳۹ بزم مملوکیہ -/۳۶
بزم تیموریہ اول -/۲۵ دوم -/۲۰ سوم -/۲۶
تاریخ مدینہ -/۲۰ تاریخ الاحکام -/۲۲
تاریخ مظاہر العلوم مکمل -/۲۵
تاریخ اندلس -/۲۹ تاریخ ندوۃ -/۸
تاریخ اسلام (شاہ معین الدین ندویؒ) -/۲۶
تاریخ ندوۃ العلماء اول -/۲۵ دوم -/۳۵
تاریخ دولت عثمانیہ مکمل -/۹۰
تاریخ اسلام پر ایک نظر ۱۵/۵۰
تاریخ بیت المقدس -/۲۵
تاریخ حرمین شریفین -/۳۲
خلافت راشدہ کا اقتصادی جائزہ -/۱۲
صلیبی جنگ -/۳

کشمیر سلاطین کے عہد میں -/۲۸
گجرات کی تمدنی تاریخ -/۲۱
عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں -/۳۶
عربی لٹریچر میں قدیم ہندستان -/۱۵
عرب و ہند کے تعلقات -/۴۶
مقدمہ رقعات عالمگیر -/۳۵
مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری
اول -/۱۴ دوم -/۲۶ سوم -/۳۵
مسلمانوں کی بحری سرگرمیاں -/۲۴
مفتاح التواریخ ۳/۵۰
ہندستان کے بزم رفتہ کی سچی کہانیاں مکمل ۲ حصے -/۲۴
ہندستان عربوں کی نظر میں مکمل -/۲۵
ہندستان کی کہانی -/۶
ہندستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں -/۱۲
ہندستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے -/۴۰
〃 〃 〃 تمدنی کارنامے -/۲۲
ہندستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام -/۳۰
〃 〃 〃 کی ایک جھلک -/۳۳
ہندستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات -/۱۵

تبلیغ !

اصول تبلیغ -/۵ امریکہ میں اسلام کے علمبردار -/۳
ایک اہم دینی دعوت -/۵
تبلیغ دین مکمل (امام غزالیؒ) ۱۳/۵۰
تبلیغ کا مقامی کام -/۱۲
تبلیغی تحریک کی ابتداء اور اس کے بنیادی اصول -/۶
تبلیغی جماعت کے لئے روانگی کی ہدایات -/۸
تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جواب -/۱۵
تبلیغی نصاب اول -/۳۵ دوم -/۴۶

تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں -/۴
تحریک ایمان -/۳ تبلیغی بات نمبر -/۶
جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات -/۱۲
چھ باتیں خورد ۳/۵۰ کلاں -/۴
چھ باتیں و مسنون دعائیں یکجا -/۸
حضرت مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت -/۱۵
حاصل مطالعہ دوم (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جائزہ) -/۲
مفتاح التبلیغ -/۱۲
مولانا یوسف بنوری اور تبلیغی جماعت -/۱
ہدیۃ المبلغین /۷۵

تجوید (قرأت قرآن)

احکام الضاد -/۱ آسان تجوید ۱/۲۵
تسہیل التجوید -/۴ تحفۃ الاخوان -/۲
رہنمائے تلاوت یا قرآن کریم کی بیک بیڈ -/۱۲
ضیاء القرأت -/۳ فوائد مکیہ ۲/۵۰
مظہر التجوید ۲/۵۰ معرفۃ التجوید /۸۰
معین التجوید -/۲
مکمل جمال القرآن -/۳ نزہۃ القاری ۱/۴۰

تذکرے

تذکرہ مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہؒ -/۹
تذکرۃ الخلیل -/۳۵
تذکرۃ الرشید -/۶۵ تین تذکرے -/۱۴
تذکرہ مولانا اویس ندوی نگرامیؒ -/۱۰
تذکرہ شاہ طیب بنارسیؒ ۳/۵۰
دس جنتی -/۳ دس بڑے مسلمان -/۲
معاصرین (از مولانا دریابادیؒ) -/۲۰
مختصر تذکرہ خلفاء راشدین -/۶

دمیات ماجدی -/۱۵
ہندستان میں عربی علوم و فنون کے ممتاز علماء -/۱۵

تصوف

السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیۃ العلیہ -/۱۲
اکابر کا سلوک و احسان -/۶
ارشاد الملوک -/۱۲ انسان کامل -/۵۰
انفاس العارفین -/۴۰ بہجۃ القلوب -/۴
تسہیل قصد السبیل ۲/۵۰
خلاصہ تسہیل قصد السبیل ۲/۵۰
روح تصوف -/۱۰
سلوک سلیمانی مکمل -/۶۵
شریعت و طریقت -/۲۵
شریعت و تصوف مکمل -/۲۸
غنیۃ الطالبین -/۵۵ فیض شیخ -/۶
کلیات امدادیہ -/۲۰
گنج مطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب -/۴۰
محبوب العارفین -/۵ مدارج سلوک -/۱۸
مذہب مختار ترجمہ و حواشی معانی الآثار -/۳۲

تفاسیر

تفسیر ابن کثیر مکمل مجلد ۵ جلد -/۳۵۰
تفسیر بیان القرآن -/۲۴۰
تفسیر معارف القرآن کلاں -/۵۵۰
تفسیر تدبر قرآن اول -/۳۶
تفسیر الفوز الکبیر اردو -/۱۰

تقاریر و خطبات!

پہلی تقریر سیرت -/۱۲
حضرت جی کی یادگار تقریریں -/۸
خطبات مدراس (کلاں) -/۱۳
دوسری تقریر سیرت -/۱۵

تقریر سکھانے والی کتابیں

آپ تقریر کیسے کریں (مولانا جمیل نذیری)
اول -/۶ دوم -/۶ سوم -/۶
اصلاحی تقریریں -/۶
تقریر کیسے کریں مولانا کاظم ندوی
اول -/۵ دوم -/۵ سوم -/۶
تقریر کیجئے -/۶ گلدستہ تقریر ۲/۷۵

جمعہ کے خطبے

خطبات نادرتیہ (ایک جدید انتخاب) -/۴
خطب شہید ۳/۵۰ خطب جدید -/۴
خطبات الجمعہ -/۴ مجموعہ خطب علمی -/۵
مجموعہ خطبات ماثورہ -/۹

حج کے موضوع پر منتخب کتب

آئینہ حرم (مع نقشہ و مقامات مقدسہ) -/۲۶
احکام الحج -/۶ ارکان حج -/۱
آپ حج کیسے کریں ۱/۵۰ آسان حج -/۳
حج کی باتیں ۰/۵۰ حج اور اس کی دعائیں -/۴
حج کے چند مشاہدات -/۳
خواتین کا حج و عمرہ -/۵
رفیق حج ۴/۵۰ رہبر حج ۲/۵۰
سفر حجاز (مولانا دریابادی) -/۱۴
طریقہ حج -/۵
فضائل حج ۲/۵۰

حدیث و علوم حدیث

اصول حدیث -/۲۵
انتخاب الترغیب والترہیب مکمل ۴ حصے -/۹۰
الفیۃ الحدیث (مولانا منظور نعمانی) -/۱۵
بلند پایہ محدثین ۳/۵۰
ترمذی شریف اردو -/۸۰
تجرید بخاری اردو -/۳۵
تقریر بخاری اول -/۱۸ سوم -/۱۸
انعام الباری شرح اشعار البخاری (اعلیٰ) -/۱۲
الابواب والتراجم لصحیح البخاری مکمل -/۳۰
الحل المفہم لصحیح المسلم -/۱۲۰
ترجمان السنہ مکمل ۴ جلدیں -/۱۸۰
ریاض الصالحین اردو -/۴۵
زاد سفر (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ) اول -/۱۲
دوم -/۲۲
فن اسماء الرجال ۲/۵۰
فضل الباری اول -/۱۵ دوم -/۱۲
سوم -/۱۲
(درس بخاری از مولانا شیخ الحدیث)

حقوق

پڑوسی کے حقوق -/۲
جانوروں کے حقوق -/۲
حقوق زوجین -/۵
حقوق البیت -/۳
حقوق العلم -/۴
میاں بیوی کے حقوق -/۳
والدین کے حقوق -/۴

دعائیں، اوراد و وظائف

الحزب الاعظم -/۵ چہل حدیث مشتمل بر ادعیہ ۱/۵۰
چہل ربنا ۱/۵۰ حصن حصین -/۱۵
دعائیں (مولانا علی میاں) -/۳
دعائیں اور اسلامی آداب -/۵
ذکر و اعتکاف کی اہمیت -/۷
رسول اللہ کی دعائیں غیر مجلد -/۵ مجلد -/۸
زاد کارواں (حسن البناء الشہیدؒ) -/۱۰
صبح و شام کی ماثورہ دعائیں اور اذ فضیلہ -/۲
قرآن اور حدیث کی دعائیں -/۶
معمولات یومیہ (حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ) ۱/۵۰
مسنون دعائیں (مولانا عاشق الٰہی) -/۳
مسنون و مقبول دعائیں -/۴
مناجات مقبول (مولانا دریابادی) -/۶

رد شرک و بدعت اور شیعیت

اصلاح الرسوم -/۸ اعلیحضرت کا دین -/۶
اسلام اور شیعہ مذہب -/۳
الشہاب الثاقب -/۱۵
ارشد القادری کی شریعت کا جائزہ -/۶
اصلاح المسلمین (عبیداللہ اسعدی) -/۲
باطل شکن -/۵ بشریت انبیاء -/۱۰
بدعت اور شرک ۳/۵۰ بلاغ المبین ۱۰/۵۰
بہار تعزیہ و بدعات مروجہ -/۱
تحفۃ الاخیار -/۱۲ تکفیر کے پردے میں -/۸
تعارف مذہب شیعہ -/۱۵
تعزیہ دلپذیر (مولانا مدنیؒ) -/۳۰
تعزیہ علماء اسلام کی نظر میں ۱/۵۰
توحید کا خنجر -/۱۲ تحقیق مذاہب ۴/۵۰
چراغ سنت -/۸ چالیس بدعتیں -/۲
حسین و یزید ۲/۵۰ حق نما ۱/۵۰
حق پر کون ہے -/۱۲ حقیقت نما ۲/۵۰
حادثہ کربلا -/۱
حضرت تھانوی اور اعلیٰ حضرت -/۶
خلفاء ثلاثہ ۳/۵۰
دیوبند سے بریلی تک -/۱۰
دین حق اور علماء ربانی شرک و بدعت کے خلاف کیوں -/۳
رضا خانیت کا تنقیدی جائزہ -/۱۰
رضا خانی ترجمہ و تفسیر ایک نظر میں -/۲۰
رسالہ سماع پر تبصرہ -/۶
زلزلہ پر زلزلہ ۵۰/۱ زیر و زبر معجزات و کرامات ۲/۵۰
شیعہ اور قرآن -/۲۰
شیعوں کے گیارہ اہم سوالات کے جوابات -/۳
شیعہ حضرات سے ننانوے سوالات -/۴
شریعت مصطفیٰ اور دین احمد رضا خاں -/۲
عقد ام کلثوم -/۳
عید میلاد النبی کی تقریبات -/۱
فاتحہ کی حقیقت ۱/۲۵
فتاویٰ اعلیحضرت ۱/۵۰ فتح حقانی -/۸
فیصلہ کن مباحثہ -/۳ قرآن پر ظلم ۲/۵۰
قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ۴/۵۰
کیا مردے سنتے ہیں -/۶
کفر و ایمان کی کسوٹی -/۲
گلدستہ توحید ۶/۵۰
ماحی شرک و بدعت ۱/۵۰
مذہب شیعہ کے ۱۴ بنیادی عقیدے -/۳
مسئلہ فدک کا تحقیقی جائزہ -/۵
معرکہ سنت و بدعت مکمل ۲ حصے -/۱۵
نور الایمان -/۱۲ نصیحۃ المسلمین -/۴
وہابی کی پہچان -/۱

سفرنامے

الفوز العظیم -/۶ دو مہینے امریکہ میں -/۶
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں -/۱۰
مشرق اوسط کی ڈائری -/۴۰

سیرت النبیؐ

آمنہ کا لال -/۵ اصح السیر -/۴۸
آخری رسولؐ -/۱۸
پیارے نبی -/۸ پیغمبر عالم -/۲۰
پیغمبر اسلام ایک نظر میں ۵۰/
خاتم النبیینؐ -/۶
رسول اکرم ۶/۵۰ رہبر عالم -/۳
رسول اکرم کی سیاسی زندگی -/۲۵
رسول اکرم کی سیاست خارجہ -/۲۵
رحمت عالم -/۶ عکسی -/۱۰
رسالتمآب -/۶۰
رسول اللہ کے تین سو معجزات -/۸
سیرت طیبہ (قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی) -/۸
سیرت خاتم الانبیاء -/۸
سیرت النبی مکمل ۷ جلد (علامہ شبلی نعمانی و علامہ سید سلیمان ندوی) مجلد -/۳۲۲
سیرت النبی (ابن ہشام) مکمل ۲ جلد
شمیم الحبیب -/۵ شمائل رسول -/۲۶
قائد بدر و احد -/۱۵
مختصر سیرت نبویہ -/۱۲ مہر نبوت -/۳

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب خورد ۱۲/-
نفحۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ -/۴
ہمارے حضور ﷺ ۶/-
ہادی عالم زسیرت بے نقط) ۳۰/-

سیر و سوانح !

اسلام کی بہادر بیٹیاں ۵/-
اسوۂ صحابہ مکمل ۲ حصے ۴۶/-
اسوۂ صحابیات ۷/- الانور ۴۰/-
الفاروق خورد ۴/- الغزالی ۱۵/-
اصحاب النبی ﷺ ۱۸/- انبیائے کرام ۸/-
اصحاب رسول ۳۵/- امام رازی ۲۵/۵۰
امت مسلمہ کی مائیں ۶/-
امام اعظم ابو حنیفہؒ ۲۰/-
اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں ۵/۵۰
اہل کتاب صحابہ و تابعین ۱۲/-
بزم رفتگان دوم ۳۰/-
بنات اربعہ (چار صاحبزادیاں) ۳۵/-
تابعین ۳۵/- تبع تابعین دوم ۳۰/-
تاریخ سید نا حسین ۱۰/-
تاریخ مشائخ چشت (خلیق احمد نظامی) ۷۰/-
" " (حضرت شیخ) ۱۴/-
چار ستارے ۱۵/- چند سوانحی تحریریں ۶/-
حیات الصحابہ مکمل ۳ جلدیں ۱۵۰/-
حیات خلیل ۲۵/- حیات اشرف ۷/۵۰
حیات شبلی ۵۵/- حیات سلیمان ۴۵/-
حیات فخر الاسلام ۱۹/۵۰ حیات اقبال ۲۵/-
حضرت اویس قرنیؒ ۲/- حضرت مولانا الیاس ۲۷/-
خلفائے راشدین (شاہ معین الدین ندوی) ۲۵/-
خوان خلیل ۱۵/- خلفائے راشدین ۱۲/-
رسول اللہ کی صاحبزادیاں ۶/-
سوانح ابوذر غفاریؓ ۱۰/-
سیرت خلفائے راشدین (مولانا عبد الشکور فاروقیؒ) ۱۲/-
سیرت عائشہؓ ۲۲/- سیدہ کا لال ۸/-
سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ۱۴/-
سیر انصار مکمل ۲ حصے ۴۶/-
سیر الصحابہ ششم ۲۱/- ہفتم ۲۱/-
سوانح شیر شاہ سوری ۳/-
سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ۲۰/-
سوانح حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ۲۵/-
سوانح مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی
(صدر یار جنگ) ۲۰/-
شیخ حسن البنا ۲/۵۰
صحابہ کی انقلابی جماعت ۶/-
صوفی امیر خسرو ۱۳/-
صحابیات نمبر ماہنامہ رضوان ۶/-
طارق بن زیاد ۳/-
عثمان ذو النورینؓ ۴۲/-
علمائے حق کی مظلومیت کی داستان ۴/-
علماء مظاہر العلوم اور انکی تصنیفات مکمل ۴۳/-
غدر کے چند علماء ۱۲/- غوث الاعظم ۲/-
فاطمہ کا لال ۶/- فاطمہ کا چاند ۱۰/-
فاتح سندھ محمد بن قاسم ۳/-
کرامات مرسویہ ۶/-
مہاجرین مکمل ۲ حصے ۵۰/-
معین الہند ۱۵/- نو مسلم ولی کامل ۶/-
نیک بیبیاں ۶/- ولی کامل ۱۶/-
ولی کامل

علوم قرآنی !

ارض القرآن مکمل ۲ حصے ۳۶/-
بنیادی قرآنی تعلیم ۶/۵۰
تاریخ تفسیر و مفسرین ۶۰/-
تعلیم القرآن ۷/۵۰
تیسیر القرآن ۱۰/- فہم قرآن ۱۰/-
قرآن کی باتیں ۴/-
قرآن پاک اور اجرام فلکیہ ۲/۵۰
کلید تیسیر القرآن ۲/۵۰
لغات القرآن مکمل ۱۲۵/-
مفتاح القرآن مکمل ۵ حصے ۱۶/۷۵
معلم القرآن ۲/۵۰

عملیات و طبی کتب

اعمال قرآنی ۷/۵۰ پلاسٹک ۹/۵۰
المائدہ (آسمانی روٹی) ۲/-
بیاض اشرفی ۱۲/۵۰ بلڈ پریشر ۶/-
پریشانیوں کا شرعی علاج ۴/-
پھلوں سے علاج ۱۲/-
جواہر خمسہ مکمل ۳۲/-
حل المشکلات ۴/-
سبزیوں سے علاج ۱۲/-
طب روحانی ۱۲/- طب نبوی ۱۸/-
علاج الغرباء ۱۵/- غذا اور صحت ۶/-
قرآنی علاج ۲/۵۰ شہد
مشکل کشا ۱۰/- مجربات ویلیاء ۲۰/-
مجربات خاندان ولی ۳/-
مسلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج ۱۲/-

نافع الخلائق ۴۵/-

عورتوں کیلئے بہترین کتابیں

انیس نسواں ۲/۵۰
اسلام میں عورت کا مقام ۶/-
بہنوں کی نجات ۴/-
حسن معاشرت ۴/۵۰
عورتوں کی نماز ۴/-
عورتوں کی شان مبارک ۲/-
عورت — ماں بہن بیوی، بیٹی ۲۵/-
مسلمان بیوی ۵/- مجلد ۴/-
مسلم خواتین کے لئے بیس سبق ۵/-

فضائل

توبہ واستغفار کے فضائل ۱/-
فضائل اذان واقامت ۲/۵۰
فضائل استغفار ۱/- فضائل تجارت ۵/۵۰
فضائل تہجد ۶/- فضائل تبلیغ ۲/۵۰
فضائل حج ۱۲/- فضائل روزہ ۵۰/
فضائل ذکر ۴/- فضائل درود ۸/-
فضائل نماز ۵/- فضائل رمضان ۵/-
فضائل قرآن ۵/- فضائل لباس ۵/-
فضائل صدقات ۴۸/- فضائل نکاح ۲/۵۰
فضائل زبان عربی ۲/- فضائل مسواک ۴/-
فضائل اعمال اول ۳۵/- دوم ۴۰/-
کتب فضائل پر اشکالات کے جوابات ۱۰/-
فضیلت علم ———— ۵/-

فقہ وفتاویٰ

تعلیم الاسلام مکمل (مفتی کفایت اللہ رح) ۷/۵۰
تاریخ فقہ اسلامی ۲۹/-
جواہر الفقہ مکمل ۲ جلدیں ۸۰/-
جیرت الفقہ ۴/- دین دنیا ۲/-
علم الفقہ مکمل (مولانا عبدالشکور فاروقی) ۹۶/-
فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل غیر مجلد ۳۸۰/-
مجلد ۴۳۶/-
فتاویٰ رحیمیہ (از مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری)
اول ۵۰/- دوم ۵۰/- سوم ۵۰/-
چہارم ۵۰/- پنجم ۵۵/- مکمل ۲۴۵/-
فقہ القرآن ۴۰/-
مسلم پرسنل لا اور اس کا عائلی نظام ۲۵/-

فلسفہ وعلم کلام !

الکلام ۲۲/- افکار عصریہ ۲۰/-
برکلے اور اس کا فلسفہ ۴/-
حکمائے اسلام اول ۲۰/- دوم ۲۳/-
فلسفہ کیا ہے ؟ ۵/-

قادیانیت کے رد میں کچھ کتابیں

تحقیق لاثانی ۱۳/-
عشرۂ کاملہ ۱۳/-
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۲/۵۰
قادیانی کیوں مسلمان نہیں ؟ ۸/-
قادیانیت مطالعہ وجائزہ ۸/-
قادیانیت امت محمدی کے خلاف ایک
بغاوت ———— ۳/-
کفر واسلام کی حدود اور قادیانیت ۲/۵

لسانیات

(الف) اردو سیکھئے

اردو زبان کا قاعدہ (مولوی اسماعیل میرٹھی) ۱/۴۰
" " کی پہلی کتاب ۹۰/ دوسری کتاب ۲/-
" " تیسری کتاب ۳/- چوتھی کتاب ۴/-
" " پانچویں کتاب ۵/-
اردو کا قاعدہ (انجمن حمایت اسلام) ۷۵/
اردو کی پہلی کتاب ۹۰/ دوسری کتاب ۲/۷۵
تیسری کتاب ۲/۷۵ چوتھی کتاب ۹/۵۰
اردو خط کتابت ۶/- تاج محل قاعدہ ۲/-
شمع خط وکتابت ۲/۵۰

(ب) انگریزی سیکھئے

اسمارٹ اردو انگلش ٹیچر ۹/-
" " لیٹر رائٹر ۹/-
پاپولر اردو انگلش ٹیچر ۱۰/-
جدید اردو انگلش ٹیچر ۵/-
عربی انگریزی ٹیچر ۶/۵۰
مومن انگلش ٹیچر ۱۲/-

(ج) بہترین اسلامی نصاب

تعلیم الاسلام کا قاعدہ (از مفتی کفایت اللہ)
" اول ۷۵/ دوم ۸۵/ سوم ۱/۲۵
چہارم ۲/۵۰ مکمل مجلد ۷/۵۰

(د) بچوں کو دینی تعلیم دینے کا بہترین نصاب — از حکیم شرافت حسین صاحب

اچھا قاعدہ ۹۰/
اچھی باتیں اول ۱/-
اللہ کے رسول ۲/-
حضرت ابوبکر رض ۲/- حضرت عمر رض ۲/-

حضرت عثمان -/۲ حضرت علیؓ -/۲
ہمارا ایمان ۲/۵۰

(و)
دار العلوم ندوۃ العلماء کی نصابی کتب

القفۃ المیسر -/۳۵
الادب العربی -/۱۰ البلاغۃ الواضحۃ -/۲۲
القرأۃ الراشدہ اول ۵/۵۰
دوم -/۶ سوم ۸/۵۰
تمرین النحو ۶/۵۰ تمرین الصرف ۵/۵۰
دروس الاشیاء والمحاورۃ العربیہ -/۳
شرح شذور الذہب -/۳۵
شذا العرف -/۱۵
علم التعریف -/۶
قصص النبیین اول -/۵ دوم ۴/۵۰
سوم -/۶ چہارم ۴/۵۰ پنجم -/۲۰
کتاب الصرف -/۶ کتاب النحو -/۶
مختارات اول -/۱۲ دوم -/۹
منثورات -/۱۲
معلم الانشاء اول ۸/۵۰ دوم -/۹
" سوم ۹/۵۰ مکمل -/۲۶
منشعب جدید ۹۰/ میزان جدید ۹۰/

(ح)
عربی زبان وادب سکھانے والی بہترین کتابیں

القرأۃ الرشیدہ اول ۴/۵۰ دوم -/۵
سوم ۴/۵۰ چہارم -/۵
النحو الواضح ابتدائی اول -/۵
" دوم ۵/۵۰ سوم ۵/۵۰
" (ثانوی) اول ۶/۵۰

" دوم ۵/۵۰ سوم ۶/۵۰
استاذ العربیہ ۲/۵۰
دروس الادب اول ۳/۵۰ دوم ۴/۵۰
دروس الاطفال ۵۰/ روضۃ الادب ۴/۵۰
عربی بول چال (عبد الرحمٰن امرتسری) مکمل -/۱۲
عربی بول چال (انگریزی، اردو، عربی)
" اول -/۱۰ دوم -/۲۰
کلام عربی (قاضی زین العابدین سجاد) -/۹
ماڈرن عربک ریڈر ۲/۵۰
منہاج العربیہ اول ۱/۸۰
دوم ۲/۲۵ سوم -/۳
چہارم ۳/۷۵ پنجم ۴/۵۰

(ز) درس نظامی کی کچھ کتابیں

اخلاق جلالی -/۱۰ اخلاق ناصری -/۱۸
اخوان الصفا -/۹ اخلاق محسنی -/۱۸
الفیۃ الحدیث (مولانا منظور نعمانی) ۱۲/۵۰
آمد نامہ مع صفوۃ المصادر ۲/۴۰
الفلسفہ ۲/۵۰ المنطق ۲/۵۰
ابواب الصرف -/۶
بوستاں مترجم -/۲۲
بلوغ المرام -/۱۲ باکورۃ الادب -/۳
پنج گنج -/۶
تیسیر المنطق -/۲ تسہیل المنطق -/۵
تسہیل البلاغہ -/۵ تسہیل النحو ۲/۵۰
تسہیل اصول الفقہ ۱/۵۰
تیسیر المبتدی ۱/۵۰
تسہیل الصرف اول -/۶
" دوم -/۴ سوم -/۱۰

دیوان متنبی -/۱۲
سبع معلقات ۴/۵۰
علم الصیغہ -/۹ عزیز المبتدی -/۴
فارسی کی پہلی کتاب ۲/۵۰ دوسری کتاب -/۳
صغریٰ ۱/۵۰ فصول اکبری -/۱۰
کبریٰ -/۳ کنز الدقائق کلاں -/۵۵
گلزار دبستاں (دیوبند) -/۳ نو لکشور ۴/۵۰
گلستاں مترجم -/۲۲
مختصر المعانی -/۳۹ مرقات -/۴
مصباح المنیر شرح نحو میر ۱۶/۵۰
میزان الصرف -/۶ میزان منشعب ۴/۵۰
نور الایضاح ۱۵/۵۰ نفحۃ الیمن -/۶

لغات و ڈکشنریاں

المنجد عربی -/۱۴۰
القاموس الجدید اردو عربی -/۲۴
اسٹینڈرڈ ٹوئنٹیتھ سنچری انگلش ڈکشنری -/۹۰
ایڈوانس " " انگلش اردو -/۹۵
اسٹینڈرڈ انگلش ٹو انگلش ڈکشنری -/۱۰
اسٹوڈنٹ نیو ماڈل اردو انگلش -/۱۵
اسٹوڈنٹ لیٹسٹ پریکٹیکل -/۲۶
اسٹوڈنٹ اسٹینڈرڈ اردو انگلش (مجلد) [illegible]
بیان اللسان عربی اردو -/۶۰
پاپولر انگلش اردو -/۱۲
پانیر انگریزی سے اردو [illegible]
" انگریزی سے عربی [illegible]
عربی سے انگریزی [illegible]
جیم کسفورڈ پاکٹ ڈکشنری [illegible]
انگریزی سے اردو [illegible]

جم پاکٹ ڈکشنری ۱۴/-
جامع اردو لغات (فیروز اللغات جیبی) ۱۵/-
فیروز اللغات جدید (اوسط سائز) ۲۸/-
لغات کشوری ۶۶/-
مصباح اللغات مجلد عکسی ۱۴۰/-

مجموعہ کلام اور شعری مجموعے

آہنگ سرمدی ۶/- بال جبریل ۱۵/-
بانگ درا ۱۸/- تجلیات ۶/-
حجابِ گل ۶/- حرکتِ آفاق ۴/-
تغزل اجدی ۱/- دینیات منظوم ۱۲/-
سنائے کی آواز ۶/- سدرہ و طوبیٰ ۵/۰۰
شمیم طاعت ۲/-
شعلۂ رقصاں ۸/- شکوہ جواب شکوہ ۱/۵۰
شرح بانگ درا ۳۵/- نکہتِ آخرت ۵۰/
کلیات اقبال ۴۰/- کلام صوفی ۴۰/-
مثنوی گلزار نسیم ۲/-
مجموعہ رباعیات خواجہ بہاء الدین ۱/۵۰

مسائل و احکام :

احکامِ اسلام عقل کی نظر میں ۱۲/-
ادلۃ الملیۃ ۵۰/ اعتکاف ۱/۵۰
الحیلۃ الناجزہ ۱۴/۵۰
ارکانِ اسلام ۴/- اغلاط العوام ۱/۵۰
اجتہاد کا تاریخی پس منظر ۱۲/-
آلات جدیدہ کے شرعی احکام ۶/۵۰
ادلۂ کاملہ خورد ۱/-
اتحاد و اختلاف کی شرعی حدود ۳/-
السعایات ۲/۵۰ الاذان ۲/۵۰

اشرف الجواب مکمل ۴۲/-
بینک انشورنس اور سرکاری قرضے ۱۰/-
بہشتی زیور تاج ۵۵/- مدنی ۴۰/-
بہشتی ثمر - اول ۶/- دوم ۵/۵۰
تعلیم الاسلام (مولانا عبدالحئی حسنی) ۲/۵۰
پردے کی باتیں ۹/-
تجہیز و تکفین کے احکام ۲/۵۰
تعلیم الدین ۴/-
جدید مسائل کے شرعی احکام ۳/۵۰
چار فقہی تحقیقات ۱۲/۵۰
چند اہم فقہی مسائل ۱۲/-
داڑھی کا وجوب ۲/-
داڑھی کا فلسفہ ۱/۸۰
داڑھی کی قدر و قیمت ۳/-
دین کی باتیں ۱۵/-
راہ نجات ۳/-
رمضان اور اس کے روزے ۱/۸۰
رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو و ٹیلیفون کا
شرعی حکم ۵۰/ زکوٰۃ کے مسائل ۱/۵۰
شب براءت (مولانا مفتی شفیع صاحبؒ) ۱/-
شب براءت (مولانا حبیب الرحمن خیرآبادی) ۲/-
قربانی ۳/۴۰ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے ۱۰/-
مسائل اذان ۴/۲۰
مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل ۴/-
مسئلہ ایصال ثواب ۱۲/-
معاشرتی مسائل ۲۴/-
مسائل قبور ۱/۵۰ مسئلہ تقدیر ۲/۵۰
مسائل بہشتی زیور ۱۵/-
میراث المسلمین ۲/۵۰ ماہ رمضان ۵/-

مسلم کا کفن دفن ۵۰/-

مکاتیب !

اکابر کے خطوط ۱۵/- تبرکات ۶/-
حضرت مجدد کے تین مکتوب ۳/-
مکاتیب رشیدیہ ۱۵/-
مکاتیب شبلی اول ۲۲/- دوم ۱۸/-
مکتوبات ہدایت ۳/۵۰ مکتوبات اعجازی ۴/-
مکتوبات امدادیہ ۳/- مرقومات امدادیہ ۱۲/-
مکاتیب مولانا الیاسؒ ۶/۵۰
مکاتیب احمد سعید ۴/-
مکتوبات و بیاض یعقوبی ۱۱/-
مکتوبات سلیمانی دوم ۱۰/-
مکتوبات شیخ اول ۱۶/- دوم ۱۲/- سوم ۹/-

ملفوظات، ارشادات، مواعظ

البدائع ۲۴/- آئینہ ملفوظات ۱۵/-
امداد المشتاق ۲۰/- اشرف المواعظ ۱۴/-
احسن المواعظ ۱۲/۵۰ الکلام الحسن ۵/-
ارشادات مدنی ۲/۵۰ ارشاد الملوک ۶/-
تسہیل المواعظ مکمل ۸۰/- دنیا و آخرت ۲۸/-
فرمودات حضرت مدنیؒ ۴/۵۰
فیوض یزدانی ۳۵/-
کلمۃ الحق ۹/-
مزید المجید ۶/-
ملفوظات مولانا مسیح اللہ صاحب مکمل ۱۸/-
ملفوظات (اسٹرائک) ۳/۵۰
مواعظ مولانا مسیح اللہ صاحب مجموعہ مکمل ۸/-
ولی کامل ۱۰/-

ربا، جھگڑے اور ان کا حل ۳/۵۰
اِلی تحفہ ۱/-
مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ۳/-
مسلمان خاوند ۴/۵۰ مجلد ۶/-
مذہب اور سائنس ۲۵/-
مسیحیت علمی و تاریخی حقائق کی روشنی میں ۱۲/-
مکالمات ۴/۵۰ میدان حشر ۸/-
مسافر آخرت ۱۰/- مقام صحابہ ۱۵/-
مسلمان کیا کریں ۴/-
موت کا منظر ۲۰/- معمولات رمضان ۶/-
معارف الآثار ۲/- محسن کتابیں ۱۲/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا ۱۵/-
مسلمان بچوں کے نام کیا رکھیں ۴/-
نئی مغربی دنیا ۳۰/-
نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟ ۲/۵۰
ندوہ کا پیغام ۱/- نقشہ دینی نصاب ۵/-
نظریہ اشتراکیت اور اسلام ۱/-
نکاح شریعت کے آئینہ میں ۱/۵۰
نکاح جہیز بارات اور اسلامی تعلیمات ۲/۵۰
ہم آپ (مولانا دریابادی) ۶/-
ہندوستان کا نصاب ۴/۵

نماز !

ارکان نماز ۱/۵۰ احکام نماز ۱/-
آئینہ نماز ۱/۲ ہیئت نماز ۴/-
تحفۃ المصلی ثانیت نامہ ۲/-
رحمت کا دربار ۵۰/-

سچی نماز ۱/۷ شان نماز ۱/- فرض نماز ۲/-
میری نماز ——— ۴/-
نماز کی عظمت یا کتاب الصلاۃ
از حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رح ۱/-
نماز کی برکتیں ۱/- نماز کی اہمیت ۱/-
نماز کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس
کے اثرات ——— ۸/-
نماز کیا ہے ۵۰/- نماز کی باتیں ۶/۵۰
نماز مترجم کلاں ۲/- خورد ۱/۵۰

نعتیں درود و سلام !

انوار سنت ۱/۵۰ بادہ وحدت ۱/۵۰
بہار حرم ۱/۲۵ پھول ہی پھول ۱/۵۰
حمد و سلام و منتخب نعتیں ۲/۵۰
خیر الانام کی بارگاہ میں ۵/-
درود و سلام ۲/-
رسول اللہ کی نعتیں و سلام ۶/-
زمزمۂ نعت ۱/-
سرود جاوداں ۹/- سلام ہی سلام ۷۵/-
زاد الصلاۃ ۲/۵۰ زاد السعید ۳/۵۰
شجاع اول ۲/- شان حضور ۱/۵۰
صہبائے مدینہ ۱/۵۰ ظہور قدسی ۲/-
عقیدت کے پھول ۲/- کلید باب جنت ۲/-
گلزار مدینہ ۱/- گلدستۂ اہل ذوق ۱/۲
لذت سحر ۹/-
نعت حضور ۴/-
نعتیں و سلام ۳/-

وصایا !

وصایا (مرتبہ مولانا افتخار فریدی) ۲/-
وصایا امام اعظم ابو حنیفہ رح ۵/-

ہندی زبان میں اسلامی کتابیں

اسلام کیا ہے؟ (از مولانا محمد منظور نعمانی) ۱۵/-
آسان حج ——— ۳/۵۰
آئینہ نماز ۱/- اسلام اور جدیدیت کا چیلنج ۴/-
ایکتا کا پیام ۲/۵۰ ایمان کا نور ۱/۵۰
ارکان اسلام ۲/- اعمال قرآنی ۸/-
آدرش شاسک ۴/- بہشتی زیور ۴/-
پیغمبر عالم ۱/۵۰ تعلیم الاسلام مکمل ۹/-
ترکیب نماز ۲/۵۰ تبلیغی نصاب ۵۰/-
جنگ کے محسن ۲/- چھ باتیں خورد ۴/-
حج اور عمرہ ۱۵/- چھ باتیں کلاں ۵/-
رحمت عالم جدید ایڈیشن ۱۲/- قدیم ۹/-
رسول اللہ کی دعائیں ۴/- رسول اکرم ۱/۵۰
سیدہ کا لال ۱/۲ قیامت کب آئیگی ۹/۵۰
قرآن شریف ہندی مترجم مع عربی دو جلد قیمت [illegible]
مانوتا کا استر ۵/- مانوتا کا سندیش ۶/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ۱۲/- میری نماز ۲/-
مسنون دعائیں ۵/- مسلمان خاوند ۵/-
مسلمان بیوی ۵/- موت کی یاد ۲/-
مدینہ کی ڈگر ۱۲/-
نماز مترجم ۲/- نماز کیسے پڑھیں ۶/-
نماز کی اہمیت ۵/-
پانچ سورہ ۴۰/- نیلی شریف ۲/-

ہمارا پتہ: الفرقان بکڈپو نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

سرپرست

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

جلد ۵۴ | جون جولائی سنہ ۱۹۸۶ء مطابق شوال و ذوالقعدہ سنہ ۱۴۰۶ھ | شمارہ ۶ — ۷

فہرست مضامین

یہ شمارہ ۶/-
سالانہ چندہ
برائے ہندوستان ۳۰/-
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک ۱۰۰/- (۔/۔)
ہوائی ڈاک ۲۰۰/- (۔/۱۰)

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے ۔ براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ۔ چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا ۔

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ
دفتر: ماہنامہ الفرقان
۳۱ - نیا گاؤں مغربی لکھنؤ
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:-
ادارہ اصلاح و تبلیغ
آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

نگاہ اولیں

فرقہ وارانہ فسادات

مسلمانوں کو ان کے خدا اور رسول کی ہدایت

یہ بات کچھ ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں ایک منظم طاقت ہے جس کا منصوبہ اور مشن ہی یہ ہے کہ مسلمان یہاں امن و سکون سے نہ رہ سکیں۔ ان لوگوں کو جب اور جہاں موقع ملتا ہے کسی نہ کسی بہانے سے فساد کرا دیتے ہیں ۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ اخبارات میں اس قسم کے کسی فساد کی خبر نہ دیکھی جاتی ہو ۔ ان فسادات میں مسلمانوں کی جانیں بھی جاتی ہیں اور مال و جائداد کی تباہی و بربادی بھی ہوتی ہے ــــ اور بلا شبہ بعض مقامات پر دوسرے فرقہ کے لوگوں کو بھی اسی طرح کے جانی و مالی نقصانات پہنچتے ہیں ، ہم کو ان کا بھی ایسا ہی دکھ ہوتا ہے ۔

پولیس اور پی اے سی جن کا فرض ہی امن قائم رکھنا اور ظلم و فساد کو روکنا ہے ، اکثر مقامات پر تجربہ ہوا ہے کہ وہ فسادیوں کا ساتھ دیتی اور ان کی مددگار بن جاتی ہے ، یہاں تک

کہ لوٹ مار میں بھی حصہ لیتی ہے ــــــ اکثر ریاستی حکومتوں کا رویہ بھی مسلمانوں کے لئے مایوس کن رہا ہے ــــــ اس صورتحال کا ایک عام انسان کی حیثیت سے مسلمانوں کے جذبات پر جو اثر پڑنا چاہیئے وہ پڑتا ہے اور پڑ رہا ہے ۔

دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا ایک انتہائی افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ ان فسادات کے موقع پر عام مسلمان، خاص کر ان کا نوجوان طبقہ یہ بالکل نہیں سوچتا کہ اس بارے میں ان کے لئے ان کے خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ اور ان کے دین اسلام کی کیا ہدایت و تعلیم ہے؟ ــــــ وہ دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی آدمی کو صرف یہ دیکھ کر کہ یہ مسلمان ہے خنجر یا گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں اور کسی دوکان میں صرف اس لئے آگ لگا دیتے ہیں کہ یہ مسلمان کی دوکان ہے ــــــ اس سے متاثر ہو کر وہ بھی جواب میں یہی ظالمانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ایسا کرنا خود اپنے دین اسلام پر ظلم اور اپنی آخرت کو برباد کرنا ہے ۔

یہ عاجز بندہ اسلام کا نام لیوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اس وقت اس حقیقت کا اظہار و اعلان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے کسی حال میں بھی یہ اندھا ظالمانہ رویہ اختیار کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے ــــــ اسلامی شریعت کا یہ حکم یہ ہے کہ اگر کوئی آپ پر حملہ کرے تو اپنے بچاؤ کے لئے آپ اس پر حملہ کر سکتے ہیں، لیکن دوسرے فرقہ کے جس آدمی نے آپ پر حملہ نہیں کیا، آپ کے مکان یا دوکان میں آگ نہیں لگائی اگر آپ اس پر حملہ کریں گے یا اس کی دوکان یا جائداد کو نقصان پہنچائیں گے تو اللہ اور رسول کے نزدیک آپ سخت مجرم ہوں گے ــــــ کسی بے قصور غیر مسلم کو جانی یا مالی نقصان پہنچانا اسلامی شریعت میں حرام اور ایسا ہی گناہ عظیم ہے جیسا کہ کسی بے قصور مسلمان کو جانی یا مالی نقصان پہنچانا ــــــ جو مسلمان ناواقفی سے اپنی شریعت کے اس حکم کی خلاف ورزی کریں گے وہ اسلام پر بھی ظلم کریں گے اور خدا اور رسول یقیناً ان کے اس رویہ سے بیزار ہیں۔

یہ عاجز راقم سطور ان سطروں کے سپرد کرتے وقت اس حقیقت سے غافل نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جو طبقہ ان فسادات کے موقع پر ردعمل کا شکار ہو کر وہ غیر اسلامی رویہ اختیار کر لیتا ہے جس کی طرف

اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ "الفرقان" جیسے دینی رسالے اور دینی کتابیں نہیں پڑھتا، اور اس بنا پر یہ امید کرنا بظاہر اسباب بڑی سادہ لوحی کا ثبوت دینا ہوگا کہ اس طرح کی تحریریں گزارشات اس طبقہ پر براہ راست کچھ اثر انداز ہوں گی ـــ اس احساس کے باوجود اس عاجز نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ اپنا فرض سمجھ کر اور ایمانی تقاضے سے مجبور ہو کر "مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ" عرض کیا ہے اور اس یقین کے ساتھ عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت اور طاقت والا ہے وہ اگر قبول فرمانے تو اذان بلالی کی طرح اپنے کسی بندے کی آواز کو جہاں تک چاہے پہنچا سکتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت اور تقوے کی راہ پر لگا سکتا ہے "وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْن"۔

الفرقان کے پڑھنے والوں میں جہاں تک راقم سطور کا اندازہ ہے بفضلہ تعالیٰ بڑی تعداد ان بھائیوں کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے صورت حال کا احساس اور دین اور امت کی خدمت کا جذبہ کسی نہ کسی درجہ میں عطا فرمایا ہے۔ ایسے سب حضرات سے یہ عاجز گزارش کرتا ہے کہ وہ اپنے ماحول اور اپنے حلقہ میں اور خصوصًا ان سادہ دل نوجوانوں میں جو سیاسی بازیگروں کے آلہ کار بن جاتے ہیں دین کی صحیح سمجھ اور حالات کا صحیح شعور پیدا کرنے کے لئے دعوتی اور تربیتی کوششوں کی رفتار اور تیز کریں، اور حکمت اور محبت سے ان بندگان خدا کو دینی ماحول سے مانوس اور دین کی صحیح فکر اور اس کا درد رکھنے والوں سے قریب کرنے کی کوشش کریں ـــ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن ہدایت کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا مشہور اور وعدہ ہے ـ " وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْن۔

سخنہائے گفتنی

مدیر

الفرقان کا یہ شمارہ بھی وقت ہی پر آپ کو ملے گا، خدا کرے کہ یہ آپ سب کی پسند کے مطابق ہو۔
ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے، بالعموم دینی مجلات و جرائد بھی آفسٹ پر طبع ہو رہے ہیں، لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ الفرقان کا معیار طباعت قارئین کے ذوق طلب کے لئے خاصی آزمائش کا سبب رہا۔ یہ بات ہمیں جس شدت سے محسوس ہوتی رہی اس کا صحیح علم علام الغیوب ہی کو ہے لیکن بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں ہماری مجبوریوں کا واقعی اندازہ ہوگا۔
قصہ یہ ہے کہ الفرقان کے پیچھے۔ عام مجلات و جرائد کی طرح کسی ادارہ یا تحریک کا فنڈ نہیں ہے۔ وہ جس دن سے نکلا ہے الحمدللہ آج تک اپنی مخصوص انفرادی شان کے ساتھ جاری ہے۔ اب سے ۵۰ سال پہلے اللہ کے ایک بندے نے اس رسالہ کا اجراء اس شان کے ساتھ کیا تھا کہ دو شماروں کے بعد تیسرا شمارہ چھپوانے کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا، اور جب اس بندۂ خدا نے اپنی رفیقۂ حیات سے اپنی اس مجبوری کا تذکرہ کیا تھا تو اللہ اپنی اس بندی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اس نے اپنی کل پونجی (جو ۵۰، روپے تھی) حاضر کر دی تھی، کیا عجب ہے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک اسی مزاج کے پورے تحفظ کے ساتھ الفرقان کا جاری رہنا ان دونوں بندگان خدا کے عزم و جذبہ کی قبولیت ہی کا ثمرہ ہو اس لئے کہ جس عمل کی بنیاد اور اس کے پیچھے کار فرما جذبہ ٹھیک ہو اسے قبولیت سے نوازا ہی جاتا ہے ۔۔۔ اللہ تعالیٰ شاکر بھی ہے اور علیم بھی، وہ دلوں کے بھید سے بخوبی واقف ہے، اور صحیح عمل اور صحیح جذبہ کا بہت قدر دان بھی ہے ۔۔۔
اس مدت میں کیسے کیسے انقلابات آئے؟ کیسے کیسے حالات اور کتنی سخت مشکلات آئیں! ان سطور کے راقم کے لئے تو بڑی حد تک وہ سب شنیدہ ہی ہیں، تاہم گذشتہ بیس سال کی مدت میں جو حالات آئے وہ شنیدہ بھی ہیں اور دیدہ بھی، ۔۔۔ ان حالات کے تفصیلی تذکرہ کا یہاں موقع نہیں ۔۔۔ بس ساری تعریف اور ساری کبریائی اس خدائے عزیز و حکیم کے لئے ہے جس کی توفیق کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، حقیقت یہ ہے کہ انسان

کی حیثیت تو زیادہ سے زیادہ خدائی اوزار اور آلۂ کار کی ہے، کسی انسان کی خوش بختی وسعادت نصیبی کی انتہا یہی ہے کہ خدا غیب کی اشاعت اور شر کے انسداد کے لئے اسے اپنا اوزار بنالے اور اس سے کچھ کام لے لے۔

دین وملت کے خادموں کی آزمائش کے لئے نرم وگرم مساعد وناساعد دونوں قسم کے حالات آتے ہیں اور اہل معرفت جانتے ہیں کہ مشکل اور ناساعد حالات میں اہل دین کے لئے استغنائی مزاج پر استقامت بہ مساعد اور موافق حالات کی بہ نسبت آسان ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کو ان دونوں کا بھرپور تجربہ ہوا تھا وہ فرمایا کرتے تھے "متوکل کی تھیلیاں معتصم کے کوڑوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سخت آزمائش معلوم ہوتی ہیں۔

گذشتہ ۱۰۔ ۱۵ سال کے عرصہ سے دین وملت کے خادموں کیلئے اس امتحان کے مواقع بھی قدرت الٰہی نے خود فراہم کرائے ہیں۔ الفرقان کے لئے بھی ایسے بہت سے مواقع آئے، کئی بار کچھ مخلصین نے اس سلسلہ میں اپنی خدمات بھی پیش کیں۔ اور چھپانے سے کیا فائدہ ہمارے دل میں بھی یہ خیال آیا کہ الفرقان کا معیار طباعت اس کے بغیر بہتر نہیں کیا جا سکتا لہذا اس پیشکش کو قبول کر لیا جائے۔ لیکن الحمدللہ۔ کہ ذوق ومزاج نے اس خیال کو فوراً ہی مسترد کر دیا، اور اللہ کی توفیق سے ہم نے اپنے ذہن کو پھر یکسو کر لیا، اور یہ تہیہ کر لیا کہ ہمیں اپنے اسی مزاج پر جما رہنا ہے اور یہ امید رکھنا ہے کہ ؎ رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

ادھر ہم اس کشمکش میں رہے، اور ادھر ہمارے قارئین برابر ہم سے الفرقان کے معیار طباعت کو بہتر کرنے کا پر زور مطالبہ کرتے رہے۔ لیتھو کی طباعت اب اتنی آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکی ہے کہ باوجود ہزار کوشش کے اور پریس کی بار بار تبدیلی کے اچھا نتیجہ بر آمد نہیں ہوتا، اور تان اسی پر آکر ٹوٹتی ہے کہ معیار کی بہتری کے لئے ضروری ہے کہ رسالہ کی طباعت آفسیٹ پر ہو ــــــ اور لکھنؤ میں آفسیٹ کی طباعت کے مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ ہمت نہیں ہو پاتی تھی، دوسری طرف کاغذ اور محصول ڈاک اور ہر چیز کی قیمت میں اس تیز رفتاری سے اور حیرت انگیز تناسب کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے کہ صرف اس اضافہ ہی کا تقاضا ہے کہ الفرقان کا زر تعاون بڑھایا جائے، جب بھی آفسیٹ اور دوسرے مصارف میں آنے والے اضافہ کا حساب لگایا گیا۔ یہی اندازہ ہوا کہ ایکدم سے اتنا زیادہ اضافہ کرنا پڑے گا جو ناقابل برداشت ہوگا۔

لیکن ہوتا یہ رہا کہ ادھر ہم مجبوراً اور بادل نخواستہ یہ فیصلہ کرتے کہ ایسے ہی چلنے دیا جائے، اور ادھر قارئین کے خطوط وارد ہونا شروع ہو جاتے کہ آگے بڑھئے! اور زمانہ کی رفتار کا ساتھ دیجئے!!

بالآخر گذشتہ ماہ ہم لوگ سر جوڑ کر بیٹھے ، نئے سرے سے حساب لگایا ، جس سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر اندرون ملک خریداروں کی تعداد میں ڈیڑھ سو احباب کا اور بیرونی خریداروں کی تعداد میں سو۱۰۰ احباب کا مزید اضافہ ہو جائے ، تو انشاء اللہ صرف تھوڑے اضافہ سے کام چل جائے گا ۔ چنانچہ اسی بناء پر یہ شمارہ آفسیٹ ہی پر طبع کرایا جا رہا ہے ۔ لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ اس شمارہ (بابت جون جولائی ۱۹۸۶ء) سے الفرقان کا سالانہ زر تعاون تیس روپے ~~بیس~~ روپے ہوگا ۔

بیرونی ممالک کے لئے زر تعاون کی نئی شرح :

یکم مئی ۱۹۸۶ء سے ہمارے محکمہ ڈاک نے — جو بد انتظامی میں اپنی نظیر آپ ہے ۔ بیرونی ملک کے لئے محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کیا ہے ۔ آپ اس کا اندازہ حسب ذیل چارٹ سے لگا سکتے ہیں ۔

	یکم مئی ۱۹۸۶ء سے قبل	یکم مئی ۱۹۸۶ء سے
ایروگرام	۳/۷۵	۵/-
لفافہ	۴/۲۵	۶/۵۰
(الفرقان کے سائز کا) رسالہ	۴/۵۰	۶/۵۰
رجسٹری فیس	۴/۵۰	۱۰/-

اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ہوائی ڈاک کا محصول اب (پاکستان ، بنگلہ دیش ، نیپال بھوٹان اور سری لنکا کے علاوہ) دنیا کے سب ملکوں کیلئے یکساں کر دیا گیا ہے ۔ جب کہ پہلے مسافت کے لحاظ سے دنیا کے ممالک ۴ گروپوں میں تقسیم تھے ۔

محصول ڈاک میں اس زبردست اضافہ کے بعد بیرونی ممالک کیلئے الفرقان کے زر تعاون کی نئی شرح اب یہ ہوگی

پاکستان کے لئے ستر روپے

دیگر ممالک ذریعہ بحری ڈاک ۷۵/- روپے ۵/- £

" ہوائی ڈاک ۱۶۰/- " ۱۰/۰۰ £

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ، اس اضافہ کے بعد بھی مصارف اسی وقت پورے ہوں گے جب کہ الفرقان کے خریداروں کی تعداد میں کم سے کم مذکورہ بالا تناسب سے اضافہ ہو — یہ اضافہ کوئی مشکل نہیں ہے ۔ بس اس کے لئے آپ کو اپنے حلقۂ تعارف میں الفرقان کو متعارف کرانا ہوگا ۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کی تھوڑی سی فکر و حرکت پر یہ کام آسانی سے ہو جائے گا ۔ کہا جاتا ہے کہ حرکت میں برکت ہے ۔ اس تبدیلی کے سلسلہ میں ہمیں آپ کا تاثر جاننے کا اشتیاق بھی رہے گا

ماحول کا اثر اور اس کا علاج

افادات حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی

فرمایا ـــــ آدمی جس ماحول میں رہتا ہے عموماً اس میں رنگ جاتا ہے، اس کا ذہن اور دل و دماغ اسی میں چلتا ہے اور سارے اعضا اس سے مانوس ہو جاتے ہیں، وہ جب دوسرے ماحول میں جاتا ہے تو بڑی اجنبیت محسوس کرتا ہے اور تکلیف و گھٹن ہوتی ہے۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک چمڑا پکانے والے کا لڑکا چمڑے دار ماحول سے اتنا متاثر تھا کہ ایک بار وہ عطر کی دوکان سے گذرا تو عطر کی خوشبو کا تحمل نہ ہو سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب باپ نے پرانے چمڑے کو سنگھایا تو ہوش آیا۔ یہی حال آج کے گندے ماحول کا ہے کہ اس ماحول میں پرورش پانے والا اچھے اور صالح ماحول میں گھٹن محسوس کرتا ہے۔

فرمایا ـــــ انسان کی فطرت صحیح ہوتی ہے۔ ماحول اس فطرت کو بدلتا ہے مگر وہ فطرت غالب آجاتی ہے جیسے قطب نما ہوتا ہے، تم جس سمت میں اس کو رکھو گے قطب نما کی سوئی قطب کی طرف مڑ جائے گی۔ میری خانقاہ میں ایک دیہاتی آیا، میں نے اس سے پوچھا تمہارے یہاں بارش ہوئی اس نے بے تکلف جواب دیا ہم نے خدا کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ کرتے ہیں تو بارش بھی خدا نے روک دی اور کہہ دیا کہ سب کچھ تم لوگ کرتے ہو تو بارش بھی برساؤ۔ دیکھئے اس دیہاتی کی فطرت صحیح تھی اس کا ذہن ادھر ہی گیا اور ایسا جواب دیا۔

یاد رکھو! جن کی نظر خدا کی عظمت و طاقت پر رہتی ہے وہ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے نہ کسی دنیاوی ہیبت سے مرعوب ہوتے ہیں ..... میرے ایک ملنے والے ہیں ماشاءاللہ چہرے پر داڑھی ہے شروع شروع لوگوں نے کہا ایسی صورت تم انجینئرنگ کیسے پڑھو گے؟ مگر وہ خدا سے ڈرنے والے کسی سے نہ ڈرے اور داڑھی رکھے رہے خدا کی عظمت کو دل میں بٹھایا انجینئرنگ پاس کی، اب ماشاءاللہ بڑے انجن چلاتے ہیں، ماحول خراب ہے مگر خود صورۃً سیرۃً نیک ہیں۔ مجھ سے وظیفہ پوچھا میں نے کہا "اللہ پر بھروسہ رکھنا تمہارا وظیفہ ہے، بس اپنے نازک چیز، دل کو ٹھیک رکھو سارا کام بنتا جائے گا"۔

(ماخوذ از "صحبتے با اہل دل")

خطاب عید الفطر

ہماری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ

[ہر سال کی طرح اس سال بھی عید الفطر کے موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ہزاروں اہالیان لکھنؤ کے سامنے حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے خطاب فرمایا تھا جو ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔ اسی کو کاغذ پر منتقل کر دیا گیا ہے۔

والد ماجد مدظلہٗ نے نظر ثانی فرمائی اور تکمیل فائدہ کے لئے مناسب ترمیمات بھی فرمائیں وہی خطاب ان صفحات میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنے بندوں کو نفع پہونچائے ——— مدیر]

بسم اللہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد

میرے بھائیو ! عزیزو ! دوستو !

آج کے اس مبارک موقع پر بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں اپنی معذوری کی وجہ سے مجھے عیدین ہی کے موقع پر آپ بھائیوں سے کچھ دینی باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے، اس وجہ سے اس موقع پر میں وہ ہی بات کہنا چاہتا ہوں جسے سب سے زیادہ ضروری سمجھتا ہوں، جو اگر سچ مچ سمجھ میں آجائے اور دل قبول کرے تو پوری زندگی کا رخ درست ہو جائے، اور دنیا و آخرت میں ہر ہر قدم پر کامیابیاں ہی مقدر ہو جائیں، وہ بات اتنی اہم ہے کہ اس کا حق تو یہ تھا کہ آپ میں سے ایک ایک بھائی سے الگ الگ ملاقات کر کے میں وہ بات عرض کرتا اور ضرورت پڑتی تو میں آپ کے

پاؤں پکڑ لیتا، لیکن ظاہر ہے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے، آپ سب یہاں اللہ کے گھر میں جمع ہیں میں یہاں آپ سب سے وہی بات کہنا چاہتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ مختصر اور سادہ لفظوں میں صحیح نیت کے ساتھ اس بات کو آپ کے سامنے رکھدوں، اور آپ کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اسے اتار دے اور خود مجھے بھی اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے بھائیو! زندگی کے تین دور ہیں۔ ایک دور وہ تھا جب ہم آپ اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے، دوسرا دور اس دنیاوی زندگی کا ہے جس سے ہم آپ گزر رہے ہیں، تیسرا دور اس دنیا کے بعد آخرت والا دور ہوگا ——— ہم آپ جب اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے، تب اگر کوئی ہم سے کہتا کہ تم اس وقت جس دنیا میں ہو، بچے دانی والی دنیا، ماں کے پیٹ کی دنیا، وہ بہت تنگ و تاریک دنیا ہے، بہت چھوٹی سی دنیا ہے، بہت گندی سی اور بہت حقیر سی دنیا ہے، اس دنیا سے نکل کر تم جس دنیا میں آؤ گے وہ بہت ہی طویل و عریض اور بڑی لمبی چوڑی دنیا ہے، اس میں آسمان ہے، زمین ہے، سمندر ہیں، پہاڑ ہیں، اس میں کروڑوں قسم کی مخلوقات ہیں، اس میں سورج چاند اور ستارے ہیں، ریلیں دوڑتی ہیں، ہوائی جہاز اڑتے ہیں، اس میں کارخانے ہیں، فیکٹریاں ہیں، اور یہ ہے اور وہ ہے، تو اگر ہم سے یہ سب اس وقت کہا جاتا تو کسی طرح ہمیں یقین نہ آتا، ہماری سمجھ ہی میں نہ آتا کہ آخر اتنی بڑی دنیا کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ہم اس وقت خود جس دنیا میں تھے وہ بہت تنگ اور تاریک دنیا تھی وہاں ان چیزوں کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد ہم نے وہ سب کچھ دیکھ لیا، اب یہ دنیا آنکھوں کے سامنے ہے، کہاں لاکھوں میل کی لمبی چوڑی یہ دنیا اور کہاں ماں کے پیٹ والی تنگ و تاریک دنیا، کوئی نسبت ہی اس چھوٹی سی دنیا کو اس دنیا سے نہیں۔

بالکل اسی طرح کا فرق، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ تناسب والا فرق اس دنیا اور اس دنیا میں ہے جہاں مرنے کے بعد ہم سب کو منتقل ہونا ہے۔ اس دنیا کے انسانوں کو اللہ کے سب ہی نبیوں اور سب ہی پیغمبروں نے یہی سب سے زیادہ ضروری بات سمجھائی کہ اے انسانو! تم لوگ آج کل جس دنیا میں ہو وہ ماں کے پیٹ کی دنیا کی طرح محدود دنیا ہے، تنگ و تاریک دنیا ہے اور

عارضی دنیا ہے۔ اس دنیا کے بعد جس دنیا میں تم سب کو جانا ہے وہ ہے انتہائی وسیع اور لافانی دنیا۔ زندگی تو اصل میں وہیں کی زندگی ہے، راحت تو اصل میں وہیں کی راحت ہے، لذت اور مسرت تو وہیں کی لذت اور مسرت ہے (اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَۃِ) انھوں نے ہر ممکن طریقہ سے انسانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ دنیا کتنی وسیع، کتنی لمبی چوڑی ہوگی۔ اُس کی تکلیفیں کیسی شدید دردناک ہوں گی؟ اس کی راحتیں اور لذتیں کیسی ہوں گی؟ وہاں کی ذلت اور وہاں کی مصیبت کتنی سنگین ہوگی اور وہاں کی عزت اور وہاں کی مسرت کیسی لازوال اور حقیقی ہوگی۔ قرآن پاک میں جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ "وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ" مطلب یہ ہے کہ جنت میں تم کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی تمھیں خواہش اور چاہت ہوگی، تمھارے سب ہی ارمان پورے ہوں گے ـــــــ ظاہر ہے کہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہو سکتی۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے "فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ" یعنی جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمھارا جی چاہتا ہے اور چاہے گا اور جس کو دیکھ کر تمھاری آنکھوں کو لذت و سرور حاصل ہوگا۔ آگے یہ بھی فرمایا گیا کہ "وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ" کہ تم ہمیشہ اس جنت میں رہوگے اور تم کو یہ نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ حاصل رہیں گی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی نعمتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فِیْھَا مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" مطلب یہ ہے کہ جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی بشر کا خیال ہی ان تک پہونچا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جنت اور جنتیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں ایک منادی اعلان کرے گا کہ اے جنتی بندو! یہاں تمھارے لئے صحت ہی صحت ہے اب تم کبھی بیمار نہیں پڑوگے یہاں تمھارے لئے زندگی ہی زندگی ہے کبھی تم کو موت نہیں آئے گی، تمھارے لئے جوانی ہی جوانی ہے کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، اور عیش ہی عیش ہے کبھی کوئی تنگی اور تکلیف نہیں ہوگی۔

میرے بھائیو ! قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمائی ہوئی ان باتوں پر یقین کر کے جنت کی ان نعمتوں اور بہاروں کا تصور کرو، ذرا سوچو وہ کیسی حسین و لذیذ اور کیسی پر بہار زندگی ہوگی، اور پھر ان لذتوں مسرتوں کے ساتھ کن مقدس اور محبوب ہستیوں کا ساتھ نصیب ہوگا، حضرات انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور آپ کی زیارت نصیب ہوگی، انشاء اللہ آپ کے ہاتھوں سے جام کوثر ملے گا ۔ اور سب سے بڑھ کر دیدار خداوندی نصیب ہوگا اور ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا پروانہ مل جائے گا ۔ ہائے کیسی بدنصیبی ہے کہ ہم اس جنت کے حاصل کرنے سے غافل ہیں ،

اب ذرا جنت کے ساتھ جہنم کے بارے میں بھی سوچئے ــــ ہم اس دنیا کی آگ کا انگارہ ایک سکنڈ کے لئے ہاتھ پر نہیں رکھ سکتے ۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ دوزخ کی آگ میں اس دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ستر گنا زیادہ سوزش اور جلانے کی صلاحیت ہے ۔ اللہ کی پناہ! اللہ کی پناہ !!

ایک دوسری حدیث کا مضمون ہے کہ دوزخ میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اور چپل کے تسمے آگ کے ہوں گے ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح چولہے پر ہانڈی کھولتی ہے ۔ اللّٰہم احفظنا ! اللّٰہم احفظنا !!

میرے بھائیو ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے پیغمبر اور سب سے آخر میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے آئے کہ اللہ کے بندوں کو بتلائیں کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے ، وہاں کی راحتیں اور لذتیں مسرتیں اصلی راحتیں لذتیں اور مسرتیں ہیں جو لافانی ہیں ۔ اور اسی طرح وہاں کا عذاب اور وہاں کی تکلیفیں ہی اصل تکلیفیں ہیں جن سے بچنے کی سب سے زیادہ فکر اللہ کے بندوں کو کرنی چاہیئے ۔ پھر انھوں نے بتلایا کہ جنت کی نعمتیں اور راحتیں لذتیں حاصل کرنے کے لئے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے اس طرح کی زندگی گزارنی چاہیے

میرے بھائیو !

آخرت برحق ہے ، جنت دوزخ برحق ہے اور جزا سزا کا قانون برحق ہے ۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے " فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

مثقال ذرة شراً یرہ ۔ جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیک کام کیا ہوگا وہ اس دن اسے خود دیکھ لے گا، اور جس نے ایک ذرہ کے برابر کوئی برا کام کیا ہوگا وہ بھی اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لے گا دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ۔ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۔ یعنی یہاں دنیا میں جس نے جو عمل کیا ہے وہ آخرت میں اس کے سامنے موجود ہوگا ۔

آج جیسے چلتی پھرتی تصویریں محفوظ کرلی جاتی ہیں اور جب جی چاہے انھیں دیکھا جا سکتا ہے سمجھنا چاہیئے کہ اسی طرح تمام انسانوں کی ایک ایک حرکت اور ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک بول ریکارڈ ہو رہا ہے اور قیامت کے دن یہ ساری تصویریں سامنے رکھ دی جائیں گی اور ایک ایک بول سنایا جائے گا ۔ بھائیو ! ذرا سوچو وہ کیسا وقت ہوگا جب میرے گناہ آنکھوں کے سامنے ہوں گے ۔ میں کیسے کہہ سکوں گا کہ میں نے یہ نہیں کیا تھا ۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا ۔

میرے بھائیو ! ہم آپ آخرت کے منکر نہیں ہیں ۔ یہ اللہ کا فضل ہے ۔ لیکن ہم آخرت سے غافل ضرور ہیں ۔ ہمارا مرض انکار نہیں غفلت ہے ۔ اسی غفلت کی وجہ سے ہماری زندگیوں، اور اللہ و رسولؐ کو نہ ماننے والوں، ان کا انکار کرنے والوں کی زندگیوں میں کوئی خاص فرق نہیں رہ گیا ہے ۔ اور اسی لئے ہمیں دیکھ کر، ہمارے ساتھ معاملہ کرکے ، ہماری خوشیوں اور تقریبات میں شرکت کرکے کسی منکر کے دل پر کوئی چوٹ نہیں لگتی ۔ اس کے ذہن میں کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ کوئی خاص فرق اسے نظر ہی نہیں آتا ۔

اسی غفلت کی وجہ سے ہم اللہ کے حکموں کو بڑی لاپرواہی کے ساتھ توڑتے رہتے ہیں اسی غفلت کی وجہ سے ہماری عقلیں سلب ہوگئی ہیں ۔ ہم اپنے اجتماعی ملی مسائل کے سلسلہ میں بھی جو کچھ کرتے ہیں اکثر صاف نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے سوچنے سمجھنے اور عقل و شعور کی کتنی کمی ہے ۔ یہی وہ بات تھی جس کے بارے میں، میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ مجھے وہ بات کہنی ہے جس کا حق یہ ہے کہ آپ میں سے ایک ایک سے الگ الگ ملاقات کرکے اس سے کہوں کہ میرے بھائی ! اب تک آخرت سے اگر غفلت رہی تو اب توبہ کرو ! اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو ، اور آئندہ کے لئے طے کرو کہ اب اس غفلت والے رویہ کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیں گے ، اور آخرت کو سامنے رکھ کر زندگی گذاریں گے ۔

آخرت کو سامنے رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھر بار، کاروبار اور ہر چیز کو چھوڑ دینا پڑیگا نہیں۔ ہرگز نہیں ۔ اس کا مطلب بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے، اہتمام اور ذوق و شوق سے ان کو ادا کریں، جن میں سب سے پہلا درجہ نماز کا ہے ۔

پانچ وقت کی نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کریں ـــــ صاف سن لیں کہ عید کی نماز اتنی ضروری نہیں ہے جتنی روزانہ پانچ وقت کی نمازیں ضروری ہیں ۔ امت کے بعض ائمہ تو نماز نہ پڑھنے والے کو کافر کہتے ہیں ۔ اور اپنی طرف سے نہیں قرآن و حدیث کے بعض نصوص کی روشنی میں کہتے ہیں ۔ میں صفائی اور صراحت کے ساتھ اللہ کے اس گھر میں اعلان کرتا ہوں کہ نماز کا چھوڑنا زنا کرنے، شراب پینے بلکہ سؤر کھانے سے بھی بڑا گناہ ہے ـــــ ذرا سوچئے! آج امت میں کتنے فیصد لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں ۔ کیا ایسی حالت میں یہ امت اللہ کی رحمت اور مدد کی مستحق ہے ۔

آج ہم مسلمانوں پر مصیبتوں اور پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، اور صرف اسی ملک میں نہیں، دنیا بھر میں ایسا کیوں ہے ؟ ـــــ خدا کی قسم یہ اس لئے ہے کہ ہم اللہ کی مدد کے مستحق نہیں رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ سب کچھ کرنا ہمارے لئے آسان ہے لیکن مسلمان بننا ہمارے لئے آسان نہیں جلوس نکالنا ہمارے لئے آسان ہے، ریلیوں میں جانا آسان ہے، گولیاں کھانا بھی آسان ہے لیکن مسجد میں پابندی سے آنا اور نماز پڑھنا اور اللہ کے حکموں پر چلنا ہمارے لئے مسئلہ ہو گیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے نظام کو نظر انداز کر کے کوششیں کرنا اور اس پر بڑی بڑی کامیابیوں کی امیدیں رکھنا، صرف شیطان اور نفس کا فریب ہے ۔ جبتک ہم خود کو اللہ کا بندہ نہیں بنائیں گے حالات نہیں بدلیں گے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے

" وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ـــــ " جب مسلمانوں میں دینی زندگی ہوتی ہے ۔ جب ان کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا یقین ہوتا ہے تو کوششوں کا رخ صحیح ہوتا ہے صلاحیتوں کا استعمال صحیح ہوتا ہے اور صحیح لائن کی کوششوں

کے صحیح نتائج نکلتے ہیں ۔

لیکن جب ہمارے اندر سے دین نکل جاتا ہے تو وہی ہوتا ہے جو آنکھوں کے سامنے ہے صحیح کوششوں کی طرف طبیعت نہیں چلتی ۔ ہلڑ بازی شور و غوغا اور احتجاج ہی اصل کام معلوم ہونے لگتے ہیں ۔ اور اس کے نتائج وہی نکلتے ہیں جو نکلنے چاہئیں ۔

میرے بھائیو ! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے ساتھ معاملہ اس کی مجموعی حالت کے حساب سے ہوتا ہے ۔ آج ہماری غالب اکثریت کے اعمال اللہ کو سخت ناراض کرنے والے ہیں ۔ فرائض مردہ ہو رہے ہیں ۔ بڑے بڑے گناہوں میں ہماری بڑی تعداد دن رات مبتلا ہے ۔ اگلے زمانہ میں شراب کو "ام الخبائث" کہا جاتا تھا۔ ہمارے اس زمانہ کا ام الخبائث فلم اور ٹی وی وغیرہ ہیں ۔ کتنے گھر ہیں جو ان گندگیوں سے محفوظ ہیں ۔ ہمارے موجودہ حالات اور مصائب ہمارے ان ہی اعمال کا نتیجہ ہیں ۔ حدیث قدسی میں ہے "انما ھی اعمالکم اُعیدھا لکم" (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمہارے اعمال ہیں جو تمہارے سامنے آرہے ہیں)

میرے بھائیو ! میری عمر ۸۰ سے آگے بڑھ چکی ہے میں پہلی جنگ عظیم کے زمانہ سے جو ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی تھی دیکھ رہا ہوں کہ پوری امت مسلمہ پریشانیوں کے دلدل میں دھنسی جارہی ہے اور جوں جوں تدبیریں کی جارہی ہیں ہماری حالت اور بگڑتی جارہی ہے ۔ یہ سب قرآن مجید میں بیان کئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ابدی نظام کے عین مطابق ہے ۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ نظام سمجھایا گیا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام کو نظر انداز کرتی ہے اور ایمان کے تقاضوں پر نہیں چلتی تو اللہ تعالیٰ اسے سبق سکھانے کے لئے سزائیں دیتے ہیں اس کے اوپر پریشانیاں بھیجتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ایک مرحلہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدترین دشمنوں اور کافروں کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں ۔ پھر وہ ان سے بڑا سخت انتقام لیتے ہیں

ہماری ہدایت کے لئے قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے بنی اسرائیل کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ۔ یہ بنی اسرائیل اپنے زمانے کے "مسلمان" تھے نبیوں کے ماننے والے بلکہ ان کی اولاد تھے ۔ اللہ کی کتابوں کو بھی مانتے تھے ۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور عزت کا تمغہ بلند

عطا فرمایا تھا ۔ لیکن جب ان میں بگاڑ آیا اور وہ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ۔ اللہ کا دین ان کی زندگیوں میں سے عملاً نکل گیا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ رتبہ بلند چھین لیا اور پھر ایسی ذلتیں ایسی بیچارگیاں ان پر مسلط ہوئیں کہ الاماں والحفیظ ! ان کی جانیں بھی بے قیمت ہوگئیں ، ان کا مال بھی ارزاں ہوگیا ۔ یہاں تک کہ ان کے دشمنوں نے جو بدترین قسم کے کافر تھے ان کی عبادتگاہوں کی بھی خوب بے حرمتیاں کیں ۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ۔ اور اس قوم کے ساتھ ہوا جو اپنے زمانہ میں قریب قریب اسی حال میں تھی جس حال میں آج ہم ہیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی یہ پوری داستان قرآن مجید میں محفوظ بھی کر دی تاکہ ہم اس سے سبق حاصل کرتے رہیں ۔ لیکن ہم پر غفلت چھا گئی اور ہم بنی اسرائیل ہی کی طرح صرف نام کے مسلمان رہ گئے ۔ اور پھر دنیا کے مختلف حصوں میں انہی کی طرح کے حالات کا ہمیں آج سامنا ہے ۔

میرے دوستو ۔ عزیزو ! یہ حالات خود بخود نہیں آرہے ہیں ۔ یہ ایک ایسے خدا کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق اور اسی کے فیصلہ سے آرہے ہیں جو ہر چیز پر قادر ہے ۔ جو بہت طاقت والا ہے ۔ جو فعال لما یرید ہے اور جو بڑا علیم و حکیم بھی ہے ۔ اور بہت رؤف و رحیم بھی ——— آؤ آج کے دن یہیں ہم ایک فیصلہ کریں کہ ہمیں اپنے اللہ کی طرف واپس لوٹنا ہے ۔ اپنے رسول ﷺ کی ہدایت اور اپنے دین کی طرف واپس آنا ہے ۔ اسی فیصلہ کا نام توبہ ہے ——— تُوبُوٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوحًا ۔ (اے ایمان والو ! سچی توبہ کرکے اللہ کی طرف آجاؤ)

دین میں سب سے بنیادی چیز ایمان ہے ۔ لہٰذا ہمیں سب سے زیادہ فکر ایمان کی کرنی ہے ۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا (اے مسلمانو! اپنے اندر ایمان کی حقیقت پیدا کرو) آج ہمارے دلوں میں یہ ایمان بہت کمزور اور بے جان ہوگیا ہے ۔ اس کو جاندار اور طاقتور بنائے بغیر دین پر چلنا مشکل ہی رہے گا ، وہ ایمان ہی ہے جو اللہ و رسول ﷺ کے احکام پر چلنا آسان بنا دیتا ہے اور سخت ترین مخالف ماحول میں بھی ایک سچے مسلمان کی طرح زندگی گذارنا آسان کر دیتا ہے ۔ ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ فکر ہمیں نماز کی کرنی ہے ۔ نمازوں کی پابندی ہو ، جماعت سے نماز پڑھنے کا اہتمام ہو اور نماز اچھی سے

اچھی پڑھنے کی فکر ہو ۔ اور روزانہ تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنی موت اور موت کے بعد آنے والے حالات کی یاد تازہ کی جائے اور اس دن کے بارے میں سوچا جائے جب اللہ کے سامنے حاضری ہوگی اور پھر زندگی بھر کے گناہوں سے توبہ کی جاتے ۔ اس طرح دین پر چلنا انشاء اللہ ہمارے لئے آسان ہوجائے گا اور معاملات اور معاشرت کے شعبوں میں بھی جہاں سخت امتحان ہوتا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پابندی کا اہتمام نصیب ہوجائے گا ۔

آج کے مبارک دن میں ہم آپ میں سے ایک ایک بھائی یہ فیصلہ کرکے اٹھے کہ ہمیں اللہ و رسولؐ اور اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو درست کرنا اور بڑھانا ہے اور سنجیدگی سے سچا مسلمان بننے کی فکر کرنی ہے ۔ اس کے نتائج اور اس کی برکتیں انشاء اللہ آپ اپنی انفرادی زندگی میں جلدی دیکھیں گے ۔ اور اگر یہ فیصلہ اجتماعی طور پر پوری امت یا کم از کم مسلمانوں کی بڑی تعداد کرے تو اس کے اجتماعی مسائل بھی آسانی سے حل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی ۔ اور اللہ کے بہت سے بندے جو آج ہمیں دشمن کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اسلام کو اصل صورت میں ہماری زندگیوں میں دیکھ کر ان کی دشمنی محبت بلکہ عقیدت سے بدل جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم کا وعدہ اور اس کا قانون ہے۔

میرے بھائیو ۔ عزیزو ! آپ اسی وقت یہ فیصلہ کرکے اٹھیں، سچی توبہ کرکے اٹھیں، میں بھی توبہ کروں۔ آپ بھی توبہ کریں ۔ اور پھر اس توبہ پہ جمے رہنے اور اس عہد پہ قائم رہنے کے لئے ایسے ماحول اور ایسے میدان عمل کی تلاش کریں جس سے اس عہد پہ قائم رہنے میں برابر مدد ملتی رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے تعلق اور آخرت کی فکر میں اضافہ ہوتا رہے ـــــ اللہ والوں سے تعلق اور دینی استفادہ کی نیت سے ان کی خدمت میں حاضری اور دین کے سیکھنے سکھانے کا جو کام تبلیغ کے نام سے ہو رہا ہے ۔ اصولوں کی پابندی کے ساتھ اس میں شرکت ۔ یہ اس زمانے میں اس کے مجرب راستے ہیں۔ ان سے انشاء اللہ آپ کو پوری مدد ملے گی ۔

آیئے ہم سب اللہ تعالیٰ کے حضور میں اب تک کی غفلتوں اور معصیتوں سے معافی مانگیں

اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے عہد کریں، اور نیک توفیق مانگیں۔ اللہ تعالیٰ سچے دل سے مانگنے پر خالی ہاتھ واپس نہیں فرماتا۔

سبحانک اللھم وبحمدک نشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک ونتوب الیک۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

اللھم اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ انت اھل المغفرۃ واھل الکرم واھل الاحسان ۔

اے اللہ! ہم آپ کے بندے آپ کے حضور میں حاضر ہیں، گواہی دیتے ہیں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سچے اور آخری رسول ہیں، اے اللہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس ایمان اور اقرار کے بعد زندگی جیسی گذرنی چاہیئے تھی ویسی نہیں گذری۔ اے اللہ ہمارے اس جرم کو معاف فرما۔ اے اللہ ہم سب کو معاف فرما دے اور بلا استحقاق جنت نصیب فرما دے۔ اے اللہ ہم سے راضی ہو جا، اور ہمیں اپنے سے راضی کر لے۔ اے اللہ ہم توبہ کرتے ہیں۔ ہماری توبہ قبول فرما۔ اے اللہ ہمارے دنیاوی مسائل کو بھی حل فرما اور آخرت میں بھی رسوائی اور پریشانی سے ہماری حفاظت فرما۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الآخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ وسلم علی نبیہ الکریم والہ وصحبہ اجمعین

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انصاف پسند ہم وطنوں کی عدالت میں

ہندوستانی مسلمانوں کا مقدمہ

۱۸ مئی ۱۹۸۶ء کو دہلی میں کل ہند مجلس استحکام و یکجہتی لکھنؤ کی طرف سے ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں بہت بڑی تعداد میں ملک کے چیدہ دانشوروں اور صحافیوں کے سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے "مسلمانوں کے مسائل و جذبات سمجھنے کی کوشش کیجیے" کے زیر عنوان ایک تقریر کی تھی۔ جس میں کوشش کی گئی تھی کہ سنجیدہ اور مثبت انداز میں اور پوری صفائی کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے بنیادی مسائل اور جذبات سے ان لوگوں کو آشنا کرایا جائے جو کہ اکثریت کی رائے کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں ــ اس طرح کی کوششیں قابل قدر ہیں اور ان سے عام مسلمانوں کو برادران وطن کے ساتھ بات چیت میں رہنمائی بھی ملتی ہے، اسی خیال سے یہ پوری گفتگو "الفرقان" میں شائع کی جا رہی ہے ــــــــــــ مدیر

مختلف فرقوں کی ایک دوسرے سے لاعلمی یا ناقص واقفیت

اور اس کے اثرات و نقصانات

حضرات! ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار برس سے ہندو مسلمان اکٹھے رہتے ہیں، شہروں، قصبات، دیہاتوں اور محلّوں میں ان کی ملی جلی آبادی اور مشترک سکونت ہے بازاروں، منڈیوں، تعلیمی مرکزوں، کچہریوں، دفتروں اور اب سوبرس سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے کہ سیاسی تحریکات، سماجی کاموں، اسٹیشن اور ڈاکخانوں، ریلوں اور بسوں میں ان کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے کے مواقع آسانی سے میسر ہیں ۔۔

لیکن یہ دنیا کا حیرت انگیز واقعہ، اور ایک طرح کی پہیلی ہے جس کا بوجھنا آسان نہیں کہ عام طور پر ایک کو دوسرے کے مذہبی عقائد، تہذیب و معاشرت، طور طریق اور قومی خصوصیات سے قریب قریب اتنی بیگانگی اور اجنبیت ہے، جیسی پرانے زمانہ میں اکثر دور ملکوں کے باشندوں کے درمیان ہوا کرتی تھی، ہر ایک کی معلومات دوسرے کے متعلق ناقص، سطحی، سرسری اور زیادہ تر سُنی سنائی باتوں اور قیاسات و تخیّلات پر مبنی ہیں ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے بارے میں بہت سی شدید غلط فہمیوں میں مبتلا، اور بعض اوقات منافرت انگیز لٹریچر، سیاسی پروپیگنڈے، زہر آلود اور رنگ آمیز تاریخ، نصاب کی کتابوں اور بے تحقیق داستانوں اور کہانیوں کی بنا پر اپنے ذہن و دماغ میں اس کی ایک غلط اور مکروہ تصویر قائم کئے ہوئے ہے، ایک فرقہ کے کٹر اور متعصب نہیں، نیک دل اور سادہ طبیعت افراد سے اگر دوسرے فرقہ کے بنیادی عقائد، مراسم اور معاشرت کے اصولوں کے متعلق دریافت کیا جائے تو وہ یا تو لاعلمی کا اظہار کریں گے یا ایسے جوابات دیں گے جن سے ایک واقف آدمی کو بے اختیار ہنسی آجائے گی، راقم سطور کو جو بہ کثرت

سفر کرتا ہے اور ریلوں اور بسوں میں ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں سے اس کا بہ کثرت ملنا جلنا ہوتا ہے، بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے

لیکن یہ ہنسی کی بات نہیں، رونے کا مقام ہے کہ سیکڑوں برس سے ساتھ رہنے کے باوجود ہم ایک دوسرے سے اتنے ناواقف ہیں، اس کی ذمہ داری تنہا ایک فرقہ پر نہیں سب پر ہے اور خاص طور پر مذہبی، سماجی کام کرنے والوں، اپنے ملک سے سچی محبت رکھنے والوں، اور انسانیت دوستوں پر ہے کہ انھوں نے ایک کو دوسرے سے صحیح طور پر واقف کرانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی، یا کی تو ناکافی۔

مہذب دنیا میں اب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے کہ محبت، احترام، واعتماد اور امن وسکون کے ساتھ رہنے اور نیک مقاصد کے لئے ایک دوسرے سے تعاون اور اشتراک کرنے کے لئے ایک دوسرے سے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، آبادی کے ہر عنصر اور ملک کے ہر فرقہ اور ہر گروہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دوسرا عنصر، دوسرا فرقہ اور گروہ کن اصولوں پر عقیدہ رکھتا ہے، کن ضابطوں کا اپنے کو پابند اور ان کو اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے، اس کی تہذیب ومعاشرت کا خاص رنگ کیا ہے؟ اس کو زندگی کی کون سی قدریں عزیز ہیں؟ اس کو قلبی سکون اور پر از اعتماد زندگی گذارنے کے لئے کیا چیزیں درکار ہیں؟ کون سے عقائد ومقاصد اس کو جان سے زیادہ عزیز اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں؟ ہمیں اس سے گفتگو کرنے میں، اس کے ساتھ خوشی اور مسرت کے ساتھ وقت گذارنے میں کن جذبات واحساسات کا لحاظ رکھنا چاہیئے، بقائے باہم کے لئے (CO-EXISTENCE) (جو شائستہ اور پرسکون زندگی کا مانا ہوا اصول ہے) شرط اولین ہے کہ ضروری حد تک واقفیت حاصل ہو۔

ایک ایسے ملک کے لئے یہ اصول اور بھی ضروری قرار پاتا ہے، جس کو اپنی رنگا رنگ تہذیب پر ناز اور "جیو اور جینے دو" کے زریں اصول پر اس کا پرانا عقیدہ ہے اس وقت ساری دنیا میں دور دراز ملکوں کے مذاہب اور فلسفوں، تہذیبوں اور معاشرتوں، زبانوں، اور کلچروں، لہجوں اور محاوروں، یہاں تک کہ عادات و

سلاق، شوق اور لت (HOBBY) کھیلوں اور تفریحات، کھانوں اور لباسوں کی باریکیوں سے واقف ہونے کا عام رجحان پایا جاتا ہے، اس کے لئے یونیورسیٹیوں میں مستقل مضامین داخل اور مستقل شعبے قائم ہیں، ایک ملک سے دوسرے ملک میں وفود جاتے ہیں، پروفیسروں اور طالبعلموں کی ٹیمیں روز آتی جاتی ہیں، یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ ایک ہی ملک کے باشندے سیکڑوں برس سے ساتھ رہتے سہنے کے باوجود ایک دوسرے سے اتنے بھی آشنا اور شناسا نہ ہوں، جتنے ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں سے ہوتے جا رہے ہیں ـــ

اس صورت حال کا نقصان ہندوؤں مسلمانوں کو یکساں اور نتیجہ کے طور پر ہندستان کو، بلکہ بالآخر انسانیت کو پہونچ رہا ہے، ملک کے فرقوں کے درمیان بڑی بڑی خلیجیں قائم ہیں، دلوں میں تلخیاں اور دماغوں میں شکوک ہیں، محبت والفت کے ساتھ رہنے سہنے بولنے، زندگی کا لطف اٹھانے اور ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کی تہذیب اور مسلک کے احترام کی دولت سے (جو زندگی کا حسن ورونق اور خدا کی ایک بے بہا نعمت ہے) مجموعی طور پر یہ ملک محروم ہے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ بعض فرقوں، اور (اس کے کہنے میں کوئی خوف اور حرج نہیں کہ) خاص طور پر مسلمانوں کی بہترین صلاحیتیں اور توانائی اپنی صفائی اور مدافعت اور اپنے مذہب، تہذیب اور زبان کی حفاظت میں صرف ہو رہی ہے، اور ان کی وہ توانائیاں جو ان کو قدرتی طور پر ورثہ میں ملی ہیں، اور جنھوں نے ماضی میں، زندگی کے مختلف شعبوں میں، اور فلسفہ و تصوف سے لے کر فن تعمیر اور فنون لطیفہ تک، اور مملکت کے نظم ونسق سے لے کر خدمتِ خلق کے میدانوں تک، اپنے روشن اور لافانی نقوش چھوڑے ہیں، ابھی اس ملک کی تعمیر و ترقی میں، اور اس کے استحکام و آراستگی میں اس طرح صرف نہیں ہو رہی ہیں جیسی صرف ہونی چاہئیں، نفسیاتی طور پر اس کے لئے یہ اطمینان ضروری ہے کہ وہ صحیح طور پر سمجھے جاتے ہیں، ان کو خیالی اور بے جا حد تک نہیں، واقعی اور ضروری حد تک اعتماد اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ان کے اور دوسرے فرقوں کے درمیان دبیز پردے

پڑے ہوئے نہیں ہیں، ان کو شک وحقارت اور بیگانگی واجنبیت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے، ایک ایسی نسل اور فرقہ کی طرح جو ایک ہزار برس سے ہمارے ساتھ دیوار بہ دیوار دوش بہ دوش رہ رہا ہے، ہم اس کے چہرہ کے خط وخال سے واقف، اس کی خوبیوں اور کمزوریوں سے آگاہ اور اس کے ماضی وحال سے آشنا ہیں، ہیں اس کے مذہبی عقائد کا بھی اتنا علم ہے، جتنا ان لوگوں کو ہو سکتا ہے، جو ساتھ دینے پر نہیں لیکن ساتھ رہنے پر مجبور رہیں، ان کے رسم ورواج، ان کی تہذیب ومعاشرت، ان کے تقریبات وتہواروں اور ان کی خوشی وغمی سے ہماری واقفیت ایک یورپین سے زیادہ اور ایک ہم وطن اور ہم سفر کے شایان شان ہے۔

مسلمانوں کی بنیادی خصوصیتیں

اب میں آپ کی اجازت سے مسلمانوں کی چند بنیادی خصوصیات کا تذکرہ کروں گا، جن کا جاننا اور اس کا لحاظ رکھنا ان کے ہر مسئلہ کے سمجھنے اور اس کے حل کرنے کے سلسلہ میں ضروری ہے۔

مسلمانوں کی پہلی بنیادی خصوصیت

معیّن عقیدہ، اور مستقل دین وشریعت

دنیا کے تمام مسلمانوں (اور ہندوستان کے مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں) کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ملی وجود کی بنیاد ایک معیّن عقیدہ اور ایک مستقل دین وشریعت پر ہے جس کو اختصاراً

مذہب[1] کہتے ہیں، (اگرچہ اس سے اس کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا، اور وہ لفظی اشتراک کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں اور التباس پیدا کر دیتا ہے) اسی لئے ان کا قانی نام اور عالمگیر لقب کسی نسل، خاندان، دینی پیشوا، بانی مذہب، اور ملک کے بجائے ایک ایسے لفظ سے مشتق ہے، جو ایک معین عقیدہ اور رویہ کو ظاہر کرتا ہے، دنیا کی عام مذہبی قومیں اپنے اپنے دینی پیشواؤں، بانیان مذاہب، پیغمبروں، ملکوں یا نسلوں کی طرف منسوب ہیں اور ان کے نام انھیں شخصیتوں یا بعض نسلوں اور ملکوں کے نام سے مشتق ہیں، جیسے یہودی یہود (JUDAIST) اور بنی اسرائیل (BANI ISRAEL) کہلاتے ہیں، یہودا (JUDAH) حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام اور اسرائیل خود حضرت یعقوبؑ کا نام ہے، عیسائی (CHRISTIANS) حضرت عیسیٰؑ (CHRIST) کی طرف منسوب ہیں، یا ان کو نصاریٰ (NAZARENES) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کی نسبت شہر ناصرہ (فلسطین)

---

[1] دنیا کے بہت سے مذاہب بالخصوص مسیحی دنیا میں، جو خاص تجربوں اور بحرانوں CRISES سے گزری ہے، اور جہاں ریاست STATE زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور جس کا شروع سے یہ مقولہ رہا ہے کہ "جو کچھ خدا کا ہے وہ خدا کو دو، اور جو کچھ قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو" مذہب کا ایک بہت محدود مفہوم اور دائرہ اثر رہ گیا ہے، اور وہاں عام طور پر یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے کہ کہ مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں بھی بہت جگہ مذہب یا دھرم صرف عبادات اور چند مذہبی رسوم RITUALS کی تکمیل کا نام رہ گیا ہے، اسلام میں دین کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے، وہ عقائد و عبادات سے لے کر تمدن و معاشرت اور عائلی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، اسی لئے وہ زیادہ موثر اور متاثر ہونے والا عنصر ہے، عربی اور قرآنی [illegible] اس کو [illegible] کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا دائرہ "مذہب" سے زیادہ [illegible]

NAZARETH کی طرف ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا تھا مجوسیوں کے مذہب کے پیروؤں کا جن کو عام طور پر ہندوستان میں پارسی کے نام سے یاد کرتے ہیں، صحیح نام ZOROASTRIAN یا زرتشتی ہے، جن کی نسبت اس مذہب کے بانی (ZARATHUST) سے ہے بودھ مذہب ——— اور بدھ مت (BUDDHISM) اور اس کے ماننے والے اپنے بانی گوتم بدھ (BUDDHA) کی طرف منسوب ہیں، یہی حال ہندوستان کے بیشتر مذاہب کا ہے۔

لیکن مسلمانوں کی نسبت جن کو قرآن شریف اور تمام مذہبی کتابوں اور تاریخوں اور ادبیات میں "مسلمون" اور "امت مسلمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اور اب بھی دنیا کے ہر گوشہ میں وہ "مسلم" کے لقب سے جانے پہچانے جاتے ہیں، لفظ اسلام کی طرف ہے جس کے معنی خدا کی بادشاہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا، سپر ڈال دینا، اور اپنے آپ کو حوالہ (SURRENDER) کر دینا ہے، جو ایک مستقل فیصلہ، ایک معین رویہ، طرز حیات اور مسلک زندگی ہے، وہ باوجود اپنے پیغمبر سے شدید تعلق کے بحیثیت قوم کے محمدی نہیں کہلاتے، ہندوستان میں پہلی مرتبہ انگریزوں نے ان کو (MOHAMMEDANS) اور ان کے قانون کو (MOHAMMEDAN LAW) کے نام سے موسوم کیا، لیکن ان لوگوں نے جو اسلام کی روح سے واقف تھے، اس پر اعتراض کیا، اور اپنے لئے اسی قدیم لقب "مسلم" کو ترجیح دی، اور ان اداروں کو جن کا نام انگریزوں کے ابتدائی دور حکومت میں (MOHAMMEDAN COLLEGE) یا محمڈن کانفرنس پڑ گیا تھا، مسلم سے تبدیل کر دیا[1]۔

---

[1] مثلاً سرسید احمد خاں مرحوم کے قائم کئے ہوئے مدرستہ العلوم علی گڈھ کا نام پہلے انگلو محمڈن کالج (ANGLO-ORIENTAL MOHAMMEDAN COLLEGE) تھا لیکن جب یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کا نام مسلم یونیورسٹی رکھا گیا، اس طرح علی گڈھ کی مشہور تعلیمی کانفرنس کا نام ابتداء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس MOHAMMEDAN EDUCATIONAL CONFERENCE تھا بعد میں اس کو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے لکھا اور یاد کیا جانے لگا۔

اسی بنا پر "عقیدہ" اور "دین و شریعت" مسلمانوں کے پورے نظام زندگی اور ان کی تہذیب و معاشرت میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اور وہ قدرتی طور پر ان کے معاملہ میں غیر معمولی طریقہ پر ذکی الحس (SENSITIVE) واقع ہوئے ہیں، ان کے انفرادی اور قومی مسائل پر غور کرنے، نیز قانون سازی، دستور اور آئین، حتیٰ کہ معاشرتی اور اخلاقی امور میں اس بنیادی حقیقت کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے

دینی تسلسل اور اپنی اولاد و نسل کی دینی تعلیم کی اہمیت کی وجہ

اس متعین عقیدہ اور دین و شریعت سے وابستگی اور اس کو اپنی اخروی نجات اور دنیوی سعادت کا ذریعہ سمجھنے کا قدرتی و فطری نتیجہ ہے کہ وہ اس کو اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا اور اس اعتقادی و دینی تسلسل کو برقرار رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، اور اس بارہ میں (وہ جس تاریخی دور یا جغرافیائی مقام میں ہوں) وہ کسی طرح کی رکاوٹ یا مداخلت پسند نہیں کرتے کہ یہ نہ صرف اس عقیدہ اور دین کی تعلیم کا تقاضا ہے قرآن مجید میں کہا گیا ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا"[1] (اپنی جانوں اور افراد خاندان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ) اور حدیث میں ہے کہ "تم میں سے ہر ایک اپنے زیردستوں اور زیر تربیت و زیر اثر لوگوں کا ذمہ دار ہے" بلکہ یہ اولاد اور اپنے وارثوں سے سچی محبت کا بھی تقاضا ہے، اور ہر قوم کا فطری حق ہے کہ آدمی جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، وہ اپنی عزیز اولاد اور افراد خاندان کے لئے بھی پسند کرے۔

اس بنا پر مسلمان جس ملک جس ماحول میں رہیں وہ اپنی آئندہ نسل تک اپنے عقائد و خصائص منتقل کر سکنے اور بقدر ضرورت اس کا انتظام و تحفظ کر سکنے کی آزادی کو ضروری سمجھتے ہیں، اور اس کی عدم موجودگی اور اس کی ضمانت و آزادی نہ ہونے کی صورت

---

[1] سورۃ التحریم — ۶

میں وہ اپنے کو حقیقی طور پر ملک کا آزاد و باعزت شہری سمجھنے سے قاصر ہیں، اس دینی تعلیم کی آزادی اور بنیادی عقائد کے تحفظ کے نہ ہونے کی صورت میں ان کو ایسی ہی بے چینی محسوس ہوتی ہے، جیسی مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دینے یا انسان کو سانس لینے کے لئے ہوا سے محروم کر دینے سے ہوتی ہے، میں اس موقعہ پر بے تکلف یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کے لئے دین و مذہب سے محرومی یا اس کی تبدیلی کا مفہوم ایسا وحشت ناک تصوّر ہے جو میرے محدود علم میں کسی مذہب یا تہذیب میں نہیں ہے

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمان نہ صرف سکولر (SECULAR) حکومت کا مفہوم اور اس کے فرائض اور دائرہ کار سے واقف ہیں، بلکہ اس کی قدر اور تائید بھی کرتے ہیں، اور اس کو ہندوستان جیسے کثیر المذاہب اور رنگا رنگ تہذیب و ثقافت رکھنے والے ملک کے لئے موزوں ترین طریق حکومت اور پالیسی سمجھتے ہیں، اس لئے وہ یہ ذمہ داری حکومت پر عائد نہیں کرتے کہ وہ ان کے بچوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کرے وہ صرف دو چیزیں چاہتے ہیں، ایک یہ کہ ان کو اس مذہبی تعلیم کا رضاکارانہ نظام قائم کرنے سے روکا نہ جائے، اور اس میں قانونی و انتظامی دقتیں نہ پیدا کی جائیں، دوسرے سرکاری مدارس میں ایسی تعلیم مذہبی عقائد و رسوم اور روایات کی شکل میں نہ دی جائے جس سے کسی ایک مذہب کے عقائد و مسلّمات کی تبلیغ ہوتی ہو، یا ان کے بنیادی عقیدہ توحید و رسالت کی تردید اور بیخ کنی ہوتی ہو۔

دوسرے درجہ میں ان کو اپنی وہ زبان بھی عزیز ہے اور اس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جس میں ان کا سب سے بڑا مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی سرمایہ ہے، میری مراد اردو سے ہے، جس سے رشتہ منقطع ہو جانے سے وہ نسلی خلا GENERATION GAP پیدا ہو جاتا ہے جس کی کوئی باشعور قوم اجازت نہیں دے سکتی، یہ حقیقت ہے کہ اب کسی کتب خانہ یا کتابی ذخیرہ کو نذر آتش کر دینے اور برباد کر دینے کی ضرورت نہیں صرف رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے، اس قوم کا رشتہ اپنی ماضی سے اپنی تہذیب سے اور اگر اس میں مذہبی سرمایہ ہے تو مذہب سے خود بخود منقطع ہو جائیگا

اس لئے مسلمان اپنے ملی وجود اور تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے اردو زبان کی بقا اور اس کے پڑھنے اور سیکھنے کے مواقع کے باقی رہنے اور (حکومت کی سطح پر) اس کی تعلیم کی سہولت کو ضروری سمجھتے ہیں، اور اس کے لئے جد وجہد کر رہے ہیں، اور حکومت اور سرکاری نظام تعلیم سے اس بارہ میں ضروری حد تک تعاون وامداد کا مطالبہ کرتے ہیں، اس موقعہ پر اس سے زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس پر پورا لٹریچر اور تحریک موجود ہے ۔

مسلم پرسنل لا کی اہمیت کی وجہ

اسی طرح یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ ان چند قوانین کو مستثنیٰ کرکے جو مقامی رواج ، عرف (CONVENTION) یا جاگیردارانہ نظام کے اثر سے مسلمانوں نے اختیار کرلئے اور ان کو انگریزی دور میں محمڈن لا میں شامل کر دیا گیا، ان کا شخصی اور عائلی قانون (PERSONAL LAW) کا اصل اور بنیادی حصہ قرآن شریف سے ماخوذ ہے، اور اس کی تفصیلات وجزئیات اور تشریحات حدیث وفقہ پر مبنی ہیں ۔

ان میں کچھ حصہ ایسی وضاحت وقطعیت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے، یا وہ ایسے تواتر کے ساتھ ثابت اور ایسے تسلسل کے ساتھ اس پر عمل رہا ہے، یا اس پر علماء کا ایسا اجماع ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کرنے والا اب اصولی وقانونی لحاظ سے دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا، اور خواہ اس کی تشریح اور عملی تطبیق (APPLICATION) میں کتنا ہی زمانہ کا لحاظ کیا جائے، اس میں تغیر وتبدل اور ترمیم کا کوئی سوال نہیں، اس معاملہ میں کسی مسلم اکثریت کے ملک کی نمائندہ حکومت اور مجلس قانون ساز کو بھی کسی تبدیلی کا اختیار نہیں اور بالفرض اگر ایسا کیا گیا یا کرنے کا ارادہ ہے تو یہ ایک تحریف کا عمل اور مداخلت فی الدین کے مرادف ہے، البتہ جو تمدنی مسائل اجتہادی ہیں، ان کے بارے میں کوئی نصِ قرآنی (قرآن کا صریح حکم) یا قطعی حدیث نہیں ہے

مسلم دانشوروں اور ماہرینِ فقہ (جو مسائل کے استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں) ضروری بحث ونظر کے بعد مقاصد واصولِ دین اور جدید حالات وتغیرات کی رعایت کرتے ہوئے، ان کو وقت اور عملی زندگی سے ہم آہنگ بنا سکتے ہیں، اور یہ عمل (PROCESS) تاریخ اسلام کے ہر دور میں جاری رہا ہے، اور اس کا اتنا بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے پاس (فقہ و فتاویٰ کی شکل میں) موجود ہے، جس کی نظیر کسی دوسری ملت کے پاس ہمارے علم میں نہیں ہے ـــ

مسلمانوں کا اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق

ان کی دوسری خصوصیت ان کا اپنے پیغمبر سے گہرا تعلق ہے، ان کے یہاں پیغمبر جلد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض ایک بڑے انسان، قابل تعظیم شخصیت اور مذہبی پیشوا کی نہیں، ان کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ اس سے کچھ زیادہ اور اس سے کچھ مختلف ہے، جہاں تک آپ کی عظمت کا تعلق ہے، اس کو اس مشہور مصرعہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر ادا نہیں کیا جا سکتا کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان کو آپ کے بارہ میں تمام مشرکانہ خیالات اور اس غلو ومبالغہ سے بھی روکا گیا ہے، جو بعض پیغمبروں کی امتوں نے اپنے پیغمبر کے متعلق روا رکھا ہے، ایک صحیح حدیث میں صاف طریقہ پر آیا ہے کہ "مجھے میری حد سے نہ بڑھانا، اور میرے بارے میں اس مبالغہ سے کام نہ لینا جو عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کے بارے میں روا رکھا ہے، کہنا ہو تو یوں کہنا کہ "خدا کا بندہ اور خدا کا رسول"۔"

لیکن اس معتدل عقیدہ اور تعظیم کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے ساتھ وہ جذباتی لگاؤ، وہ قلبی ربط وتعلق ہے، جو ہمارے محدود علم ومطالعہ میں کسی قوم و ملت میں اپنے پیغمبر کے ساتھ نہیں پایا جاتا، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان میں اکثر افراد آپ کو

اپنے والدین، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، آپ کے ناموس مبارک کی حفاظت اپنا فریضہ جانتے ہیں، وہ کسی وقت بھی ناموس مبارک پر آنچ آنے تک کو برداشت نہیں کر سکتے، وہ اس معاملہ میں اتنے جذباتی اور حساس واقع ہوئے ہیں کہ ایسے نامبارک موقعہ پر وہ بے قابو ہو جاتے ہیں، اور اپنی زندگیوں کو قربان کر دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے، ہر دور میں اس بیان کی صداقت کے لئے واقعات اور دلائل ملیں گے، آج بھی آپؐ کا نام، آپؐ کا ناموس، آپؐ کا شہر، آپؐ کا کلام، آپ سے نسبت رکھنے والی چیزیں مسلمانوں کے لئے محبوب ترین اشیاء ہیں، اور وہ ان کے خون اور اعصاب میں حرکت و حرارت پیدا کرتی رہتی ہیں۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس بارہ میں صدیوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو دنیائے اسلام میں ایک امتیاز حاصل رہا ہے، اس کے متعدد تاریخی، علمی و جغرافی، نسلی اور نفسیاتی اسباب ہیں جن کا تجزیہ و تشریح ادب و شاعری، مذہب و تصوف، اور نفسیات پر بحث و تحقیق کرنے والے مصنفین کا کام ہے، یہاں اتنا لکھنا کافی ہے کہ آخری صدیوں میں بہترین نعت گو شاعر اس ملک میں پیدا ہوئے، اور سیرت نبویؐ پر بہترین کتابیں (جن کا لوہا عرب و مسلم ممالک میں بھی مانا گیا، اور ان سے فائدہ اٹھانے اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے کی تحریک پیدا ہوئی) آخری دور میں ہندستانی مصنفین کے قلم سے اردو زبان میں نکلیں ــــ

قرآن مجید سے تعلق

یہی معاملہ ان کا قرآن مجید کے ساتھ ہے، کہ وہ اس کو محض دانشمندی، اخلاقی نصائح اور معاشرتی قوانین کا کوئی مجموعہ نہیں سمجھتے، جو کسی درجہ میں قابل احترام ہیں، اور جب سہولت سے ممکن ہو اس پر عمل کر لیا جائے، بلکہ وہ اس کو اول سے لے کر آخر تک لفظاً و معنیً خدا کا کلام اور وحی الٰہی سمجھتے ہیں، جس کا ایک ایک حرف

اور ایک ایک نقطہ محفوظ ہے، اور اس میں کسی شوشہ کی تبدیلی بھی نہیں ہو سکتی، وہ اس کو ہمیشہ با وضو پڑھتے اور اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان میں اس کے مکمل طور پر حفظ کرنے اور اچھے سے اچھے طریقہ پر پڑھنے کا بھی خاص اہتمام ورواج ہے، خود ہندوستان میں قرآن مجید کے حفاظ کی تعداد ہزاروں سے تجاوز لاکھوں تک پہونچی ہوئی ہے، رمضان المبارک میں تراویح کی نمازیں (جو دن کی آخری نماز عشاء کے بعد ہوتی ہے) مساجد میں کم سے کم ایک بار پورے قرآن مجید کے پڑھنے اور سننے کا عام رواج ہے، اور مشکل سے کوئی آباد مسجد اس سے خالی ہوتی ہے۔

ان دونوں (پیغمبر اور قرآن) کے بعد ان کا دینی و جذباتی تعلق مسجدوں، مرکز اسلام (مکہ مدینہ) اور مقامات مقدسہ سے بھی ہے، ان کے عقیدہ میں مسجد ایک مرتبہ بن کر مسجد رہتی ہے، اس پر نہ کسی کا قبضہ ہو سکتا ہے، نہ وہ فروخت ہو سکتی ہے یہ تعلق عقلی اور عملی طور پر ان کی سچی حب الوطنی، اور ملک کے ساتھ وفاداری کے کسی طرح منافی اور اس پر اثر انداز نہیں کہ ان دونوں میں کسی طرح کا تضاد نہیں، یہ انکے عقیدہ، جذبۂ احسانمندی کا نتیجہ ہے (کہ جس سے آدمی کوئی نعمت پاتا ہے، یا اس کو اس کی وجہ سے سیدھا راستہ ملتا ہے، اور روشنی حاصل ہوتی ہے، اس کا شکرگزار اور احسانمند ہوتا ہے) اور یہ ان کے مطالعہ تاریخ کا بھی نتیجہ ہے، اور اس سے کسی حساس، باضمیر اور شریف فرد اور قوم کو روکا نہیں جا سکتا۔

صرف مسلمانوں ہی نہیں کسی فرقہ، قوم یا آبادی کے تمیز عنصر کی قوت عمل، توانائی اور خدا کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور اس کے تعاون سے ملک کی تعمیر و ترقی میں فائدہ اٹھانے اور ملک میں اتحاد و اعتماد، خوش دلی اور گرمجوشی کی فضا قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس ملت یا فرقہ کے بنیادی عقائد اس کے مذہبی جذبات اس کے نازک شعور اور حساسیت "_____ (SENSITIVITY) کا لحاظ رکھا جائے، اور ان شخصیتوں یا حقیقتوں کا احترام ملحوظ رہے جن کی عظمت و عقیدت یا محبت صدیوں سے اس کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی ہے، اور جن کی

اہانت سے (جو اکثر اوقات بے ضرورت ہوتی ہے) بڑے بڑے قومی وملکی مفادات کو نقصان پہونچ جاتا ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ بالغ نظری، حق پسندی، سچی حب الوطنی اور حق ہمسائگی کا تقاضا ہے کہ اگر اس قوم یا فرقہ کا کوئی ایسا مسئلہ سامنے آجائے، جو حق وانصاف پر مبنی ہے اور اس بارہ میں وہ قوم یا فرقہ کسی ظلم وزیادتی کا نشانہ یا نشۂ قوت کا شکار ہے تو اس میں اس کی حمایت وتائید کی جائے، اور اس مسئلہ میں اس قوم یا فرقہ کے شانہ بشانہ حق کی حمایت کی جائے اور مظلوم کا ساتھ دیا جائے۔

گاندھی جی کی بالغ نظری، حق پسندی اور اس کا فائدہ

اس بالغ نظری، حق پسندی' اور اپنے ہم وطنوں کی ایک صحیح مسئلہ اور موقف میں نہ صرف تائید وحمایت بلکہ قیادت کی درخشاں مثال گاندھی جی کے اس تاریخ ساز طرز عمل میں ملتی ہے، جو انھوں نے ۱۹۱۹-۲۰ء کی شہرۂ آفاق خلافت تحریک کی تائید کر کے پیش کی' اور جس سے ہندوستان کے اتحاد اور جنگ آزادی کو وہ بیش بہا فائدہ پہونچا جس کی مثال نہ اس سے پہلے ملتی ہے' نہ اس کے بعد' ہم یہاں پہلے ان کی کتاب SEARCH FOR TRUTH (تلاش حق) کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں' پھر تحریک آزادی کی تاریخ سے اس کے فوائد واثرات کا جائزہ لیں گے۔

گاندھی جی لکھتے ہیں :—

> کانگریس کی طرف سے پنجاب کی ڈائرشاہی کی تحقیقات ابھی شروع ہی ہوئی تھی میرے پاس ہندو مسلمانوں کی اس مشترکہ کانفرنس میں شریک ہونے کی دعوت آئی، جو مسئلہ خلافت پر غور کرنے کے لیے دہلی میں ہو رہی تھی، اس دعوت نامہ پر منجملہ اور لوگوں کے حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم اور مسٹر آصف علی کے دستخط تھے، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ کانفرنس میں سوامی شردھانند جی بھی

شریک ہوں گے، جہانتک مجھے یاد ہے سوامی جی اس کانفرنس کے نائب صدر منتخب ہوئے تھے' اور اس کا اجلاس نومبر میں قرار پایا تھا، اس کانفرنس کا مقصد اس صورتحال پر غور کرنا تھا، جو خلافت کے معاملہ میں حکومت کی بدعہدی سے پیدا ہوگئی تھی' اور یہ طے کرنا تھا کہ کانفرنس میں علاوہ خلافت کے گئو رکشا کے مسئلہ پر بھی بحث ہوگی اور یہ اس کے طے کرنے کا بہترین موقع ہے، مجھے گئو رکشا کا ذکر اس سلسلہ میں پسند نہیں آیا، میں نے اس دعوت نامہ کے جواب میں جو خط لکھا اس میں شرکت کا وعدہ کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ ان دونوں مسئلوں کو گڈ مڈ نہیں کرنا چاہیئے، اگر ان دونوں کے متعلق بحث کرنا ہے تو اس طرح نہ کیجئے جیسے سودا چکایا جاتا ہے بلکہ دونوں کے حسن و قبح پر الگ الگ غور کیجئے۔

یہ خیالات دل میں لئے ہوئے کانفرنس میں گیا، اس میں مجمع بہت کافی تھا مگر اتنا نہیں جتنا اس کے بعد کے جلسوں میں ہوا، میں نے اس مسئلہ پر جس کا ذکر آچکا ہے سوامی شردھانند جی آنجہانی سے گفتگو کی، انھوں نے میری تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ آپ اسے کانفرنس میں پیش کیجئے، میں نے حکیم صاحب سے بھی مشورہ کر لیا، کانفرنس میں میں نے یہ کہا کہ اگر خلافت کا مسئلہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں حق پر مبنی ہے، اور اگر حکومت نے اس معاملہ میں صریح بے انصافی کی ہے تو ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ اس کی تلافی کے مطالبہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں، ان کے لئے یہ بات نازیبا ہے کہ اس موقعہ پر گئو رکشا کا مسئلہ بیچ میں لائیں اور صورتحال سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں سے سودا چکائیں، اور مسلمانوں کے لئے بھی اس شرط پر گاؤکشی بند کرنا نامناسب ہے، کہ ہندو خلافت کے معاملہ میں ان کا ساتھ دیں یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے مذہبی جذبات کے لحاظ سے ہمسائگی اور ملکی برادری کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی خوشی سے گاؤکشی ترک کر دیں[1]"

---

[1] تلاش حق ص ۳۰۸-۳۰۹ ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین

مسٹر اندولال کے۔ یاگنک (INDULAL K. YAJNIC) اپنی انگریزی کتاب (GANDHI AS I KNOW HIM) میں گاندھی جی کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"مختصر دعویٰ یہ ہے کہ سلطنت ترکیہ میں جتنی غیر مسلم نسلیں آباد ہیں ان کی حفاظت کی پوری ذمہ داری لے کر پوری ترکی کو ترکی کے قبضہ میں رہنا چاہیئے، مقدس مقامات اور جزیرۂ عرب یعنی ملک عرب حسب تعریف علمائے اسلام پر سلطان کا اقتدار بدستور قائم رہے، البتہ اگر اہل عرب چاہیں تو وہ خود اختیاری حکومت کے حقوق ہر وقت حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے مسئلہ خلافت کی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی میرے اطمینان کے لئے یہی کافی تھا کہ مسلمانوں کے مطالبات میں کوئی چیز ناجائز اور غیر معقول نہ تھی .... مجھے محسوس ہوا کہ خلافت کے متعلق مسلمانوں کا مطالبہ نہ صرف مبنی بر انصاف تھا، بلکہ برطانیہ کے وزیر اعظم نے بھی ان کے مطالبہ کی صداقت کو تسلیم کر لیا تھا اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ وزیر اعظم کے اس وعدہ کو پورا کرانے کے لئے جو کچھ بھی میرے امکان میں ہے دریغ نہ کروں"

یہ تھی وہ نازک دلیل جس کی بنا پر قبل اس کے کہ تحریک خلافت کو وہ اہمیت حاصل ہو جو اسے بعد میں ملے گی گاندھی جی نے مطالبۂ خلافت کی تائید اپنے لئے لازمی قرار دے دی [1]

مشہور نیشنلسٹ مسلمان دانشور اور تحریک خلافت کے ایک باوثوق مؤرخ قاضی محمد عدیل عباسی صاحب اپنی کتاب "تحریک خلافت" میں گاندھی جی کی

---

[1] ص ۳۷-۳۸ ترجمہ مولانا ظفر احمد انصاری

سرگرمیوں اور مصروفیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"گاندھی جی زین کا گز بنے ہوئے چاروں طرف دوڑ رہے تھے ، خلافت اسلامیہ سے جو ہمدردی انھوں نے ظاہر کی اور جس خلوص سے وہ مسلمانوں کے ساتھ میدان میں آگئے اس کا اثر ہر کہ ومہہ پر تھا ، اور بہت جلد وہ مسلمانان ہند کے مسلّم لیڈر بن گئے ۔۔۔

دوسری خلافت کانفرنس (دہلی) زیر صدارت مولوی فضل الحق کے سلسلہ میں ۲۴ نومبر ۱۹۱۹ء کے متحدہ اجلاس کا حال اخبارات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :۔

"اس کے بعد گاندھی جی نے تقریر فرمائی ، جس میں آپ نے خلافت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ، ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ اگر مسلمانوں کے دل رنجیدہ ہیں تو ہندو ان کے ساتھ شریک ہیں ..... اس کے بعد گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کے لئے چندہ کی اپیل کی اور بذات خود ایک پیسہ تبرکاً عنایت کیا بس کیا تھا ، یہ پیسہ نیلام ہوا اور اسے ۵۰۱ روپیہ میں سیٹھ چھوٹانی نے خریدا ، ایک ہزار نقد چندہ وصول ہوا ، اور ڈیڑھ ہزار کا وعدہ ہوا [1]"

اپریل ۱۹۲۴ء کے "ینگ انڈیا" میں گاندھی جی نے خود لکھا :۔

"خلافت کی یہی تحریک ہے جس نے قوم کو بیداری عطا کی ۔۔ اب میں پھر اسے سونے نہ دوں گا [2]"

قاضی محمد عدیل عباسی لکھتے ہیں :۔

"جو نظارہ ہندو مسلم اتحاد کا خلافت تحریک کے زمانہ میں آنکھوں کے سامنے آیا ، اس کو پھر دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس گئیں ، تحریک آزادی نے عوام کے

---

[1] تحریک خلافت ص ۱۲۵-۱۲۶ قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم

[2] ایضاً ، ص ۲۷۱

دل و دماغ پر قبضہ کر لیا تھا، اب صرف ایک جذبہ کار فرما تھا کہ انگریز کو ہندستان سے نکال باہر کیا جائے، اور اس لئے سارا ہندوستان پھٹے کپڑوں، ننگے سر اور ننگے پیر والے رضاکاروں سے بھر گیا، لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر نکل آئے اور صرف تین نعرے ہندو مسلمان مل کر لگاتے تھے "اللہ اکبر" مہاتما گاندھی کی جے، مولانا محمد علی کی جے، کالجوں اور اسکولوں سے ہندو اور مسلمان لڑکے نکل پڑے اور دوش بہ دوش کام شروع کر دیا، ایک لہر تھی جو موج دریا کی طرح رواں دواں تھی، کہیں اختلاف یا نفرت کا ایک دوسرے سے نام و نشان نہ تھا [1]"

گاندھی جی کی یہی بالغ نظری، حقیقت پسندی اور وسیع القلبی تھی، جس کے نتیجہ میں ہمارے ملک میں ہندو مسلم اتحاد کا ایسا نظارہ دیکھنے میں آیا جو نہ اس سے پہلے نظر آیا تھا نہ اس کے بعد اور جس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ سارا ملک غیر ملکی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، اور بالآخر اس کو اس ملک کی حکومت سے دستبردار ہو کر اس کو اہل ملک کے حوالہ کرنا پڑتا ــــ

برعکس اور ناقابلِ فہم طرزِ عمل

اس کے بالکل برعکس ذہنیت اور طرزِ عمل کی میں ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جو ان سطور کے لکھنے کے وقت تک قائم ہے، اور جو اس وقت مجلسوں، کانفرنسوں سیمینار، اخبارات و رسائل کا موضوع بنی ہوئی ہے، بلکہ گھر گھر، مجلس مجلس اس کا تذکرہ ہے، یہ وہ صورت حال ہے جو سپریم کورٹ کے ۲۳ راپریل ۱۹۸۵ء کے شاہ بانو کیس کے فیصلہ نے پیدا کر دی ہے، سپریم کورٹ کے فاضل چیف جسٹس چندر

---

[1] تحریک خلافت ص ۲۷۱-۲۷۲ قاضی محمد عدیل عباسی، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ۔ نئی دہلی۔

کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ مسلمان مطلقہ خاتون کو اس وقت تک جب تک وہ دوسری شادی کرے، اور شادی نہ کرنے کی صورت میں حین حیات طلاق دینے والے شوہر کی طرف سے گزارہ (نان نفقہ) (MAINTENANCE) دیا جانا ضروری ہے، جس کے لئے دلیل اور جواز قرآن مجید کے لفظ "متاع" سے فراہم کیا گیا، جس کا ترجمہ انگریزی کے ان بعض مترجمین نے تفسیر اور عربی زبان سے گہری اور تفصیلی واقفیت نہ ہونے اور سیاق و سباق کا لحاظ کئے بغیر (MAINTENANCE) سے کیا ہے، فیصلہ کی تمہید میں اس کا دعویٰ کیا گیا کہ اسلام میں عورت کو اس کا جائز اور فطری مقام نہیں دیا گیا، اور اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے اور اس طرح اس نئے فیصلہ اور قانون کے ذریعہ اس کے حقوق کا تحفظ کیا جانا ضروری ہے۔

اس فیصلہ کے انداز تحریر اور اس سے جو وسیع اور عمیق اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کے خلاف مسلمانوں میں ایک ایسا شدید ردّ عمل اور بے چینی کی ملک گیر لہر پیدا ہوئی جس کی مثال (اگر مورّخانہ احتیاط سے کام لیا جائے) تو تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، اس نے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر SCHOOLS OF THOUGHT اور فقہی مسلکوں کو اس طرح متحد کر دیا، اور اس کے خلاف یک آواز بنا دیا، جس کی مثال عرصۂ دراز سے کم سے کم اس ملک میں دیکھنے میں نہیں آئی، سری نگر سے لے کر کنیا کماری تک، اور خلیج بنگال سے لے کر بحر عرب کے کنارہ تک اتنے عظیم جلسے ہوئے جن کی نظیر دور دور اور دیر دیر تک نظر آنی مشکل ہے جن میں ہزاروں انسانوں سے لے کر لاکھوں تک حاضرین کی تعداد پہونچتی ہے، جو اس جذبہ، ذوق و شوق، اور جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوئے، جو صرف ایمان و عقیدہ، حق و صداقت پر یقین اور اپنی جان سے زیادہ عزیز مذہب کے لئے خطرہ کا احساس ہی مذہب کو ماننے والی کسی قوم کو جمع کر سکتا ہے۔

میں صرف اپنے وطن رائے بریلی کی مثال دیتا ہوں جو نسبتاً ایک چھوٹا شہر ہے جس کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ نہیں، ۹ر فروری ۱۹۸۶ء کو وہاں جو جلسہ تحفظ

شریعت کے نام سے چند نوجوان کارکنوں کی طرف سے منعقد کیا گیا (جو کوئی سیاسی یا دینی و ملی شہرت نہیں رکھتے تھے) اس میں حاضرین کی تعداد کا محتاط اندازہ ایک لاکھ سے زائد کا تھا، لوگ اپنے جذبہ اور شوق سے مختلف اضلاع سے متنقل بسیں اور اپنے کھانے پینے کا انتظام کر کے آئے تھے، بڑے اور مرکزی شہروں کے جلسوں کی وسعت اور کامیابی کا اس سے زیادہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے بارہ میں مسلمانوں کی اس بے چینی کے تین اسباب تھے

۱۔ پہلا یہ کہ اس سے ان کے آئینی قانون پرسنل لا میں مداخلت کا دروازہ کھلتا ہے اگر وہ اس پر خاموش رہتے ہیں، تو ان کے اس عائلی قانون کے (جس کو وہ اپنے مذہب کا جزء اور قرآن وسنت کے صریح احکام پر مبنی سمجھتے ہیں) سارے اجزاء خطرہ میں پڑجاتے ہیں، اور ایسا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جس کے کہیں رکنے کی کہیں کوئی ضمانت نہیں اور اس سے ان کا اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرنے اور ہندستان میں اپنے ملی تشخص کو قائم رکھنے کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں، اور وہ زندگی کے دریا میں مچھلیوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، جن کی کوئی شناخت نہیں، اور جب مچھلیوں کا ذکر آگیا تو میں کہتا چلوں کہ جہاں تک مسلمانوں کے بنیادی عقائد کا تعلق ہے، وہ اپنی شریعت کے بغیر اسی طرح معنوی طور پر زندہ نہیں رہ سکتے جیسے جسمانی طور پر مچھلی پانی سے باہر زندہ نہیں رہ سکتی۔

۲۔ ان کی بے چینی اور اس فیصلہ سے بے اطمینانی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ان کی شریعت مطلقہ خاتون کو اس سے زیادہ تحفظ فراہم کرتی اور باعزت زندگی کے وسائل ومواقع مہیا کرتی ہے جتنا سپریم کورٹ کے فیصلہ نے اس کا انتظام تجویز کیا ہے، اور یہ اس سے کم دقت میں اور زیادہ سہولت وعزت کے ساتھ ہوسکتا ہے، جتنا عدالت اور انتظامیہ کے ذریعہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کی بنا پر ممکن ہے۔

معترضین کا کہنا ہے کہ اگر طلاق کے بعد سابق شوہر سے سابق بیوی کو نان

نفقہ نہ دلوایا گیا تو وہ بے سہارا رہ جائے گی، مگر نان نفقہ کے متعلق شریعت کا بندوبست جو زیر بحث بل میں شامل کر دیا گیا ہے، اس بندوبست سے کہیں بہتر ہے، جس کی وکالت شاہ بانو والے مقدمہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے حامی کر رہے ہیں، اس فیصلہ کے تحت ایسی مطلقہ عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری جو اپنی گذر بسر خود نہ کر سکے اور جس نے طلاق کے بعد شادی نہ کی ہو، صرف ایک شخص یعنی اس کے سابق شوہر پر ڈالی گئی ہے، اور اگر یہ شخص نادار ہو یا اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی سابق بیوی کے لئے کوئی سہارا نہیں رہ جائے گا جبکہ بل کے تحت ایسی عورت کی کفالت اس کے بہت سے رشتہ داروں پر اور اگر وہ سب نادار ہوں تو وقف بورڈ پر عائد ہوگی۔

اس موقعہ پر اس اخلاقی اور نفسیاتی فرق اور نتائج کو بھی خیال میں رکھنا چاہیئے جو ایک ایسے مرد سے گذارہ (نان نفقہ) حاصل کرنے میں اور اس کے برخلاف اپنے قریبی عزیزوں سے جو اس کی وراثت پانے کے مستحق ہیں، اور جن کا رشتہ ازدواجی تعلق پر منحصر نہیں خون اور نسل و نسب کا رشتہ ہے ایک شریف و خوددار عورت پر مرتب ہوتے ہیں، کیا ایک شریف اور خوددار عورت کے لئے یہ زیادہ موزوں و مناسب ہے کہ وہ اس مرد سے آذوقۂ حیات حاصل کرے جس نے طلاق دے کر اس کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے؟ یا اپنے ان خونی رشتہ داروں سے جواب بھی اس سے محبت اور اس کا احترام کرتے ہیں؟ اس کا جواب ضمیر و عقل سلیم رکھنے والا ہر فرد آسانی کے ساتھ دے سکتا ہے۔

میں یہاں پر اس سے زیادہ اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، تقریروں اور ان اپیل میں جو ماہرین دینیات و قانون نے اس موضوع پر لکھے ہیں، اس پر تفصیل سے کی گئی ہے، اور ہمارے حقیقت پسند، صاف ذہن اور جرأت مند وزیر اعظم نے بھی اپنی ۲۷ فروری ۱۹۸۶ء کی تقریر میں اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور اس پر روشنی ڈالی ہے۔

۳۔ مسلمانوں کی بے چینی اور اختلاف کی تیسری وجہ یہ ہے جو خالص اصولی،

علمی، عقلی وانسانی اہمیت کی حامل ہے اور جس میں وہ حقیقتاً اپنے ہی دین وشریعت کے دفاع اور اس کی حفاظت کی خدمت انجام نہیں دے رہے ہیں، بلکہ وہ دوسرے مذاہب، فرقوں اور تمام علوم وفنون (SCIENCES) اور پورے نظام علم وفکر کی حصار بندی (PROTECTION) کا فرض انجام دے رہے ہیں، وہ یہ کہ کسی علم وفن میں مہارت خصوصی اور اس کی نمائندگی کا حق کس کو حاصل ہے، اور اس میں کس کا قول سند (AUTHORITY) سمجھا جائے گا ؟ یہ ایک بین الاقوامی، بلکہ عالمی ودوامی حقیقت کو تسلیم کرانے کی مقدس جدوجہد کے مرادف ہے، اور جو ہمارے پورے نظام فکر ونظام تعلیم کو انتشار وبحران ANARCHY اور CRISES سے بچاتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ کی تشریح، اور سنت اور فقہ کے احکام کی ترجمانی کا حق اس مذہب کے ماہرین فن (SPECIALIST SCHOLERS) اور (EXPERTS) کو حاصل ہے، یا ان کتابوں کے ترجمہ کی مدد سے عدالت کے فاضل ججوں اور ایسے دانشوروں کو حاصل ہے، جو نہ اس مذہب کی اصل زبان سے واقف ہیں، نہ انھوں نے اس کے مطالعہ میں کافی وقت اور ضروری محنت وتوجہ صرف کی ہے، مسلمان علماء اور عامۃ المسلمین کی اس فکرمندی اور جدوجہد کا محرک فوری طور پر فاضل جج کے قرآنی اصطلاحات "متاع" اور "متعہ" اور "نفقہ" وغیرہ کی وہ تشریح ہے، جو انھوں نے جیسا کہ میں نے اوپر کہا، قرآن مجید کے ایک دو انگریزی ترجموں اور قانونی کتابوں کے سرسری مطالعہ کی بنا پر کی ہے، لیکن حقیقت میں اس سے ہر مذہب وفرقہ کا مذہبی نظام، عائلی قانون اور عقائد وعبادات تک خطرہ میں پڑ جاتے ہیں، اور جیسا کہ میں نے سلطانپور میں ہونے والے ایک عظیم جلسہ کی تقریر میں کہا تھا کہ ہندوستان کے ہر مذہب وفرقہ اور کمیونٹی کو اگر خطرہ کا احساس ہو جائے، اور ان کی دوربینی اور ذہانت اس حقیقت کو بھانپ لے کہ بقول شاعر ؎

آج تم کل ہماری باری ہے

تو وہ مسلمانوں کے شکر گزار ہوں گے کہ انھوں نے اپنی آواز بلند کرکے اس خطرہ کے سدباب کا انتظام کیا، میں نے اس سلسلہ میں قرآن مجید کی بعض آیات

کا بھی حوالہ دیا، میں نے یہ بھی کہا کہ میں متعدد عرب ممالک کی علمی مجلسوں (ACADE MIES) اور ماہرین قانون کی کمیٹیوں کا ممبر ہوں، میں اگر کسی عرب فاضل کو بھی وید یا ہندو مذہب کے کسی مذہبی اصطلاح کی من مانی تعبیر، اس کی زبان، سیاق و سباق سمجھے بغیر اور اس کے ماہرین فن کی مدد کے لئے بغیر کرتے ہوئے سنوں گا، تو میں پہلا شخص ہوں گا، جو اس پر سختی سے اعتراض کرے گا اور اس کے اس طرز عمل کو غلط کہے گا۔

اس سب کے علاوہ یہ مسئلہ مسلم کمیونیٹی کے ایک مخصوص و محدود طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، جس کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، طلاق کی شرح اور مطلقہ عورتوں کی تعداد کے بارے میں عام طور پر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، پھر عرصہ دراز سے یہ سلسلہ جاری تھا، اور یہ مسئلہ کبھی کسی عوامی و قومی سطح پر نہیں آیا تھا، مطلقہ خواتین اپنے اپنے خاندانوں اور خونی رشتہ داروں، ماں باپ، بھائی بہن اور اگر اولاد ہے تو اولاد کے ساتھ سیکڑوں برس سے زندگی گذار رہی ہیں، میں نے مدراس کی ایک پریس کانفرنس میں جو ۱۰ رنومبر ۱۹۸۵ء کو ہوئی تھی، جس میں ہندوستان کے چوٹی کے انگریزی اخبارات کے نمائندے بھی شامل تھے، بے ساختہ سوال کیا کہ آپ میں سے کون ہے جس نے چند مسلمان عورتوں کو سڑک پر کھڑا ہوا بھیک مانگتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم بھوکوں مر رہے ہیں اور ہمارا کوئی خبر لینے والا نہیں، کسی طرف سے جواب نہیں آیا کہ ہم نے دیکھا ہے۔

اس کے بعد پھر یہ قانون مسلمانوں کے لئے بنایا گیا، اس کا نفاذ و اطلاق مسلمانوں پر ہوتا ہے، اس کے لئے ہمارے دوسرے عزیز و معزز ہم وطنوں کو جن کی خواتین پر یہ قانون لاگو نہیں بے چین اور مضطرب ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لیکن مسلمانوں کے اختلاف اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا تو سارے ملک میں اور خصوصیت کے ساتھ پریس میں اور خاص طور انگریزی ہندی پریس میں ناگوارتی طنز و تعریض و تضحیک کی ایک لہر دوڑ گئی، پھر جب ۲۱ رفروری ۱۹۸۶ء کو یہ بل پارلیمنٹ کے نئے سیشن

میں ٹیبل پر رکھ دیا گیا، اور ان مسائل کی فہرست میں آگیا جن پر پارلیمنٹ کو غور کرنا اور فیصلہ دینا ہے، تو ایسا معلوم ہوا کہ سارے ہندوستان میں خطرہ کی ایسی گھنٹی بج گئی جیسی (خدا محفوظ رکھے) ملک پر کسی بیرونی حملہ، یا ملک کے اندر کسی شدید وبا، کوہ آتش فشاں پھٹنے کے موقعہ پر بجنی چاہیئے، یہ اس احساس تناسب SENSE OF PROPORTION کے بھی خلاف ہے، جس پر زندگی کا نظام چل رہا ہے، مسئلہ جس نسبت سے توجہ، فکر و پریشانی کا مستحق ہے، اسی نسبت سے اس کی طرف توجہ اور اس میں توانائی صرف کرنے کی ضرورت ہے، رائی کا پربت بنانا نہ عقل سلیم کا تقاضا ہے نہ عقل عمل (PRACTICAL WISDOM) کا۔

گاندھی جی کے اس اعلیٰ اخلاقی و اصولی موقف اور اس عاقلانہ قیادت کو سامنے رکھتے ہوئے، جس نے ایک ایسے مسئلہ میں جس کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں کے اندرونی حالات سے براہ راست نہ تھا، ہندوستان سے ہزاروں میل دور، اور سمندروں پار خلافت کے مسئلہ سے تھا، جس کا مرکز ترکی تھا، ہمارے ہم وطنوں اور اکثریت کے دانشوروں اور اخبار نویسوں اور مختلف پارٹیوں کے رہنماؤں کا موقف یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے موقف کی تائید نہ کریں تو کم سے کم غیر جانبدار اور خاموش رہیں کہ اس سے ان کے عائلی قانون، پرسنل لا، ان کی قومی زندگی اور ان کے طبقہ خواتین کے حقوق و تحفظ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس سے ملک میں ایک خوشگوار فضا اور باہمی اعتماد کی کیفیت پیدا ہوتی، اس سے کہیں زیادہ ان کی توجہ کی مستحق خود ان کے فرقہ اور طبقۂ نسواں کی سیکڑوں، ہزاروں نئی بیاہی ہوئی دلہنوں کے جلائے جانے یا غیر طبعی طور پر ان کو ہلاک کر دینے کے وہ واقعات ہیں جن سے شاید اس لمبے چوڑے ملک میں کوئی دن خالی جاتا ہو، نیشنل پریس کی اطلاع کے مطابق صرف دہلی میں ہر بارہ[۱۲] گھنٹہ پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے[۱] "TIMES OF INDIA" لکھنؤ کی اشاعت ۹ راپریل ۱۹۸۶ء

[۱] قومی آواز دہلی ۱۰ رجون ۱۹۸۶ء

میں ایک خاتون کا بیان شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں غیر قانونی طور پر اسقاط حمل سے چھیاسٹھ لاکھ (۶۶۰۰۰۰۰) اموات ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کو خطرہ اور قریب قریب یقین ہے کہ اگر اس جبری گزارہ کا قانون پاس ہوگیا اور طلاق دینے والے سابق شوہر کو دوسری شادی تک (جس کا ہونا ضروری نہیں) اور اس کے نہ ہونے کی شکل میں مدت العمر گزارہ دینا (جس کی مقدار اندازہ ہے کہ مسلسل طریقہ پر گرانی اور معیار زندگی بڑھتے رہنے کی وجہ سے برابر بڑھائی جاتی رہے گی) ضروری ہوگا، طلاق سے بچتے ہوئے (جو بعض اوقات زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے، اور جس کا اعتراف مغربی دانشوروں اور ہمارے ملک کے قانون سازوں نے بھی کیا ہے) اپنی ناپسندیدہ رفیقۂ حیات سے پیچھا چھڑانے کے لئے مسلمان بھی ایسے ہی عمل اختیار کریں گے جیسے نہایت سفاکانہ طریقہ پر بیوی کو رخصت کرانے کے بعد ہندوستان کے معاشرہ میں کثرت سے پیش آرہے ہیں، اگر خدانخواستہ یہ قانون پاس ہوگیا تو جو لوگ زندہ رہیں گے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے یا اپنے کانوں سے سنیں گے۔

میں معذرت خواہ ہوں کہ ایک ایسے دوستانہ، خوشگوار اور پُر اعتماد مجلس میں جو ملک کے اصولی اور بنیادی مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئی ہے، میں نے ایک ایسے مسئلہ کا ذکر اتنی تفصیل کے ساتھ کیا جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن اس کا ذکر کئے بغیر حالات کا صحیح جائزہ اور ملک کو صحیح رخ پر لگانے اور اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو ملک و انسانیت کی خدمت پر صرف کرنے کا کام نہیں کیا جا سکتا۔

ملک کے لئے صحیح اور محفوظ راستہ

سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک کے بقاء، ترقی، عزت و استحکام اور اس کا معاصر دنیا اور اس خطرناک و پیچیدہ عالمی صورتحال میں اپنا شایانِ شان کردار ادا کرنے کے لئے صحیح، محفوظ، باعزت اور بے خطر راستہ وہی ہے جو تحریک آزادی کے مخلص

دانشور اور بلند قامت و عیت رہنماؤں پنڈت جواہرلال نہرو، مولانا آزاد اور ان کے ساتھیوں نے تجویز کیا تھا اور وہ ہے سکولرزم، صحیح جمہوریت اور ہندو مسلم اتحاد کا راستہ ہے خواہ وہ کتنا طویل اور مشکل ہو، اس کے علاوہ جو راستہ تجویز کیا جائے گا، اس سے خواہ عارضی و وقتی طور پر کامیابی حاصل ہو ملک کے لئے تباہ کن اور ان قربانیوں پر پانی پھیرنے والا ہے، جو جنگ آزادی میں عمل میں آئیں، اور ملک کو ایسی مشکلات و مسائل سے دو چار کرنے والا ہے، جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

ملک کے لئے تین بڑے خطرے

اب میں مذہب، انسانی تاریخ، فلسفہ اور اخلاق کا ایک طالب علم ہونے کے ناتے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، (اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید دوسرا شخص جس پر سیاسی طرز فکر غالب ہے نہ کہے گا) کہ اس ملک کے لئے دو خطرے بڑے تشویشناک ہیں، اور آپ کی پہلی توجہ کے مستحق، ایک ظلم و تشدد کا رجحان، انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کی بے قیمتی (خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو) جس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات، طبقاتی اونچ نیچ کی بنا پر پورے پورے خاندانوں اور محلوں کی صفائی، تھوڑے سے مالی فائدہ کے لئے انسان کی جان لے لینا، سفاکانہ جرائم اور مظالم کی کثرت اور سب کے آخر میں (لیکن سب سے زیادہ شرمناک حقیقت) مطلوب و متوقع جہیز نہ لانے پر نئی بیاہی دلہنوں کو جلا دینا، یا زہر دے کر مار دینا اور ان سے پیچھا چھڑانا ہے۔

جو لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا جو ماں سے زیادہ محبت کرنے والا اور مہربان ہے اس عمل سے خوش نہیں ہو سکتا اور اس کو زیادہ دن برداشت نہیں کرے گا، اور اس کے نتیجہ میں ہزاروں کوششوں اور قابلیتوں کے باوجود کوئی ملک پنپ نہیں سکتا، اور وہ معاشرہ زیادہ دن باقی نہیں رہ سکتا، لیکن جو لوگ مذاہب پہ اعتقاد نہیں رکھتے وہ

اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ اس سے کم درجہ کے ظلم اور سفاکی کی وجہ سے بڑی بڑی شہنشاہیاں اور وہ تہذیبیں جن کا کسی زمانہ میں ڈنکا بجتا تھا، اور آج بھی تاریخ و ادب کے صفحات پر ان کے روشن نقوش ہیں زوال کا شکار ہو گئیں، اور داستان پارینہ بن کر رہ گئیں، اس صورتحال کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے، سیاسی مسائل اور انتخابی مہم سے زیادہ اس کے خلاف طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے، اس کے لئے گاؤں گاؤں محلہ محلہ جانے کی ضرورت ہے، سخت قوانین، عبرتناک سزاؤں، ابلاغ عامہ کے ذرائع سے کام لینے اور انتظامیہ کو سخت سے سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ورنہ نہ بانس رہے گا نہ بانسری ——

دوسرا خطرہ فرقہ پرستی، جارحیت و تشدد کے کھلے رجحانات ہیں جن کے سلسلہ میں ادنیٰ سی رعایت، لچک اور نرمی سے وقتی طور پر خواہ کچھ فائدہ پہونچ جائے یا پریشانی سے بچا جا سکے، ملک کو زمین دوز اور دھماکہ خیز سرنگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ہے، جو بالآخر ملک کو لے ڈوبے گی، گاندھی جی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ فرقہ وارانہ منافرت تشدد اور جارحیت پہلے ملک کی آبادی کے دو اہم عنصروں (ہندو مسلم فرقوں) کے درمیان اپنا کام کرے گی، پھر یہی ذیلی مذہبی اختلافات، طبقات اور برادریوں کی صف آرائی اور نسلی، لسانی، صوبائی، و علاقائی تعصبات کی شکل میں ظاہر ہوگی، اور جب یہ کام بھی ختم ہو جائے گا تو وہ آگ کی طرح (جب اس کو جلانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو اپنے کو کھانے لگتی ہے) ملک کو اور امن پسند شہریوں کو اپنا لقمہ بنا لے گی اور یہ ملک تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس لئے جارحانہ احیائیت (AGRESSIVE REVIVALISM) تشدد، ایک ہی فرقہ سے مطالبات اور اس پر تنقید کا سلسلہ، اپنے کو بالکل بدل دیئے اور اپنے ملی و تہذیبی و مذہبی تشخصات سے دست بردار ہو جانے کا مسلسل مطالبہ، سیکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں، اور ان کو اس ملک کو

حقیقت پسند، فراغ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارا کیا[1]، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو ان نئے مشکلات ومسائل سے دوچار کرے گی جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت، اور اس طرح حکومت، انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت واستحکام میں ضرورت ہے، اس لئے اس شگاف کو جبکہ وہ معمولی توجہ اور مسالہ سے بند ہو سکتا ہے اس سے پیشتر بند کر دیا جائے، جب وہ ہاتھیوں سے بھی بند نہیں ہو سکے گا، ملک کے اس عمومی و بنیادی مفاد کی خاطر کسی کی ناراضگی یا الیکشن کے نتائج پر اثر پڑنے یا کسی ریاستی ومقامی انتظامیہ کی ناگواری کا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ملک ان سب چیزوں سے زیادہ عزیز اور اصول، مصالح و فوائد پر مقدم ہے۔

اصول پسندی کی ایک روشن مثال

میں اس اصول پسندی کی ایک مثال پیش کرتا ہوں، جو ملک کے عظیم رہنما اور پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پیش کی۔

۱۹۵۰ء میں جب کانگریس پر بابو پرشوتم داس ٹنڈن جی کی قیادت میں (جو کانگریس کے صدر ہو گئے تھے) فرقہ پرست عنصر غالب آ رہا تھا، اور وہ کانگریس کو سیکولرزم اور ہندو مسلم اتحاد کے بجائے جس کی بنیاد گاندھی جی، جواہر لال نہرو جی اور مولانا آزاد

---

[1] جس کا مظاہرہ کسی شہرت یا کہانیوں اور روایتوں کی بنیاد پر مسجد کو مندر میں تبدیل کرنا اور اس میں مورتیاں رکھنے کا وہ عمل ہے جس کی سب سے زیادہ انتشار انگیز اور سنگین مثال بابری مسجد اجودھیا کا واقعہ ہے، متعدد مسلم وغیر مسلم مؤرخین اور تحقیقی کام کرنے والوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا کوئی تاریخی وعلمی ثبوت نہیں کہ بابر نے کسی مندر یا رام جنم بھومی کو مسجد میں تبدیل کیا، یہ شروع سے مسجد ہے۔

ڈالی تھی فرقہ پرستی اور ہندو احیایت HINDU REVIVIOLISM کی طرف پھیرنا چاہتے تھے، اور جمہوریت و اکثریت کے احترام اور اس کی پیروی میں جواہر لال جی سے بھی اس کی توقع کر رہے تھے کہ وہ اپنے عمر بھر کے خیالات اور سوچنے کے طرز کو چھوڑ کر کانگریس میں رہنے کے لئے اس کو اختیار کریں گے، جواہر لال جی نے اس سے انکار کر دیا اس موقعہ پر انھوں نے جو تقریر کی وہ ہندستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، گاندھی نگر ناسک میں ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۰ء کو انھوں نے فرمایا۔

"میں جمہوریت پسند نہیں ہوں، اگر اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہو کہ میں کسی ہجوم کی رائے کے سامنے جھکوں، میں کبھی ایسی بات نہیں کروں گا جس کے غلط ہونے کا مجھے یقین ہو، اور عوام (ہجوم) چاہتے ہوں کہ اس غلط بات کو میں مانوں ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ اگر کانگریس چاہے تو میں کانگریس سے باہر نکل کر انفرادی طریقہ پر اپنے خیالات کے لئے لڑوں ——"

"کچھ لوگ مجھ سے آکر کہتے ہیں کہ مجمع فلاں بات نہیں مانتا اور جمہوریت کی آواز آگے بڑھ رہی ہے، دراصل یہ بزدلوں کی دلیل ہے، اگر جمہوریت کا مطلب ہجوم کے آگے جھکنا ہے تو ایسی جمہوریت کو جہنم واصل ہونا چاہیے اس قسم کی ذہنیت جہاں بھی سر اٹھائے گی میں اس کے خلاف لڑوں گا، ہاں جمہوریت مجھ سے وزارت چھوڑنے کو کہہ سکتی ہے، میں اس کا حکم مانوں گا، اگر کانگریسی یہ چاہتے ہیں کہ وہ آنے والے انتخابات میں چند ووٹ حاصل کرنے کے لئے اپنے اصول و نظریات چھوڑ بیٹھیں تو کانگریس مردہ ہو جائے گی، مجھے ایسی لاش کی ضرورت نہیں ہے[1]"

تیسری چیز جو فوری توجہ کی مستحق اور تشویش کا باعث ہے، وہ اخلاقی و انتظامی انتشار CORRUPTION ہے جو اس حد تک پہونچ گیا ہے جس کی نظیر کم سے کم

---

[1] قومی آواز ـ لکھنؤ ۲۲ر ستمبر ۱۹۵۰ء

مجھے اس ملک کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملی، آپ اس سلسلہ میں سرکاری رپورٹوں اور ملک کے نظم ونسق کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ترقی کو نہ دیکھئے، عام شہریا متوسط درجہ کے آدمیوں اور ان لوگوں سے پوچھئے جن کا عدالتوں دفاتر، ریلوے ہوائی سروس، پولیس، تھانوں، ٹیلیفون، ہسپتالوں، سرکاری ٹھیکوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے کام پڑتا رہتا ہے، رشوت کے بغیر ادنیٰ درجہ کا کام نہیں ہو سکتا، پیسہ کے ذریعہ ہر کام کرایا جا سکتا ہے، ہر مجرم کو چھڑایا جا سکتا ہے، ہر شریف انسان کو پھانسا جا سکتا ہے، ہر طرح کا غلط فیصلہ حاصل کیا جا سکتا ہے، ہر جگہ فساد کرایا جا سکتا ہے، یہانتک کہ ملک کے راز بھی بیچے جا سکتے ہیں، دواؤں اور غذاؤں میں ملاوٹ ہو رہی ہے، طبی امداد بلیغ مشکل ہو رہی ہے، مریضوں کے لئے جو انتظامات ہیں وہ بیکار جا رہے ہیں، سنگدلی اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہے، ریلوے، ہوائی سروس میں رشوت کی گرم بازاری سے حکومت کو روزانہ لاکھوں کروڑوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔

اس سب کی جڑ میں پیسہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، خدا کا خوف دل سے نکل جانا اور انسان سے ہمدردی، ملک سے وفاداری اور اس کے مفاد کو ترجیح دینے اور اس کے نقصان کا خیال رکھنے کا جذبہ ختم ہو جانا ہے، ایسی صورت میں ملک صنعتی طور پر، سیاسی طور پر، خارجی تعلقات کی بنیاد پر ترقی اور تعلیم کی اشاعت اور خواندگی کا تناسب بڑھ جانے کے باوجود تیزی سے زوال کی طرف جا رہا ہے، لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور آخری شرم وناکامی کی بات یہ ہے کہ انگریزوں کے دور غلامی کو یاد کرتے اور اس کی تمنا کرتے ہیں، جب انتظامیہ چوکس تھا، ریلیں وقت پر چلتی اور پہونچتی تھیں ہسپتال اطمینان اور خوشی اور خدمت وراحت کے ٹھکانے تھے، نوجوان اپنی محنت ولیاقت سے پاس ہوتے تھے، تقرریاں اور ترقیاں قابلیت اور استحقاق کی بنا پر ہوتی تھیں، اب یہ سب چیزیں خواب وخیال ہو گئیں ـــــ

ہندوستانی پریس اور اخبار نویسوں سے شکایت

حضرات! چونکہ آپ کو کسی رواتی سیاسی کانفرنس میں نہیں بلکہ ایک ایسی بے تکلف مجلس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے، جس میں ہم کو ایک ایسی جماعت کی طرح جو ایک کشتی پر سوار ہے، یا ایک ایسے افراد خاندان کی طرح جو کسی تقریب میں جمع ہیں، ایک دوسرے سے بے تکلف اپنے دل کی بات کہنے اور شکوہ و شکایت کا حق ہے، میں اپنے ملک کے انگریزی، ہندی اور اردو اخبار نویسوں اور صحافیوں سے کچھ کہنے کی جرأت کرتا ہوں۔

آپ سے زیادہ کون اس بات کو جانتا ہے کہ یگانگت اور محبت بڑھانے اس کے بالمقابل دو فرقوں اور خود ایک فرقہ کے افراد میں تلخی و بدگمانی اور نفرت و کراہت پیدا کرنے میں پریس کو جو دخل ہے، وہ کسی دوسرے ادارہ کو نہیں، میں نے ایک مرتبہ اخبار نویسوں اور ایڈیٹروں کی ایک کانفرنس کے نمائندوں کو جو چند سال پہلے لکھنؤ میں ہوئی تھی، خطاب کرتے ہوئے فارسی کا ایک مصرعہ ایک حرف کی ترمیم کے ساتھ پڑھا تھا، شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے ؎

زیر قدمت ہزار جان است

تمھارے قدم کے نیچے ہزاروں جانیں ہیں، میں نے صرف ایک حرف بدل کر کہا ؏

زیر قلمت ہزار جان است

آپ کے قلم کے نیچے ہزار جانیں ہیں، میں یہ نہیں کہوں گا کہ آہستہ چلیں یا بالکل نہ چلیں میں کہوں گا کہ احتیاط سے چلیں، میں نے ۱۰ر نومبر ۱۹۸۵ء میں مدراس کی پریس کانفرنس میں جو مسلم پرسنل لا کے مسئلہ کے سلسلہ میں ہوئی تھی، کہا تھا کہ میں اخبار کو ایک سچا اور ایماندار کیمرہ سمجھتا ہوں، جس کا کام یہ ہے کہ وہ تصویر کو (اس سے قطع نظر کہ وہ حسین ہے یا بھدی) اپنے اصلی رنگ روپ میں پیش کر دے، ملک میں

پیش آنے والے واقعات، مختلف فرقوں کے جذبات وشکایات منعقد ہونے والے احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کو اپنے صحیح حجم (BULK) حاضرین کی تعداد کے صحیح اندازہ اور مقررین وسامعین کے اصلی جذبات وکیفیات کے ساتھ پیش کردے تاکہ حکومت ملک اور پبلک کو صورتحال کا صحیح اندازہ ہو سکے، اور وہ اپنے انتظامی، اخلاقی فرائض اور ذمہ داریاں محسوس کریں، میں اس حد تک اس کو ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر ہپینز (HIPPIES) یا (ہم سے آپ سے دور) کو ڑھیوں یا متعدی امراض رکھنے والوں کی کوئی کانفرنس ہو، تب بھی ہم کو اس کو اس کے حجم کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے تاکہ ملک کے اصلاحی تربیتی ادارے، حفظان صحت کا نظام اور سماجی سدھار کا کام کرنے والے (SOCIAL WORKERS) اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، اور وقت اور کام کی وسعت وضرورت کے مطابق تیار ہو کر میدان میں آئیں، ملک میں کسی مریضانہ علامت کے ظاہر ہونے یا کسی غلط یا تخریبی رجحان کو پورے طور پر نمایاں نہ کرنے سے ملک ومعاشرہ سخت خطرہ سے دوچار ہو سکتا ہے، اور اقوام وملل کی قدیم تاریخ میں اس کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں، ایک وسیع ملک، ایک ترقی یافتہ وطاقتور حکومت، ایک مہذب وتعلیم یافتہ معاشرہ، بروقت خطرہ اور غیر صحت مندانہ رجحانات اور کوششوں کو روکنے سے غفلت برتنے کے نتیجہ میں بارہا دائمی زوال کا شکار ہو گیا، اور دنیا کی تاریخ میں داستان پارینہ بن کر رہ گیا ہے، ہمارے معزز وعزیز اخبار نویسوں اور ایڈیٹروں کو اپنے ایڈیٹوریلز اور اپنے اظہار رائے کے کالموں میں اپنے نقطۂ نظر اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے اظہار کا پورا حق ہے اور ان کے اس حق کو کوئی چھین نہیں سکتا لیکن واقعات کی رپورٹنگ اور مختلف فرقوں اور جماعتوں کے جذبات، شکایات اور مطالبات کے روئیداد پیش کرنے میں ان کو کسی طرح کی رنگ آمیزی اور جانب داری سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور فرقہ (مسلمانوں) کو شکایت ہے کہ ان کے جلسے وجلوسوں، احتجاج اور مظاہروں، اور یہاں تک کہ ان کی ملی تقریبات اور

مجلسوں کی صحیح تصویر ہندوستانی پریس میں آنے نہیں پاتی، اور محض اخبارات پڑھ کر کسی کو ان کے احساس کی شدت، ان کی بے چینی، بے اطمینانی اور ان کی اکثریت کے جائز آئینی مطالبے کا اندازہ نہیں ہو سکتا یہ نہ صرف اس مخصوص اقلیت اور فرقہ کے لئے مضر اور اس کے ساتھ ناانصافی ہے، بلکہ ملک وحکومت دونوں کے لئے نقصان رساں اور ان کے حق میں بدخواہی اور بداندیشی ہے کہ ان کو واقعہ کی سنگینی کا علم نہ ہونے پائے، اور وہ تھوڑی کوشش سے اس کا تدارک وعلاج نہ کر سکیں، جو بڑھ جانے کے بعد بڑی کوشش سے بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا ہے۔

میں آپ کی اجازت سے بہ طور نمونہ اس سلسلہ میں اپنے چند مشاہدات پیش کرنا چاہتا ہوں ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں پہلی مرتبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور Y.M.C.A مدنپورہ کے میدان میں ایک پبلک جلسہ ہوا، جس میں محتاط اندازہ کے مطابق ایک لاکھ کے قریب مجمع تھا، اسی دن آنجہانی عبدالحمید صاحب دلوائی کی قیادت میں ایک مظاہرہ ہوا، جس میں چند درجن سے زیادہ آدمی نہیں تھے، مسلمانوں نے اس پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا، پولیس نے مظاہرین کو اپنے گھیرے میں لے لیا، ورنہ ان کو سخت حالات سے دوچار ہونا پڑتا میں نے خود اگلے روز بمبئی کے انگریزی اخبارات پڑھے، اس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے سلسلہ کے جلسہ کا بہت معمولی طور پر تذکرہ تھا، لیکن دلوائی صاحب کے مظاہرہ کو بہت نمایاں طریقہ پر دکھایا گیا تھا، جس سے ناواقف آدمی سمجھتا کہ اس میں ہزاروں آدمی شریک تھے، اور مسلمانوں کی نمائندگی یہی جلوس کرتا تھا، اس عدم توازن اور حقائق کو نمایاں نہ کرنے کا جو اثر انتظامیہ، ملک کے دانشور اور برادران وطن پر ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

دوسری مثال قریبی زمانہ کی ہے ۶/۷ اپریل ۱۹۸۵ء میں کلکتہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس ہوا، ۷ اپریل ۱۹۸۵ء کو شہید مینار میدان میں شام کو پبلک جلسہ ہوا جس میں اچھے تجربہ کاروں کا اندازہ ہے کہ پانچ لاکھ آدمی شریک تھے

جہاں تک نظر کام کرتی تھی، انسانوں کا جنگل نظر آتا تھا، میں بورڈ کا صدر ہوں اور اس جلسہ میں بطور خود موجود تھا، اور تقریر بھی کی، اگلے دن میں آسنسول کے لئے روانہ ہو رہا تھا میں نے ہوڑہ اسٹیشن پر جتنے انگریزی اخبارات مل سکے حاصل کئے، جو اخبارات مجھے ملے ان میں کہیں اس جلسہ کا تذکرہ نہ تھا، ایک انگریزی اخبار میں ان الفاظ میں خبر دی گئی تھی " HUNDREDS OF MUSLIMS ATTENDED " اب آپ ہی فرمائیے نہ صرف باہر کے لوگوں کو بلکہ کلکتہ کے ان باشندوں کو بھی جن کو اس جلسہ کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، صحیح صورتحال اور اپنے ہم وطن بھائیوں کے جذبات کی شدت کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے، اور خود حکومت کی مشینری، عدلیہ، اور انتظامیہ اور ملک کا حقیقت پسند طبقہ اس کا مداوا کیسے کر سکتا ہے؟ مبالغہ نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ سیکڑوں مثالوں میں سے یہ دو مثالیں ہیں، جو میں نے پیش کیں۔

موجودہ مسئلہ مسلم پرسنل لا بل کے سلسلہ میں بھی یہی تلخ تجربہ ہوا کہ ہمارے انگریزی و ہندی اخبارات نے (بہت خفیف استثناء کے ساتھ) خبریں دینے، تبصرہ کرنے، تردیدی و مخالفانہ مضامین و مراسلات شائع کرنے میں میونسپلٹی اور کارپوریشن کے شہری قانون ONE WAY TRAFFIC کا مظاہرہ کیا ڈھونڈنے پر بھی مطلقہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کے زیر بحث بل کے حامیوں یا اس کی وضاحت کرنے والوں کا کوئی مضمون یا مراسلہ دیکھنے میں نہ آیا، اس طرح یہ اخبارات و رسائل (مجھے معاف کیا جائے) ایک ہی نقطۂ نظر کے ترجمان اور پرجوش حامی تھے، جو اکثریتی فرقہ کی اکثریت اور مسلم فرقہ کے انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد کا نقطۂ نظر اور طرز فکر تھا، اور اس سے ملک و بیرون ملک کا کوئی اخباربیں (جس کی معلومات و خیالات کا انحصار اخبارات کے مطالعہ پر ہو) اس بے چینی، جوش و خروش اور بے نظیر وحدت، فکر و خیال کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا، جو ہندوستان کے دس یا پندرہ کروڑ مسلمانوں میں پائی جاتی ہے، اور جس سے واقف ہونا ہر حقیقت پسند، جمہوریت اور آزادی رائے کا احترام کرنے والے محب وطن اور ذمہ دار انسان کا فرض ہے۔

آخر میں دہلی ہی کے (جہاں ہم جمع ہیں) نامور اردو شاعر مرزا غالب کا ایک شعر پڑھتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں سے رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف ۔ آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

حضرات علمائے کرام کی خدمت میں

حج کی قربانی سے متعلق ایک اہم سوال

تمام باخبر مسلمان — کم و بیش یہ جانتے ہیں کہ حج کے دنوں میں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ کے اندر لاکھوں جانور قربان کئے جاتے ہیں، اور یہ بات بھی عام طور پر معلوم و معروف ہے کہ چند سال پہلے تک وہاں ذبح ہونے والے جانوروں کا گوشت اور دیگر اجزاء عموماً ضائع ہو جاتے تھے بلکہ ان کی بدبو سے طرح طرح کی بیماریاں پھیلنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا جس کے ازالہ کے لئے وہاں کی حکومت کو کروڑوں روپے خرچ کرنا پڑتے تھے۔

اس صورت حال سے تمام حساس لوگ فکرمند اور اس کے آرزومند تھے کہ کوئی ایسی صورت نکلے جس سے ہر سال اتنی بڑی مقدار میں ضائع ہونے والی خداوند تعالیٰ کی نعمت صحیح مصرف میں خرچ ہو اور اس سے ان لاکھوں بھوکوں کے پیٹ بھرنے کا انتظام ہو جو ساری دنیا میں اور خاص عالم اسلام میں بھی ایک ایک بوٹی اور ایک ایک نوالہ کے لئے ترس رہے ہیں۔

اسی احساس۔ اور دردمند دلوں کی توجہ دہانی۔ سے بالآخر سعودی حکومت اور اس کے باشعور افراد ایسا حل تلاش کرنے پر آمادہ۔ اور فی الجملہ اس میں کامیاب بھی ہوئے جس سے یہ بہت بڑی دولت و ثروت ضائع ہونے سے بچائی جا سکے جو کروڑوں ضرورتمندوں کی ضرورت رفع کرنے اور لاکھوں بھوکوں کا پیٹ بھرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اس غرض سے تین سال قبل سعودی حکومت نے ایک بہت بڑا مذبح۔ "مجزرۃ المعیصم"

منیٰ میں بنوایا، جس کے اندر لاکھوں جانور نہ صرف ذبح کئے جاسکتے ہیں بلکہ انھیں تیار کرکے انکا گوشت محفوظ کیا جاسکتا اور پیک کرکے مختلف ملکوں کے ضرورتمندوں کو بھیجا بھی جاسکتا ہے۔

چنانچہ ادھر تین سال سے (۱۴۰۰ھ کے حج سے) سعودی حکومت "البنک الاسلامی للتنمیہ جدہ" کے تعاون سے۔ اجتماعی قربانی کا اور گوشت محفوظ کرکے مختلف ملکوں کے ضرورتمندوں میں تقسیم کرنے کا نظم کررہی ہے ــــ

البنک الاسلامی (اسلامک ڈیولپمنٹ بنک۔ I.D.B) کا طریق کار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک مقامی کمپنی (شرکۃ الراجحی) کے توسط سے، قربانی کے خواہشمند حجاج کے ہاتھوں کوپن، فروخت کرتا ہے، کوپن پر مختلف قسم کی قربانیوں۔ مثلاً۔ ھدی، اضحیہ، صدقہ کے لئے الگ الگ علامتیں قائم کی گئی ہیں، حاجی جس قسم کی قربانی۔ البنک الاسلامی "کے ذریعہ۔ کرانا چاہتا ہے، مطلوبہ قربانی کی علامت پر نشان لگا کر تعین کردیتا ہے۔ پھر اس کے مطابق اس کی جانب سے قربانی کردی جاتی ہے۔ لیکن حاجی کو بالعموم یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ اس کی طرف سے جانور کب ذبح کیا گیا؟ اس طریق کار سے حنفی حجاج۔ جو حج قرآن یا تمتع کرتے ہیں۔ کے لئے ایک اہم مسئلہ پیدا ہوگیا ہے کیونکہ حنفی فقہ۔ مفتیٰ بہ قول۔ کے روسے قرآن یا تمتع کرنے والے ہر حاجی کے لئے یہ ضروری (واجب) ہے کہ وہ ۱۰ ذی الحجہ کو۔ مزدلفہ سے واپسی پر ــ پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی کرے ــــ پھر قربانی کرے (دم قرآن یا تمتع دے) اوراس کے بعد سر کے بال اتروائے، اس ترتیب کی خلاف ورزی پر مزید ایک جانور کی قربانی۔ بطور کفارہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اس وجہ سے حنفی حجاج نے البنک الاسلامی سے۔ بجا طور پر۔ یہ مطالبہ کیا کہ انھیں یہ بتایا جائے کہ ان کی طرف سے جانور کس وقت ذبح کیا گیا؟ تاکہ وہ بقیہ کاموں میں بھی واجب ترتیب کا لحاظ رکھ سکیں۔

لیکن اجتماعی نظم میں ہر حاجی کو یہ بتانا عملاً ممکن نہیں کہ اس کی طرف سے جانور کب ذبح کیا گیا؟ اس مشکل کو حل کرنے کے واسطے "البنک الاسلامی، جدہ" کے بالغ نظر رئیس (سربراہ) نے علماء کا اجتماع گذشتہ ۸، ۹، اپریل ۸۲ء سعودی کلینڈر سے ۲۹ ر، ۳۰ ر رجب ۱۴۰۲ھ البنک الاسلامی کے صدر دفتر، جدہ میں منعقد کیا۔

مدعوین کے پاس پہلے سے ایک طویل سوالنامہ اور عالمی شہرت کے مالک محقق حنفی عالم شیخ مصطفے الزرقار کا طویل مقالہ بھیجدیا گیا تھا۔ اس علمی مجلس میں سعودی عرب کے علاوہ مصر، شام، ترکی، ہندو پاک بنگلہ دیش وغیرہ کے علمار نے۔ جن میں اکثریت حنفی علمار کی تھی۔ شرکت کی۔ ہندوستان سے صرف راقم الحروف (محمد برہان الدین سنبھلی) نے البنک الاسلامی کی دعوت پر شرکت کی اور مجلس میں مقالہ بھی پیش کیا اور بحث میں حصہ لیا۔ (مقالہ ظاہر ہے کہ عربی میں تھا*) اسی کو قدرے اختصار کے ساتھ۔ اردو میں یہاں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔ بعد ازاں مجلس کی مختصر کاروائی بھی پیش کی جائے گی (خاص طور پر اس کا وہ حصہ جو علمائے احناف کے لئے بہت قابل غور ہے)

مقالہ کا اہم حصہ

راقم نے پہلے تو۔ حمد و صلاۃ کے بعد۔ اس اسکیم کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کیا اور اس پر انھیں دلی مبارکباد دی کہ اس کی بدولت لاکھوں جانور ضائع ہونے سے بچنے اور ان سے بے شمار انسان فائدہ اٹھانے لگے ہیں جس پر ہر باشعور مسلمان کو ممنون اور شکر گذار ہونا چاہیئے اس کے بعد عرض کیا کہ :۔

اس اسکیم کے ذمہ داروں کے لئے کم سے کم ایک بات تو ضرور قابل توجہ اور اس کا حل تلاش کرنے کے لئے فکرمند بنانے والی ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے یہاں۔ قارن و متمتع۔ حاجی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ (۱۰ ذی الحجہ کو) پہلے رمی کرے، پھر قربانی (ذبح ہدی) کرے اور اس کے بعد سر کے بال اتروائے۔ اس ترتیب کی خلاف ورزی سے مزید ایک جانور کی قربانی (دم جنایۃ) حدود حرم ہی میں کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ حاجی اپنے محدود وسائل۔ نیز حکومتوں کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کی بنا پر۔ عموماً اپنے ضروری اخراجات ہی بہ مشکل پورے کر پاتے ہیں، دریں صورت دوسرا جانور وہاں قربان کرنا (جو خاصی قیمت پر ملتا ہے) سخت دشوار ہوگا، اور قربان نہ کرنے کی صورت میں ترک واجب کا گناہگار ہوگا، حالانکہ حج اور حاجی کا اصل مقصد گناہوں سے پاک و صاف ہونا ہی ہے اور پھر عموماً حج کی سعادت (بالخصوص برصغیر کے لوگوں کو) پوری عمر میں ایک بار ہی حاصل

---

* امید ہے کہ اصل مقالہ عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے قریبی شمارہ (اشاعت ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ) میں چھپے گا

ہوتی ہے، وہ بھی ہزاروں تمناؤں اور سیکڑوں جتن کے بعد۔ اس لئے یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے یا بس سرسری طور پہ گذارا جائے۔ مزید برآں یہ کہ اس مسئلہ خاص رمی سے قبل ذبح۔ کی حد تک تو الحجہ کا بھی قریب قریب یہی مسلک ہے (جیساکہ سوالنامہ میں مذکور ہے) بنابریں یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ حجاج کی اکثریت یا انکی بڑی تعداد کا۔ یہ مسئلہ ہے۔

اکثر فقہاء کے نزدیک ترتیب کی حیثیت

علاوہ ازیں اس ترتیب کے مسنون ہونے پر سارے ائمہ متفق ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہے اس کے خلاف نہیں۔ علامہ ابن قیم حنبلی نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے:۔ ولم ینحر ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم قط.... ... الا بعد طلوع الشمس وبعد الرمی "۔[1] ایک اور بڑے ممتاز غیر حنفی عالم (علامہ شوکانی نے) اجماع نقل کیا ہے کہ یہ تینوں کام اسی ترتیب سے ہونے چاہئیں [2]

(.... لان العلماء اجمعوا علی انہا مرتبۃ .... ولم یخالف فی ذالک احد)

یہاں ایک اور قابل غور بات یہ سامنے آئی کہ (اگرچہ واجب ہونے میں تو اختلاف ہے لیکن) اس ترتیب کا مسنون ہونا سب کو تسلیم ہے، تو کیا کسی سنت کا اجتماعی طور پہ بالارادہ ترک کر دینا معمولی بات ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی صاحب ایمان ایسا نہیں کہہ سکتا! پھر جب دو جلیل القدر اماموں* (ابوحنیفہؒ و مالکؒ) اور ان کے کروڑوں متبعین

---

[1] زاد المعاد ص۳۱۶ ج۲ مکتبۃ المنار الاسلامیہ، الکویت۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی قربانی ۱۰ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد اور رمی سے فارغ ہونے کے بعد ہی کی ہے اس کے خلاف کبھی نہیں کیا۔

[2] نیل الاوطار ص۱۵۳ ج۵ دار الجیل، بیروت

* یہاں حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کا ایک علمی لطیفہ یاد آگیا، موصوف ایسی صورت میں جبکہ یہ دو امام متفق ہوں تو ازراہ ظرافت فرماتے تھے کہ (چار اماموں میں سے) ڈھائی ایک طرف ہیں۔

کی نظر میں یہ ترتیب واجب ہے تو مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ مشکل نہیں :

امام شافعیؒ و احمدؒ کا مسلک

بقیہ جن دو اماموں (شافعیؒ و احمدؒ) کے بارے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ ترتیب واجب نہیں سمجھتے اس میں صرف جزوی صداقت ہے کیونکہ امام احمد کے بارے میں ۔ ان کے مسلک کے مشہور و معتمد ترجمان ۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے "المغنی" میں نقل کیا ہے :-

فان اخل بترتیبها ناسیا او جاهلا بالسنة فلا شیٔ علیه فی قول کثیر ... فاما ان فعله عمدا .... ففیه روایتان .... والثانیة علیه دم روی نحو ذلك عن سعید بن جبیر وقتادة والنخعی قال الاثرم : سمعت ابا عبدالله رجل حلق قبل ان یذبح فقال ان کان جاهلا فلیس علیه فاما التعمد فلا لان النبی صلی الله علیه وسلم ساله رجل فقال لم اشعر [۱]

اس ترتیب کے خلاف اگر نادانی یا بھول سے کیا تو کچھ نہیں لازم ہوگا بہت سے علماء کے نزدیک لیکن اگر جان بوجھ کر کیا تو اس میں علماء کے دو قول ہیں .... ایک یہ ہے کہ اس صورت میں دم (قربانی) واجب ہوگا یہی قول جلیل القدر تابعی حضرات سعید بن جبیرؒ قتادہ نخعی سے منقول ہے، امام احمد کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ امام سے ایسے شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا جس نے ذبح سے پہلے سر منڈوا لیا تھا تو امام نے کہا اگر وہ جاہل تھا تب تو کچھ لازم نہیں لیکن اگر جان بوجھ کر کیا تو حکم دوسرا ہے (یعنی دم واجب ہونا چاہیئے) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس شخص نے مسئلہ دریافت کیا تھا اس نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے (مسئلہ) معلوم نہیں تھا)

آٹھویں صدی کے ایک اور ممتاز شافعی محقق علامہ تقی الدین ابن دقیق العید نے اپنی کتاب احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام" میں لکھتے ہیں : ۔

---

[۱] المغنی لابن قدامہ ص ۴۴۸/۳ مکتبہ الریاض الحدیثیہ ، بالریاض ۔

" اختلفوا فيما اتقدم بعضها على بعض فاختار الشافعي جواز التقديم ... ومالك وابوحنيفة يمنعان تقديم الحلق على الرمي ..... وللشافعي قول مثله ... و نقل عن احمد ... ان كان عالماً ففي وجوب الدم روايتان .... و هذا القول في سقوط الدم عن الجاهل والناسي — دون العامد — قوي من جهة الدليل .... وهذه الاحاديث المرخصة ... انما قرنت بقول السائل لم اشعر ... فيختص الحكم بهذه الحالة ويبقى حالة العمد على اصل وجوب اتباع الرسول ... ولا يلزم من نفي الاثم نفي وجوب الدم .. فانه قد استعمل ' لاحرج ' كثيرا في نفي الاثم » ۔ ؎۲

اس ترتیب کے خلاف کرنے کے بارے میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں امام شافعی جائز کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ و مالکؒ ناجائز کہتے ہیں کہ رمی سے قبل سر کے بال اتروائے جائیں ۔ اور ایک قول امام شافعی کا بھی اسی جیسا ہے امام احمد کی جان بوجھ کر خلاف ترتیب کرنے کے بارے میں دو رائیں ہیں ... لیکن دلیل کی رو سے قوی یہی قول معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر ترتیب کے خلاف کرنے والے سے دم ساقط نہ ہو صرف ناواقفیت اور بھول سے ہی ساقط ہو کیونکہ جن احادیث سے ترتیب کے خلاف کرنے کی رخصت کا پتہ چلتا ہے ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ سائل نے صاف کہدیا تھا کہ مجھے خبر نہیں تھی ... لہٰذا اصل حکم یہی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کا اتباع واجب ہونے کی وجہ سے یہ ترتیب بھی واجب ہو (اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ) یہاں حدیث میں "لاحرج" آیا ہے اس کا مطلب گناہ نہ ہونا ہی لیا جائے کیونکہ یہ تعبیر، اسی مفہوم کے لئے بھی آتی ہے اور گناہ نہ ہونے سے دم ساقط ہوجانا ضروری نہیں،،

یہاں "لاحرج" کے جس معنی (گناہ نہ ہونا) کو علامہ ابن دقیق العید نے ترجیح دی ہے اس کی تائید خود ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے جسے امام ابوداؤد نے اپنی " سنن"

؎۲ شرح العمدة لابن دقیق العید ص ۷۷-۹ ج ۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۔

کی کتاب المناسک' میں[1] اس موقع پر ذکر کیا ہے، جو اس بات کا قرینہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امام ابوداؤد کے نزدیک بھی یہاں یہی معنیٰ راجح ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی (سورۃ الحج) کی ایک آیت "ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات ...... ثم لیقضوا تفثھم ۔" سے بھی ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب مستفاد ہوتی ہے، آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شوکانی ظاہری لکھتے ہیں۔

ای یذکروا عند ذبح الھدایا والضحایا اسم اللہ وقیل ان ھذا الذکر کنایۃ من الذبح لانہ لا ینفک منہ .... ثم لیقضوا تفثھم المراد ھنا التادیہ ای لیؤدوا ازالۃ وسخھم لان الوسخ والقذارۃ من طول الشعر والاظفار وقد اجمع المفسرون .... علی ھذا[2]	کہا گیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد ذبح ہدایا اور قربانی کرنا ہے کیونکہ کوئی قربانی ذکر اللہ کے بغیر نہیں ہوتی ۔ اور "قضاء تفث" سے مراد یہاں اس حکم کا بجالانا ہے جس میں ناخن اور بال تراشنے کے لئے کہا گیا ہے، اس مفہوم ...... پر مفسرین متفق نظر آتے ہیں ۔"

اصل حکم یہاں یہ وضاحت شاید بے محل نہ سمجھی جائے گی کہ اس موقع پر اصل حکم قربانی کر دینے (اراقۃ دم) کا ہے اور صرف اسی عمل (جانور ذبح کر دینے) سے واجب ادا ہو جاتا ہے اور وہ ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں جن کا ختم ہو جانا قربانی پر موقوف ہے مذبوحہ جانور کا گوشت وغیرہ فقراء پر تقسیم کرنا ثانوی درجہ کی چیز ہے اور اس پر سارے علماء متفق ہیں کیونکہ یہ بات خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے مفہوم ہوتی ہے (یعنی ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم" الخ ...[3])

یہاں اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ "ثانوی مقصد" کی خاطر اصل حکم کی تعمیل خطرہ میں کہیں نہ

---

[1] سنن ابوداؤد ص۲۷۶ ج۱ مطبع مجیدی کانپور [2] فتح القدیر للشوکانی ص۴۴۹ ج۳

[3] مشکاۃ المصابیح ص۱۲۸ مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۔

پڑ جائے ۔

اہم مشکل اب سوال یہ ہے کہ ان قوی دلائل اور مضبوط علمی بنیادوں پر اگر کوئی فرد یا گروہ دیانۃً یہ سمجھتا ہے کہ 'ھدی' کے ذبح کا وقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا امکان ۔ بلکہ عملی طور پر اس کا غالب گمان ۔ ہے کہ ذبح ہدی رمی سے قبل ہوگئی ہو ۔ یا سر کے بال ذبح سے پہلے اتروائے گئے ہوں ۔ اور اس تقدیم وتاخیر کی بنا پر ۔ مزید ایک قربانی (دم جنایۃ) واجب ہوگئی ہو، کیونکہ ترک واجب کا ارتکاب ہوا ۔ تو کیا اس رائے کو اور ایسا سمجھنے کو غلط قرار دیکر نظر انداز کئے جانے کے قابل ٹھہرایا جائے ؟ یا اسے وزن دیا جائے اور اس کا لحاظ کیا جائے!

راقم کا اندازہ ہے کہ نظر انداز کر دینا نہ دیانت کا تقاضہ ہوگا نہ مصلحت شرعی کا اور حقیقت پسندی کے بھی خلاف ہوگا (احقر کا خیال ہے کہ اکثر اہل علم اور ارباب نظر راقم سے متفق ہوں گے)

اسی کے ساتھ ایک اور اہم حقیقت کا سامنے رکھنا بھی ضروری ہوگا ۔ اسے نظر انداز کرنا سخت غلطی ہوگی وہ یہ کہ حنفی حجاج کی بڑی تعداد برصغیر ۔ ہندوپاک، بنگلہ دیش، برما اور لنکا ۔ سے حج میں جاتی ہے اور اسی خطہ کے حجاج ۔ یا ان کی بڑی اکثریت ۔ اپنے علاقوں کے ممتاز علماء ومفتی حضرات نیز قابل اعتماد دینی اداروں ۔ مثلاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم کراچی سے دیئے گئے فتووں اور فیصلوں کو مستند سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں، تو جبتک یہ ادارے اور یہاں کے مفتی حضرات کوئی نیا فیصلہ یا فتویٰ نہ دیں اس وقت تک کسی اور علمی مجلس کا فیصلہ اور فتویٰ اس مشکل کے حل میں غیر مفید ہوگا اور بہ ظاہر اندازہ یہ ہے کہ برصغیر کے ان اداروں کے ذمہ دار اور ممتاز مفتی حضرات ایسے کسی فیصلہ یا فتویٰ پر بآسانی متفق نہ ہونگے جو صدیوں کے معمول سے ہٹا ہوا ۔ بالفاظ اصطلاحی "مفتیٰ بہ قول" کے خلاف ہو۔ اس کے بغیر برصغیر کے حجاج ۔ جن کا اصل مسئلہ ہے ۔ اپنی نکہ بہ لنے پر آمادہ اور مطمئن نہ ہوں گے، یعنی یہ مشکل حل نہ ہوگی ۔

مناسب حل کی تلاش اس لئے ایسا ہی کوئی حل تلاش کرنا مناسب ہوگا جس سے برصغیر کے حجاج بھی مطمئن ہوں اسی کے ساتھ "البنک الاسلامی" جو قابل قدر بلکہ ضروری خدمت

انجام دے رہا ہے اس میں بھی رکاوٹ نہ پڑے مسئلہ کا حل تلاش کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا مناسب ہوگا اصل اشکال قربانی کی صرف ایک ہی قسم دم تمتع وقران ۔ کے بارے میں ہے بقیہ قربانیوں کے سلسلہ میں کوئی خاص شرعی اشکال نہیں ہے ۔ اس بناپر مسئلہ کا حل نسبتہً آسان ہوجاتا ہے وہ احقر کی نظر میں یہ ہے کہ (۱) قرآن وتمتع کی قربانیوں کو چھوڑ کر بقیہ قربانیوں کے جانور ۱۰ ذی الحجہ کی صبح سے ذبح کئے جائیں اور یہ سلسلہ ظہر یا عصر تک چلتا رہے، اس درمیان صبح سے ظہر یا عصر تک ۔ حجاج کی خاصی تعداد رمی سے عموماً فارغ ہوجاتی ہے، بنک کے ذریعہ قربانی کرانے والے قارن وتمتع حجاج کو بہ طور خاص متنبہ کردیا جائے کہ وہ ظہر یا عصر تک (جو وقت بھی مصالح کو سامنے رکھ کر طے کیا جائے) رمی سے ضرور فارغ ہولیں ظہر یا عصر کے بعد (جو بھی وقت طے ہو) قرآن وتمتع کی قربانی کے جانور ذبح کرنے شروع کئے جائیں اور منتظمین یہ اندازہ لگاکر کہ اتنے ... عرصہ میں قرآن وتمتع کے تمام جانور ذبح ہوجائیں گے اسی کے مطابق حجاج کو بتادیں کہ اتنے .... عرصہ بعد وہ سر کے بال اتروالیں ۔ یہ عرصہ، اگلا دن بلکہ تیسرا دن بھی ہوسکتا ہے (۱۲ ذی الحجہ تک کوئی خاص شرعی قباحت نہیں ہے) اس درمیان حجاج سر کے بال اتروائے بغیر بھی "طوافِ افاضہ" (فرض طواف) کرسکتے ہیں اور ایسا کرنے پر حنفیہ کے یہاں بھی ۔ کوئی ایسی خرابی نہ ہوگی جس سے دم واجب ہو (یعنی دم واجب نہ ہوگا)

(۲) اگر تمام حاجیوں کے ۔ تمتع وقران ۔ کے جانوروں کا ذبیحہ موخر کرنے سے حرج یا خلل پڑنے کا اندیشہ ہو تو صرف حنفی حجاج کے جانور دیر سے ذبح کئے جائیں (مذکورہ بالا تجویز کے مطابق) اور یہ جاننے کے لئے کہ یہ .... جانور کب ذبح ہونا چاہیے ؟ ایک تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ بنک کی طرف سے جاری کردہ قربانی کے "کوپن" پر مختلف علامتیں ہوتی ہیں (تفصیل اوپر بیان ہوچکی ہے) ان میں ایک علامت کا اضافہ اور کردیا جائے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ یہ جانور (مثلاً) ظہر یا عصر بعد ہی ذبح ہوگا اس سے پہلے نہیں ۔ اور ایسے کوپن خریدنے والے حجاج کو بتادیا جائے کہ وہ اس وقت سے پہلے ضرور رمی سے فارغ ہوجائیں اور سر کے بال وہ لوگ اگلے دن یا تیسرے دن (جو بھی اندازہ سے وقت مقرر کیا جائے اسی وقت) اتروائیں اس سے پہلے نہیں ۔ اس "حل" کے اختیار کرنے سے امید ہے کہ یہ مشکل حل ہوجائے گی اور ہر حاجی

مطمئن اور خود کو عنداللہ بری الذمہ سمجھے گا" اس کے بغیر یہ اطمینان نصیب نہ ہوسکے گا (مقالہ ختم)

بقیہ شرکاء کی رائیں

برصغیر اس اجتماع میں شریک ہونے
والے اکثر علماء کی رائیں اور تجاویز - کم وبیش -
ایسی ہی تھیں - پاکستان کے حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل کی تجویز تو گویا بعینہ
یہی تھی جو موصوف نے اپنے ایک طویل عالمانہ مقالہ میں پیش کی تھی - ترکی کے ایک شریک مجلس عالم
نے بھی فاضلانہ مقالہ پیش کیا اس میں انھوں نے یہ تجویز رکھی کہ اس مسئلہ میں دریں صورت امام ابو
حنیفہؒ کے قول کے بجائے ان کے ممتاز شاگردوںؒ (صاحبین - امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) کے قول
پر فتویٰ اور فیصلہ دینا چاہیے ان دونوں حضرات کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے
اس کی خلاف ورزی پر دم واجب نہ ہوگا - شام کے مشہور محقق حنفی عالم شیخ مصطفےٰ الزرقا ر (جن کا
مقالہ پہلے سے شرکاء کے پاس دعوت نامہ کے ساتھ بھیجدیا گیا تھا) نے اپنے مقالہ میں - اور اسی
طرح زبانی طور پر بھی - اس بات پر زور دیا کہ قربانی کے گوشت کو ضیاع سے بچانے کی عظیم مصلحت، کی
خاطر ترتیب ساقط ہونے (اور دم واجب نہ ہونے) کا فیصلہ وفتویٰ دینا چاہیے (موصوف نے استدلال
میں ان عام فقہی اصولوں کا سہارا لیا جو اہل اصول کے یہاں 'ضرورۃ، حاجۃ اور مصلحت سے جانے
جاتے ہیں) موصوف کا کہنا یہ بھی تھا کہ حاجی ٹوکن خریدنے کے بعد مطمئن ہو جائے اور یہ سمجھے
کہ اس کی طرف سے وقت پر قربانی ہو گئی اور انھیں اپنی اس رائے پر شدت سے اصرار تھا -

برصغیر کے اکثر شرکاء کا موقف یہ رہا (جیساکہ راقم نے مقالہ میں کہا ہے) کہ یہاں کے حجاج اس
مختصر اور محدود اجتماع میں کئے گئے فیصلہ سے اپنی رائے نہ بدلینگے اور ان کی خلش دور نہ
ہوگی اس لئے یہ 'حل' نظری یا علمی تو کہا جا سکتا ہے 'عملی' نہیں ہوگا حالانکہ ضرورت عملی حل کی ہے
البنک الاسلامی کے زیرک و معاملہ فہم صدر نے تمام تجویزوں کو سن کر یہ کہا کہ حنفی اکثریت

ع۹ صاحبینؒ کا یہ مسلک متعلقہ تمام اہم کتابوں میں بیان کیا گیا ہے مثلاً دیکھئے ملک العلماء کاسانی کی
بدائع الصنائع ص $\frac{۱۵۰}{۲}$ طبع اولیٰ ۱۳۲۰ھ اگرچہ بحر الرائق (ص ۲۷ - ۲۹ ج ۳ - مع حاشیہ) کے مطالعہ سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین سے بھی دو روایتیں منقول ہیں مشہور روایت تو یہی ہے لیکن دوسری
روایت وجوب دم کی بھی ہے -

کے علاقوں میں صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے مسلک کی تشہیر کی جائے اور اس کے مطابق وہاں کے حجاج کا ذہن بنانے کی کوشش کی جائے۔

ہند و پاک کے علماء کیلئے قابل غور

اس کا مطلب دراصل یہ نکلتا ہے کہ ہند و پاک کے ممتاز علماء و مفتی حضرات اس پہ غور فرمائیں کہ ایسی صورت میں جبکہ ہر سال لاکھوں مذبوحہ جانور ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں اس مصلحت کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا۔ یعنی ترتیب واجب نہ ہونے کا فتویٰ۔ درست ہوگا؟ کیا یہ مصلحت ایسی نہیں ہے جس کا ملحوظ رکھنا شرعاً مطلوب ہے؟ (اگر ہے تو فتویٰ دینے میں تامل نہ ہونا چاہیے) اس کے علاوہ اور بھی بعض شرکاء نے تجاویز پیش کیں مگر ان کا ذکر چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا برصغیر کے شرکاء کی طرف سے پیش کردہ تجویز کے بارے میں رئیس البنک نے یہ کہا کہ اکثر قربانیاں۔ (۹۰ فیصد سے بھی زیادہ) دم تمتع و قران ہی کی ہوتی ہیں۔ البعض بعض ظہر یا عصر تک موقوف رکھنے سے وقت پر تمام قربانیاں مکمل نہ ہو سکیں گی نیز صرف حنفی حجاج کے لئے الگ انتظام کرنا عملاً مشکل بھی ہے اور اس سے "وحدۃ امۃ مسلمہ" کے تصور پر بھی زد پڑتی ہے۔ واہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ اس جواب میں کتنا وزن ہے! البتہ برصغیر کے شرکاء کا یہ موقف حضرت مولانا مفتی سیاح الدین اور اس عاجز کے اصرار پر تسلیم کر لیا گیا کہ یہاں کے ممتاز دینی اداروں اور مفتی حضرات کو نظر انداز کر کے اگر کوئی فیصلہ کیا جائے گا تو وہ چنداں مفید نہ ہوگا اور مسئلہ حل نہ ہو سکے گا، حالانکہ شیخ زرقاء اور بعض دیگر (ملکوں کے) نمائندوں کا اصرار تھا کہ ہمیں قطعی فیصلہ کر دیا جائے مگر صدر بنک صورتحال سمجھ گئے اور وہ بات ہوئی جس کا ذکر اوپر آیا۔

ناچیز محمد منظور نعمانی کی گذارش

برادر محترم مولانا محمد برہان الدین صاحب کے اس مقالہ کی آخری سطروں میں "ہند و پاک کے علماء کے لئے قابل غور" کے زیر عنوان برصغیر کے حضرات علماء و اصحاب فتویٰ سے جس مسئلہ پر غور

فرمانے کی استدعا اور اپیل کی گئی ہے' بلا شبہ اس کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ سارے پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے پوری فکرمندی کے ساتھ اس پر غور فرما کر فیصلہ فرمایا جائے ۔

خود راقم سطور اصحاب فتوی میں سے نہیں ہے ، میرا معمول ہے کہ عند الضرورت فقہی مسائل میں انھیں حضرات کی طرف رجوع کرتا ہوں ان کا جن کا مستقل شغل ہے (لکل فن رجال) ـــــــ تاہم استاذنا حضرت العلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کا ایک ارشاد حضرات علمائے شریعت و اصحاب فتوی کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں ، امید ہے کہ پیش نظر مسئلہ پر غور و فکر کے سلسلہ میں انشاء اللہ اس سے کچھ روشنی اور رہنمائی حاصل ہوگی ـــــــ راقم سطور کے حافظہ میں حضرت قدس سرہ کے ارشاد کا صرف مفہوم ہے' اسی کو اپنے الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ فرماتے تھے کہ

فقہ حنفی میں بعض مسائل کے بارے میں متعدد اور مختلف اقوال ہوتے ہیں ، ان میں فی الحقیقت قوی اور راجح تو وہ ہوتا ہے جس کی دلیل زیادہ قوی ہو یا جس کو دوسرے ائمہ کا اتفاق زیادہ حاصل ہو۔ لیکن فتوے میں امت کی ضرورت اور سہولت کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے اس لئے بسا اوقات فتوی اس قول پر بھی دیدیا جاتا ہے جو دلیل کے لحاظ سے قوی نہیں ہوتا ، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں حالات کے تقاضے سے فتوی ایک قول پر دیا جاتا ہے اور دوسرے زمانہ میں حالات کے بدل جانے سے دوسرے قول پر فتوی دیا جاتا ہے ـــ "

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرات علمائے کرام و اصحاب فتوی کے لئے یقیناً اس کی بہت سی مثالیں ہوں گی ، نیز اس کی بھی بہت سی مثالیں ہوں گی کہ فقہ حنفی میں بہت سے مسائل میں کسی ضرورت اور داعیہ کی وجہ سے صاحبین رح کے قول پر فتوی دیا گیا ہے ۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

مُحدّثِ جَلِیل

علامہ محمد بدرالدین حسنی دمشقیؒ

ہندوستان کے ایک ممتاز عالم کی نگاہ میں

الفرقان کے گذشتہ شماروں میں جناب مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کا مفصل مضمون شائع ہوا ہے، جس میں عرب تذکرہ نگاروں کی تحریرات کے آئینہ میں علامہ محمد بدرالدین حسنی دمشقی کے احوال وکمالات کا تذکرہ ہے، اہل ہندوستان کی خوش نصیبی کہ یہاں کے بھی متعدد اہل علم وکمال کو حضرت علامہ کی خدمت میں حاضری کا شرف اور علامہ سے سند حدیث حاصل ہے ایسے لوگوں میں ایک نمایاں شخصیت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی متوفی ۱۳۶۰ھ[1] کی ہے، مولانا میرٹھیؒ نے اپنے

---

[1] مولانا عاشق الٰہی بن یاد الٰہی بن رحم الٰہی، میرٹھ کے مشہور اور قدیم زبیری کنبوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ۹ رجب ۱۲۹۸ھ/ جون ۱۸۸۱ء میں ولادت ہوئی، میرٹھ کے قومی مدرسہ میں تعلیم پائی سولہ سال کی عمر میں فارغ ہوئے، اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کا ــ باقی اگلے صفحہ پر

سفرنامہ "زیارۃ الشام والقدس مع سیاحۃ المصر والعراق" میں حضرت علامہ کا بہت والہانہ انداز میں نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، علامہ کے زہد وورع، اور فضل وکمال پر مولانا میرٹھی کی شہادت ایک بلند درجہ کی شہادت ہے، کیونکہ مولانا خود جید عالم تھے، اور ان کو ایسے متبحر اور جامع کمالات بزرگوں سے تلمذ استفادہ اور بیعت واسترشاد کا تعلق تھا جو اس زمانہ میں سلف صالحین کا نمونہ، اور آیت من آیات اللہ تھے — ان بزرگوں کا علم وفضل، تقوی وطہارت، توکل واستغنا، عزیمت واستقامت اور اتباع سنت بڑے بڑے اہل علم وصلاح کے علم وقیاس سے بڑھ کر اور اپنی مثال آپ تھا — مولانا میرٹھی نے ایسے ایسے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں اور ان کی مجالس علم ومعرفت کے حاضر باش تھے، مگر اس کے باوجود جب علامہ

امتحان دیا اور غیر معمولی کامیابی حاصل کی — ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرس مقرر ہوئے مگر ملازمت ترک کر کے وطن واپس آگئے تھے اور میرٹھ میں خیر المطابع کے نام سے ایک مطبع شروع کیا، اور تراجم اور تالیفات میں مشغول ہو گئے، قرآن شریف کا ترجمہ کیا، جو اردو کے اچھے ترجموں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کے بعد متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا اور بہت سی کتابیں تالیف کیں، تراجم میں فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مکتوبات غوثیہ جو توریت کی چالیس سورتوں کے عربی ترجمہ کا اردو لباس ہے۔ تبلیغ دین ترجمہ اربعین امام غزالی، تبریز ترجمہ ابریز حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ، الجواہر الزواہر ترجمہ البصائر فی تذکیر العشائر — اور تالیفات میں تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل۔ تاریخ اسلام وغیرہ بہت مشہور ہیں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے — اور حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ مدنی سے اجازت وخلافت پائی —

یکم شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ / ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء کو میرٹھ میں وفات ہوئی — مفصل معلومات کے لئے رجوع فرمائیے: مقدمہ الجواہر الزواہر ص۲ تا ص۸ (میرٹھ، ۱۳۴۳ھ) اور مقدمہ ارشاد الملوک از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص۲ تا ص۱۰ (سہارنپور: بلا سنہ)

حسنی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبان حال سے پکار اٹھے کہ : تو چیزے دیگری !»

مولانا میرٹھی کا دمشق کا یہ سفر جس میں علامہ حسنی سے ملاقات ہوئی، مولانا کے دورۂ عراق شام اور فلسطین کی پہلی منزل تھی ۔ مولانا مدینہ منورہ سے ریل کے ذریعہ دمشق پہنچے، اس وقت حجاز ریلوے رواں دواں تھی اور ہفتہ میں تین مرتبہ مدینہ منورہ سے دمشق جاتی تھی ۔ مولانا ادھر مدینہ پاک سے رخصت ہوئے، اور ادھر مولانا کا قلم چلا، زیارۃ الشام والقدس میں راستہ کی تمام ضروری معلومات واطلاعات قلمبند ہیں، یہاں ان کا تذکرہ غیر ضروری ہے ۔ تین دن کے سفر کے بعد دمشق پہنچے، اس موقع پر سفر نامہ شہر دمشق کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور کیوں نہ ہو، دمشق حرمین شریفین کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا مسکن ومدفن ۔ ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ اور علماء محدثین کی ابدی آرام گاہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا حامل وامین، اور تاریخ اسلام کے مدوجزر کا سب سے بڑا گواہ ہے ۔

دمشق کی عام حالت، طرز بود وباش، عام ضرورت کی چیزوں، کپڑا، استعمالی اشیاء کھانے پینے کے سامان، پھل پھول اور لوازمات کا ذکر ہے، پھر جامع اموی کا آنکھوں دیکھا حال درج ہے، اور آخر میں دمشق کے علماء صلحاء کا تعارف کرایا گیا ہے، اس میں سب سے پہلا، سب سے مفصل اور محبت بھرا تعارف علامہ حسنی کا ہے ــــ مولانا، جامع اموی ہوتے ہوئے قبۃ النسر میں علامہ حسنی کے درس میں حاضر ہوئے، اور حیران رہ گئے کہ وہ دمشق میں ہیں یا گنگوہ میں، علامہ حسنی کے روبرو ہیں یا حضرت رشید کی مجلس میں ۔ مولانا کا فرط تعجب سے گویا یہ حال تھا کہ :ـ

ایں کہ من بینم بہ بیداری است یا، یارب بخواب

کیوں کہ علامہ حسنی شکل وصورت، اخلاق وعادات، نشست وبرخواست، معمولات ومشاغل، اور تکلم وتدریس میں حضرت گنگوہی کا پورا پورا عکس اور مثنیٰ تھے ۔ اور

وہی عزت وہی عظمت وہی شان دلآویزی

کمال مشابہت یہ تھی کہ :

"جس طرح مولانا گنگوہی کی خدمت میں مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی خادم خاص بن کر بارہ برس رہے، اسی طرح شیخ بدرالدین کے پاس بھی بارہ ہی سال سے محمد یحییٰ نامی ایک جوان صالح مقیم ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کو سیرت و صورت میں مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی سے غایت تشابہ حال ہے، وہی جسم، وہی نقشہ، وہی صورت، وہی رنگ روپ وہی آزادانہ بے تکلف گفتگو، اور وہی عام مہمانوں کے ساتھ ہمدردی اور تلطف، وہی شیخ کے ساتھ راز و نیاز کی جرأت، اور وہی شیخ کی کمال محبت بھری نگاہ کے مدنظر، اور سازدار" [1]

مولانا میرٹھی نے خاصا وقت غالباً کئی مہینے علامہ حسنی کی خدمت میں گزارے، علامہ کے فیض صحبت اور مجالس درس سے مستفید و مستفیض ہوئے اور علامہ سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین بخاری و مسلم کی اجازت و سند حاصل کی۔ مولانا نے اپنے سفرنامہ اور دمشق پر اپنے مضامین میں علامہ حسنی کا بہت ہی شوق و محبت و سرشاری کے عالم میں تذکرہ کیا ہے اس کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ گویا محبت و اخلاص کا چشمہ ابل رہا ہے، اور مولانا عقیدت و احترام کے جذبات میں بہے چلے جا رہے ہیں ۔۔۔ عقیدت و احترام اور محبت و وارفتگی کا ایسا گہرا شدید تاثر مولانا میرٹھی کی تحریروں میں بہت کم دستیاب ہے، اور اسی سے علامہ حسنی کی قدر و منزلت اور ان سے مولانا کے دلی تعلق کا اندازہ ہو جاتا ہے

مولانا کی علامہ کے حلقہ درس میں باریابی، حلقۂ درس کی وسعت و جامعیت، علامہ کا انداز تفہیم و خطابت، وفور علم، حاضرین پر گہرے اثرات، گریہ و بکا کا منظر، تمام تفصیلات مولانا کی زبانی سنئے۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

"دمشق میں علماء و مشائخ بھی کثرت سے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شیخوخت اور بیعت کا سلسلہ یہاں ہندوستان کی طرح جہلاء کے ہاتھ میں

---

[1] زیارۃ الشام والقدس مع سیاحۃ المصر والعراق ص۵۴-۵۵ طبع اول (عزیز المطابع۔ میرٹھ) زیارۃ الشام کا دوسرا ایڈیشن مولانا میرٹھی کی تالیف زیارۃ الحرمین کی طبع ثانی میں حصہ دوم کے طور پر بھی شامل ہے۔

نہیں آیا، عموماً بیعت لینے والے مشائخ علما رہیں جو طالب کو بیعت کرتے اور اتباع شریعت محدیہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ درس وتدریس کا سلسلہ بھی خاص احتیاط اور پابندی کے ساتھ قائم ہے، علمار ربانی مساجد میں باوقات معینہ پوری پابندی کے ساتھ آکر بیٹھ جاتے ہیں، وہیں طلبہ حاضر ہوتے اور سبق پڑھتے ہیں، کبھی استاد پڑھتا اور سارے شاگرد سنتے ہیں اور کبھی شاگرد پڑھتا اور استاد سنتا ہے
اس تمہید کے بعد علمار شام کے سرخیل وپیشوا علامہ بدرالدین حسنی کے نظام الاوقات اور احوال ومصروفیات کا تذکرہ سے ملاحظہ ہو :-

علما روصلمار شام میں سب سے زیادہ مشہور شیخ بدرالدین ہیں، جو محدث کے نام سے مشہور ہیں، دمشق کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے، اور عام وخاص ان کو قطب وقت سمجھتے ہیں۔ ضعیف العمر بوڑھے شخص ہیں، قائم اللیل، صائم الدہر۔ دمشق کے مشہور مدرسہ دارالحدیث کے حجرہ میں مقیم ہیں، جو جامع اموی کے قریب واقع اور مسجد وخانقاہ کا مجموعہ ہے، نہایت سادہ درویشانہ گذران ہے چونکہ مجاہدہ وریاضت بہت کرتے ہیں اس لئے ناتوان دکمزور بھی زیادہ ہیں رات کے چوبیس گھنٹہ میں شاید پانچ گھنٹے بھی نہ سوتے ہوں۔ سال بھر میں بجز ایام ممنوعہ کے کوئی دن روزہ سے خالی نہیں جاتا۔ اشراق تک مراقبہ اور خلوت میں رہتے ہیں، اس کے بعد تین چار گھنٹے تک درس دیتے ہیں۔ دوپہر کو قیلولہ کرتے، اور بعد ظہر پھر درس میں مشغول ہو جاتے ہیں کم گو ہیں۔ زیادہ وقت اس چھوٹے سے حجرہ میں گزرتا ہے جو حجرہ درحجرہ بنا ہوا ہے۔
ان کے شاگرد عموماً علمار اور دوسری جگہ کے فارغ التحصیل، یا قریب التکمیل طلبہ ہوتے ہیں، بلا روک ٹوک جو کوئی بھی آئے باریاب ہوتا ہے، اور اخلاق نبویہ کے نمونے سے مستفیض ہوتا ہے۔ مقدس علم حدیث کے گویا حافظ ہیں، ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ جامع اموی میں چالیس حدیث کا ترجمہ مع تفسیر و شرح ونکات بیان کرتے ہیں، جس میں بہ کثرت مخلوق شریک ہوتی ہے

نہایت حسین اور نورانی چہرہ کے قابل زیارت بزرگ اور سلف کا نمونہ ہیں بدعات سے غایت درجہ متنفر اور سنت مصطفویہ کے کمال درجہ محب وشیدا بلکہ جاں نثار عاشق ہیں ۔

امراء وحکام، فقراء وصلحا، مشائخ ودراویش، علماء ومناقی غرض عوام وخواص سب کے نزدیک مقتدرا اور جامع بین الشریعت والطریقت مسلّم شیخ ہیں ۔ دور دور سے مخلوق زیارت کے لئے حاضر ہوتی ہے، اور دعائیں لے کر واپس جاتی ہے، الحمدللہ بندہ بھی ان کی زیارت سے مشرف ہوا، نہایت شفقت سے پیش آئے، دعائیں دیں، اور علمی تذکرہ کے بعد کمالِ انس، اور کریمانہ اخلاق سے نوازا، حدیث مسلسل بالاولیۃ کی خصوصًا اور دیگر اوراد ومعمولات وجملہ احادیث کی عمومًا اجازت عطا فرمائی، اور اسناد[1] تام لکھ کر مزین بمہر کرکے حوالہ کی ۔

---

[1] یہ اجازت وسند صفر ۱۳۲۹ھ میں حاصل ہوئی ۔ مولانا میرٹھی نے الاوائل السنبلیہ تالیف شیخ محمد سعید بن محمد سنبل کی شافعی میں جن کو مولانا میرٹھی نے اوائل الاربعین کے نام سے شائع کیا تھا، اپنی تمام سندات کا تذکرہ کیا ہے اس میں چوتھی سند علامہ بدرالدین حسنی سے ہے، اس کا تکملہ ہی :-

ثم لما سافرت الی بلاد الشام بعد زیارت بیت الحرام وروضة سید الانام علیه الصلوة والسلام فی شهر صفر سنة ۱۳۲۹ھ اجازنی بالمعقول والمنقول من فروع واصول والاحادیث الشریفة والآثار المنیفه الامام الهمام قطب زمانه وشمس الهدایة فی زمانه الشیخ بدرالدین الدمشقی المقیم بدار الحدیث فی جوار الجامع الاموی، وکتب لی الاجازة مع اسانیده المتصلة الی الشیخین

ص۳ (حمید برقی پریس دہلی ۔ بلا سنہ)

بندہ ان بزرگ سے زیادہ مانوس اس لئے ہوا کہ جس طرح سیرت و اخلاق ومعمولات اور طرزِ معاشرت میں ان کو اپنے شیخ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہٗ کے مشابہ پایا، اسی طرح صورت وشکل اور ہیئت جسمانی میں بھی کمال درجہ دونوں کو مماثل دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ دمشق گویا گنگوہ ہے اور شیخ بدرالدین محدث گویا مولانا رشید احمد محدث۔ مشابہت تامہ ایک وہبی امر ہے جس میں اکتساب کو دخل نہیں، اور کیا عجب ہے کہ اقطاب ارض میں صورۃً بھی مشابہت ہوا کرتی ہو؟ —[1]

اس کے بعد مولانا میرٹھی نے علامہ حسنی کے صاحب سر، اور خادم خاص شیخ محمد یحییٰ، اور حضرت گنگوہی کے خلوت وجلوت کے خادم خاص اور رازداں مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی میں خلقاً وخلقاً ایسی مکمل اور بہ ہمہ جہت مصوّر مشابہت کا تذکرہ کیا ہے جیسے وہ دونوں صاحبان ایک دوسرے کا آئینہ ہوں۔ یہ عبارت اوپر گزر گئی ہے، مگر قندِ مکرر کے طور پر ایک بار پھر تازہ کر لیجئے :—

"جس طرح مولانا گنگوہی کی خدمت میں مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی خادم خاص بن کر بارہ برس رہے، اسی طرح شیخ بدرالدین کے پاس بھی بارہ سال سے محمد یحییٰ نامی ایک جوان صالح مقیم ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کو سیرت وصورت میں مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی سے غایت تشابہ حاصل ہے، وہی جسم وہی نقشہ، وہی صورت، وہی رنگ روپ، وہی آزادانہ اور بے تکلف گفتگو اور وہی عام مہمانوں کے ساتھ ہمدردی وتلطف، وہی شیخ کے ساتھ رازونیاز کی جرأت، اور وہی شیخ کی کمال محبت بھری نگاہ کے مدنظر، اور رازدار اس کمال مشابہت کے سبب بندہ جس وقت دارالحدیث میں حاضر ہوا محظوظ ومسرور ہونے کے ساتھ ہی متحیر ومبہوت رہ جاتا تھا حق تعالیٰ ان کو تا دیر قائم رکھے اور مخلوق کو مستفع فرمائے"[2]

---

[1] زیارۃ الشام والقدس ص۵۴ ص۵۵ — [2] زیارۃ الشام والقدس ص۵۵ ص۵۶

سفر نامہ لکھتے وقت یہ بات مولانا کے ذہن سے نکل گئی تھی یا اس میں کچھ شبہ تھا کہ یہ عمارت جو اس وقت علامہ حسنی کے درس حدیث کی وجہ سے مرجع خلائق ہے وہی قبۃ النسر[1] ہے جو علامہ نووی کا دار الحدیث تھا اور یہی ایوان علم و معرفت ہے جو صدیوں سے جلیل القدر محدثین کرام کی جلوہ گاہ اور رجال علم و عمل کے نقش پا سے مشکبار و ضو فشاں رہا ہے

---

[1] فاضل مضمون نگار کو اس جگہ مغالطہ ہو گیا ہے، قبۃ النسر اور دار الحدیث الاشرفیہ کو ایک ہی جگہ سمجھ رہے ہیں۔ قبۃ النسر جامع اموی دمشق کا ایک گنبد (قبہ) ہے۔ دمشق کی جامع اموی میں قبۃ النسر کے نیچے نماز جمعہ کے بعد عالم اسلام کا کوئی ممتاز ترین محدث درس دیا کرتا تھا، گیارہویں صدی ہجری سے یہ سلسلہ شروع ہوا، شیخ عبدالرزاق البیطار نے حلیۃ البشر کی جلد اول میں ان محدثین کی فہرست پیش کی ہے جنھوں نے قبۃ النسر کی مسند کو رونق بخشی آخر میں علامہ بدر الدین حسنیؒ اس مسند پر رونق افروز ہوئے

دار الحدیث الاشرفیہ جامع اموی سے کچھ فاصلہ پر حدیث کی قدیم ترین درسگاہ تھی، جہاں علامہ بدر الدین حسنی کا روزانہ درس ہوا کرتا تھا علامہ کرد علی خطط الشام جلد سادس میں لکھتے ہیں:

"دار الحدیث اشرفیہ کی تعمیر الملک الاشرف موسیٰ ابن عادل نے ۶۳۰ھ میں مکمل کرائی، دار الحدیث میں جن ممتاز ترین علماء و محدثین نے درس حدیث دیا ہے ان میں چند کے نام یہ ہیں ابن الصلاح، ابو شامہ، نووی، ابن الزملکانی، حافظ مزی، سبکی، ابن کثیر ——— تیرہویں صدی کے آخر میں یہ مدرسہ حوادث کا شکار ہو گیا علامہ بدر الدین حسنی کے والد شیخ یوسف بیابانی مغربی نے اسے پھر مدرسے کی شکل دی اور درس و تدریس کا بازار گرم کیا، ان کے بعد ان کے فرزند شیخ بدر الدین حسنی نے اس درگاہ کو آباد کیا ۱۳۳۰ھ میں اس مدرسہ کی عمارت نذر آتش ہوئی پھر اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور کسی نہ کسی طرح درس کا سلسلہ جاری رہا ——— ادارہ

جہاں کبھی علامہ تقی الدین سبکی اس امید پہ جابجا سجدے کرتے رہتے تھے کہ شاید میری پیشانی اس جگہ سے چھو جائے جہاں علامہ نووی کے قدم پڑے ہیں، اور یہی خاک شفا میری نجات و مغفرت کا پروانہ بن جائے۔

"زیارۃ الشام والقدس" کی طباعت کے کئی سال بعد جب مولانا میرٹھی مصر شام اور عراق کے دوسرے سفر پر نکلے اور دوبارہ دمشق پہنچے تو حیران و غمگین تھے اس دمشق میں جو مولانا نے چودہ سال پہلے دیکھا تھا جو ترکوں کے زیر نگیں تھا اور اس دمشق میں جو فرانس کے پنجۂ استبداد میں جکڑا ہوا تھا کھلا فرق نظر آیا، نہ وہ رونق تھی نہ وہ شادابی و تروتازگی مگر دو چیزیں ایسی تھیں جو بظاہر جوں کی توں اور حالات سے غیر متاثر معلوم ہو رہی تھیں ایک جامع اموی اور دوسرے علامہ حسنی۔

جامع اموی پتھروں کی بے جان ساکت و جامد عمارت تھی جس کو لب گویا اور قدرت کلام حاصل نہیں تھی لیکن اگر اس کو بولنے کی اجازت ہوتی تو وہ بھی اپنے عیش و الم کی کہانی سناتی، دل کے داغ اور یادوں کے چراغ روشن کرتی۔ ناپاک قدموں سے آلودگی کا گلہ کرتی۔ غیروں کے ظلم و ستم اور اپنوں کی غفلت کی صدا لگاتی۔ لیکن حضرت علامہ حسنی کی زبان پر گلہ تھا نہ لبوں پر فریاد۔

علامہ حسنی بظاہر کمزور اور نحیف و نزار نظر آتے تھے، لیکن وہ عزم و استقامت کے پیکر غیر معمولی عزم و حوصلہ اور آہنی کردار کے انسان تھے، وہ ایسے ناساعد حالات میں بھی دامن بہ گل، اور تبسم بہ لب قال اللہ کذا، وقال الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کذا کی صدا لگا رہے تھے، وحشت و بربریت کے طوفان آئے، ملک تاراج ہوئے، حکومتیں بدل گئیں، مگر علامہ کا وہی شیوہ رہا جو زمانۂ امن و عافیت میں تھا۔ بلاشبہ یہ صدمات اور امت مسلمہ پر آنے والے پے بہ پے حوادث و آفات علامہ کے دل کا زخم اور جگر کا ناسور بن گئے ہوں گے، لیکن زبان پہ ہر وقت ترانۂ حمد، اور نغمات صبر و شکر رقصاں تھے

مولانا نے دیکھا کہ علامہ کی تمام مصروفیات اور اشغال و معمولات اسی طرح چل رہے

ہیں جس طرح مولانا پہلے سفر کے موقع پر دیکھ کر گئے تھے، حالات کے پیچ وخم اور ظلم وجبر کی قاہرانہ قوتیں علامہ پر سر مو اثر ڈالنے میں بھی ناکام رہیں اور یہی وہ بے مثال عزیمت واستقامت ہے جس کو کرامت سے بڑھ کر مانا گیا ہے۔

مولانا میرٹھی نے اس دوسرے سفر سے واپسی کے بعد "متبرک شہر دمشق کے دلکش حالات" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا[۱]، اس میں بھی علامہ حسنی کا بہت مفصل تعارف کرایا ہے اس مضمون کے مفصل اقتباس کے لئے چند لمحے انتظار فرمایئے اور یہاں صرف وہ عبارت پڑھ لیجئے جس میں مولانا نے صراحت کی ہے کہ علامہ جس جگہ درس دیتے ہیں یہ وہی قبۃ النسر ہے جو امام نووی کے درس حدیث کی وجہ سے شہرہ آفاق اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:-

"مسجد اموی سے تقریباً دو سو قدم پر وہ مشہور دار الحدیث جو علامہ نووی شارح مسلم کی درسگاہ تھی، اور اسی کے بالائی حجرہ میں علامہ ممدوح کا قیام تھا یہ حجرہ اب بند رہتا ہے، اور کوئی مشہور عالم آتا ہے تو اس کے قیام کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ حجرہ کی دیوار پر جلی قلم سے یہ رباعی لکھی ہوئی ہے۔

وفی دار الحدیث لطیف معنی　　اصلی فی جوانبها وآوی

عسانی ان امس بحر وجهی　　مکانا مسه قدم النواوی

(ترجمہ: دار الحدیث میں ایک عجیب خوبی ہے، میں اس کے اطراف میں اس لئے نماز پڑھتا اور بیٹھتا ہوں کہ شاید اپنے منہ کو اس جگہ سے مس کر سکوں جس پر علامہ نووی کے قدم پڑتے تھے)

اس وقت دار الحدیث کے مدرس علامہ سید بدر الدین محدث ہیں، جن کا زہد، اتقا اور کمال اتباع سنت مشہور ہے۔"[۲]

---

[۱] یہ مقالہ ماہنامہ القاسم دیوبند میں قسط وار چھپا ہے، پہلی قسط جمادی الاخری سنہ ۱۳۴۴ھ میں نکلی، اور بعد کے متعدد شماروں میں شائع ہوا، اس مضمون کی ابتدائی تین قسطیں جمادی الاخری، رجب شعبان راقم سطور کے پیش نظر ہیں، بعد میں کتنی قسطیں اور نکلیں اور کب اس کی تکمیل ہوئی مجھے معلوم نہیں۔

[۲] ماہنامہ القاسم دیوبند ص۷ شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ۔

مولانا میرٹھی کے اس مضمون "دمشق شہر کے دلکش حالات" میں علامہ حسنی کی مشغولیات و معروفیات کی کچھ ایسی تفصیلات بھی قلم بند ہوگئی ہیں جو "زیارۃ الشام والقدس" میں موجود نہیں ہیں، مولانا کی یہ تحریر علامہ کی سیرۃ و کردار کے متعدد پہلوؤں کا اس طرح احاطہ کر رہی ہے کہ حضرت علامہ کے چہرہ بشرہ اور لیل و نہار کے نظام الاوقات کی جیتی جاگتی تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے ۔ مولانا کی یہ تحریر بتا رہی ہے کہ متبع سنت بزرگ اور علماء سلف کی کیا شان، کیا کیفیت اور ان کی زندگی کس طرح کی ہوتی ہے، علماء کا کیا طریقہ اور کردار ہونا چاہیئے وہ کیسے عفیف، قانع اور متوکل ہوتے ہیں، اور ان میں اخلاق تواضع، محبت و شفقت، خدمت دین اور اتباع سنت کے جذبات کیسے گہرے اور پختہ ہوتے ہیں، وہ کیسی کیسی مشقتیں برداشت کر کے اور تنگی اٹھا کر حدیث و سنت کی دولت عام فرماتے ہیں ___ مگر آج اس کردار و مزاج کا فقدان ہے اور اخلاص وللہیت کی یہ مثالیں کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہیں کاش ! ایسا نہ ہوتا ۔ ___ مولانا میرٹھی کے الفاظ میں علامہ حسنی کا ایک اور تعارف درج ذیل ہے :-

"حضرت ممدوح صائم الدہر اور قائم اللیل ہیں کہ دو ڈھائی گھنٹہ سے زیادہ پہلو خوابگاہ سے نہیں لگتا، ہر وقت یا درس میں رہتے ہیں یا مطالعۂ کتب میں یا مراقبہ و ذکر لسانی میں، مکان کچھ فاصلہ پر ہے مگر صبح صادق سے کچھ قبل دار الحدیث میں تشریف لے آتے ہیں، اسی مسجد میں اول وقت غلس کے اندر نماز فجر پڑھتے، اور پھر اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے جاتے ہیں اشراق سے فارغ ہو کر حجرہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور طلبہ بلکہ دوسری جگہ کے فارغ التحصیل علماء حاضر خدمت ہو جاتے ہیں ۔ دو ڈھائی گھنٹے درس دیتے اور پھر ذکر و شغل میں مشغول ہونے کے لئے حجرہ بند کر لیتے ہیں، ظہر کے بعد پھر درس ہوتا ہے ، اور عصر کی نماز پڑھ کر مکان تشریف لے جاتے ہیں، روزہ افطار کر کے بعد مغرب پھر مکان ہی پر تفسیر کا درس ہوتا ہے اور اس میں چالیس پچاس علماء و طلبہ کا اجتماع ہوتا ہے ، دو گھنٹہ کامل

درس دیتے اور مجمع کو مبہوت و متحیر بنا دیتے ہیں۔ چونکہ حدیث کے حافظ ہیں اس لئے اکثر ایک آیت کی تفسیر میں وقت ختم ہو جاتا ہے، کہ بیسیوں احادیث مع اسناد و استدلال میں پڑھتے اور تحقیق معنی و مضمون کے بعد بصورت وعظ مبسوط تقریر فرماتے چلے جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مجمع پر گریہ طاری ہو جاتا، اور بعض غش کھا کر گر پڑتے ہیں درس سے فارغ ہو کر انھیں علماء و تلامذہ کے ساتھ نماز عشا ادا کرتے اور پھر اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے جاتے ہیں، اہل و عیال بحمد اللہ سب اہل مگر استقامت کی نعمت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ معمولات لیلیہ و نہاریہ میں فرق نہیں آتا۔

اتباع سنت کے شیدا ہیں، اس لئے اس تذکرہ سے محظوظ اور اسی کو سن کر مسکراتے اور مسرور ہوتے ہیں، امامتِ نماز اور بیعت سے گھبراتے ہیں، ہاں کسی کو ورد یا وظیفہ تعلیم کرتے ہیں تو وہی جو حدیث میں منقول ہے متوکلانہ گذران ہے، اور تفویض و رضا و تسلیم مخصوص شان' بہت کم کھاتے اور بہت کم بولتے ہیں۔ سیاسی و ملکی قصوں سے وحشت ہوتی، اور کوئی ادھر ادھر کے تذکرے شروع کردے تو روک دیتے ہیں خلاف شرع امر کو دیکھ نہیں سکتے۔

عمر شریف ساٹھ برس کے قریب ہے مگر کثرت مجاہدہ کی وجہ سے قویٰ ضعیف ہو گئے، اور کمر جھک گئی، عصا لے کر چلتے اور نظر جھکاتے ہوئے راستہ قطع کرتے ہیں، مجسم نور ہیں اور نہایت خوبصورت۔ جمعہ کے دن جامع اموی میں چالیس حدیث کا ترجمہ بصورت وعظ سنانے کا عرصہ سے معمول ہے" [۱]

---

[۱] القاسم دیوبند ص۸ شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ

دمشق کے دوسرے سفر کے دوران مولانا میرٹھی کو اطلاع ملی کہ جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد کا ایک خطی نسخہ علامہ حسنی کے کتب خانے کی زینت تھا۔ مولانا نے اس نسخہ سے استفادہ کے لئے علامہ موصوف سے عرض کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نسخہ علامہ شیخ خالد کردی کی تحقیقات وتصحیحات سے مزین، اور ان ہی کے موقلم کی یادگار تھا جنگ کے زمانہ میں آتش زنی سے راکھ ہوگیا۔ اس حادثہ میں علامہ حسنی کا پورا کتب خانہ تلف ہوگیا تھا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ حسنی کی تصنیفات دستیاب نہیں ـــــ لیکن علامہ حسنی کو اپنے کتب خانہ کے ضائع ہونے کا اتنا افسوس نہیں تھا جیسا اس کتاب کے فقدان کا ـ بقول مولانا میرٹھی، علامہ حسنی کا ارشاد ہے

"اس سے بھی زیادہ جل جاتا مگر وہ کتاب بچ جاتی تو مجھے مطلق رنج نہ ہوتا اور سب کچھ بچ جاتا مگر وہ کتاب جل جاتی تو اتنا ہی قلق ہوتا جتنا اب ہے"[1]

مگر حسن اتفاق ہے کہ اس کی ایک نقل کرلی گئی تھی جو نواح دمشق میں مولانا شیخ محمود بن رشید العطار[2] کے ذخیرہ میں محفوظ تھی، علامہ حسنی نے اس نقل کی جانب رہنمائی فرمائی، بعد میں علامہ حسنی کی حسن توجہ سے یہ نقل مولانا کو مستعار مل گئی اور مولانا کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مولانا میرٹھی اس نسخہ کو ہندوستان لائے اس کی نقل اور تصحیح ومقابلہ میں مصروف تھے کہ جمع الفوائد کے ایک اور نسخہ کی نوید ملی جو پیر جھنڈا، مولانا شاہ احسان اللہ کے نادر روزگار کتب خانہ میں موجود تھا پیر صاحب کی عنایت فرمائی نے اس نسخہ سے استفادہ کی اجازت بخشی، تو مولانا نے نسخہ دمشق اور نسخہ حیدرآباد دونوں کی مدد سے ایک نیا اور زیادہ صحیح نسخہ مرتب کیا جس کی دستیاب اصل ماخذ سے مطابقت اور تصحیح

---

[1] شہر دمشق کے دلکش حالات ص۸ ص۹ ماہنامہ القاسم۔ دیوبند شعبان ۱۳۴۴ھ

[2] شیخ محمود بن رشید العطار، علامہ حسنی کے شاگرد، اور علامہ شیخ حسن حبنکہ وغیرہ کے استاد تھے ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں دمشق میں وفات پائی۔ مفصل معلومات کے لئے رجوع فرمایئے: معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ ص۱۶۳ ج ۱۲ (بیروت) نیز ملاحظہ ہو: الاعلام، خیرالدین زرکلی ص۱۶۹ ج ۷ (بیروت: ۱۹۶۹ء)

ی گئی تھی، دو سال کی محنت و جستجو کے بعد تصحیح کا عمل مکمل ہوا، اور جمع الفوائد، مولانا میرٹھی
ذاتی مطبع خیریہ میرٹھ سے عروس جمیل بہ لباس حریہ کا نمونہ بن کر برآمد ہوئی، یہ نسخہ دو
بلدوں میں ٹائپ پر چھپا تھا[1] جو بہت مقبول ہوا، اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ تقریباً پچاس
ل تک یہی واحد ایڈیشن تھا، ادھر دس بارہ سال کے عرصہ میں جمع الفوائد کے متعدد
یڈیشن مدینہ منورہ، بیروت، لاہور، اور دیوبند وغیرہ سے شائع ہوئے ہیں مگر یہ سب
خہ میرٹھ کے ری پرنٹ REPRINT ایڈیشن ہیں، ابھی تک کوئی نیا تحقیقی ایڈیشن نہیں چھپا
آخر میں بعض اور ہندوستانی اہل کمال کا تذکرہ جو علامہ حسنی کی ملاقات اور فیض صحبت
سے بہرہ یاب ہیں۔ مثلاً مولانا عبدالقدیر حیدرآبادی[2] اور پروفیسر محمد الیاس برنی[3]۔ یہ
ونوں صاحبان مولانا میرٹھی کے سفر دمشق کے تین سال بعد سنہ ۱۳۵۱ھ میں دمشق پہنچے
ور علامہ کی مجلس میں حاضر ہوئے، علامہ حسنی نے حسب معمول شفقت و کرم سے نوازا،
صوصاً مولانا عبدالقدیر کا بہت اکرام فرمایا، پروفیسر برنی کے سفرنامہ "صراط الحمید"
یں اس موقع کی یادداشت محفوظ ہے، برنی صاحب لکھتے ہیں :-

"مساجد و مدارس آباد ہیں، اچھے اچھے علماء موجود ہیں۔ خاص کر حضرت علامہ
بدرالدین صاحب مدظلہ اپنے زمانہ کے بڑے جید عالم مانے جاتے ہیں، صدہا

---

1. یہ معلومات جمع الفوائد ص ب ج ۱ (میرٹھ : ۱۳۴۵) تذکرۃ الخلیل تالیف مولانا میرٹھی ص ۲۸۳، ۲۸۴ (سہارنپور : ۱۳۹۵ھ) اور محولہ بالا مضمون شہر دمشق کے دلکش حالات سے ماخوذ ہیں۔

2. مولانا عبدالقدیر حیدرآبادی متوفی سنہ ۱۳۸۱ھ / مارچ ۱۹۶۲ء۔ نزہۃ الخواطر ص ۲۸۸ ص ۲۸۹ ج ۸ (حیدرآباد ۱۳۹۰ھ) نیز دیکھئے صراط الحمید ص ۳۰۵ تا ص ۳۱۰ ج ۱ طبع دوم (حیدرآباد - ۱۳۵۸ھ)

3. پروفیسر محمد الیاس برنی بلند شہر (یوپی) کے باشندے، علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ایم اے ایل ایل بی اور نامور ماہر معاشیات تھے جامعہ عثمانیہ میں شعبہ معاشیات کے صدر مقرر ہوئے۔ معاشیات پر اعلیٰ درجہ کی تصنیفات یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ، ادب شاعری تصوف اور مختلف موضوعات پر چالیس کتابیں یادگار ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول اور قابل قدر کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" ہے جو قادیانیت کے کذب و افترا کا آئینہ اور اس موضوع پر حرف آخر ہے پروفیسر برنی کے خود نوشت حالات کیلئے مطالعہ فرمائیے "صراط الحمید" ص ۳۱۵ تا ۳۵۱ حصہ اول طبع دوم

علماء ممالک اسلام سے آکر حضرت کے درس میں شریک ہوتے ہیں۔ تفسیر اور حدیث حضرت کا خاص مضمون ہے۔ دیکھنے کو ضعیف اور سن رسیدہ ہیں لیکن ہمت جوان ہے۔ تعلیم سے از حد دلچسپی ہے، شب و روز یہی مصروفیت رہتی ہے، حضرت کی توجہ سے کئی عربی مدارس آباد ہیں، عوام و خواص امیر غریب سب حضرت کا احترام کرتے ہیں، عقیدت کا دم بھرتے ہیں حضرت کا اثر دیکھ کر حکومت فرانس بھی دبتی ہے، بہت لحاظ اور ادب کرتی ہے۔

ہم لوگوں پر حضرت کی بہت خاص شفقت عنایت رہی، اور حضرت مولینا عبدالقدیر مدظلہ کی تو ایسی قدر شناسی فرمائی کہ دمشق کے تمام علماء میں چرچا ہو گیا کہ ہندوستان سے ایک بڑا عالم آیا ہے، ایسی صحبت کہاں نصیب ہوتی ہے جو کچھ استفادہ کریں غنیمت ہے، لیکن قیام بہت مختصر تھا، سب کی زبان پر تھا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد[1]

اگر تلاش کیا جائے تو اس عہد کے شام کے اکثر سفرناموں میں حضرت علامہ کا تذکرہ ملے گا، جس میں یقینا بعض اطلاعات ایسی بھی ہوں گی جن کا علامہ کے تلامذہ اور سوانح نگاروں نے ذکر نہیں کیا ہوگا۔

---

[1] مراط الحمید در سفرنامہ حجاز، شام، عراق، فلسطین وغیرہ، صفحہ ۱۱ سنہ ۱۶ جلد اول (حیدرآباد طبع دوم ۱۳۵۸ھ)

چند وقیع مطبوعات
نماز کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات
از عبد الباسط قریشی
نماز کی اہمیت اور افادیت پر ایک مختصر مگر مفید و موثر رسالہ جس میں نماز کے اجتماعی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور انسانی زندگی پر اس کے دور رس اور دیرپا انقلابی اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے ـــ مصنف کے اخلاص نے اس رسالہ میں ایک خاص کشش پیدا کردی ہے، زبان سادہ و دلکش بیان دلچسپ و موثر۔ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ـــــ صفحات ۵۲ (رسالہ انگریزی اور ہندی میں بھی دستیاب ہے)
اردو قیمت 8/- ، ہندی 5/- ، انگریزی 5/-
زاد کارواں
سب ضروری دعاؤں کا دلآویز مجموعہ
از محمد اسعد القاسمی
الاخوان المسلمون کے بانی اور عصر حاضر کے عظیم داعی اسلام شیخ حسن البنا شہیدؒ کے مرتبہ "مجموعہ ادعیہ" کا سلیس اردو ترجمہ جس میں دعا کی اہمیت و ضرورت بتانے کے ساتھ مسنون اور قرآنی دعاؤں کا خصوصی انتخاب کیا گیا ہے۔ ایک ایسا مجموعۂ دعا جس سے استفادہ کرنا ہر مومن کے لئے ضروری ہے اور جس کا تعلق انسانی زندگی کے اہم پہلوؤں سے ہے
صفحات ۱۰۸ ۲۰×۳۰/۱۲ قیمت دس روپے
اسلام کا پیغام نوع انسانی کے نام
از عبد الباسط قریشی
انسانی نقطۂ نظر سے اسلام کی حیات آفریں تعلیم و پیغام کا تعارف اسلام کے بنیادی عقائد و عبادات کے اسرار و رموز، توحید رسالت و آخرت کا عام فہم اور دلنشیں بیان اور عصر حاضر کے حیران و پریشان انسان کے مشکلات و مسائل کا اسلامی حل، اور موجودہ ذہن و فکر کو متاثر کرنے والی کتاب جو مسلم و غیر مسلم سب کے کام کی ہے ـــ صفحات ۱۲۸ ۱۸×۲۲/۸ رعایتی قیمت 20/- (انگریزی ایڈیشن زیر طبع)
انسان اور اس کا مستقبل
از عبد الباسط قریشی
انسان کے حال سے مطمئن ہوجانے والوں کیلئے درس عبرت و بصیرت اور دنیوی زندگی تک محدود ہوجانے والوں کیلئے تازیانۂ عبرت "آخرت" یا انسان کے انجام و مستقبل پر غور و فکر اور اس کی تیاری کیلئے ایک رہنما اور فکر انگیز کتاب جو اپنے یقین آفریں اسلوب اور ایمان پرور انداز کے لئے امتیاز خاص رکھتی ہے۔ صفحات ۵۲ قیمت 8/-
ان تمام رسالوں میں حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ کے قیمتی تاثرات بھی شامل ہیں
ملنے کا پتہ:- مکتبہ دار العلوم الاسلامیہ - بستی - یوپی

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No LW/NP-62
Vol 54 No. 6-7
July 1986

سرپرست

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر

خلیل الرحمن سجاد نعمانی

Rs. 3/-

AUG. 1986

جلد-۵۴ شمارہ-۸
اگست سنہ ۱۹۸۶ء
مطابق
ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۶ھ

فہرست مضامین

یہ شمارہ -/۳
سالانہ چندہ
برائے ہندوستان ———— -/۳۰
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک -/۵۰ (-/5 £) ————
ہوائی ڈاک -/۱۶۰ (-/۱۴ £)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا

خط وکتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر :- ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ۔
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :
ادارہ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر وپبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی — لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اوّلیں

———— حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

یوسف بھائی مرحوم مغفور

یہ عاجز راقم سطور ۱۹۴۳ء کے اواخر میں بریلی سے منتقل ہو کر لکھنؤ آیا، ان دنوں ایک صاحب نظر پڑتے تھے سفید کھدر کا چوڑے پائنچے کا پاجامہ، سفید کھدر ہی کا بنگالی کرتا، سر پہ کھدر ہی کی گاندھی کیپ، داڑھی مونچھ سب صاف، کندھے پر کھدر کا ایک تھیلا جو اس زمانہ میں سرگرم کانگریسی ورکروں کی علامت تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے ۲-۳ سال تک ان پہ صرف نظر ہی پڑتی رہی۔ ملاقات یا بات چیت کی نوبت نہیں آئی ——— یہ معلوم نہیں کہ اس زمانہ میں نماز روزہ کی پابندی انھیں نصیب تھی یا نہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید نہ ہوگی۔ ورنہ کسی مسجد یا کسی دینی اجتماع میں کبھی ان سے ملاقات ہوئی ہوتی۔ وہ اکثر امین آباد کے علاقہ ہی میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ اس زمانہ میں "الفرقان" کا دفتر اسی علاقہ میں تھا ——— کچھ دن بعد بعض واقفین سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب یوسف بھائی کہلاتے ہیں، مخلص اور سرگرم قسم کے کانگریسی ہیں، شریف اور منکسر مزاج آدمی ہیں۔ اور بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں، غریبوں بے کسوں کے کام آتے ہیں۔

پھر جب ملک کی آزادی کے فیصلہ کے بعد کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو میرے علم میں ہے کہ بہت سے ایسے مخلص کانگریسیوں کو جو توقع رکھتے تھے کہ ملک میں غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کی حکومت قائم ہوگی اور وہ ٹھاٹ باٹ بالکل نہ رہیں گے جو انگریزی دور حکومت میں کوٹھی بنگلہ والے "صاحب لوگوں کے" تھے،

کانگریس کی حکومتوں اور ان کے وزیروں کے طور طریقوں کو دیکھ کر سخت بددلی اور مایوسی پیدا ہوئی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ تبدیلی صرف یہ ہوئی ہے کہ کچھ بڑے لیڈروں نے (باستثنائے مستثنیات) انگلے صاحب لوگوں" کی جگہ حاصل کرلی ہے۔ انھیں یہ صورتحال دیکھ کر جو ان کی توقعات اور آرزوؤں کے بالکل خلاف تھی، شدید مایوسی ہوئی۔ ایسے لوگوں میں سے کچھ باہمت، با اصول لوگوں نے اپنی ذات کے بارے میں طے کرلیا کہ کم از کم وہ اپنے کو کانگریسی حکومتوں کے ذریعہ نفع اندوزی سے دور رکھیں گے۔ اور اس بہتی گنگا میں ہاتھ نہ دھوئیں گے۔ یہ بات ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ہمارے یہ یوسف بھائی انھیں مخلص اور اصول پسند لوگوں میں سے تھے۔

اسے اللہ کی توفیق کہیئے یا اس کی عجیب و لطیف تدبیر کا نمونہ، کہ شاید یہی بددلی اور مایوسی ان کی زندگی میں تبدیلی کا سبب بنی۔ ۱۹۵۰ء میں میری کتاب "اسلام کیا ہے؟" پہلی دفعہ اس شکل میں طبع ہوئی جس صورت میں وہ اب تک طبع ہو کر شائع ہو رہی ہے۔ وہ کسی طرح ان کی نظر سے گذری۔ اس کے بعد وہ اس عاجز سے ملے۔ یہ میری ان کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد سے ان کا مستقل معمول بن گیا کہ وہ کتب خانہ "الفرقان" سے "اسلام کیا ہے" کے نسخے خرید کر، چل پھر کر، اور خاص کر اپنے حلقۂ تعارف میں دوکان دوکان اور گھر گھر بلکہ گاؤں گاؤں جا کر اسے لوگوں تک پہونچاتے اور اس کے مطالعہ اور اس پر عمل کا شوق دلاتے اور راقم سطور کے علم میں ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے جن کو وہ بلا قیمت بھی کتاب دے دیتے اور اپنے اس خسارہ کو ہی نفع کا سودا سمجھ کر راضی، مطمئن اور خوش رہتے۔

اس کے کچھ بعد سے ان کی شکل و صورت بھی بدلتی گئی اور دین سے ان کا قلبی و عملی تعلق بھی بڑھتا گیا اور اسی حساب سے اس عاجز کے اور ان کے درمیان مخلصانہ تعلق میں بھی اضافہ ہوتا گیا ــــــ ان میں پہلے ہی سے سادگی، خدمتِ خلق، انسانیت کے احترام، جفاکشی اور محنت کوشی کے اوصاف موجود تھے ان کے ساتھ جب دین اور فکرِ آخرت کی روشنی ملی تو نورٌ علیٰ نور کا منظر سامنے آگیا اور اس راہ میں وہ تیز رفتاری سے چلتے رہے۔

پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حج اور مدینہ منورہ، مسجد نبوی اور روضۂ اقدس پر حاضری کی توفیق ملی۔ یہ سفر ان کے لئے بڑی برکات اور دینی ترقیات کا وسیلہ بنا۔

ابتدائی دور میں وہ کانگریس کے ذریعہ چلائی ہوئی گاندھی جی کی کھادی کی اسکیم اور اس سلسلہ

میں شہر شہر کھادی بھنڈاروں کے قیام کی تحریک کے خاص کارکنوں میں تھے۔ اس کے لئے علاقوں کے سفر بھی کرتے اور غریب بنکروں سے کھادی بُنوا کر کھادی بھنڈاروں سے اُن کو فروخت کراتے ـــــ ایک ملاقات میں جب انھیں معلوم ہوا کہ میرا اصل آبائی وطن سنبھل (ضلع مرادآباد) ہے تو انھوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا ـــ اسی کھادی کے کاروبار کے سلسلہ میں ایک مرتبہ سنبھل گئے۔ وہاں انھیں معلوم ہوا کہ ایک ایسا غریب بنکر گھرانہ ہے جس میں ایک بیوہ ہے اور اس کی ساس اور سسر ہیں اور دونوں ہی نابینا ہیں اور اسی حالت میں وہ کچھ بُننے کا کام بھی کرتے ہیں۔ اور ان کی بیوہ بہو بھی بُنتی ہے اور وہی گھر کا سارا کام چلاتی ہے۔ وہ اس کے گھر پہ گئے وہ کم عمری میں بیوہ ہوگئی تھی، کہتے تھے میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے دوسرا نکاح کیوں نہ کرلیا؟ اس نے کہا میرے یہ بوڑھے ساس اور سسر دونوں نابینا ہیں۔ اگر میں کسی دوسرے گھر چلی گئی تو کوئی بھی ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہ رہے گا۔ میں نے اسی وجہ سے طے کرلیا کہ اسی حالت میں انھیں دونوں کے ساتھ زندگی گذاروں گی اور جیسا کچھ ہوسکے گا ان کی خدمت کرتی رہوں گی (یوسف بھائی نے بتلایا کہ) اس کی اس بات سے میں بہت ہی متاثر ہوا۔ میں نے اس کو منھ بولی بہن بنالیا میں اُن لوگوں کے بُنے ہوئے کھادی کے تھان لاتا جن میں ساس، سسر کے نابینا ہونے کی وجہ سے اُنکے بُنے ہوئے تھانوں میں نقص ہوتا لیکن میں ان کو پورے دام دلواتا ـــ کھادی بھنڈار کے ذمہ داروں نے اس پر اعتراض بھی کیا۔ میں نے انھیں سارا قصہ بتایا اور کہا کہ یہ تو تمھیں اسی حساب سے خریدنا ہوگا۔

ذوق ومزاج پہ دینی رنگ کے غلبہ کے بعد دیہاتوں میں مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی کی فکر ان پر چھاگئی تھی۔ بچوں کی تعلیم خصوصاً اردو اور قرآن مجید کی تعلیم کے مسئلہ کی بھی بڑی فکر انھیں رہتی تھی۔ ان کاموں کے سلسلہ میں انھیں بعض اوقات کئی کئی مہینے دیہاتوں ہی میں پڑاؤ ڈال دینا پڑتا۔ عزم وارادہ کی پختگی انھیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اور لوگوں کے اعتماد کی دولت بھی انھیں حاصل تھی۔ نہ جانے کتنے مقامات پر ان کی فکر و محنت سے مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ضلع علی گڑھ کے ایک دیہی علاقہ میں ۱۹۶۲ء میں اس عاجز کو بھی ایک بار لے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے مسجد بنوائی اور مکتب قائم کیا تھا۔

اپنے مخصوص رنگ، درویشانہ زندگی، مزاجی استغنا اور عام انسانیت دوستی وہمدردی کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے انھیں نصیب فرمائے تھے ان کا نتیجہ تھا کہ غیرمسلموں کی بڑی تعداد ان کی بہت عقیدت مند تھی

اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ اس عاجز کی کتاب "اسلام کیا ہے" کو اللہ کے بندوں تک پہونچانے کے لئے بڑی جد وجہد کرتے ـــــ اس عاجز کی دینی تصنیفات کے بارے میں ان کا یہ معمول زندگی کے بالکل آخری دور تک رہا۔ مجھے خبر بھی نہ ہوتی۔ وہ کتب خانہ الفرقان آتے کتابیں لیتے اور بل بنواکر چلے جاتے۔ کتابیں لوگوں تک پہونچاتے رہتے۔ کچھ دنوں کے بعد بل کی ادائگی کے لئے آتے اور پھر کتابیں لے جاتے ـ نہ جانے کتنے لوگوں تک ان کی محنت سے یہ کتابیں پہونچی ہونگی ـ

اب سے چند سال پہلے ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا اسکے بعد سے بہت ضعیف اور معذور ہو گئے تھے ادھر کچھ عرصہ سے تو یہ حال تھا کہ چند قدم چلنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اس حال میں بھی اس عاجز کے پاس آتے رہتے اور اسی حال میں لوگوں کے پاس اس طرح جاکر کہ دو آدمی رکشہ پر بٹھا دیتے وہ رکشہ میں ہی بیٹھے بیٹھے لوگوں کے پاس جاتے، کوئی کتاب پڑھنے کی ترغیب دیتے یا کتاب ہی ان کو دیدیتے اور آگے بڑھ جاتے ـ

جب سے ان پر دین اور فکر آخرت کا غلبہ ہوا تھا پابندی سے رات کے دو بجے بیدار ہو جاتے تہجد کی رکعتیں پڑھتے اور حدیث کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں روایت کی گئی ہیں وہ میری کتاب معارف الحدیث جلد پنجم سے ان کو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پڑھتے ـ یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا ـ پھر فجر کی نماز تک ذکر و تسبیحات میں مشغول رہتے ـ

ان کا آخری دور کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ کسی زمانہ میں انھوں نے اپنی کچھ رقم اس نیت سے بینک میں جمع کروائی تھی کہ اس کا INTREST (منافع) فلاں کار خیر میں صرف کیا جائے ـ انھوں نے نیت کی تھی کہ اس کا اجر و ثواب ان کے والدین کو ملتا رہے لیکن اب سے کچھ پہلے انھیں خیال آیا کہ یہ تو سودی معاملہ ہے ـــــ کہیں یہ نیکی کے بجائے گناہ کا سبب نہ بن جائے ـــ چنانچہ انھوں نے فوراً اس معاہدہ کو منسوخ کیا اور وہ رقم بینک سے نکلوالی ـــ

ان کی عمر اسّی کے درمیان رہی ہوگی، ۲۰ رجون جمعہ کی صبح کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی وصیت کے مطابق اس عاجز نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اگر میں ان کو آخری غسل دینے کے لائق ہوتا تو غسل بھی خود ہی دیتا۔ افسوس اور ضعف ہے کہ اب میں اللہ کے بندوں کی اس خدمت سے معذور ہو گیا ہوں۔ بہر حال وہ اب اپنے رب کے حضور میں حاضر

چکے ہیں۔ رب کریم جو ارحم الراحمین ہے ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے۔
یہ عاجز ناظرین کرام سے بھی ان کے لئے اس دعا کا مستدعی ہے۔

دعائے صحت کی گزارش

از مدیر

ڈاکٹر محمد آصف قدوائی

الفرقان" کے اکثر قارئین ہمارے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی سے واقف ہونگے ایک زمانے میں ان کے مضامین "الفرقان" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ سیرت نبوی پر ان کی فاضلانہ تصنیف "مقالات سیرت" کے نام سے بہت عرصہ پہلے منظر عام پر آچکی ہے۔ یہ ان کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو پہلے "الفرقان" میں شائع ہوئے تھے حضرت والد ماجد مدظلہ کے ساتھ ان کا تعلق ایک بیٹے اور باپ کا سا ہے، ان کی تمام کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ بڑے اہتمام اور بہت لگن کے ساتھ انھوں نے کیا ہے اور اس حال میں کیا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

قریبًا چالیس سال سے وہ اس طرح زندہ ہیں کہ ریڑھ کی ہڈی کے ایک مرض کے اثر سے ان کا حال یہ ہے کہ وہ مستقل طور پر ایسے صاحب فراش ہیں کہ نہ اٹھ سکتے ہیں نہ بیٹھ سکتے ہیں نہ کروٹ لے سکتے ہیں۔ کھانا پینا اور اسی طرح دوسری ضروریات دوسرے عزیزوں کے ذریعہ انجام پاتی ہیں۔ اس حالت اور کیفیت کے باوجود عبادات اور اذکار و تسبیحات وغیرہ معمولات کا جو اہتمام انھیں نصیب رہا اور جتنا علمی و تصنیفی کام انھوں نے انجام دیا وہ عدیم المثال اور ہم جیسوں کے لئے بڑا سبق آموز ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شان "یخرج الحی من المیت" کا ظہور ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے جو (والد ماجد مدظلہ سے سنی ہے) کہ اب سے تقریبًا ۳۰ سال پہلے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ لکھنؤ تشریف لائے تھے تو روزانہ ڈاکٹر صاحب کے پاس بھی تشریف لیجاتے تھے اور ان کے حال سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب انھیں دنوں میں حضرت سے بیعت بھی ہوئے تھے۔

ادھر کچھ عرصہ سے ان کا مرض اور اس کے سلسلہ کی تکالیف بہت بڑھ گئی ہیں اور ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی ہیں ناچیز مدیر "الفرقان" اپنے قارئین کرام سے ان کے لئے دعائے صحت و عافیت کے اہتمام کی استدعا کرتا ہے۔

الحاج مولوی محی الدین منیری

ریاست کرناٹک میں بھٹکل اپنے مسلمان باشندوں کی عمومی دینداری اور خوشحالی کے لحاظ سے ماشاء اللہ قابل فخر ہے۔ اس بھٹکل میں انہی کے ایک مخلص مخدوم مولوی محی الدین منیری صاحب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور امت مسلمہ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے حضرت مولانا علی میاں صاحب اور دیگر اکابر سے گہرا مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں ادھر کئی مہینوں سے وہ بھی سخت علیل ہیں۔ قارئین کرام سے ان کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

(۱)

معارف الحدیث

کتاب المناقب و الفضائل

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم و معارف عطا ہوئے اور آپ کے ذریعے امت کو ملے، جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اور مختلف ابواب میں منقسم ہیں، ان میں سے ایک مناقب و فضائل کا باب بھی ہے۔ حدیث کی قریباً سبھی کتابوں میں "کتاب المناقب" یا "ابواب المناقب" جیسے عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات روایت کئے گئے ہیں جن میں آپ نے بعض خاص اشخاص و افراد یا خاص طبقات کے وہ مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر منکشف فرمائے ــــــ یہ باب بعض پہلوؤں سے حدیث کے اہم ابواب میں سے ہے۔ اس میں امت کے لئے ہدایت کا بہت بڑا سامان ہے ــــ آج بنام خدا اس باب کی احادیث کی تشریح کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے اور اس کا آغاز چند اُن حدیثوں کی تشریح سے کیا جا رہا ہے جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے رب کریم کے خصوصی انعامات کا اور ان مقامات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے

ن پر آپ کو فائز کیا گیا تھا، ساتھ ہی انشاء اللہ آپؐ کے شمائل و خصائل اور خاص احوال سے متعلق احادیث بھی تشریح کے ساتھ نذر ناظرین کی جائیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور مقامات عالیہ :-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم یوم القیامۃ واول من ینشق عنہ القبر واول شافع واول مشفع۔ رواہ مسلم (مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سید (سردارؐ) ہوں گا، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جسکی قبر شق ہوگی (یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، اور میں سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا) اور میں شفاعت کرنے والا پہلا شخص ہونگا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے شفاعت کی اجازت مجھے ملے گی اور سب سے پہلے میں ہی اسکی بارگاہ میں شفاعت کرونگا) اور میں ہی وہ شخص ہوں گا جسکی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی ـــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک خاص انعام یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پوری نسل میں (جس میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں) مجھے سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے، مجھے سب کا سیّد و آقا بنایا ہے ـــ اِس کا پورا ظہور جس کو سب آنکھوں سے دیکھیں گے قیامت کے دن ہوگا اور اسی دن اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی انعام کا بھی ظہور ہوگا کہ جب مردوں کے قبر سے اٹھنے کا وقت آئے گا تو بحکم خداوندی سب سے پہلے میری قبر اوپر سے شق ہوگی اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا، اور پھر جب شفاعت کا دروازہ کھلنے کا وقت آئے گا تو باذنِ خداوندی سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف قبول حاصل ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے عظیم خداداد انعامات کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اسلئے بھی فرماتے تھے کہ امت آپ کے مقامِ عالی سے واقف ہو اور اس کے قلب میں آپکی وہ عظمت اور محبت پیدا ہو جو ہونی چاہیئے اور پھر دل میں آپ کے اتباع کا جذبہ اور داعیہ ابھرے ــــ نیز اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کے شکر کی توفیق ہو کہ اس نے ایسے عظیم المرتبت پیغمبر کا امتی بنایا ــــ الغرض آپ کے اس طرح کے ارشادات تحدیث نعمت اور شکر نعمت کے علاوہ امت کی ہدایت و تربیت کے اسباق بھی ہیں ۔

یہاں ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثیں اس مضمون کی مروی ہیں کہ آپنے فرمایا کہ فلاں پیغمبر پر مجھے فضیلت نہ دی جائے ۔ آپکے اس طرح کے ارشادات کا مطلب (جو شارحین نے لکھاہے اور خود ان حدیثوں کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتاہے) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کرکے ان کو کمتر ثابت کرنے کی بات نہ کی جائے ۔ اس میں اُن کی کسرِ شان اور سوء ادب کا اندیشہ ہے ــــ ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں فرمایا ہے "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (یہ ہمارے رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت اور برتری دی ہے) اور قرآن مجید میں متعدد آیتیں ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہونا واضح طور پر ثابت ہوتاہے ۔ مثلاً " وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ " اور " وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ الآیۃ " وغیرہا ۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ ــــ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سید (سردار) ہوں گا اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور

تمام انبیاء علیہم السلام، آدم اور ان کے سوا بھی سب انبیاء و مرسلین اُس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کی زمین اوپر سے شق ہوگی اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے انعام و احسان کا بیان کر رہا ہوں)۔ ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کے اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کے جن دو انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ" اور دوسرا " و انا اول من تنشق عنہ الارض" ان دونوں کا ذکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں بھی کیا گیا ہے اور ان کی تشریح بھی کی جا چکی ہے ——— حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید اس خاص الخاص انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لِوَاءُ الْحَمْد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں دیا جائے گا اور تمام انبیاء و مرسلین میرے اس جھنڈے تلے ہوں گے ———
یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جھنڈا لشکر کے سپہ سالار اعظم کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور باقی لشکری اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جانا اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کا آپ کے اس جھنڈے تلے ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوقات اور تمام انبیاءؑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و فضیلت کا ایسا ظہور ہوگا جس کو ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہر انعام ذکر فرمانے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ " ولا فخر " کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا ذکر میں فخر کے طور پر نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت اور ادائے شکر کے طور پر اور تمہاری واقفیت کے لئے کر رہا ہوں۔

یہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) جو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس واقعی حقیقت کی علامت اور اس کا اعلان ہوگا کہ جس برگزیدہ بندے کے ہاتھ میں حمد خداوندی کا یہ جھنڈا ہے۔ اس کا حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے عمل میں (جو کسی بندے کو اللہ کا محبوب مقبول بنانے والا خاص الخاص عمل ہے) سب سے زیادہ ہے۔ اللہ کی حمد خود اسکی

زندگی کا ہر وقتی وظیفہ تھا، دن رات کی نمازوں میں بار بار اللہ کی حمد، اٹھتے بیٹھتے اللہ کی حمد، کھانا کھانے کے بعد اللہ کی حمد، پانی پینے کے بعد اللہ کی حمد، سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد اللہ کی حمد، لذت اور مسرت کے ہر موقع پر اللہ کی حمد، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کے احساس کے وقت اسکی حمد، یہانتک کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد، استنجے سے فراغت پر اللہ کی حمد (ان تمام موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں ثابت ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہی ہے) پھر آپ نے اپنی امت کو بڑے اہتمام سے اسی طرز عمل کی ہدایت اور تلقین فرمائی جس کے نتیجہ میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد ہوئی اور قیامت تک ہوگی جس کا حساب بس اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔
اس لئے بلاشبہ آپ ہی اس کے مستحق ہیں کہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) قیامت کے دن آپ کے ہاتھ میں دیا جائے اور اس کے ذریعہ آپ کی اس خصوصیت کا اعلان و اظہار کیا جائے۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام نبیوں کا امام اور پیشوا ہوں گا اور ان کی طرف سے خطاب اور کلام کرنے والا ہوں گا اور ان کی سفارش کرنے والا میں ہی ہوں گا۔ اور یہ میں بطور فخر کے نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا خطیب اور صاحب شفاعت بھی فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب جلال خداوندی کا غیر معمولی ظہور ہوگا تو انبیاء علیہم السلام کو بارگاہ خداوندی میں کچھ عرض کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی تو میں ان کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں کلام اور عرض و معروض کروں گا اور اُن کے لئے سفارش کروں گا ـــــ یہاں بھی آخر میں آپ نے فرمایا کہ میں یہ سب کچھ

از راہ فخر و تعلی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اور تم لوگوں کو واقف کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بیان کر رہا ہوں۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ، قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اِتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ عِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهٗ وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ۔ وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيْسٰى رُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهٗ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَاٰدَمُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهٗ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ ——— رواہ الترمذی والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے، اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر سے تشریف لے آئے جب آپ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو آپ نے سنا کہ وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے (حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا، ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ اور حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ مقام ہے کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھا، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا (کہ اُن کو براہ راست اپنے دست قدرت سے بنایا اور ان کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم دیا، ——— وہ صحابہ یہ باتیں کر رہے تھے) کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس

تشریف لے آئے، اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا اظہارِ تعجب سنا، بیشک ابراہیمؑ اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں (ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے) اور بے شک موسیٰ نجی اللہ (اللہ کے ہمراز و ہم سخن) ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بیشک عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بیشک آدم صفی اللہ (اللہ کے برگزیدہ) ہیں اور فی الحقیقت وہ ایسے ہی ہیں ——— اور تم کو معلوم رہنا چاہیئے کہ میں حبیب اللہ (اللہ کا محبوب) ہوں اور یہ میں بطورِ فخر نہیں کہتا۔ اور قیامت کے دن میں ہی لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) اٹھانے والا ہوں گا۔ آدم اور اُن کے سوا بھی سب (انبیاء و مرسلین) میرے اُس جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول فرمائی جائیگی، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو (جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے) اُس کے حلقہ کو ہلائے گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے اس کو کھلوا دیگا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے، اور یہ بات بھی میں فخر سے نہیں کہتا، اور بارگاہ خداوندی میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ میرا اکرام و اعزاز ہوگا اور یہ بھی میں فخر سے نہیں کہتا ——— (جامع ترمذی و مسند دارمی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اور عام رویہ تواضع اور انکساری کا تھا، لیکن ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کی تعمیل میں اللہ کے ان خصوصی انعامات اور اعلیٰ کمالات و مقامات کا بھی ذکر فرماتے جن سے آپ سرفراز فرمائے گئے ——— حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث اور جو حدیثیں اوپر درج کی گئیں یہ سب آپ کے اسی سلسلہ کے بیانات ہیں ——— وہ صحابہ کرام جن کی گفتگو کا اِس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت آدم (علیہم السلام) پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے اُن خصوصی انعامات سے تو واقف تھے جن کا وہ تذکرہ کر رہے تھے، ان کو یہ سب کچھ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم سے اور قرآن مجید سے معلوم ہو چکا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عظمت کے بارے میں غالباً ان کی معلومات ناقص تھیں، اسلئے یہ خود

ان کی ضرورت اور حاجت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں ان کو بتلائیں چنانچہ آپ نے ان کو بتلایا اور اس طرح بتلایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت آدم پر ہونے والے جن انعامات الٰہیہ اور ان کے جن فضائل و مناقب کا وہ ذکر کر رہے تھے، پہلے آپ نے ان سبکی تصدیق فرمائی اس کے بعد اپنے بارے میں بتلایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص انعام ہے کہ مجھ کو مقام محبوبیت عطا فرمایا گیا ہے اور میں اللہ کا حبیب ہوں —— (ملحوظ رہے کہ جن اصحاب کرام سے آپنے یہ فرمایا وہ جانتے تھے کہ محبوبیت کا مقام سب سے اعلیٰ و بالا ہے اس لئے آپنے اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی) —— اسکے بعد آپنے بعض اُن انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا جس کا ظہور اس دنیا کے خاتمہ کے بعد قیامت میں ہوگا ' ان میں سے "لواء الحمد" ہاتھ میں ہونے اور اولین شافع اور اولین مقبول الشفاعۃ ہونے کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی آچکا ہے ، اس کے بعد آپنے دو خصوصی انعامات خداوندی کا اور ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ جنت کا دروازہ کھلوانے کیلئے سب سے پہلے میں ہی اسکے حلقوں کو حرکت دوں گا (جس طرح کسی مکان کا دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دی جاتی ہے) تو اللہ تعالیٰ فوراً دروازہ کھلوا دیں گے اور مجھ کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے وہ بھی میرے ساتھ ہی جنت میں داخل کرلئے جائیں گے ، —— (یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے کا ظہور ہوگا) آخری بات آپ نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ " وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ " یعنی یہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہے کہ اس کی بارگاہ میں تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اکرام و اعزاز میرا ہی ہے اور جو مقامِ عزت مجھے عطا فرمایا گیا ہے وہ اولین و آخرین میں سے کسی اور کو عطا نہیں فرمایا گیا ——

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جن خصوصی انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا ان میں سے ہر ایک کے ساتھ یہ بھی فرمایا " ولا فخر " جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات کا ذکر میں ازراہِ فخر اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے نہیں کر رہا ہوں بلکہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں تحدیثِ نعمت اور ادائے شکر کے لئے اور

تم لوگوں کو واقف کرنے کے لئے کر رہا ہوں تاکہ تم بھی اس رب کریم کا شکر ادا کرو کیونکہ یہ انعامات تمہارے حق میں بھی وسیلۂ خیر و سعادت ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ ــــــ

رواہ الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (بروز قیامت) پیغمبروں کا قائد اور پیش رو ہوں گا، اور یہ بات میں بطور فخر نہیں کہتا اور میں خاتم النبیین ہوں اور یہ بھی میں از راہ فخر نہیں کہتا، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول فرمائی جائے گی اور یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہتا ــــــ (مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں، اور اس دنیا میں اللہ کے سارے نبیوں رسولوں کے بعد آئے، قیامت کے دن آپ سب انبیاء و مرسلین کے قائد و پیش رو ہوں گے ــــــ پھر آپنے اسی قیامت کے دن شفاعت اور شفاعت کی قبولیت میں اپنی اولیت اور سابقیت کا ذکر بھی فرمایا جس کا ذکر مندرجہ بالا متعدد حدیثوں میں بھی آچکا ہے ــــــ اور آپ نے اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے ذکر کے ساتھ فرمایا " وَلَا فَخْرَ "۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْيَانُهٗ، تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بِنَائِهٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ ــــــ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ــــــ رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اگلے سب پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاندار محل ہے جس کی تعمیر بڑی حسین او

خوبصورت کی گئی ہے لیکن اس کی تعمیر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی، دیکھنے والے
اس محل کو ہر طرف سے گھوم پھر کے دیکھتے ہیں، انھیں اُس کی تعمیر کی خوبی اور خوبصورتی بہت
اچھی لگتی ہے اُن کو اس سے تعجب ہوتا ہے، سوائے اینٹ کی خالی جگہ کے۔ (وہ اس
حسین عمارت کا ایک نقص ہے ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ) پس میں نے آکر
اس خالی جگہ کو بھر دیا، میرے ذریعہ اُس محل کی تکمیل اور اس کی تعمیر کا اختتام ہو گیا، اور
پیغمبروں کا سلسلہ بھی ختم اور مکمل ہو گیا۔

(صاحب "مشکوٰۃ المصابیح" محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کہتے ہیں کہ) اس حدیث کی صحیحین
ہی کی ایک روایت میں آخری خط کشیدہ الفاظ کی جگہ یہ الفاظ ہیں۔ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا
خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ میں ہی وہ اینٹ ہوں جس سے اُس قصرِ نبوت کی تکمیل ہوئی، اور میں
خاتم النبیین ہوں)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے اور بہت سی حدیثوں
میں بھی، اور بلاشبہ یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین انعام ہے کہ قیامت تک آپ ہی پوری انسانی
دنیا کے لئے اللہ کے نبی و رسول ہیں ــــ اس حدیث میں آپ نے اپنی اس خاتمیت کی حقیقت
اور نوعیت کو ایک عام فہم مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے جو ایسی سہل الفہم ہے کہ اس کے سمجھنے کیلئے
کسی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، اس حدیث نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
پہلے جو ہزاروں پیغمبر آئے اُن کی آمد سے گویا قصرِ نبوت کی تعمیر ہوتی رہی اور تکمیل کو پہنچ گئی
تھی۔ بس ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و آمد سے
وہ بھی بھر گئی اور قصرِ نبوت بالکل مکمل ہو گیا، کسی نئے نبی و رسول کے آنے کی نہ ضرورت
رہی نہ گنجائش، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم اور دروازہ
بند کر دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا اعلان فرما دیا گیا

صلے اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وبارك وسلم

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ
اور
درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں

احقر شوال ۱۳۵۴ھ میں بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند پہونچا۔ شعبان ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔ اس کے بعد وہاں تقریباً ڈیڑھ سال اور رہا۔ یہ چمنستان علوم دینیہ اس وقت بھی بدستور سابق سرسبز و شاداب تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ مسند صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم تھے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی باکمال تلامذہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور دیگر تمام عقلی و نقلی علوم کا درس دے رہے تھے۔ اس گلشن قاسمی و رشیدی میں ایک عجیب رونق تھی۔

یہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ہیں جو شیخ الادب والفقہ کہلاتے ہیں۔ حدیث میں شمائل ترمذی وغیرہ پڑھاتے ہیں، دن رات دارالعلوم کی تعمیر ظاہری و باطنی اور تشنگان علوم کی سیرابی میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ہیں جو جامع معقول و منقول ہیں۔ مسلم شریف اور معقول کی کتابوں کا درس دیتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا عبد السمیع ہیں۔ دیوبند کے باشندے ہیں۔ مدتوں سے دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں۔ سادہ لباس اور بے تکلف عالم ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جھوم جھوم کر پڑھاتے ہیں تقریر کا انداز بھی بڑا پرکیف ہے۔ زبان نہایت صاف و شستہ ہے۔ بستان المحدثین مؤلفہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی

اردو ترجمہ انھوں نے کیا ہے ۔ حضرت مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری بھی بحیثیت مفتی دارالعلوم یہاں موجود ہیں ۔ بڑے متبع سنت، بڑے پابند اوقات بزرگ ہیں ۔ یہ حضرت میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندی ہیں ۔ روزانہ صرف ابوداؤد کا درس دینے کیلئے دارالعلوم آتے ہیں ۔ عجیب شان کے بزرگ ہیں ۔ عصا ہاتھ میں اور ابوداؤد کے اجزا جن کا درس دینا ہے، وہ ان کے پاس ہیں ۔ آہستہ آہستہ نیچی نظر کئے ہوئے صاف ستھرا دیدہ زیب لباس زیب تن کئے تشریف لاتے ہیں درس دے کر پھر اپنے مکان چلے جاتے ہیں بمکان پر ملاقات کرنے والوں کو عصر کے بعد موقع دیتے ہیں ۔ صرف باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور گھر چلے جاتے ہیں ۔ تصنیفات و تالیفات بھی انکی کافی ہیں ۔ گلزار سنت انکی بہترین کتاب ہے ۔ دو کتابیں علم فرائض میں ہیں

حضرت شیخ الہندؒ کی سوانح عمری بھی انھوں نے لکھی ہے جو بہت ہی دل نشیں اور عمدہ طرز تحریر سے آراستہ ہے ۔ آج میں انھیں پر کچھ لکھوانا چاہتا ہوں ۔ ان کا تصور بھی کبھی کبھی آجاتا ہے نہ معلوم پچھلے دو مہینوں سے یہ تصور کیوں بڑھتا گیا ۔ میاں صاحب کی باتیں یاد آتی ہیں ۔ انکا درس یاد آتا ہے ۔ ان کا چلنا پھرنا یاد آتا ہے ۔ ان کی نگاہ پر کیف بھی یاد آتی ہے ۔ ؏ وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سمارہے ہیں ۔

میں نے ان کے درس ابوداؤد شریف کی تقاریر کو ضبط کر لیا تھا ۔ گو اس میں پورا کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن خاص خاص تشریحات و توضیحات کو اسی وقت لکھ لیا تھا (حالانکہ وہ خود بھی زیادہ تقریر نہیں فرماتے تھے پھر بھی جو کچھ انھوں نے فرمایا اسکو بجنسہٖ قلم بند نہ کر سکا ـــــ تقاریر ابوداؤد کی یہ کاپی میرے لئے حرز جان بنی رہی اور جہاں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے افادات میرے کام آئے وہیں ابوداؤد پڑھاتے وقت یہ قیمتی شذرات بھی میرے لئے رہنما بنتے رہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ اول میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تھوڑے سے حالات مع چند ملفوظات کے، تحریر کرادوں پھر درس ابوداؤد کے چند نمونے لکھاؤں ۔ میاں صاحب کی ایک سوانح عمری ان کے صاحبزادے مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی مرحوم، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند نے لکھی ہے وہ اگرچہ مختصر ہے مگر بہت غنیمت ہے ۔ اگر یہ کتاب سامنے نہ ہوتی تو میاں صاحب کے قابل ذکر حالات کا بھی پتہ نہ چل سکتا ۔ اس کتاب پر اضافہ تو کیا ہوتا خود یہ کتاب بازار سے غائب ہے ۔ دیوبند جو تجارتی کتابوں کی منڈی ہے وہاں اسکا پتہ نہیں ۔ دہلی میں بھی یہ کتاب نہیں ملی ۔ سہارنپور میں بھی غالباً موجود نہیںؑ

ؑ مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوری استاذ دارالعلوم کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے مدنی دارالمطالعہ دیوبند سے عاریتہً اس کتاب کو حاصل کر کے میرے پاس تک پہونچایا ۔

یقیناً یہ ہماری بے حسی کی بات ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے نقوش کو ابھارنے بلکہ محفوظ کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے ۔

مختصر سوانح واحوال حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ

آپ شاہ سید محمد حسن دیوبندی کے صاحبزادہ تھے ۔ ۸ شوال ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۸۷۷ء کو بروز شنبہ بعد عشاء پیدا ہوئے ۔ سن شعور کو پہونچنے کے بعد اپنے والد کے حقیقی ماموں سید عبداللہ شاہ عرف منا شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بسم اللہ پڑھ کر اپنے والد بزرگوار سے تعلیم شروع کی ۔ تقریباً ڈیڑھ دو سال میں تعلیم قرآن پاک حاصل کرکے والد ماجد ہی سے فارسی پڑھنی شروع کی اور دوران تعلیم سوائے اپنے کار تعلیم کے کبھی کسی کو دیا فضول کام سے واسطہ نہ رکھا ۔ گلستاں تک اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر دارالعلوم کے درجہ فارسی میں داخل ہوگئے ۔ یہاں بوستاں وغیرہ کتب فارسی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو اس وقت دارالعلوم میں درجہ فارسی کے مدرس اول تھے۔ اور فن حساب جناب مولانا محمد منظور احمد دیوبندی مرحوم سے حاصل کیا جو اس وقت دارالعلوم کے مدرس ریاضی تھے ۔ میاں صاحبؒ نے درجہ فارسی کی تعلیم سے فارغ ہوکر ۱۳۱۰ھ میں درجہ عربی میں داخلہ لیا ۔ آپ دارالعلوم میں پڑھتے بھی رہے اور وقت نکال کر اپنے والد صاحبؒ کے مدرسے میں پڑھاتے بھی رہے ۔ ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۲ھ کو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا ۔ تجہیز و تدفین کے بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ نے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نائب مہتمم اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ عثمانی کی موجودگی میں میاں صاحب کو بلا کر فرمایا ۔

" صاحبزادے والد صاحب کے انتقال سے پڑھانا مت چھوڑ دینا ، تحصیل علم میں مشغول رہنا " ۔

جواب میں آپ نے عرض کیا ۔۔۔ " بہت اچھا " ۔

اس وقت آپ شرح وقایہ پڑھ رہے تھے ، والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی اُنکے مدرسہ کو پڑھانے کا کچھ وقت دیتے رہے ۔ اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھی ۔ شہر کے بعض ہمدردانِ مدرسہ نے بہت اصرار کیا کہ اپنے والد کے مدرسہ ہی کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا اس کی نگرانی کا ذمہ لیں ۔ میاں صاحب نے دونوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے فرمایا " آپ خود ہی کوئی انتظام کریں ، میں پڑھوں گا ، مجھے نگرانی کی بھی فرصت نہ ہوگی "
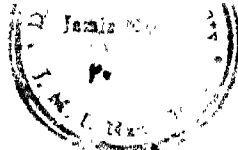
اس کے بعد آپ نے حسب فرمودۂ حضرت شیخ الہندؒ اپنے والد صاحب کے مدرسہ میں پڑھانا موقوف کردیا اور تعلیم علم عربی میں مصروف ہوگئے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام رسولؒ صاحب سے بہت سی کتابیں پڑھ کر اپنے استاد خاص حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ زمانہ تعلیم میں نہایت انہماک کے ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اپنے اساتذہ کا انتہائی ادب واحترام کرتے تھے یہی بات عنایات اساتذہ کا باعث بنی۔

مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" جناب مولانا اختر حسینؒ صاحب نے (جو آپ کے صاحبزادے ہیں) آپکے زمانہ تعلیم کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے ــــ

"ایک مرتبہ آپکی اپنے استاد شفیق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی زبان مبارک سے بوقت درس سن کر کچھ تقریریں اور یادداشتیں جمع کی ہوئی کاپی کسی طالب علم نے چرالی۔ آپ کو بہت رنج ہوا کوئی صورت دستیاب ہونے کی نظر نہ آئی۔ اسی غم میں ایک روز مدرسہ بھی نہ گئے۔ اور حاضر درس نہ ہوئے۔ استاد شفیق کو خبر ہوئی تو عصر کے بعد تسلی دینے کے لئے مکان پر تشریف لاکر دریافت کرکے افسوس ظاہر فرمایا۔ صبر دلایا اور دریافت فرمایا کہ "کیا تمھاری ہی لکھی ہوئی تھی؟" آپ نے عرض کیا "جی حضرت میں نے ہی لکھی تھی" فرمایا "پھر کیا غم ہے پھر لکھ لینا اور عجب نہیں کہ مل جائے"

اگلے روز بخاری کے سبق کے بعد سب طلبہ کو خطاب کرکے نہایت جوش سے فرمایا۔

"دیکھو ہمارے سید کی تقریر جس نے لی ہو، دے دو۔ ان کو بہت رنج ہے۔ اگر نہیں دیگا تو چاہے ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوجائے۔ لیکن علم سے ہمیشہ محروم رہے گا۔ یہ سن کر سب طلبہ دم بخود رہ گئے اور تین چار روز کے بعد چور نے حسن تدبیر سے وہ تقریر رکھ دی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے لی اور کیسے واپس ہوئی ــــ

سنہ ۱۳۲۰ھ میں میاں صاحب نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ بعد فراغت حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے علاوہ اس سند کے جو سب طلباء فارغین کو دی جاتی ہے ایک خصوصی تحریر بھی آپ کو مرحمت فرمائی جو یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً ومصلیاً۔ امابعد۔ مولوی سید اصغر حسین ولد سید محمد حسن صاحب مرحوم ساکن دیوبند ضلع سہارنپور، اس مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند میں ابتداء سنہ ۱۳۱۳ھ میں داخل ہوئے اور

۱۳۲۰ھ تک نہایت محنت اور شوق سے تحصیل علوم میں مشغول رہے ۔ اس مدت میں مدرسۂ ہذا کے سلسلۂ نصاب کی تمام کتب درسیہ مِن اولہ الیٰ آخرہ اچھی طرح پڑھیں اور مدرسے کے مدرسین و منتظمین کی ہمیشہ ان پر شفقت رہی ۔ اور سب ان سے خوش رہے ۔ یہ چند کلمات بطور سند کے تحریر کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے توفیق خیر کی دعا کی جاتی ہے ۔

العبد
محمود حسن

العبد
احمد (مہتمم مدرسہ عربیہ) یکم ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

میاں صاحب نے کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تعلیم بھی جاری رکھی ۔ وہ اپنے والد کے ماموں سید محمد عبداللہ شاہ عرف منا شاہ دیوبندی سے بچپن ہی سے روحانی ربط رکھتے تھے ۔ سید محمد عبداللہ شاہؒ اپنے اس نوعمر فیض یافتہ کو کبھی میم شاہ اور کبھی فرخ سیر کہتے تھے ۔ ۱۳۱۰ھ میں سید عبداللہ شاہؒ کا انتقال ہوگیا ۔ مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ عرصے پہلے حج وزیارت کا شرف حاصل کیا اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی اور اپنے بھانجے سید محمد حسن صاحبؒ اور بھانجے کے دو لڑکوں خورشید حسن صاحب، میاں اصغر حسین صاحب اور سید محمد حسن صاحب کے بھانجے سید محمد قاسم صاحب کیلئے زبانی و تحریری بیعت (عثمانی) مع الاجازت حاصل کر کے لائے ۔ اس تحریر کی نقل یہ ہے :

بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب بیعت مع الاجازت برائے عزیزان، شاہ محمد حسن و سید قاسم علی و خورشید حسن و فرخ سیر ؏ مقبول و منظور کردہ دعائے خیر ادا کردہ شدہ ۔

بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب بیعت مع الاجازت عزیزان شاہ محمد حسن، سید قاسم علی، خورشید حسن اور فرخ سیر کے واسطے قبول و منظور کر کے دعائے خیر ادا کی گئی ۔

سید عبداللہ شاہؒ نے وطن واپس ہو کر حضرت حاجی صاحب کا یہ تحریری اجازت نامہ لا کر دیا اور اپنی بیعت و اجازت کے شرف سے بھی میاں صاحب کو مشرف کیا ۔ چنانچہ حضرت میاں صاحبؒ برابر آپ کی خدمت و صحبت میں رہ کر فیوض و کمالات باطنی سے بہرہ اندوز ہوتے رہے ۔

حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحبؒ نے انتقال سے ایک روز قبل حضرت میاں صاحب کو فرخ سیر

؏ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سید عبداللہ شاہؒ میاں صاحب کو فرخ سیر کہا کرتے تھے ۔

کے لقب سے پکار کر اپنے سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا۔
"اصغر تیرے سینے سے ہزاروں فیض یاب ہوں گے اور مخلوق خدا کو تجھ سے فیض پہونچیگا"

ملازمت جونپور

فراغت کے بعد غالباً ایک سال چند ماہ دارالعلوم کا کچھ دفتری کام بطور اجرت انجام دیتے رہے اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ نے مدرسہ سبحانیہ اٹالہ کی معلمی کے لئے جونپور روانہ کیا وہاں بیس روپیہ ماہوار پر تقرر ہوا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ کو دیوبند سے جونپور پہونچ گئے اور ۱۹ ذی قعدہ کو اسباق مدرسہ شروع کرا دیئے۔ ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۷ھ تک سات سال برابر اہل جونپور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض سے مستفیض فرماتے رہے اس ہفت سالہ قیام میں شہر جونپور اور گردونواح کے لوگ آپ کے اوصاف حسنہ اخلاق جمیلہ اور کمالات علمیہ کی وجہ سے بہت گرویدہ اور معتقد ہو گئے تھے۔ درس و تدریس قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر و مراقبہ کی مصروفیتوں سے جو وقت ملتا اس میں تصنیف و تالیف فرماتے تھے

آپکا تقرر دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے رسالہ "القاسم" جاری کرنے کی تجویز ہو چکی تھی اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے آپکو بلانے کی سعی ذمہ داران دارالعلوم کی طرف سے اسی وقت سے کی جا رہی تھی، اور برابر سلسلہ خط و کتابت جاری تھا لیکن حضرت میاں صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کچھ عذرات پیش کرتے رہے۔ بالآخر حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی ایک متفقہ تحریر آپ کو بلانے کے لئے جونپور پہونچی۔ اس کے جواب میں میاں صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کو لکھا کہ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور اور اگر تخییر ہے تو مجھے یہاں پر بہت آزادی ہے۔ علمی مشغلہ کے علاوہ تصنیف و تالیف، اوراد و وظائف کا بھی موقع مل جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سعادتمند شاگرد رشید کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا، وہ بے تکلف طرز نگارش کا بہترین نمونہ اور انکی حکمت عملی اور دور اندیشی کا آئینہ دار ہے۔ یہ مکتوب گرامی "سوانح حیات میاں صاحبؒ" سے نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

"برادر مکرم بارک اللہ فیکم وسلم ۔ بندہ محمود تسلیمات مسنونہ کے بعد ملتمس ہے ۔ گرامی نامہ پہونچا۔ بندہ کو مادۂ سوداوی نے ستا رکھا ہے ۔ ایسی حالت میں اپنی رائے پر رہا سہا اعتماد بھی نہیں ہو سکتا ۔

آپ جیسے مخلص مکرم سے اپنا خیال عرض کرنے میں تکلف بھی بیجا ہے ۔ خط جو آپ کے پاس گیا تھا اس میں یہ ضعیف بھی واقعی شریک تھا ۔ آپ کا خیال درست ہے ۔ اول اپنا پریشان خیال آپ پر ظاہر کرتا ہوں پھر استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں ۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں عالم شہود سے دور برزخ کی قریب ہو رہا ہوں ۔ اتنا فکر ضرور ہے کہ استاذ؀ سے بفضل اللہ اگر ملنے کی نوبت آگئی اور پوچھا کہ کہو مدرسہ کس پر چھوڑا؟ اور کس حالت میں؟ تو اس کا جواب بیا مے کہوں کہ پسند خاطر حضرت ہو ۔ اس کی تدبیر کوئی نہیں مگر یہ کہ اپنے مخلصین صلحاء لائق کے نام گنوا دوں ۔ سو آپ کی طرف بھی بچند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے چند اصغر مگر حقیقت میں مفید اور اکبر ، کسی بہانے سے احاطۂ مدرسہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں ۔ آپ نے جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں باللہ العظیم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ آپ مشغلہ تدریس سے یکسو ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ مشغلہ تدریس حالت موجودہ سے زائد نصیب ہو ۔ میں تو آپ کے بلانے ہی کے لئے تدبیر موجودہ کو دراصل پسند کرتا ہوں ۔ یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سید صاحب مشغلہ علمی سے یکسو ہو کر رسالہ بازی میں عمر صرف کریں ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سر دست رسالہ کی گاڑی سنبھالنے کو کوئی لائق معتمد علیہ شخص ہو ۔ کچھ عرصے کے بعد رسالہ کیلئے انشاء اللہ بہت پیدا ہو جائیں گے ۔ اس وقت رسالے کی ابتدا اگر ہماری طرز و وضع اور خیال کے خلاف پڑ گئی تو اندیشے کی بات ہے ۔ اس وجہ سے بے شک یہ مستحسن نظر آیا کہ مکرم سید کو رسالدار بالفعل بنا دیا جاوے ۔ اس لئے اپنا خیال عرض کرتا ہوں ، حکم ہرگز نہیں ۔

آپ کو پسند اور بے تکلف گوارہ ہو تو سبحان اللہ ورنہ جو آپ کو منظور ہو ، ہم کو منظور ہوگا اور آپ سے بخدا کوئی خلجان یا ملال کا واہمہ بھی انشاء اللہ نہ ہوگا ۔ وہ (خیال) یہ ہے کہ آپ بالکل اپنے مدرسہ کے احاطے کے اندر اللہ کا نام لیکر آجائیں اور آہستہ آہستہ کام کئے جائیں انشاء اللہ آپ کے شغل تدریس کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی کہ قصور نہ آوے اور یہ شیخ چلی کا خیال اگر اعتماد کے قابل نہ ہو تو دو ماہ سے لے کر چھ ماہ تک کی رخصت لے کر تشریف لاکر رسالے کو ہمارے کہنے کے مطابق جاری فرمائیں۔

؀ یعنی حضرت قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

اس کے بعد جو صورت آپ پسند فرمائیں، اس کے کرنے میں ہم آپ کی موافقت بلکہ متابعت خوشی کے ساتھ کرنے کو موجود ہیں، ان چند روزوں میں جو آپکو رسالے کے متعلق تحریرات کی نوبت آئے گی اس کا حساب کیا جائے گا کہ اتنی مدت کی تالیفات جونپور سے زائد ہوں گی یا کم، سو یہ میرا خبطہ جو خیال کے قابل نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہاں آپ کسی عنوان سے آئیں گے غالبًا وہ آزادی اور استقلال جو جونپور میں ہے آپ کو بوجوہ مختلفہ میسر نہ ہوگا مگر کیا کروں اپنے خیال خام کی وجہ سے جیسا خود مقید ہوں اپنے لائق مخلصین کو بھی مقید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ آپ بالکل مدرسہ اور خدام مدرسہ کے خیر اندیش اور بہی خواہ ہیں اور ہم خدام مدرسہ بالکل آپ کے خیر طلب اور دعا گو ہیں۔ خط آپ ہی ختم ہوگیا کاغذ ہی نہیں رہا۔

والسلام مع الاکرام۔ فقط

اس مکتوب گرامی کے پہونچنے پر آپ نے جونپور کی ملازمت چھوڑنے کا قصد کر لیا۔ ہر چند اہل شہر اور باشندگان نواح شہر نے بالحاح وزاری کہا کہ آپ یہاں سے نہ جائیں اگر تنخواہ بڑھوانا چاہیں تو تنخواہ بڑھوا دی جائے۔ اگر اسباق کم کرانے چاہیں تو وہ کم کرا دیئے جائیں مگر آپ نے یہی کہا کہ استاذ محترم کا حکم واجب التعمیل ہے۔

آپکا دارالعلوم سے تعلق اور رسالہ "القاسم" کا اجراء

۱۳۲۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ آپ کے متعلق تصنیف وتالیف اور جملہ انتظام اجرائے رسالہ "القاسم" کر دیا گیا جسے آپ نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ایک ہی دوسال میں "القاسم" کی اشاعت خیال سے زائد ترقی پذیر ہوگئی۔ آپ کے حسن انتظام سے "القاسم" بیش بہا مضامین سے مزین ہوکر ماہ بماہ نکلتا رہا۔ اور اس سے خواص وعوام فیض یاب ہوتے رہے۔

درسِ حدیث

مؤلف "سوانح حیات میاںصاحب" تحریر فرماتے ہیں۔

عہ "سوانح حیات" میں حضرت شیخ الہندؒ کے تین اور مکتوب بھی جو میاںصاحب کے نام ہیں درج ہیں۔

جب رسالے کے اجراء اور قیام کا انتظام ہر اعتبار سے مکمل ہو گیا تو حضرت میاں صاحبؒ کی خواہش کے موافق ذمہ داران دارالعلوم نے رسالہ کی ادارت و انتظام کو دوسرے صاحب کے سپرد کر کے آپ کے متعلق صرف درس حدیث و تفسیر کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مدرسی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو کر اعلیٰ اساتذہ کی صف میں رہ کر تا آخر حیات آپ ہزاروں تشنگان علوم کی کا حقہٗ سیرابی فرماتے رہے۔ درس میں کبھی غیر متعلق اور خارجی باتوں کا ذکر نہ فرماتے۔ بلکہ مختصر، جامع اور بہت مفید جملوں میں مسئلہ کی تحقیق اور مطلب کا حل فرما دیتے تھے ..... حق تعالیٰ نے آپ کی تقریر میں یہ اثر عطا فرمایا تھا کہ بات فوراً دلنشیں ہو جاتی تھی۔

پابندی اسباق

مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" نے اس بارے میں جو فرمایا ہے میں اس کو بھی یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

دارالعلوم باوجودیکہ آپ کے مکان سے فاصلہ پر واقع ہے لیکن کیسی ہی شدید سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا دھوپ تکلیف برداشت کر کے برابر مدرسہ تشریف لے جاتے اور حتی الامکان درس ناغہ نہ فرماتے۔ حتیٰ کہ ۱۳۵۵ھ میں آپ کی جوان عمر صاحبزادی کا انتقال قُبَیلِ صبح صادق ہو گیا تو نہایت صبر و شکر کے ساتھ آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ پڑھا اور بعد نماز فجر اپنے فرزندوں کو تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایت فرما کر خود مدرسہ تشریف لے گئے اور حسب دستور وقت مقررہ میں سبق پڑھایا اور سبق کے بعد درسگاہ میں طلبہ سے مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کرائی تب مکان پر تشریف لائے تو جنازہ قریب تیاری تھا۔ اور ایک مجمع اقربا اہل محلہ اور اہل شہر کا موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں مدرسہ سے جانشین شیخ الہند حضرت العلامہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ صدر مدرس اور حضرت العلامہ مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم مدرسہ و دیگر حضرات مدرسین و ملازمین برائے تعزیت تشریف لائے ..... آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ سے نماز جنازہ پڑھوائی۔ اور بعد نماز کے جب ان (دونوں) حضرات نے قصد معیت جنازہ کیا تو آپ نے ..... فرمایا کہ آپ حضرات مدرسہ تشریف لے جائیں اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں جنازہ کی تدفین کے لئے اقربا اور اہل شہر کی کافی جماعت ہے۔ اگرچہ ان حضرات نے انکار بھی بہت کیا لیکن بالمرار وقتاً ان کو واپس کر کے جنازہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اللہ اللہ کس درجہ محتاط، زاہد و متقی

صابر و شاکر ، راضی برضائے مولا تھے ۔
آپ نے پینتیس سال دارالعلوم میں تعلیم دی اور نشر و اشاعت علوم دین میں مصروف رہے ۔

سفر حج آپ نے اپنی حیات مبارک میں تین حج ادا فرمائے ۔ سب سے پہلا حج ۱۳۲۰ھ میں دوسرا ۱۳۳۵ھ میں اور تیسرا ۱۳۵۰ھ میں ادا کیا ۔

تصنیف و تالیف بقول مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" آپ نے بزمانۂ قیام جونپور تقریباً سولہ سترہ کتابیں تالیف کیں اور دارالعلوم سے تعلق ہو جانے کے بعد درس و تدریس ذکر و مراقبہ ، اوراد و وظائف اور تلاوت کے ساتھ ساتھ اٹھارہ ذیل کتابیں تالیف فرمائیں ۔ یہ سب کتابیں نہایت معتبر ، عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہیں اور ہر مبتدی اور منتہی کے لئے یکساں نفع بخش ہیں ۔ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند کی سوانح عمری بھی آپ نے نہایت مؤثر اور دلنشیں الفاظ میں تحریر فرمائی ہے ۔ فرائض کی مشہور درسی کتاب سراجی کا حاشیہ بھی عربی زبان میں نہایت عمدہ اور بہترین لکھا جو مدارس اسلامیہ اور اہل علم میں مقبول ہوا ۔

تعویذ و دعا آپ کے والد ماجد شاہ محمد حسنؒ اور آپ کے والد کے ماموں سید عبد اللہ شاہ عرف متا شاہؒ سے (جو آپ کے مرشد بھی تھے) سلسلہ عملیات چلا آ رہا تھا ۔ آپ نے بھی ان کے بعد اس سلسلہ کو جاری رکھا ۔ عصر کے بعد حضرت میاں صاحب اہل حاجت کو تعویذات دیتے تھے ۔ دیوبند ، نواح دیوبند اور دور دور سے لوگ آپ کے پاس برائے تعویذ و دعا آتے تھے اور بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوتے تھے ۔ مؤلف "سوانح حیات میاں صاحبؒ" اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں ۔

آپ کے تعویذات تیر بہدف تھے ...... بلاد و امصار و مواضعات کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں پر آپ کی شہرت نہ ہو ۔ طالبین اور اصحاب حاجت اس کثرت سے رجوع ہونے لگے کہ کسی وقت آپکو فرصت نہ دیتے اور آپ کے ذکر و وظائف میں رخنہ انداز ہوتے ۔ اس لئے آپ نے عصر سے مغرب تک تعویذات کی تقسیم کے لئے اپنا قیمتی وقت مقرر و متعین فرمایا ۔ اور علاوہ (اس) مخصوص وقت کے اندر آنے کی اجازت نہ دیتے ۔ اگر کبھی طبیعت ناساز ہوئی اور اندر آنے کی عام اجازت ہوئی تو بجائے مزاج پرسی کے لوگوں نے تعویذوں کی فرمائش شروع کر دی ۔ ایسی حالت میں بھی آپ اہل حاجت کی ضرورت کو

پورا فرماتے اور باوجود علالت کے تعویذات مرحمت فرماتے تھے ...... بہت سے آسیب زدہ اور دیوانے زنجیروں میں باندھ کر آپ کے در دولت پر لائے جاتے اور شفایاب ہو کر واپس جاتے ۔ روزانہ ایک ہجوم اصحاب حوائج کا آپ کے مکان پر رہتا ...... بعض محض زیارت و دعا کے طالب ہوتے ، انکو دعا اور زیارت سے سرفراز فرماتے ۔

عادات وخصائل

حضرت میاں صاحب کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ۔

"حق تعالیٰ جل شانہ نے آپکو ایسی فراست عطا فرمائی تھی کہ ایک ہی نظر میں کھرے کھوٹے کی شناخت کر لیتے تھے ۔ آپ اپنے والد ماجد مرحوم کے شاگردوں پر جن میں دیوبند کے ہندو مسلم کثیر التعداد لوگ تھے ، نہایت شفقت و عنایت فرماتے تھے ۔ صدقہ و خیرات آپ اس طرح پر فرماتے تھے کہ کسی متنفس کو بھی اسکا علم نہ ہوتا تھا ۔ محلہ کے یتیم بچے ، غریب ، مفلس ، بوڑھے ..... جمعہ کو مختلف اوقات میں آتے تھے اور ہر ایک کو حسب ضرورت نہایت مخفی طور پر عطا فرماتے تھے ۔ مساکین طلبا دارالعلوم کی ہر طرح سے امداد و اعانت فرماتے تھے اخفار کا لحاظ اسقدر فرماتے کہ بعض اوقات لینے والے کو بھی خبر نہ ہوتی کہ یہ رقم کہاں سے آئی ۔

چنانچہ ایک شخص بوجہ غربت و ناداری اپنی جوان لڑکی کی شادی کے لئے سخت پریشان تھا ۔ اور بوجہ شرم و بدنامی کسی سے سوال بھی نہیں کر سکتا تھا ۔ آپ سے اس نے دعا کے واسطے عرض کیا ۔ آپ نے کچھ کپڑے اور کچھ نقدی ایک اجنبی شخص کے ہاتھ رات کے وقت اس کے مکان پر بھجوادی اور یہ فرمادیا کہ یہ سامان دیکر فوراً واپس ہو جانا ۔ اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دینا ۔ غرض اس اجنبی شخص نے ایسا ہی کیا ۔ کئی روز تک وہ غریب لوگوں سے دریافت کرتا رہا کہ کس نے ایسے وقت میں میری مدد کی ؟ جب معلوم نہ کر سکا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کیا کہ نہ معلوم کون فرشتہ تھا کہ رات کو آیا اور مجھے کپڑے کا تھان اور کچھ روپیہ دیکر فوراً واپس ہو گیا ۔ آپ نے فرمایا ۔ میاں آپ کو اس کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ کون دے گیا اور کس نے بھیجے ؟ خدا تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اپنے خرچ میں لاؤ ۔

آپ کی عادت [illegible] کہ ہر شخص [illegible] [illegible] استطاعت کے موافق تعلق و گفتگو فرماتے تھے ۔ جیسا کہ [illegible]

بالخصوص اہل علم کا بہت زیادہ احترام وادب ملحوظ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اہل علم زیارت وملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ مونڈھے پر بیٹھ گئے اور جیسا کہ آجکل عام عادت ہے کہ ایک پاؤں اٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح بیٹھ گئے۔ چونکہ یہ ہیئت تواضع کے بھی خلاف ہے اور ادب کے بھی۔ اس لئے اگر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کوئی ایسا کرتا تو فوراً متنبہ فرمادیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے علم کا احترام پیش نظر تھا کچھ فرمایا نہیں۔ پھر کئی مہینے بعد جب وہ دیوبند آئے اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، باہر سے اجازت طلب کی۔ آپ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام دیکھئے، فرمایا اجازت ہے بشرطیکہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نہ بیٹھیں۔ ان کو اس سے پہلے کسی نے متنبہ نہ کیا تھا اور نہ خود ہی اس کا احساس ہوا تھا۔ اب اپنی غلطی پر متنبہ ہوکر شرمندہ ہوئے اور جب سامنے آئے تو شرمندگی کے آثار ان پر نمایاں تھے۔ پھر تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ایسی بے تکلفی سے گفتگو فرمائی جس سے ان کے قلب سے بالکل یہ اثر جاتا رہا۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حسنہ میں سے تھا کہ ہر موسم کے پھل اور گنے کے موسم میں اس کی کھیر پکوا کر اہل محلہ، طلبا، مساکین اور غربار کو تقسیم فرماتے اور کھلاتے تھے۔ بالخصوص آموں کی فصل میں بہت زیادہ مقدار خرید کر طلبار کی دعوت فرماتے تھے۔

ارشاد وہدایت آپ کسی کے اندر طلب صادق دیکھتے تو اس کو بیعت فرما لیتے تھے۔ چنانچہ بہت سے اشخاص کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ بنگال آسام اور کوئی صوبہ اور ضلع آپ کے مریدوں سے خالی نہیں سورت کے علاقے میں کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ آپ ہر سال سورت کے علاقے میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور ایک دو ماہ قیام بھی فرماتے تھے ویچیس سال متواتر آپ اس علاقے میں تشریف لے جاتے رہے اور لاہور بھی آٹھ نو سال تک تشریف لے گئے۔ پروفیسر کریم بخش ایم اے کے یہاں آپ کا قیام رہتا تھا۔ پروفیسر صاحب کا آپ سے خصوصی تعلق تھا۔ اس کے علاوہ رنگون، کلکتہ، چاٹ گام، نواکھالی وغیرہ کے لوگوں کو بھی آپ نے اپنے حلقۂ بیعت میں شامل کیا۔

سلسلۂ مرض وفات شوال ۱۳۶۲ھ سے راندیر میں سلسلہ مرض شروع ہوگیا تھا دہلی پہونچ کر علاج کرایا۔ پھر دیوبند تشریف لائے گرمی کے زمانہ میں سوری، دہرہ دون، شملہ، کسولی اور دیگر مختلف مقامات

کے آخری سفر فرما کر ۲۴ر رمضان ۱۳۶۳ھ واپس دیوبند تشریف لے آئے ۔ ۲۶ر رمضان کو بارادۂ راندیر دیوبند سے روانہ ہو کر دہلی پہونچے ۔ مرض کی تکلیف بڑھ گئی ۔ اس لئے عید دہلی ہی میں کی ۔ اس کے بعد راندیر تشریف لے گئے ۔ راندیر میں علاج جاری رہا ۔ یہاں سے بمبئی تشریف لے گئے ۔ وہاں یونانی اور ڈاکٹری علاج کیا ۔ اسی حالت میں پونا کاٹھیاواڑ وغیرہ تشریف لے گئے ۔ پھر راندیر اپنی جائے قیام پر تشریف لے آئے سیٹھ اسمٰعیل غلام حسین صاحب سورتی کے مکان پر قیام تھا ۔ یہاں پر ہر طرح علاج معالجہ کیا گیا ۔ بالآخر ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۸ر جنوری ۱۹۴۵ء میں راندیر میں بروز دوشنبہ بوقت ظہر اس دار فانی سے سفر فرما گئے ۔

اپنی وفات سے دس پندرہ روز پہلے یہ بھی فرمایا کہ وطن کو واپسی کا ارادہ کرتا ہوں لیکن راندیر کی زمین نے میرے پاؤں پکڑ لئے ہیں ۔ تین چار روز پہلے کئی شخصوں سے یہ بھی فرمایا کہ پیر کے دن تو چلنا ہی ہے ۔

راندیر کے گرد و نواح میں آپکی وفات کی خبر پھیل گئی ۔ سورت کے گرد و نواح کے لوگ جمع ہو گئے اور شب کے دس بجے اس خزینہ علم و عمل اور مجسم زہد و تقویٰ کو بحالت غریب الوطنی راندیر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا ۔ انہتر ۶۹ سال تین ماہ چودہ یوم عمر پائی ؎

اولاد

آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے ۔

(۱) مولانا سید اختر حسین صاحب مرحوم سابق استاد دارالعلوم دیوبند

(۲) حاجی سید محمد بلال صاحب

دونوں صاحبزادوں کی اولاد موجود ہے ۔ حاجی سید محمد بلال صاحب کے صاحبزادے مولانا سید خلیل الرحمٰن صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز ہیں ۔

؎ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے آپکا مرثیہ لکھا ہے جو ۴۰ اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس کے آخر کے دو شعر یہ ہیں

بہر سال وصال فکر جو کی — آگیا دل میں خود بخود اک دم

خلد جنت ہے اب مقام زکی — یہی تاریخ ہے نہ بیش نہ کم

۱۲ ۴ ۹۴

اب آخر میں حضرت میاں صاحبؒ کے چند ملفوظات درج کئے جاتے ہیں۔

ایک مجلس میں بسلسلہ کلام آیۃ کریمہ (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ) پڑھی (ترجمہ ۔ جو چیزیں تمہارے پاس ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں)۔ اور فرمایا کہ عام طور پر لوگ اس کو مال ومتاع اور دولت وسامان پر مقصور سمجھتے ہیں۔ لیکن الفاظ قرآن کے عام ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کل احوال واوصاف اور حوادث وعوارض کا یہی حال ہے کہ سب گذشتنی اور گذاشتنی اور سریع الزوال ہیں۔ جیسے ہمارے مال ومتاع کو کوئی قرار وقیام نہیں اسی طرح دوستی، دشمنی، رنج وخوشی، غصہ ورضا جو کچھ دنیا کے لئے ہو سب کا یہی حال ہے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ۔ اس لئے نہ کسی کی دوستی اور مہربانی پر پورا اعتماد واطمینان چاہیئے نہ کسی کی دشمنی اور ناراضی کا بہت زیادہ اثر لینا چاہیئے ۔ نہ دنیا کی کوئی راحت وخوشی اس قابل ہے کہ اس میں انسان مست ہو جائے ۔ اور نہ کوئی بڑے سے بڑا غم اس قابل کہ اس میں مایوس وبے دل ہو جاوے کہ یہ سب خود ختم ہونے والی چیزیں ہیں

ایک مجلس میں فرمایا ــــ دنیا وما فیہا فانی ہیں اصل مقصود ہے حیات اخرٰی اور اس کا مدار ہے قرب خداوندی پر ۔ جس قدر قرب خداوندی ہوگا اسی قدر حیات اعلیٰ درجہ کی ہوگی ۔ اور قرب حاصل ہوتا ہے اعلیٰ خصائل حاصل کرنے سے اور رذائل واخلاق ذمیمہ کو دور کرنے سے ۔ تو حیات آخرت اور قرب خداوندی اسی درجہ کا حاصل ہوگا جس درجہ آدمی اوصاف ذمیمہ سے پاک ہوگا ۔ اور جس قدر اس میں نقصان ہوگا اسی قدر حیات آخرت جس کی جا بجا بشارت دی گئی ہے اور قرآن مجید میں اس کی بھلائی کو بیان کیا گیا ہے، ضعیف وناپائیدار ہوگی ۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ آج گھر سے مدرسے جاتے ہوئے ایک تماشہ دیکھا کہ محلہ کوٹلہ میں کنوئیں کے قریب کچھ لڑکیاں جمع تھیں جو جنگل سے گوبر جمع کرکے لائی تھیں اور یہاں بیٹھ کر اس کی تقسیم میں اس طرح مشغول تھیں کہ جیسے کسی جائداد کی تقسیم کر رہی ہوں ۔ ذرا ذرا سی مقدار پر لڑ رہی تھیں ہم بھی ان کا تماشہ دیکھنے کو ایک دو منٹ کھڑے ہو گئے تو مشاعق تعالیٰ نے ایک بڑی حکمت وعبرت قلب میں ڈالی کہ ان لڑکیوں کے لڑنے کو ہم بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ہنستے ہیں کہ یہ کس نجاست وغلاظت پر لڑ رہی ہیں ۔ لیکن اگر حق تعالیٰ ہماری آنکھیں کھول دیں اور صحیح بصیرت عطا فرمادیں تو یقین ہو جائے کہ ہم جس بڑی سے بڑی دولت یا عزت ووجاہت کے لئے باہم برسرپیکار ہیں ۔ خاندانوں اور نسلوں میں جنگ وجدل کے سلسلے چلتے ہیں ۔ قتل

وغارت تک کی نوبت آجاتی ہے ان سب چیزوں کی حقیقت بھی اس گوبر سے زیادہ نہیں اور اللہ والوں کی نظر میں ہماری لڑائی ان لڑکیوں کی لڑائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔

ایک روز بسلسلۂ کلام فرمایا کہ دار و مدار ساری ولایت و بزرگی کا اتباع ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہؓ کا ۔ جس قدر تقویٰ اور خشیت اللہ کا جذبہ ہوتا ہے اسی قدر معرفت حق تعالیٰ پیدا ہوتی ہے اور جب مضمون اپنی عاجزی اور خاکساری کا دل میں جم جاتا ہے اور عظمت و جلال خداوندی پیش نظر ہوتی ہے تو تمام خیالات و توہمات فاسدہ دل سے خود بخود نکل جاتے ہیں اور انعامات بے قیاس اس طرف سے طاری ہو جاتے ہیں ۔

ارشاد فرمایا کہ انسان کے سارے شبہات و اشکالات کی بنیاد بندے اور حق تعالیٰ کے درمیان نسبت کا معلوم نہ ہونا ہے ۔ یہ نسبت منکشف ہو جائے تو نہ عقیدہ کا کوئی اشکال باقی رہے نہ معاملہ کا ۔

ایک مرتبہ فرمایا زندگی مستعار راحت و آرام سے بسر ہو یا تنگی و افلاس سے ۔ ہر حال میں شکر گذار رہنا چاہیے ۔ دنیا کی کسی راحت و تکلیف کا کوئی اعتبار نہیں ۔ بہت جلد گذر جاتی ہے ۔ نہ یہاں کی راحت کو بقا ہے نہ تکلیف کو ۔

ارشاد فرمایا ۔ بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اہل محلہ کی خبر گیری کرتے تھے ۔ بیکسوں ، محتاجوں کی ضروریات سودا سلف لا دیتے تھے ۔ ہم سے تو یہ بھی دشوار ہے کہ اپنے کام کو جائیں تو دوسرے کا کام بھی کرلادیں یا کسی محتاج ، بیکس ، رانڈ بیوہ کا بازار کا کام کر دیں ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑا ثواب مقرر فرمایا ہے کسی کو راستہ تبلا دیا ، کسی کا بوجھ اٹھوا دیا ، یہ بھی صدقہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی نہیں ، صرف ضرورت ہے طلب صادق اور نیت خالص کی ۔ (جاری)

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ایک انگریزی ترجمۂ قرآن

حال ہی میں قرآن مجید کا ایک انگریزی ترجمہ نظر سے گزرا — جس کے لاکھوں نسخے دنیا میں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ ترجمہ کی خصوصیت اس کے تشریحی حواشی (FOOT - NOTES) ہیں جن کے[1] اقتباسات اردو ترجمے کے ساتھ اردو قارئین اور برصغیر کے اہل علم و نظر کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ وہ فیصلہ فرما سکیں کہ یہ قرآن مجید کا ترجمہ ہے یا تحریف! اور جن بیشمار انسانوں کے ہاتھ میں یہ ترجمہ پہونچ رہا ہے ان تک اس کے ذریعہ جو شے پہونچ رہی ہے وہ قرآن اور اس کا پیغام ہی ہے؟ یا کوئی اور شئی ہے جسے اس مقدس غلاف میں لپیٹ کر پیش کیا جا رہا ہے۔

ہر اقتباس کا اصل انگریزی متن[1] طوالت کے باوجود اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ کوئی صاحب اپنے سادہ لوح پیروؤں سے کان میں بھی یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ بات ترجمہ میں کہیں ہے ہی نہیں! یہ تو ان مولانا صاحب نے اپنی طرف سے جھوٹ موٹ کہدی۔

یہ ترجمہ تہران (ایران) کے ایک اشاعتی ادارہ "موسسہ جہانی خدمات اسلامی"[2] کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ مترجم کا نام ایم ایچ شاکر ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کس سن میں شائع ہوا ہے۔ لیکن راقم سطور کی معلومات کے مطابق ۱۹۸۰ء کے نصف آخر میں اس کی تقسیم شروع ہوئی ہے۔

فاضل مترجم نے شروع میں دو صفحے پر مشتمل ایک مختصر تعارف (INTRODUCTION) لکھا ہے۔ اس تعارف سے تین اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

---

[1] انگریزی اقتباسات کے نقل میں برادر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ اختصاص فی التفسیر کے عزیز طالب علم سلامت اللہ بیگ سے بہت مدد ملی ہے۔ [2] اس ادارہ کا مکمل نام اور پتہ یہ ہے:-

(۱) پانچویں پیراگراف میں فاضل مترجم تحریر فرماتے ہیں ۔

THE KALAM-e-ALLAH is a wonder-ful piece of poetry and Arabic literature.'

"کلام اللہ عربی ادب اور شاعری کا ایک شاندار نمونہ ہے "

جی ہاں ! قرآن مجید کا یہ تعارف آپ نے پہلی بار سنا ہوگا کہ وہ عربی شاعری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے !! ہماری معلومات میں بھی بڑا قیمتی اضافہ جناب شاکر صاحب کے اس انکشاف سے ہوا ہے ۔ اب تک ہمیں جو بات معلوم تھی وہ یہ تھی کہ قرآن مجید کا اسلوب بالکل منفرد ہے اسے نہ تو نثر کے چوکھٹے میں فٹ کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے شعری اسلوب کا نام دیا جاسکتا ہے بلکہ اس کی اس اسلوبی انفرادیت کو اب تک ہم اس نظر سے دیکھتے رہے کہ یہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی ایک پختہ دلیل ہے ۔ لیکن اب ......

(۷) آٹھویں پیراگراف میں فاضل مترجم نے لکھا ہے ۔

"In order to understand the Glorious QURAN it is necessary to know the lives of MUHAMMAD, ALI, FATEMAH, HASSAN and HUSEIN who translated into action every COMMAND and ORDER of ALLAH. Muhammad being the perfect example for men, Ali for youths, Fatemah for women and Hassan and Husein for children".

"قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کی سیرت کا علم ضروری ہے (یہ وہ لوگ ہیں) جنھوں نے اللہ کے ہر حکم اور اس کی ہر ہدایت پر عمل کرکے دکھایا، محمد کی زندگی مردوں کے لئے بہترین نمونہ ہے، علی کی زندگی نوجوانوں کے لئے، فاطمہ کی سیرت عورتوں کے لئے، اور حسن اور حسین کی زندگیاں بچوں کے لئے اعلیٰ نمونہ ہیں ــــ"

کسی تفصیلی تبصرہ سے پوری طرح گریز کرتے ہوئے فاضل مترجم کے اس مشورے کے بارے میں ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ اس سے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی بے مثال جدوجہد کے اثرات ونتائج کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ جن خدا کا جو آخری پیغام ساری دنیا کی قوموں کے لئے واحد دستورحیات کے طور پر لائے تھے آپ کی ۲۳ سالہ جدوجہد کے نتیجے میں اس کے صرف چار نمونے تیار ہوئے تھے، ان چار میں ایک آپ کی بیٹی تھیں، ایک داماد تھے، اور دو نواسے تھے ۔

آپ کے گھر کے بھی بقیہ افراد اس فہرست سے خارج ہیں تو ان ہزاروں قدسی صفت انسانوں کا تو ذکر ہی کیا جن کو دنیا صحابہ کے نام سے جانتی ہے .... ! یہ ہے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کی سخت ترین محنت کے نتائج کی وہ تصویر جو فاضل مترجم صاحب اپنے دیباچہ میں دنیا کے لوگوں کے سامنے رکھ رہے ہیں!!!

(۳) پیراگراف ۲۰ میں اسلام کا تعارف کراتے ہوئے فاضل مترجم نے لکھا ہے ۔

..... To believe in the Justice of ALLAH, in the life after death, in the prophethood of Muhammad and the teachings of the twelve Apostolic Imams.

"اسلام عدلِ الٰہی، موت کے بعد زندگی، محمد کی نبوت اور بارہ ائمہ مرسلین کی تعلیمات پر یقین کی دعوت دیتا ہے"۔

دیکھا آپ نے ! یہ ترجمۂ قرآن جس اسلام کو دنیا میں پھیلائے گا وہ کون سا اسلام ہے ؟ مذکورہ بالا عبارت میں خاص طور پر اہل نظر کی توجہ ہم APOSTOLIC IMAMS کی تعبیر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ انگریزی میں APOSTLE کا لفظ مرسل، مبعوث کے مفہوم کے لئے آتا ہے ۔ اس ترجمہ میں جہاں کہیں بھی امام یا ائمہ کا ذکر ہے وہاں امام کے لفظ کے ساتھ APOSTOIC کا وصف بھی ذکر کیا گیا ہے ۔ ہم نے اس کا ترجمہ امام مرسل سے کیا ہے ۔ امامت کا جو تصور مذہب شیعہ میں ہے اس سے واقف حضرات اس لفظ کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں ۔

(۴) سورۂ بقرہ کی پہلی آیت الم کے بارے میں مختصر تشریحی حاشیہ میں فاضل مترجم نے لکھا ہے :

Many suras begin with letters of the Arabic Alphabet. They indicate some mystic words of truth beyond the understanding of the people except the Holy Prophet and 12 Apostlic Imams.

"متعدد سورتیں عربی حروف تہجی سے شروع ہوتی ہیں ۔ یہ حروف دراصل کچھ ایسے حقائق پر مشتمل ہیں جنھیں نبی کریم اور بارہ ائمہ مرسلین کے سوا عام لوگ نہیں سمجھ سکتے ۔"

(۵) سورۂ بقرہ کی تیسری آیت میں الذین یومنون بالغیب (جو لوگ غیب پر یقین رکھتے ہیں) کی تشریح میں فاضل مترجم لکھتے ہیں ۔

AL-GHAIB means the unseen such as the existence of Allah, angles, Jinns, hell, heaven and the twelfth Apostolic Imam Muhammad Mehdi who is living but ghaib and who will reappear just before the day of Resurrection.

"الغیب کا مطلب ہوتا ہے وہ جو نظر نہ آئے، جیسے خدا کا وجود، فرشتے، جن، جہنم، جنت اور بارہویں امام مرسل محمد مہدی جو حیات ہیں لیکن غائب ہیں، اور قیامت سے کچھ پہلے دوبارہ ظاہر ہوں گے "

(۶) صفحہ ۸ پر سورۂ بقرہ کی آیت ۳۰ واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ "کی تشریح میں ترجمہ نگار نے لکھا ہے:

"The first Khalif or Viceroy or Representative of Allah was Adam. The last is Muhammad, Al-Mohdi, the twelfth Apostolic Imam, who like Khwaja Khizer, Idris and Isa ghaib".

"اللہ کے پہلے خلیفہ یا نائب یا نمائندہ آدم تھے۔ آخری بارہویں امام مرسل محمد المہدی ہیں جو، خواجہ خضر، ادریس اور عیسیٰ کی طرح غائب ہیں"۔

(۷) اس سے اگلی آیت ۳۱ (وعلّم آدم الاسماء کلھا) پر حسب ذیل تشریحی نوٹ ہے:

"The names are Muhammed, Ali, Fatemah, Hasan and Husein."

"وہ نام (جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھائے وہ) ہیں محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین "

(۸) صفحہ ۸ پر آیت ۳۷ (فتلقی آدم من ربہ کلمات) کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

JIBREEL taught Adam to ask forgiveness of Allah for the sake of Muhammad, Ali, Fatemah, Hasan and Husein.

"جبرئیل نے آدم سے کہا کہ وہ محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے واسطے (وسیلہ) سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں"۔

(۹) اس سے اگلی آیت میں (فاما یاتینکم منی ھدیٰ) کی تشریح میں حسب ذیل نوٹ لکھا ہے

"The earth has never been without a Divine Guide. The Present Hadi (Divine Guide) is Muhammad Al-Mehdi the twelfth Apostolic Imam who is ghaib".

"زمین ایک آسمانی رہبر کے بغیر کبھی نہیں رہی۔ ہمارے دور کے ہادی (آسمانی رہبر) بارہویں امام مرسل محمد المہدی ہیں جو غائب ہیں ۔۔"

(۱۰) سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں (قال انی جاعلک للناس اماما) کی تشریح میں حسب ذیل نوٹ لکھا ہے :

"Ibrahim was already a Prophet. Now a new distinction is conferred on him. He is made the Iman and spiritual leader of mankind".

"ابراہیم کو نبوت دی جا چکی تھی، اب ایک نیا اعزاز و امتیاز انھیں بخشا گیا ہے۔ انھیں "امام" اور انسانیت کا روحانی پیشوا بنا دیا گیا ہے "

ہمارے علم و مطالعہ کے مطابق شیعہ مذہب میں منصب امامت نبوت سے بالاتر ہے۔ یہ بات جو شیعہ مذہب عقائد کی بنیادی کتابوں سے ثابت ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت سے بھی مترشح ہوتی ہے، کیا مسلمانوں اور ان کے کچھ رہبروں کی علمی و عقلی استعداد اتنی پست ہو چکی ہے کہ اس عقیدہ کی خطرناکی، اور اس کی منافی اسلام حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے ؟۔ کیا اس میں بھی کسی مسلمان کو کچھ شک ہو سکتا ہے کہ نبوت و رسالت سے بالاتر کوئی اور منصب و مقام نہیں، اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کیا اسے مسلمان قرار دیا جا سکتا ہے ؟؟ ہم یہ گمان نہیں کرتے اور اس بدگمانی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۔

(۱۱) سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۴ (ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ... الخ) میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوں ان کو عام مردوں کی طرح نہ سمجھو وہ زندہ رہتے ہیں لیکن (اس زندگی کی حقیقت کو) تم لوگ نہیں محسوس کرتے ، اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ ہم خوف اور

بھوک اور جانی و مالی نقصان میں مبتلا کر کے تمہیں آزمائیں گے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ان حالات میں جو لوگ حق پہ جمے رہیں گے اور جب بھی انھیں کوئی تکلیف پہنچے ان کے دل کی آواز یہی ہوگی کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں ، اور ہمیں اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے ۔ انھیں خوشخبریاں سنا دو ، ان پر ان کے رب کی طرف سے رحمت ہی رحمت ہوگی ، اور ہدایت کی دولت تو انھیں کو ملے گی ، یہ خلاصہ ہے آیت ع۱۵۴ ، ع۱۵۵ ، ع۱۵۶ ، اور ع۱۵۷ کا فاضل ترجمہ نگار کو غالباً یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اس آیت کا اولین خطاب چونکہ عہد نبوی کے اہل ایمان (صحابۂ کرام) سے ہے اس لئے اس سے کہیں مذہب شیعہ پہ زد نہ پڑ جائے ، اس کا حل ان کے نزدیک یہ تھا کہ قاری کے ذہن کو بہت بعد میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی طرف موڑ دیا جائے چنانچہ انھوں نے یہ کام اپنی دانست میں صرف ایک سطر لکھ کے کر دیا ۔

"IMAN Husain translated the four verses 154, 155, 156 and 157 into action at Karbala"

"ان چاروں آیتوں ع۱۵۴ ، ع۱۵۵ ، ع۱۵۶ اور ع۱۵۷ پر عمل امام حسین نے کربلا میں کر کے دکھایا ۔

(۱۲) سورہ بقرہ کی آیت ع۱۵۸ (اِنَّ الصَّفَا والمروۃَ مِن شعائرِ اللّٰہ) کی تشریح بڑے عجیب و غریب انداز سے کی گئی ہے ۔ جس میں حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل اور مکہ کی وادی غیر ذی زرع سے ذہن کو کربلا کے میدان اور حضرت حسین اور ان کے رفقاء و اہلبیت کی طرف موڑنے کی کوشش کی گئی ہے لیجئے وہ پورا نوٹ پیش خدمت ہے ، پڑھئے اور اس ذہانت کی داد دیجئے ۔ اور غور کیجئے کہ اس کے پیچھے کیا ذہن اور کون سا جذبہ کام کر رہا ہے ؟ ۔

"When Ibrahim left Hajra and Ismail the barren and desolate vallery of Mecca Ismail was very thirsty and started crying Hajra put Ismail on the ground and went in search of water, first she ran to Safa and then she ran to Marwa crying and praying to God for water. God liked this crying and praying so much that He accepted her prayers and bestowed two favours one is where Ismail was rubbing his heels a spring of water gushed forth, which is known as "Zam Zam" and the second is that He ordered all Hajis to go and

ran spontaneously between Safa and Marva. The Hajis are therefore following the Sunnat of Hajra. In the sight of Allah the position of the Princesses of the House of the Holy Prophet is much greater than Hajra's. At Karbala 18 sons and grandsons of the Holy Prophet were mercilessly butchered before their eyes. The Princesses spontaneously started doing Maatam (beating of chests and wailing). To this day and till the day of Resurrection this Maatam will continue because it is the sunnat of Zainab and Ahl-e-Bait".

ابراہیم کے ہاجرہ اور اسماعیل کو مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر جانے کے بعد اسماعیل کو سخت پیاس لگی۔ جس کی وجہ سے وہ رونے لگے۔

ہاجرہ نے اسماعیل کو زمین پر لٹا یا اور خود پانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ پہلے وہ صفا کی پہاڑی تک دوڑ کر گئیں پھر وہاں سے مروہ کی طرف بھاگیں، روتی جاتیں اور پانی کے لئے اللہ سے دعا کرتی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ رونا اور دعا کرنا اتنا پسند آیا کہ اس نے دو نعمتیں انھیں عطا فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ جس جگہ پر اسماعیل اپنی ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا جسے زمزم کہا جاتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حاجیوں کے لئے صفا و مروہ کے درمیان کی والہانہ دوڑ (سعی) لازم کر دی، اس لئے حجاج ہاجرہ کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں رسول کریم کے گھر کی شہزادیوں کا رتبہ و مقام (حضرت) ہاجرہ سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ کربلا میں ان (شہزادیوں) کی آنکھوں کے سامنے ۱۸ بیٹوں اور پوتوں کو ذبح کیا گیا تھا، وہ شہزادیاں یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ ماتم (سینہ کوبی اور آہ وزاری) کرنے لگی تھیں (اس دن سے) آج تک (اس کا سلسلہ جاری ہے) اور قیامت تک یہ ماتم جاری رہے گا اس لئے کہ یہ زینب اور اہل بیت کی سنت ہے"۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا ہے، اس تشریحی نوٹ میں غور طلب بات یہ ہے کہ فاضل مترجم نے ماتم، سینہ کوبی اور نوحہ وگریہ کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کے لئے کیسے عجیب وغریب انداز کی دلیل پیش کی

ہے ؟ اس موقع پر بے ساختہ یاد آرہی ہے وہ دلیل جو شیعیت کے بانی اور معروف یہودی مجرم عبداللہ بن سبا نے اپنی تخریبی وتحریفی کوشش کے ابتدائی مرحلے میں پیش کی تھی یعنی یہ کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو اس پر تو ایمان رکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم دنیا میں دوبارہ آئیں گے، لیکن یہ نہیں مانتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے ... !! بھولے بھالے سادہ لوح عوام کے لئے اس طرح کی دلیلیں کتنی مؤثر ہوتی ہیں ؟ اسے وہ لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جنھیں عوام کی عقلی سطح کا تجربہ ہے۔

(۱۳) اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت ع۱۸۰ (کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ....) کی تشریح میں بھی ایک شیعی عقیدہ کو زبردستی آیت کے مضمون کے ساتھ جوڑ کر تشریح وتفسیر کے نام پر تحریف کا ایک اور نمونہ پیش کیا گیا ہے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کا تشریحی حاشیہ نقل کرنے سے پہلے آیت کا خلاصہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

اسلام سے پہلے عربوں میں ترکہ ومیراث کی عادلانہ تقسیم کا کوئی تصور نہیں تھا عموماً بڑی اولاد ہی ہر چیز کو ہتھیا لیتی تھی، کسی اور رشتے دار کا کوئی حق ان کے نزدیک نہیں تھا، اسلام کو یہ جاہلانہ اور ظالمانہ رواج ختم کرکے ایک مفصل مستحکم اور عادلانہ نظام میراث جاری کرنا تھا، اس کے لئے اس نے اپنے تدریجی طریقہ کے مطابق محولہ بالا آیت (ع۱۸۰) میں یہ حکم دیا کہ جب موت کا وقت قریب ہو اور آدمی کچھ سرمایہ چھوڑ کر جا رہا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق وصیت کرکے دنیا سے رخصت ہو۔ ماہرین شریعت کا کہنا ہے کہ اس آیت میں نہ تو وارث ہونے والے رشتہ داروں کی تعیین کی گئی ہے اور نہ ان کے حصوں کی، ان دونوں چیزوں کو صاحب معاملہ کی صوابدید پہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ وصیت کے اس حکم کے نتیجہ میں جب معاشرہ اس بات سے مانوس ہو گیا اور جب لوگ اپنی رضامندی سے بلا کسی قانونی جبر واکراہ کے والدین اور رشتہ داروں کو متروکہ مال کا حقدار سمجھنے لگے تب سورہ نساء کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں ترکہ کی تقسیم کے متعلق وہ مفصل نظام دے دیا گیا جسکے لئے تمہید اور ذہن سازی کے طور پر ہی سورۂ بقرہ کی یہ آیت وصیت نازل ہوئی تھی اور اس طرح وصیت والا یہ حکم واجب العمل نہ رہا۔ اس لئے کہ اس کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

ترکہ کی تقسیم کے متعلق سورۂ نساء کی آیتیں ہوں یا سورۂ بقرہ کی یہ آیت وصیت ان کے مخاطب عام انسان ہیں جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے نہایت محکم دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ (اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام) اگر کچھ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوں تو اس کو گھر والوں کے بجائے عام

مسلمانوں کی ضرورتوں میں استعمال کیا جائے گا۔ جو لوگ نبوت کے مزاج سے واقف ہیں اور عقل و فہم سے عاری نہیں ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے اس مستقل رویہ کو ان کی نبوت کی دلیل، ان کی عفت و پاکبازی کی علامت اور دنیا طلبی کے شائبہ سے بھی ان کے مثالی بُعد نیز ان کی بلند تر اخلاق و عمل سطح کا واضح ثبوت قرار دیتے ہیں اور صرف اس ایک جزئیہ پر غور کر کے ان کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ نبوت کے مزاج سے بالکل ناآشنا ہیں اور مجوسی اور یہودی ذہنیت کے مرکب کے اثر سے خاندانی اقتدار کے آگے ان کی نگاہ ہی نہیں جاتی، وہ اس بات کو بالکلیہ مسترد کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو آپ کی وصیت اور آپ کی میراث کے حقوق سے ان ظالموں نے محروم کر دیا جن کے مظالم کی فہرست بہت طویل ہے۔

محولہ بالا آیت چونکہ اسی نظام وصیت کے متعلق ہے اس لئے اس ظلم کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرنے کا یہ موقع بھی فاضل مترجم نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

Making of bequest or will is obligatory in Islam. The Holy Prophet has said that if you had no possession other than a shirt, even then bequest was incumbent. It is not possible to imagine that when the Quran and the Holy Prophet have emphasized on making a will the Holy Prophet himself departed from this world without making a will of his succession. There is not the slightest doubt that the Holy Prophet nominated Ali as his successor and Khalif and willed away Bagh-e-Fidhek to Fatemah.

"اسلام میں وصیت کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک کرتا ہی ہو تب بھی وصیت ضروری ہے۔ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن مجید اور نبی کریم وصیت کی اتنی تاکید کریں خود آپ اپنی نیابت کے بارے میں کوئی وصیت کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اس بات میں ادنیٰ درجہ کا شبہ بھی نہیں ہے کہ نبی کریم نے اپنے نائب و خلیفہ کی حیثیت سے علی کو نامزد فرما دیا تھا اور فدک کے باغ کے بارے میں آپ نے یہ وصیت فرما دی تھی کہ وہ فاطمہ کو دے دیا جائے"

(باقی)

LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No LW/NP-62
Vol 54 No 8
August 1986

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمن سجاد ندوی

Rs. 3/-

SEPT. 1986

الفرقان

جلد — ۵۴ ، شمارہ — ۹

ستمبر ۱۹۸۶ء
مطابق
محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

فہرست مضامین

فی شمارہ ۳/-
سالانہ چندہ
برائے ہندوستان ۳۰/- پاکستان ۶۰/-
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک ۵۰/- (5/- پونڈ)
ہوائی ڈاک ۱۲۰/- (10/- پونڈ)

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان
ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ
دفتر ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

مدیر

اردو داں حلقہ میں کون باخبر مسلمان ہے جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نام سے ناواقف ہوگا، دینیات، ادبیات، اور مشرقیات کا کون طالب علم ہے جو علم وتحقیق کے اس منارۂ نور کی روشنی سے بے نیاز ہوگا، ان کو استاد اکل اور سید العلماء کے نام سے یاد کیا گیا اور بالکل صحیح کیا گیا، انھیں جوئے شیر اسلامیہ کا فرہاد کہا گیا اور بالکل صحیح کہا گیا۔ انھیں بجا طور پر علم وفضل کا ایک ایسا دریا قرار دیا گیا جس سے سیکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں جس قدسی صفت، اور پاکباز "ولی اللّٰہی" جماعت کو دعوت وعزیمت اور علم ومعرفت کی امانت مشیت الٰہی نے سونپی تھی، علامہ سید

سلیمان ندوی اس جماعت کے رکن رکین اور اس کے متکلم و ترجمان تھے اور جو "سپاہ تازہ" حکمت الہٰی نے بغاوت خرد کو دفع کرنے اور حرم اسلام کی حفاظت کے لئے اس تحتی برعظم میں برپا کی تھی شاعر اسلام علامہ اقبال اور علامہ سید سلیمان ندوی، کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دو باذوقوں کے میر و سالار تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی پیدائش ۱۳۰۲ھ میں ہوئی تھی اس اعتبار سے پندرہویں صدی شروع ہوتے ہی ان کی پہلی صد سالہ جشن پیدائش کے موقع پر مختلف ملکوں میں چھوٹے اور بڑے پیمانہ پر مجالس مذاکرہ منعقد کی گئیں، سیمینار ہوئے، مقالات پڑھے گئے اور لیکچر دیئے گئے۔ ان مجلسوں اور سیمیناروں کا ایک مفید پہلو یہ ہوکہ ان کے ذریعہ متعلقہ شخصیت کے وہ پہلو اجاگر ہوتے ہیں جن میں نئی نسل کے عقابی روح رکھنے والے جوانوں کے لئے درس و موعظت اور تعلیم و تربیت کے نہ جانے کتنے پہلو مضمر ہوتے ہیں، اور جن سے دین و ملت، اور علم و حکمت کی خدمت کے جذبہ سے سرشار نوجوانوں کو اپنی شخصیت کی تعمیر اور اپنے ارمانوں کی تکمیل کے لئے مجرب راہ عمل اور بیش قیمت اصول معلوم ہو جاتے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی یادیں، ان کے پہلے صدسالہ جشن پیدائش کے موقع پر ہندوستان میں منعقد ہونے والی تقریبات کا حسن اختتام بلکہ مسک اختتام اس بزم سلیمانی پر ہوا جو دارالعلوم تاج المساجد بھوپال میں امیر دارالعلوم حضرت مولانا محمد عمران خاں ندوی ازہری کی دعوت پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زیر صدارت ۲ ہرتا ۴ دسمبر ۸۵ء منعقد ہوا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت، مزاج زندگی، دینی و علمی رنگ، اور مختلف مسائل میں ان کی آراء و تحقیقات کے بارے میں جو کچھ یہ طفل مکتب ایام طفولیت ہی سے اپنے ان بزرگوں کی زبانی سنتا آرہا ہے جنھوں نے ان کو براہ راست دیکھا اور جانا تھا اس سے دل پر ان کی عقیدت کا نقش تو ثبت ہو ہی چکا تھا، اور اب جب انکی علمی دینی اور ادبی کاوشوں سے استفادہ کا موقع ملا تو وہ نقش اور گہرا ہو گیا اور ...

ومزاج کو ان سے خصوصی مناسبت محسوس ہونے لگی۔ اور جی چاہنے لگا کہ سید صاحب کی شخصیت کو سمجھنے اور انکی بارگاہ کے جلوہ ہائے صد رنگ کے دیدار کا جو موقع ملے اس سے مزید فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن بعض وجوہ سے یہ راقم بھوپال کی اس بزم میں شریک نہ ہو سکا تھا اور شرکاء بزم سے جو احوال وہاں کے معلوم ہوئے تھے اس سے اپنی عدم شرکت پر افسوس دو چند ہوا تھا۔

حال ہی میں دارالعلوم تاج المساجد سے اس بزم میں پڑھے جانے والے مقالات اور اس موقع پر ہونے والے مباحثات ایک ضخیم دیدہ زیب کتاب "مطالعہ سلیمانی" کی صورت میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔ کتاب کا ایک نسخہ تھوڑے دن پہلے مخدومنا حضرت مولانا محمد عمران خاں صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے ناچیز مدیر الفرقان کو موصول ہوا تھا اس حکم کے ساتھ کہ "الفرقان" کے صفحات میں اس پر تبصرہ شائع کیا جائے۔ تبصرہ کا باب تو بہت دنوں سے "الفرقان" میں بند ہے۔ لیکن حضرت مولانا محمد عمران خاں صاحب کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی اور اس موضوع سے اپنی ذاتی دلچسپی اور اس عظیم خدمت کے اعتراف کا بھی تقاضا تھا کہ الفرقان کے صفحات میں مختصراً ہی سہی اس کا تذکرہ ضرور آجائے۔ اسی خیال سے یہ سطریں سپرد قلم کی جا رہی ہیں۔

۷۰۰ صفحات پر مشتمل عمدہ کتابت وطباعت سے مزین اس کتاب میں ۴۷ مقالات ہیں جن کو حسب ذیل عنوانات میں منقسم کیا گیا ہے۔

(۱) رہنما خطبات ومقالات (۲) علوم وفنون سلیمانی پر نظر (۳) تصنیفات سلیمانی، تعارف وتبصرہ (۴) دیگر نگارشات (۵) ملی سیاسات وتحریکات (۶) سیرت وشخصیت۔ ان مقالات کے علاوہ کتاب کے شروع میں بزم کی روداد لکھی گئی ہے اور آخر میں مباحثات بزم اور اختتامی تقریب کی تقریریں اور تجاویز بزم ایک مستقل عنوان کے تحت رکھی گئی ہیں۔

بزم سلیمان کے اکثر مقالات بقول ناظم بزم "علوم وفنون سلیمان کے متنوع گوشوں کو اجاگر کرنے اور مؤلفات سلیمان کے تعارف پر مشتمل تھے" اس لئے اگرچہ اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت سید صاحبؒ کی جامع کمالات شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں کو

سمجھنے میں تھوڑی بہت مدد ضرور ملے گی لیکن یہ واقعہ ہے کہ کیمرہ کا فوکس زیادہ تر انکی شخصیت کے علمی پہلو کی طرف ہی رہا ہے ۔ اور اسی لئے کتاب کا نام "مطالعہ سلیمان" رکھا گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سید صاحب جیسی ہمہ جہت شخصیت کا مطالعہ آسان نہیں ، خصوصاً جبکہ ان کو فیاض ازل نے طالبانہ ذوق ، اخلاص وللّٰہیت ، حقیقت پسندی اور تواضع کے جواہر بڑی فیاضی سے بخشے تھے جنکی وجہ سے ان کی آب وتاب میں ہر روز نیا نکھار پیدا ہو رہا تھا اور جنکی ظاہری وباطنی سطح میں ہر آن ترقی ہو رہی تھی "مطالعہ سلیمان" کے مطالعہ کے وقت یہ بات جکی طرف اس کے مرتب اور بزم کے ناظم جناب ڈاکٹر مسعود الرحمٰن صاحب نے "حرف آغاز" میں اشارہ بھی کر دیا ہے ملحوظ رہے گی تو بہت سے ان لوگوں کو جنھیں سید صاحب کی زندگی وشخصیت کے دوسرے پہلوؤں کے اعتبار سے اس کتاب میں کچھ تشنگی محسوس ہوگی ، کچھ زیادہ اشکال باقی نہیں رہے گا ۔

رہنما خطبات ومقالات میں حضرت مولانا محمد عمران خاں ندوی کے خطبہ استقبالیہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خطبۂ صدارت کے علاوہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ناظم دارالمصنفین اور پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بیش قیمت مقالات ہیں ۔ علمی مقالات میں مولانا عبیداللہ کوثی ندوی کا مقالہ فقہ سلیمان خصوصی اہمیت کا حامل اور اہل علم ونظر کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے ۔

ادارہ الفرقان اس بزم کے انعقاد اور پھر اس دیدہ زیب مجموعہ کی ترتیب واشاعت پر داعی بزم حضرت مولانا محمد عمران خاں ندوی اور ڈاکٹر مسعود الرحمٰن ندوی و ڈاکٹر محمد حسان ندوی اور دارالعلوم تاج المساجد کے تمام منسوبین کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ خاص طور پر دینی مدارس میں اس بیش قیمت تحفہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا ۔ اور اس سے خاطر خواہ علمی وعملی فائدہ اٹھایا جائے گا ۔

سخنہائے گفتنی

جولائی ۸۶ء سے "الفرقان" کی کتابت وطباعت کے نظام میں جو تبدیلی کی گئی ہے، قارئین کی طرف سے برابر اس کے استقبال، تحسین اور حوصلہ افزائی کے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ بعض احباب نے ایک ماہ کے اندر دس نئے خریداروں سے زرتعاون وصول کر کے ادارہ کو ارسال بھی کر دیئے ہیں۔ بعض نے جلد ہی دس یا پانچ خریداروں کا زرتعاون بھیجنے کی اطلاع دی ہے۔ ایک دوست نے شکایت کی ہے کہ ادارہ نے اپنے قدردان قارئین سے بہت چھوٹی سی فرمائش کی ہے جو ان کی روایتی قدردانی اور دیرینہ تعلق سے جوڑ نہیں کھاتی، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے سب قارئین سے کہنا چاہیے تھا کہ وہ کم از کم پانچ نئے خریدار ضرور بنائیں۔

قارئین کرام کے اس مخلصانہ تعاون سے ہماری ہمت بڑھی ہے۔ اور اسی وجہ سے آج کی صحبت میں ہم اس بات کے اعادہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ آپ حضرات کی الفرقان کی توسیع اشاعت کے سلسلہ میں تھوڑی سی توجہ سے ان شاء اللہ آپکے اس محبوب رسالہ کے ظاہری ومعنوی معیار میں ترقی واستحکام ہوگا، اس بنا پر آپ سب اسکی فکر فرمائیں۔

ہمارے زمانہ میں خاصا بڑا حلقہ ایسے لوگوں کا ہے جو دینی رسائل ومجلات اور دینی کتابوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن ایسے لوگوں کی بہت کمی ہے جو لوگوں کو صحیح دینی رسائل کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ کریں۔ خواتین اور نوجوانوں میں بھی خاصی تعداد رہ ہے جن تک اگر کوئی دینی رسالہ پہنچایا جائے اور ان کے مطالعہ کا دوستانہ مشورہ دیا جائے تو وہ طبقہ اس کی قدر کرتا ہے۔

بہر حال ابھی مطلوبہ نشانہ کافی دور ہے۔ بیرونی خریداروں کی طرف سے تو ابھی تک ایک ہی دو خط اس سلسلہ میں آئے ہیں۔ ہم ملکی وبیرونی تمام احباب سے گذارش کرتے ہیں کہ اس کام کو اہتمام اور مستعدی کے ساتھ کم وقت میں انجام دے دیا جائے تاکہ رسالہ کے ظاہری نظام کی بہتری کی طرف سے مطمئن ہو کر اس کے معنوی حسن کے اضافہ کی طرف یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوا جاسکے جسکے لئے ایک جامع منصوبہ زیر غور ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

مدیر

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب المناقب والفضائل (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بعثت، وحی کی ابتدار اور عمر شریف

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ، وَبِشَارَةُ عِيْسٰى، وَرُؤْيَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِیْ، وَقَدْ خَرَجَ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ

رواہ احمد

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اول امر (اپنی ابتدار) کے بارے میں بتلاتا ہوں، میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں (یعنی اُن کی دعا کی قبولیت کا ظہور ہوں) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں (یعنی وہ نبی ہوں جس کی آمد کی بشارت انھوں نے دی تھی) اور اپنی والدہ کا خواب ہوں (یعنی اُن کے اُس خواب کی تعبیر ہوں) جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے میری والدہ کے لئے ملک شام کے محل بھی روشن ہو گئے۔ (مسند احمد)

(تشریح) قرآن مجید سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۸ و ۱۲۹ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبۃ اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو انھوں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ اے ہمارے پروردگار ہماری نسل میں سے ایک ایسی امت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو، اور ان میں انھیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو اُن کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے ـــــ اور سورۂ صف کی آیت ۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو آپ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے لئے بھیجا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں اُس عظیم الشان پیغمبر کی آمد کی بشارت سناؤں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی انہی آیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ اور ظہور ہوں، اور میں عیسیٰ بن مریم کی بشارت کا مصداق ہوں ـــــ آگے آپ نے فرمایا کہ میں اُس خواب کی تعبیر ہوں جو میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا غیر معمولی نور ظاہر ہوا جس کی روشنی نے میری والدہ صاحبہ کے لئے ملک شام کی عالی شان عمارتیں اور محل روشن کر دیے اور میری والدہ نے اس نور کے اجالے میں اُن کو دیکھ لیا۔

یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت کے قریب وقت میں غالباً اسی رات میں دیکھا تھا جس کی صبح آپ کی ولادت ہوئی ـــــ ملک شام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء ہے اور اسی میں وہ بیت المقدس ہے جو تمام انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے ـــــ راقم سطور نے حدیث کے لفظ "رؤیا" کا ترجمہ خواب کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر تشریح کی ہے لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے اس نور کا ظہور اور اس کی روشنی میں ملک شام کے محلات عین ولادت کے وقت بیداری میں دیکھے۔ بعض دوسری روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت سے پہلے سونے کی حالت میں خواب دیکھا ہو اور پھر ولادت کے وقت بیداری میں کھلی آنکھوں یہ سب دیکھا ہو۔ بہرحال یہ نور کا ظہور اور اُس کے اجالے میں ملک شام کے محلات کا نظر آنا اسکی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مولود مسعود کے ذریعہ ہدایت کا نور ملک شام تک بھی پہنچائے گا جو

ہزاروں برس تک خود ہدایت کا مرکز رہا ہے اور بیت المقدس کو قبلہ ماننے والی قومیں بھی اس نورِ ہدایت سے فیضیاب ہوں گی جیسا کہ ظہور میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ وُلِدْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ

(رواہ الترمذی)

قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے۔　(جامع ترمذی)

(تشریح) "فیل" عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں "عام الفیل" سے مراد وہ سال ہے جس میں یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ نے کعبۃ اللہ کو ڈھانے اور برباد کر دینے کے ارادے سے ایسے لشکر کے ساتھ جس میں بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے، مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تھی، تو مکہ کے حدود میں اُن کے داخل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی شکل میں اپنا غیبی لشکر بھیجدیا، ان چڑیوں نے لشکر پر کنکر کی پتھریاں برسا کر، (جو گولی کا کام کرتی تھیں) سارے لشکر کو تہس نہس کر دیا، قرآن مجید "سورۃ الفیل" میں یہی واقعہ بیان فرمایا گیا ہے ——— جس سال یہ غیر معمولی واقعہ ہوا تھا اسی کو "عام الفیل" کہا جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اسی سال ہوئی، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

علامہ ابن الجوزی کے بیان کے مطابق اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت اسی سال میں ہوئی، اس بھی قریباً اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول اور دن دوشنبہ کا تھا ——— تاریخ کے بارہ میں روایات مختلف ہیں، ۲ ربیع الاول کی بھی روایت ہے، ۸ کی بھی، ۱۰ کی بھی اور ۱۲ کی بھی (اور یہی زیادہ مشہور رہی) اس کے علاوہ ۷ اور ۱۸ کی بھی روایتیں ہیں۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک ۸ ربیع الاول والی روایت زیادہ قوی ہے ——— ماضی قریب کے مصر کے ایک ماہر فلکیات محمود پاشا نے ریاضی کے حساب سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔ ———

ٹھیک جس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں (مکہ مکرمہ ہی میں) آمد کا وقت قریب تھا، ابرہہ کے لشکر کا جس کو قرآن مجید میں "اصحاب الفیل" کہا گیا ہے اور جو کعبۃ اللہ کو

جانے اور نیست و نابود کر دینے کے ارادے کو وہ بیکرہا تھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی سنگ باری سے تہس نہس ہو جانا یقیناً قدرت خداوندی کا ایک معجزہ تھا۔ ہمارے علماء مصنفین نے اس کو اُن معجزانہ واقعات میں شمار کیا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد سے پہلے اُس کے مقدمات اور پیشگی برکات کے طور پر ظہور میں آئے۔ اور بلاشبہ ایسا ہی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ، ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ، فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا گیا) چالیس سال کی عمر میں ـــــ اسکے بعد آپ مکہ مکرمہ میں رہے تیرہ سال، آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی رہی، پھر آپ کو حکم ہوا (مکہ سے) ہجرت کا، تو آپ نے ہجرت فرمائی، اور مہاجر بن کر دس سال رہے (مدینہ منورہ میں) اور پھر وفات پائی اُس وقت جبکہ عمر شریف ترسٹھ سال تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ، وَاَبُوْبَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّيْنَ، وَعُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ ـــــ

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی جبکہ عمر شریف ترسٹھ سال تھی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ترسٹھ سال تھی، اور حضرت عمرؓ نے بھی وفات پائی ترسٹھ سال ہی کی عمر میں

(صحیح مسلم)

(تشریح) شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو خاص بلکہ اخص الخاص نسبت تھی اُس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے

دونوں حضرات نے بھی ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی، اور اسی کا ایک ظہور یہ بھی ہے کہ وفات کے بعد یہ دونوں حضرات بھی روضۂ اقدس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر میں مدفون ہیں — اور علامات قیامت کے زیر عنوان وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف سے اٹھ کر میدانِ حشر یا دربار خداوندی کی طرف چلیں گے تو آپ کے یہ دونوں رفیق آپ کے داہیں بائیں ہوں گے —— اور آگے شیخین کے مناقب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت انشاء اللہ ذکر کی جائے گی جس میں انھوں نے بیان فرمایا ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شیخین کے اس خصوصی تعلق اور امتیازی نسبت کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا حوالہ دے کر بڑے جامع اور واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ —— وَهُوَ التَّعَبُّدُ —— اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءَ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى

ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي، فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ إِلَى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ ابْنِ عَمِّ خَدِيجَةَ فَقَالَتْ لَهُ يَا ابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى مُوسَى، يَا لَيْتَنِي كُنْتُ فِيهَا جَذَعًا يَا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا، إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ، إِلَّا عُودِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ۔ رواه البخاری و مسلم

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان فرمایا کہ وہ پہلی چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی رؤیاء صادقہ (سچے خواب) تھے جو آپ سونے کی حالت میں دیکھتے تھے، چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آجاتا ـــــ پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈالدی گئی تو آپ غار حرا میں جاکر خلوت گزینی کرنے لگے ۔ وہاں آپ (اپنے اہل خانہ کی طرف اشتیاق سے پہلے) کئی کئی رات تک عبادت فرماتے اور اس کے لئے خورد ونوش کا ضروری سامان ساتھ لے جاتے، پھر (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لاتے، اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان خورد ونوش ساتھ لے جاتے ـــــ یہاں تک کہ اسی حال میں کہ آپ غار حرا میں تھے ۔ آپ کے پاس حق آگیا (یعنی وحی حق آگئی) چنانچہ (خدا کا فرستادہ) فرشتہ (جبرئیل) آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اِقْرَأْ (پڑھیے!) آپ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ نے بیان فرمایا کہ پھر اس فرشتے نے مجھے زور سے

دبایا (بھینچا) یہاں تک کہ اُس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ اِقْرَأ (پڑھیے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اُس نے مجھے پکڑا اور پھر دوسری دفعہ زور سے دبایا، یہاں تک کہ اُس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا اِقْرَأ (پڑھیے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اسکے بعد پھر اُس فرشتہ نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ زور سے دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا " اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ " (اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا انسان کو جس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، وہ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ — پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن آیتوں کو لے کر اس حال میں لوٹے کہ آپ کا دل لرز رہا تھا — تو آپ (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کپڑا اڑھادو، مجھے کپڑا اڑھادو، تو گھر والوں نے آپ کو کپڑا اڑھادیا، یہاں تک کہ گھبراہٹ اور دہشت کی وہ کیفیت ختم ہوگئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے بات کی اور پورا واقعہ بتلایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوگیا تھا، حضرت خدیجہ نے کہا کہ ہرگز ایسے خطرہ کی بات نہیں، قسم بخدا اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کہتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کے لئے کماتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان حادثوں پر جو حق ہوتے ہیں — پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے گئیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس اور ان سے کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات (اور واردات) سنیئے! تو ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے بھتیجے بتلاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ سب بتلایا جو مشاہدہ فرمایا تھا تو ورقہ نے کہا کہ یہ وہ خاص رازداں فرشتہ (جبرئیل) ہے جس کو

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بھیجا تھا (پھر حسرت سے کہا) کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھے نکال دیں گے ؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں ! (تمہاری قوم تمکو ضرور نکالے گی) کوئی آدمی بھی اس طرح کی دعوت لے کر نہیں آیا جیسی تم لائے ہو مگر یہ کہ لوگوں نے اُس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا، اور اگر میں اُن دنوں تک زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا ، پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا ، اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء، اور نزول وحی کے آغاز کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ، اور اس کی راوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں ، جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں ، لیکن حدیث کے مستند ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ یا تو انھوں نے یہ واقعہ اس تفصیل کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا ، (اور غالب گمان یہی ہے) یا اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے بزرگوار صحابی سے جنھوں نے خود حضور سے سنا ہوگا ۔ اور اہل سنت کا مسلمہ ہے (جو گویا ان کے عقائد میں شامل ہے) کہ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (یعنی تمام صحابہ کرام عادل اور ثقہ ہیں) حضرت صدیقہ نے اسکی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ یہ بتلائیں کہ انھوں نے یہ کس سے سنا تھا ، ہمارے یقین کے لئے ان کا بیان فرمانا کافی ہے ۔ اگر اس بارے میں ان کو پورا اطمینان و یقین نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس طرح بیان نہ فرماتیں ـــــ یقیناً حضور کی تربیت کے نتیجہ میں وہ یہ جانتی تھیں کہ حضور سے متعلق اس طرح کے اہم اور غیر معمولی واقعہ کا بیان کتنی بڑی ذمہ داری کی بات ہے ۔

حدیث میں سب سے پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ کس طرح شروع ہوا، کہ آپ کو "رؤیائے صادقہ" (سچے خواب) آنے شروع ہوئے ، آگے خود حدیث میں اسکی یہ وضاحت ہے کہ آپ سونے کی حالت میں جو خواب دیکھتے وہ صبح کے اجالے کی طرح بیداری میں آنکھوں کے سامنے آجاتا ، سمجھنا چاہیئے کہ وحی نبوت کے لئے آپ کی روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح کے خوابوں سے شروع ہوا ، یہ پہلا مرحلہ تھا ۔

(تشریح کا باقی حصہ انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت میاں اصغر حسین محدث دیوبندیؒ

اور

درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں

دوسری اور آخری قسط

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و سوانح ناظرین کرام گزشتہ شمارے میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان کے درس ابوداؤد کی جھلکیاں اس صحبت میں ملاحظہ ہوں۔

پہلے لکھ چکا ہوں کہ میں شوال ۱۳۵۴ھ میں دورۂ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم میں داخل ہوا۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ سے میاں صاحب کے درس کو لکھنا شروع کیا۔ اس وقت ایک سو اٹھائیس صفحات ہو چکے تھے۔ ان صفحات کی احادیث پر جو کچھ میاں صاحبؒ نے فرمایا وہ قلم بند نہیں کیا جا سکا باقی درس کی تقاریر بھی مکمل طور پر نہیں لکھ سکا۔ ۴ شعبان ۱۳۵۵ھ کو ابوداؤد شریف ختم ہوئی اس وقت تک یہ کام جاری رہا۔ درمیان میں کچھ عرصہ میاں صاحبؒ نے نہیں پڑھایا۔ یاد نہیں کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے یا کسی سفر کی وجہ سے۔ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے میاں صاحب کی قائم مقامی میں پڑھایا میں انکی تقاریر نہ لکھ سکا۔ اس وقت میاں صاحب کے درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں دکھانی مقصود ہیں۔ انکی تقریر بطرز تفہیمی مختصر ہوتی تھی پھر بھی لکھنے میں کچھ اختصار کر دیتا تھا اسی مختصر تقریر سے چند اقتباسات لئے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ان کی طبیعت کے رنگ اور مخصوص طرز تقریر کا اظہار کرنا ہے۔ علمی مضامین

اور فقہی مباحث کو قصداً درج نہیں کیا گیا کیونکہ ایک محدود مقالے کے اندر اس کی گنجائش نہ تھی ۔ بہت دنوں سے یہ داعیہ پیدا ہو رہا تھا کہ میاں صاحب پر کچھ لکھوں ۔ اب معذوری کے عالم میں اس داعیہ کی تعمیل ہو رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ میانصاحب کو اور میرے اساتذہ حدیث و تفسیر اور معلمین فقہ و عقائد کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور مجھے ان کے نقش قدم پر چل کر اتباع شریعت و سنت کی پوری پوری توفیق بخشے ۔ آمین ۔

میانصاحبؒ نے ایک دفعہ درس ابوداؤد کے بعد احقر سے فرمایا تھا (یہ یاد نہ رہا کہ کس بات پر یا کس سوال پر فرمایا تھا) کہ "مسلم شریف کی شرح نووی جو مسلم شریف کے ساتھ کی گئی ہے اس کو ضرور پڑھنا چاہیے میرے یہاں ابوداؤد میں ناغہ ہو جائے "۔ حضرت کا یہ قول بھی برابر یاد آتا رہتا ہے ۔

ابوداؤد کے باب فی السلام کی پہلی حدیث کی اسناد میں ابو اسحاق کے چھ شاگرد ہیں جن میں سے دو سفیان اور اسرائیل ہیں ۔ اس حدیث کے آخر میں امام ابوداؤدؒ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اس حدیث کے الفاظ سفیان کے ہیں ۔ پھر اس کے بعد فرمایا ۔ "حدیث اسرائیل لم یفسرہ"۔ لم یفسرہ کی ضمیر کے متعلق میانصاحبؒ نے تین صورتیں بیان کیں ۔ ان میں سے دو صورتیں یہ ہیں ۔

۱۔ ضمیر حدیث کی طرف راجع ہو رہی ہے یعنی حدیث اسرائیل نے نہیں تفسیر کیا حدیث سفیان کو

۲۔ ضمیر سلام کی طرف راجع ہے یعنی حدیث اسرائیل نے نہیں تفسیر کیا سلام کو ۔

اس کے بعد میانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبھٹویؒ نے جب بذل المجہود لکھنی شروع کی تو دارالعلوم دیوبند کے مدرسین (یعنی اساتذہ حدیث) سے معلوم کیا کہ یہ ضمیر کس طرف پھرتی ہے ۔ اپنی اپنی تحقیق بیان کریں ۔

باب صلوٰۃ الرجل التطوع فی بیتہ (کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز نفل پڑھنا)

اس باب کے تحت جو حدیث ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے میانصاحب نے فرمایا ۔ گھر میں نفل نماز پڑھنا افضل ہے ۔ مسجد میں جائز ہے ۔ آجکل مسجد میں نفل پڑھنے کو ناجائز ثابت کرنے کے لئے رسالے لکھے جاتے ہیں ۔ یہ معلوم نہیں کہ گھر میں بال بچوں میں جاکر گھر جائے گا یا اگر مکان مسجد سے دور ہے تو نفل پڑھنے سے پہلے ممکن ہے راستہ میں کوئی کام نکل آئے ۔ اگر گھر مسجد سے بالکل قریب ہے تو البتہ افضل یہ ہے کہ گھر میں نفل نماز پڑھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول نوافل گھر

ہی میں پڑھنے کا تھا، لیکن آپ نے مغرب کے بعد مسجد میں بھی نفل پڑھے ہیں۔ اس سے مسجد میں نفلی نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

باب فضل الجمعہ کے ذیل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے جس کو انھوں نے مرفوعاً بیان کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت جمعہ کے دن وقت جمعہ شروع ہوتے ہی باب مسجد پر آکر بیٹھ جاتی ہے پھر اول ساعت میں آنے والے اور دوسری ساعت میں آنے والے نمازیوں کے نام وہ جماعت لکھتی ہے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحب نے بطور خوش طبعی فرمایا "اگر کوئی شخص حاضری (طلبہ) کو بدعت کہیگا تو ہم یہاں سے حاضری کا ثبوت دیں گے۔"

باب الجمعہ فی القری میں عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ کی روایت ہے۔ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ کعب بن مالکؓ جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو وہ اسعد بن زرارہؓ کے لئے دعائے رحمت کرتے تھے۔ دریافت کرنے پر حضرت کعبؓ نے فرمایا میں ان کے لئے دعا رحمت اس لئے کرتا ہوں کہ انھوں نے ہزم النبیت میں (جو کہ مدینہ منورہ میں ایک جگہ ہے) حرۃ بنی بیاضہ کے اندر جو نقیع الخضمات میں واقع ہے ہم کو سب سے پہلے جمعہ پڑھایا تھا ——— الفاظ یہ ہیں لانہ اول من جمع فی ہزم النبیت من حرۃ بنی بیاضۃ فی نقیع الخضمات

اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا

ہزم النبیت عام ہے اس میں سے حرۃ بنی بیاضہ خاص ہوا اور اس خاص میں سے نقیع خاص ہوا۔ اور ایسا ہوا جیسا کہ دیوبند کہا جائے اس کے بعد دارالعلوم پھر اس کے بعد نودرہ کہا جائے۔

باب الرجل ینعس والامام یخطب ،، میں حدیث ذیل ہے

عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا نعس احدکم وھو فی المسجد فلیتحول عن مجلسہ ذالک الی غیرہ

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبکہ تم میں سے کسی شخص کو اونگھ آنے درآں حالیکہ وہ مسجد میں ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ تبدیل کردے)

اس کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحب نے فرمایا ـ نیند حرکت ظاہری یا حرکت باطنی سے زائل ہو جاتی ہے ـ حرکت ظاہری اٹھنا، چلنا، پھرنا، منھ پر پانی ڈالنا وغیرہ ہے اور تبدیل مقام بھی نیند کے دور کرنے کے لئے مجرب علاج ہے ـ حرکت باطنی کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص حافظ امام کی اقتدا میں تراویح پڑھ رہا ہے، جس وقت اس مقتدی کو نیند آئی، سامع نے حافظ کو بتلایا (وہ سونے والا) مقتدی فوراً جاگ جائے گا اور نیند دور ہو جائے گی ـ

باب الصلوٰۃ بعد الجمعہ کے تحت جو عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس سے عبداللہ ابن عمرؓ کا بعد جمعہ دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھنا معلوم ہوتا ہے اس کی تشریح میں میاں صاحبؒ نے فرمایا :-

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جب مکہ معظمہ میں ہوتے تھے تو جمعہ کے بعد دو رکعتیں کچھ دور چل کر پڑھتے تھے پھر اس جگہ سے ہٹ کر چار رکعتیں پڑھتے تھے تو گویا بعد الجمعہ ۶ رکعتیں پڑھتے تھے اور یہ نماز یا مسجد حرام میں یا ہوتی تھیں اور جب مدینہ منورہ میں مقیم ہوتے تھے تو بعد الجمعہ گھر تشریف لے جاکر دوؔ رکعتیں پڑھتے تھے (چار بھی اس کے بعد گھر ہی میں پڑھتے ہوں گے)

امام ابوحنیفہ بعد صلوٰۃ الجمعہ چار رکعات پڑھنے کو فرماتے ہیں اور صاحبین چھ رکعتیں اور دونوں کا مذہب احادیث سے ہی مستنبط ہے ـ اب چھ کی ترتیب میں تھوڑا سا اختلاف ہے، یا تو پہلے چار پڑھے اور دوؔ بعد کو پڑھے اور حنفیہ کے نزدیک یہی صورت ہے ـ لیکن اگر دو پہلے اور چار بعد کو پڑھے تو یہ بھی جائز ہے، حدیث سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے ـ مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ دیو بندیؒ والد حضرت شیخ الہندؒ پہلے دو بعد کو چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ـ

باب ترک الاذان فی العید " کے ماتحت جو حدیث ابن عباسؓ ہے، اس میں ایک جملہ ہے "فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند دار کثیر بن الصلت فصلی ثم خطب" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کثیر بن الصلت کے مکان کے قریب پھر نماز پڑھی، اس کے بعد خطبہ دیا ـ)

اس کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحب نے فرمایا ـــــ عند دار کثیر بن الصلت سے مراد یہ ہے کہ جس جگہ دار کثیر بن الصلت ہے اس کے قریب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید

ادا فرمایا کرتے تھے۔ وادی کثیر بن "سلت کے لفظ سے پتہ تبلانا مقصود ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ اب جس جگہ دار الحدیث ہے وہاں ہم تیرا کرتے تھے۔ (اس جگہ پہلے تالاب تھا)

باب صلوٰۃ الخوف" شروع ہوا تو میاں صاحب نے فرمایا۔ جمہور کا مذہب ہے کہ صلوٰۃ الخوف اب بھی باقی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ نے کابل میں ۴۴ھ میں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔ ابو داؤدؒ نے تقریباً ۱۰ صورتیں صلوٰۃ الخوف کی نقل کی ہیں، اتنی صورتیں کسی کتاب میں نہیں ہیں۔

باب صلوٰۃ التسبیح حضرت میاں صاحبؒ نے اس باب کی حدیث کا خلاصہ مطلب اس طرح بیان فرمایا ——— آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ترکیب صلوٰۃ التسبیح بیان فرما کر فرمایا کہ اگر ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ پڑھ لینا، یہ نہیں تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ، نہیں تو ایک سال میں ایک مرتبہ، ورنہ تمام عمر میں تو ایک دفعہ پڑھ ہی لینا۔ میاں صاحب نے اس کے بعد فرمایا کہ مولوی کو وعظ میں اس نماز کی فضیلت اور ترکیب بتانے کا تو ثواب مل ہی جاتا ہے اگرچہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی مگر مولوی کو بھی ایک مرتبہ تمام عمر میں ضرور یہ نماز پڑھ لینی چاہیے۔

باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ: فقال هل تدرون ما مثل ذالك ..... الخ"

میاں صاحبؒ نے اس حدیث کا مطلب بیان کر کے فرمایا۔ صحاح ستہ میں ایسی اڑتالیس کے قریب مثالیں ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

"ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یا ابن عباس" یعنی تم سے ایک شخص حماقت کرتا ہے پھر میرے پاس آکر یا ابن عباسؓ یا ابن عباسؓ پکارتا ہے یعنی تین طلاقیں دے کر پھر دریافت کرتا ہے۔

میاں صاحبؒ نے فرمایا ———

"لوگ کہتے ہیں مولوی بڑے بدخلق ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر ڈانٹنا ہی پڑتا ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی غصہ کا اظہار کیا۔

"باب فی القافۃ" عن عائشۃؓ قالت دخل علیّ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یوماً مسروراً فقال یا عائشۃ الم تری ان مجزز المدلجی رای زیداً واسامۃ قد غطیا رؤسھما بقطیفۃ وبدت اقدامھما فقال ان ھذہ الاقدام بعضھا من بعض (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ خوش تھے اور فرمایا اے عائشہ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجزز المدلجی (قیافہ شناس) نے زیدؓ اور اسامہؓ کو اس حال میں دیکھا کہ دونوں کے سر چادر سے ڈھکے ہوئے تھے اور پاؤں کھلے ہوئے تھے (اور) کہا کہ یہ قدم بعض بعض سے ہیں (یعنی یہ قدم باپ بیٹے کے ہیں) اس کی تشریح کرتے ہوئے میانصاحبؒ نے فرمایا: "اس سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر لتبان وغیرہ کے اقوال پیش کرنا اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے واسطے مفید ہے اور یہ بھی فرمایا کہ کسی جگہ کے طالب علم اگر چادر اوڑھ کر لیٹ جائیں تو اتنا تو ہم بھی قیافے سے بتادیں گے۔ یہ اہل بنگال کے پاؤں ہیں۔

باب فی صوم الدھر تطوعاً :- عن ابی قتادۃؓ ان رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ کیف تصوم فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ (حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا۔ یا رسول اللہ آپؐ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ دریافت کرنا تھا کہ نفلی روزوں کے بارے میں حضور کا معمول کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے ناراض ہوئے۔

میانصاحبؒ نے فرمایا:- ناراضی اور غصہ کی وجہ اس کے سوال کا طرز وطریقہ تھا۔ اس شخص کو سوال اپنے روزہ کے بارے میں کرنا چاہیے تھا کہ میں کس طرح روزے رکھوں؟ نہ یہ کہ آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض خصائص کے مالک تھے آپ کے اندر جو روحانی طاقت تھی وہ امت کے اندر کب ہے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت عبادت کی پیروی امت سے ہونی مشکل ہے۔

باب فی فضل القفل فی الغزو :- عن عبداللہ ابن عمروؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قفلۃ کغزوۃ (عبداللہ ابن عمروؓ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (کسی خاص مصلحت دینیہ کے پیش نظر) غزوہ سے لوٹنا غزوہ کے مانند ہے) ۔

میانصاحبؒ نے فرمایا یہ صحاح ستہ میں سب سے چھوٹی حدیث ہے ۔

باب فضل قتال الروم علی غیرھم من الامم کے تحت یہ حدیث ہے

جاءت امراۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لھا ام خلاد وھی متنقبۃ ... الخ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی جس کا نام ام خلا تھا اور آں حالیکہ وہ نقاب پوش تھی)

میانصاحب نے فرمایا اس حدیث سے پردہ کا ثبوت بہم پہونچتا ہے ۔ ابوداؤد میں پندرہ روایتیں پردہ کی ثابت کرنے والی ہیں ۔

باب فی الرمی یقول (عقبۃ بن عامر الجھنیؓ) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر یقول واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ الا ان القوۃ الرمی ۔ الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی (حضرت عقبہ ابن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا دراں حالیکہ آپ ممبر پر تشریف فرما تھے کہ آپ نے آیت "وَاَعِدُّوالَھُم مَا اسْتَطَعْتُمْ" پڑھی پھر فرمایا اچھی طرح جان لو 'قوت تیراندازی ہے' اس کو تین مرتبہ فرمایا)

میانصاحب نے حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ تیراندازی بھی قوت میں سے ہے لیکن حصر نہیں ہے کہ تیراندازی ہی قوت ہے فی زمانا ہوائی جہاز موٹریں (راکٹ ٹینک وغیرہ) آلات و اسلحہ جدیدہ بھی قوت میں سے ہوں گے ۔

باب فی ما یستحب من الوان الخیل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بکل کمیت 'اغر محجل او اشقر اغر محجل اوادھم اغر محجل' اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میانصاحبؒ

نے فرمایا کہ ادھم اقرح محجل سیاہ رنگ کا گھوڑا جو سفید پیشانی والا ہو اور اس کے پاؤں بھی سفید ہوں یہ آخری درجہ کا گھوڑا ہے، جیسے کہ چالیس نمبر امتحان میں آجاتے ہیں۔ (تو تیسرے نمبر پر پاس ہو جاتا ہے)۔ کمیت یعنی سرخی مائل بہ سپیدی گھوڑا جو اغر اور محجل بھی ہو نیز اشقر یعنی سرخ گھوڑا جو اغر محجل ہو اول و دوئم نمبر کے گھوڑے ہیں میاں صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے گھوڑوں کی اچھائی از روئے تجربہ بیان فرمائی نہ کہ ان کے سعد و نحس کے اعتبار سے۔

باب ما یؤمر بہ عن القیام علی الدواب والبہائم مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببعیر قد لحق ظہرہ ببطنہ قال اتقوا اللہ فی ھذہ البہائم المعجمۃ ..... الخ (راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے ہو کر گزرے وہ اتنا دبلا تھا کہ اس کی پیٹھ پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو)۔

اس سے آگے بھی دو روایتیں ہیں ان سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت علی البہائم ظاہر ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ایک اونٹ کا واقعہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے جو ایک انصاری کا تھا وہاں ایک اونٹ دیکھا۔ جب اس (اونٹ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ رویا اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پس حضورؐ اس کے پاس تشریف لائے اور اسکی کنپٹی پر دست مبارک پھیرا۔ پس وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری جوان نے کہا یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ "تم اللہ سے اس چوپائے کے بارے میں نہیں ڈرتے ہو جس کا اللہ نے تم کو مالک بنایا ہے۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا۔

یہ اونٹ ہم سے تو اچھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کنپٹی پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔

باب فی التحریش بین البہائم :۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم عن التحریش بین البھائم ۔

میاں صاحب نے فرمایا کہ ، اس حدیث سے جملہ طیور و بہائم کی لڑائی کرانے کی نہی ثابت ہوتی ہے ۔

پھر فرمایا ۔ سینڈھے بھی تو لڑائے جاتے ہیں ۔ تم کو کہاں معلوم ہوگا ؟ مطالعہ میں، تعلیم میں معروف رہتے ہو ۔ پھر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے تمھیں ایسی باتیں معلوم نہیں ۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کے متعلق فرمایا ۔ ہم جیسوں کے لئے بڑی مفید شرح ہے اس میں حدیث سے مسائل بھی نکالے جاتے ہیں ۔ کشتی کے متعلق لکھا ہے کہ اگر ستر عورت کا خیال رکھ کر لڑی جائے ۔ تو جائز ہے ورنہ ناجائز ۔

باب فی کراھیۃ تمنی لقاء العدو ۔ حدیث باب میں آں حضرتؐ کا قول درج ہے ۔ یاایھا الناس لاتتمنوا لقاء العدو وسلوا اللّٰہ العافیہ ۔الخ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اے لوگو تم دشمن سے مڈبھیڑ کرنے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو) میاں صاحبؒ نے فرمایا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ مصائب کی دعائیں مانگنا کہ مجھے بخار آجائے یا میرا دشمن سے مقابلہ ہو جائے ، اچھا نہیں اگر دشمن وغیرہ سامنے آہی جائیں تو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے ۔ آخر میں میاں صاحبؒ نے فرمایا ۔ دیکھو کتنی اچھی تعلیم ہے ۔ چونکہ ایسی تمنا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمنا کرنے والے کو اپنے اوپر اعتماد ہے اور شریعت یہ نہیں چاہتی کہ انسان اپنی طاقت پر اعتماد کرے خداوند کریم ہی پر اعتماد کرنا چاہیئے ۔

ابوداؤد صد ۳۵۴ کی حدیث اسامہ حتی وددت انی لم اسلم یومئذ کے بارے میں میاں صاحبؒ نے فرمایا ۔

یہ اسامہ بن زیدؓ کا قول ہے اس میں تمنا ر کفر نہیں ہے کیونکہ تمنائے کفر بھی کفر ہے ۔ بلکہ حضرت اسامہ بن زیدؓ پر ایک حال طاری ہوا اور یہ بات خیال میں آئی کہ اسلام ماقبل کی برائیوں کو ختم کر دیتا ہے کیا اچھا ہوتا کہ میں آج اسلام لاتا اور ماقبل کے تمام گناہ نہ رہتے ۔

ابوداؤد صد ۳۵۵ ..... فلما خرج تمنا الیہ (پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نکلے تو ہم کھڑے ہو گئے) میانصاحبؒ نے فرمایا۔
محفل میلاد میں قیام کرنے کی ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے ۔ یہ انکی دلیل کیسے ہو سکتی ہے ہم پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اٹھے تھے یا بغیر دیکھے ؟ ظاہر ہے دیکھ کر اٹھے تھے ۔ معلوم ہوا کہ مجوزین قیام کا یہ دلیل پیش کرنا قیاس مع الفارق ہے ۔ ہاں اگر آج بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا جائے تو کھڑا ہونا سر آنکھوں پر ، تو ایسی حالت میں کون منع کرتا ہے ؟

باب فی التفریق بین السبی :۔ قُتِل بالجماجم { ابوداؤدؒ میمونؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ جنگ جماجم میں شہید ہوئے (جماجم کوفہ کے پاس ایک موضع ہے) }۔
ایک طالب علم نے جو طالقانی تھے دریافت کیا کہ " بالجماجم " کے کیا معنی ہیں ؟ اس پر میانصاحبؒ نے فرمایا کہ بالجماجم کے معنی بتاؤں یا جماجم کے ؟ مطبع نولکشور میں ایک شخص بیضاوی لینے گیا ۔ مطبع والوں نے ملازم سے کتاب لانے کے لئے کہا کہ بیضاوی لاؤ ، اس نے ناواقفیت کی بنا پر کہا ۔ " بالبیضاوی لاؤں یا بیضاوی " ۔ یہ اس لئے پوچھا کہ اسمی بالبیضاوی لکھا ہوا ہوتا ہے —

باب فی السریہ ترد علی اھل العسکر اس باب کی روایت کا ترجمہ کر اکے میانصاحب نے فرمایا کہ اسے اچھی طرح یاد کر لینا ورنہ آپ کا شاگرد پڑھاتے وقت پریشان کریگا
کتاب الجہاد کے بعد کتاب الضحایا شروع ہونے پر میاں صاحب نے فرمایا جہاد و ضحایا میں مناسبت یہ ہے کہ جہاد میں انسان اپنے آپ کو ذبح کراتا ہے اور ضحایا میں اس سے کم درجہ کی قربانی یعنی جانور کی قربانی کرتا ہے ۔

باب فی التجسس عن معاویۃؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انکَ ان اتبعت عورات الناس افسدتھم اوکدت ان تفسدھم .... الخ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کے عیوب کا تجسس کروگے تو ان کو برباد کروگے ۔ (ہرگز ایسا نہ کرنا)

میاں صاحب نے فرمایا ۔ حضرت معاویہؓ کو حکومت عطا ہوئی تو یہ حدیث ان کے کام آ گئی وہ لوگوں کے پیچھے تلاش عیوب میں نہیں پھرا کرتے تھے ۔

باب فی النھی عن سب الموتیٰ :۔ عن عائشۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات صاحبکم الخ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی ساتھی انتقال کر جائے تو تم اس کے لئے دعائے خیر کرو اس کی غیبت اور برائی نہ کرو) ۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا ۔ اب تو بیچارہ مرگیا ۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا تھا جس نے بدعتیں پھیلائی تھیں اس کا اعلان کرنا جائز ہے ۔

باب فی الرجل یقول لابن غیرہ یا بنیّ (کسی دوسرے کے لڑکے کو یا بنیّ (اے میرے بیٹے) کہنا)

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا بنیّ (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ان سے فرمایا ۔ اے میرے پیارے بیٹے)

میاں صاحب نے فرمایا ۔ یہاں تو ایک نمونہ دکھلایا ہے ۔ بخاری شریف میں (بڑے کو) چچا وغیرہ (مجازی طور پر) کہنا ثابت کیا گیا ہے ۔

باب فی الرجل یقول فی خطبتہ اما بعد :۔ (خطبہ میں کسی شخص کا اما بعد کہنا)

عن زید بن ارقمؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبھم فقال اما بعد (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا اما بعد الخ)

میاں صاحب نے فرمایا یہاں تو خطبہ میں اما بعد کہنے کا ایک نمونہ ہے بخاری میں گیارہ نمونے ہیں ۔

باب فی [illegible] عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینسب احدا الا الی الدین ۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کسی شخص کی نسبت سوائے دین کے کسی اور چیز کی طرف کی ہو۔)
میانصاحبؒ نے فرمایا ۔" یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صاحب چودھری بھی ہیں اور مولوی بھی ہیں تو انکو دین کی نسبت سے مولوی صاحب کہنا چاہیے۔ اسی طرح سے اگر کوئی دنیاوی عہدہ رکھتا ہے اور حافظ بھی ہے تو اس کو حافظ صاحب کہنا چاہیئے۔

باب فی الرویاء ـــ قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رویاء المومن جزء من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ ـ
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے)
حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میانصاحبؒ نے فرمایا ـــ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رویا رصالحہ والا نبی ہو جائے گا۔ بلکہ رویائے صالحہ کمالات نبوت میں سے ہے ۔ اس کی مثال میانصاحبؒ نے یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص کسی فضول کام میں مشغول نہیں ہوتا تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے اندر طالب علم کی سی ایک خصلت ہے۔ کیونکہ طالب علم کی خوبی یہی ہے کہ سوائے تعلیم کے کسی کام میں مشغول نہ ہو اب اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص طالب علم ہو گیا دوراں حالیکہ وہ شخص ایک عام آدمی ہے طالب علم نہیں ہے

باب فی القیام :ـ عن ابی سعید الخدریؓ ان اھل قریظۃ لما نزلوا علی حکم سعد ارسل الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فجاء علی حمار اقمر فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قوموا الی سیدکم الخ (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی قریظہ جب حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنانے پر راضی ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلوایا وہ حمار ابیض پر بیٹھ کر آئے (چونکہ وہ بیمار تھے اس لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ (اور انکو بسہولت سواری سے اتار لو)
میانصاحبؒ نے فرمایا :ـ
اول تو ہم ایسے قیام کے منکر نہیں اگر بڑا آدمی آجائے تو کھڑے ہو سکتے ہیں مگر یہاں

توقیام تعظیمی کا امر نہیں بلکہ آپ کا منشا یہ تھا کہ اپنے سید کو (سواری سے) اتارنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ (حدیث میں قوموا الی سیدکم ہے "قوموا لسیدکم" نہیں ہے)

---

۵ رشعبان المعظم کو صفحہ ۲۷۰ پر پہونچ کر میاں صاحب نے مولوی ظہور احمد اعظم گڈھی سے فرمایا کہ آگے کو مولوی عبد الاحد پڑھیں گے۔ چنانچہ مولانا عبد الاحدؒ ابن مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ نے آگے کو قرأت کی۔ چھ شعبان کو جمعہ کے دن صفحہ ۲۷۰ سے آخر کتاب صفحہ ۳۱۵ تک ابوداؤد کا درس ہوا۔ آخر کے تین باب کی میاں صاحب نے بنفس نفیس قرأت فرمائی اور بروز جمعہ ۹ بجے سنن ابوداؤد ختم ہوئی پھر میاں صاحب نے دعا فرمائی۔

جناب مظفر گیلانی صاحب آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

حیات اور شخصیت

نسب اور خاندانی پس منظر:

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے آباء و اجداد موضع "مانے" علاقہ شیخپورہ ضلع مونگیر کے سادات میں سے تھے۔ یہاں سادات کی بارہ بستیاں ہیں جن کو بارہ گانواں کہا جاتا ہے۔ یہ سادات حضرت سید احمد جاجنریؒ کی اولاد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگ بغداد سے ہندوستان آئے اور حکومت دہلی نے انکی برگزیدہ شخصیت کے پیش نظر علاقہ لکھی سرائے کے ضلع مونگیر کے ایک گاؤں ندیانواں میں خانقاہ کے لئے انھیں جگہ دی اور ادرگرد چند مواضعات بھی جاگیر کے طور پہ عطا کئے۔ حضرت کی تبلیغی مہم اس علاقہ میں نہایت کامیاب رہی۔ اللہ نے آپکو کافی اولاد بھی دی اور بارہ گواں میں انکی نسل کے لوگ اب تک آباد ہیں۔ اسی بارہ گواں میں موضع "مانے" بھی واقع ہے۔

مولانا گیلانی کا نسب نامہ جس قدر معلوم ہو سکا یہ ہے۔ مناظر احسن ولد حافظ ابو الخیر ولد محمد حسن ولد میر شجاعت علی ولد میر شفاعت علی میر شجاعت علی اور میر شفاعت علی تک یہ خاندان مانے میں [illegible] تھا۔ میر شجاعت علی کی پہلی شادی موضع چواڑہ (نزد شیخپورہ ضلع مونگیر) میں ہوئی تھی۔ [illegible] کے بعد انکی دوسری شادی موضع گیلانی (ضلع پٹنہ موجودہ ضلع نالندہ) میں بی بی حیات سے ہوئی جو

گیلانی کے ایک زمیندار کی دختر تھیں ۔ میر شجاعت علی محل اول کی اولاد کو اپنی ساری جائداد چھوڑ کر خود گیلانی باشی ہو گئے انکی اہلیہ کی کافی جائداد اور زمینداری تھی ۔ بی بی حیاتن کا نسب نامہ جہاں تک معلوم ہو سکا یہ ہے :

مساۃ حیاتن بی بی بنت بی بی تمیون ولد محمد عبد اللہ ولد میر مقیم ۔

بقرینۂ غالب سینکڑوں سال قبل اس قصبہ (گیلانی) میں بدھ مذہب والے آباد تھے ۔ جس کی ایک بہت بڑی علامت گاؤں سے پورب ایک عظیم تالاب ہے ۔ اس کا رقبہ ۲۸ ایکڑ ۶۵ ڈسمل ہے بودھ مذہب والوں کی آبادی میں تالاب کا ہونا ضروری تھا ۔ اب اسکی جگہ پر بجلی گھر ۔ مچھلی پالنے کا تالاب ۔ چراگاہ اور قبرستان ہے ۔ اس کے علاوہ بستی کے شمال میں ایک چھوٹی سی پختہ عمارت ہے جو بودھ منڈپ کے نام سے مشہور ہے ۔ پرانے کاغذات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اس قصبہ کا نام گوندپور تھا ۔ ۱۲۵۶ء ۶۷۶ء سے یہاں مسلمانوں کی آبادی کے نشانات ملتے ہیں ۔

ایران کے خطہ گیلان سے ایک بزرگ سید ندیم الدین گیلانی اپنے صاحبزادہ سید شہاب الدین گیلانی اور فرزندزادہ سید منہاج الدین گیلانی کے ہمراہ دہلی تشریف لائے ۔ سید ندیم الدین دہلی میں مدفون ہیں ۔ سید شہاب الدین دہلی میں سید شرف الدین یحییٰ منیری کی عظمت کا چرچا سن کر اپنے صاحبزادہ منہاج الدین کے ہمراہ بہار شریف تشریف لائے اور وہیں مدفون ہیں ۔ بہار شریف جو ضلع نالندہ کا ہیڈ کوارٹر ہے موضع گیلانی سے ۱۲ میل پچھم واقع ہے اپنے والد کے انتقال کے بعد سید منہاج الدین کا دل وہاں سے اُچاٹ ہو گیا ۔ اکثر قرب وجوار میں سیر وسیاحت کے لئے نکل جایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ جب وہ گوندپور پہونچے تو یہ جگہ انکو بہت پسند آئی ۔ اس لئے اپنے اہل وعیال کے ساتھ یہیں منتقل ہو گئے ۔ اور اس بستی کا نام انھوں نے سیدنا حضرت شیخ عبد القادر گیلانی کے نام نامی سے سعادت اور برکت حاصل کرنے کے لئے محی الدین پور گیلانی رکھا ۔ ۱۲۵۶ء ، ۶۷۶ھ سے آج تک قدیم سرکاری کاغذات میں اس گاؤں کا یہی نام درج ہے ۔ اسی انتساب گرامی کا اثر وفیض ہے کہ یہ بستی واسطی زیدی سادات کرام کا وطن مالوف بنی رہی ۔ اور اسی وقت سے یہاں مختلف علماء ۔ حفاظ ادبا ۔ شعراء اطبا برابر پیدا ہوتے رہے ۔ سید منہاج الدین کی شادی موضع ڈمراوں ضلع نالندہ کے زمیندار خواجہ اعلیٰ (برادر خورد خواجہ لاہوری لاولد) کی اکلوتی لڑکی بی بی خدیجہ سے ہوئی تھی ۔ خواجہ اعلیٰ اور خواجہ لاہوری دونوں بھائیوں کے مزار لاہوری بگہہ (ڈمراواں) کے قریب واقع ہیں یہ دونوں اپنے زمانہ کے مشہور بزرگ تھے ۔ سید منہاج الدین شادی کے کچھ دنوں بعد گیلانی سے

ڈومرانواں منتقل ہو گئے لیکن کچھ عرصے کے بعد ان کے خاندان کے ایک فرد محمد عمر (ولد سید مصاحب علی ولد سید کرم علی ولد سید محب اللہ ولد سید مقیم ولد سید محمد شریف ولد سید محمد شاہ ولد سید بدیع الدین ولد سید منہاج الدین) پھر گیلانی لوٹ آئے ۔ سادات گیلانی کی ایک شاخ آپ ہی کے اولاد سے تعلق رکھتی ہے ۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سید احمد جاجنیریؒ کی نسل سے بارہ گواں آباد ہوا ۔ انھیں کے خاندان میں ایک بزرگ میر مقیم (سید مقیم ہیں) جو اکساری ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے ۔ ملازمت کے سلسلے میں گیلانی تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو رہے ۔ سادات گیلانی کی دوسری شاخ میر مقیم صاحب کی اولاد سے آباد ہے ۔ جیسا پہلے کہا جا چکا ہے شفاعت علی تک یہ خاندان "مانے" میں رہا ۔ ان کے صاحب زادے شجاعت علی کی دوسری شادی پہلی بیوی کی وفات کے بعد گیلانی میں بی بی حیات سے ہوئی اور اس کے بعد میر شجاعت علی مانے سے گیلانی منتقل ہو گئے ۔ انکی دوسری بیوی سے دو لڑکے تولد ہوئے ۔ مولانا محمد احسن اور مولوی محمد محسن (وکیل) مولانا محمد احسن کی شادی گیلانی ہی میں بی بی آمنہ بنت امام بخش ولد تیم اللہ ولد میر مقیم سے ہوئی تھی ۔ مولانا احسن کو تین لڑکے ہوئے سید ابو ظفر ۔ سید ابو نصر ، اور سید ابو الخیر ۔ سید ابو ظفر کی جوانی میں موت ہو گئی ۔ سید ابو نصر ۔ جو حافظ عالم اور حکیم تھے لاولد رہے ۔ راقم نے ان دونوں بھائیوں کو دیکھا تھا ۔ حافظ ابو الخیر کے تین لڑکے جن میں ایک مولانا گیلانی اور دو ان سے چھوٹے جن میں ایک کا نام مکارم احسن اور دوسرے کا مظہر احسن تھا ——— ان دونوں کا بھی اب انتقال ہو چکا ہے ۔ ان کے علاوہ ابو الخیر صاحب کی تین لڑکیاں بھی تھیں بی بی ام مہانی ۔ بی بی صفیہ اور بی بی ہاجرہ ، بی بی ام مہانی کی شادی مظاہر حسین ساکن موضع کٹھنہ سے ہوئی ۔ بی بی صفیہ کی شادی مولانا لطف اللہ ولد مولانا محمد علی مونگیری سے ہوئی ۔ جو مولانا منت اللہ رحمانی (امیر شریعت بہار و اڑیسہ) کے بڑے بھائی تھے ۔ اور بی بی ہاجرہ کی شادی گیلانی ہی میں مولانا عبدالعزیز سے ہوئی ۔ جو اپنے وقت کے ایک برگزیدہ قاری اور شاعر تھے ۔ انھیں خان بہادر کا بھی خطاب ملا اور آنریری مجسٹریٹ کا بھی عہدہ حاصل ہوا ۔ گیلانی سے ہجرت کر کے صاحب گنج چلے گئے تھے جہاں وہ قریب چالیس سال مسجد میں عزلت نشیں رہے اور وہیں انتقال بھی کیا ۔

پیدائش اور تعلیم

مولانا گیلانی ۱۸۹۲ء میں اپنے ننہال موضع استھانواں ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔ انکا تاریخی نام "مناظر احسن" ہے۔ (۱۳۱۰ھ) ان کا انتقال گیلانی ہی میں ۵ رجون ۱۹۵۶ء کو ہوا۔ انکے چچا مولوی ابونصر صاحب نے مولانا گیلانی کی تعلیم و تربیت صغر سنی سے ہی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ گرچہ اسوقت انگریزی تعلیم کا چرچا عام ہو چکا تھا لیکن چچا نے خاندانی روایت کے مطابق انھیں اسکول اور کالج کی تعلیم سے دور رکھا۔ مولوی ابونصر خود بھی حکیم اور عالم تھے اور منطق اور فلسفہ میں اپنے والد مولانا محمد احسن کے نقش قدم پہ گامزن تھے۔ اس وقت گیلانی میں مولانا احسن کا مدرسہ ہندوستان میں کافی مشہور تھا۔ مولانا ابوالحسنات ندوی نے جو کتاب ہندوستان کے مدرسوں پر لکھی ہے اس میں اس مدرسے کا بھی ذکر ہے۔ خود مولانا گیلانی نے اپنی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" میں لکھا ہے۔

چونکہ یہ میرے گھر کی بات ہے اس لئے ..... میں بتا سکتا ہوں کہ (اس مدرسے) کی اصل حقیقت کیا تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مولانا احسن گیلانی مرحوم نے اس گاؤں میں تقریبًا تیس چالیس سال تک درس و تدریس کا بازار گرم رکھا۔ نہ صرف بہار بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں حتی کہ سرحد و کابل تک کے طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد مولانا سے پڑھنے کے لئے اس گاؤں میں آئی۔ ہزارہ ضلع کے ایک بزرگ مولانا عبداللہ پنجابی وطنًا گیلانی نزیلًا تو پڑھنے کے لئے آئے اور اسی گاؤں میں متوطن ہو کر اپنے وعظ و تلقین، ارشاد و ہدایت، درس و تدریس افتار و تصنیف کا سلسلہ نصف صدی کے قریب جاری رکھا۔ وہیں کے خاک میں آسودہ ہوئے اور ایک وہی کیا بہار کے بعض جلیل القدر علماء مثلاً مولانا رفیع الدین مرحوم رئیس شکرانواں مولانا عبدالسلام بھاگلپوری۔ مولانا حکیم دائم علی ٹونکی مولانا اسمٰعیل رمضان پوری وغیرہم بیسوں مشاہیر گیلانی کی اس درسگاہ سے اٹھے ...... مولانا عبداللہ نے اضلاع پٹنہ اور مونگیر خصوصًا ضلع مونگیر میں جو کام انجام دیا وہ یادگار رہے گا۔ خدا جانے کتنے مسلمانوں کے گھروں سے بت نکلوائے اور شراب و تاڑی سے لوگوں کو تائب کیا۔ آخر میں تو آپ کے دست حق پر ضلع مونگیر کے ایک راجہ آف مرچا مسلمان بھی ہو گئے۔ جن کا خاندان اجوئی سب ڈویژن کے مسلمان رئیسوں میں بحمداللہ اس وقت امتیاز رکھتا ہے۔ "عقیدۂ محمدیہ" عربی میں آپکی اچھی کتاب ہے۔ ان کے سوا اردو میں بھی چند رسالے ہیں"

راقم نے مولانا عبداللہ صاحب کو جو "ملا صاحب" کے نام سے مشہور تھے دیکھا نہیں تھا۔ لیکن انھوں ہی نے خاکسار کا تاریخی نام "سید ابوالمظفر" رکھا تھا۔ مولانا گیلانی اپنی مثنوی "خواب وطن" میں جس کا ذکر آگے آرہا ہے "ملا صاحب" کے متعلق فرماتے ہیں ؛

ملا صاحب کا اف وہ دارالسلم — جہاں باطل کے ٹوٹتے تھے طلسم
جو درختوں کے جھنڈ میں ہے کھڑا — آہ کیا نقشہ اس کا ہے بگڑا
نہ کتابیں نہ درس دانتا ہے — صرف عبدالعلی کا پنجڑا ہے

یہ عبدالعلی ملا صاحب کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔ ہم سے عمر میں دس بارہ سال بڑے ہونگے ان کے اور بھائی (دو یا تین) مولانا عبدالرحمن۔ مولانا خان (؟) تو سسرال باشی ہو گئے تھے لیکن عبدالعلی گیلانی ہی میں رہے۔ پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ اور پھر بنگلہ دیشی ہنگاموں میں معہ اپنے اہل وعیال شہید کر دیئے گئے۔ جب تک گیلانی میں رہے پرندوں خاصکر بٹیر بازی سے کافی دلچسپی لیتے تھے۔ پڑھے لکھے بھی کچھ ایسے نہ تھے۔ مولانا گیلانی نے اپنے آخری شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

انھیں مولانا احسن کے متعلق مولانا نے اسی کتاب میں ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے جس کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"مولانا محمد احسن گیلانی جن کے مدرسہ گیلانی کا ذکر کسی موقع پہ کیا گیا ہے ایسے معتبر ذرائع سے یہ خبر مجھ تک پہنچی ہے جس کا انکار مشکل ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مولانا گیلانی (مولانا احسن گیلانی) جب لکھنؤ کی ایک مسجد جو دبیر الدولہ کی مسجد کے نام سے موسوم ہے قیام فرماتے تھے۔ اتفاقاً ان ہی دنوں میں بادشاہ وقت غالباً واجد علی شاہ کا عتاب کسی وجہ سے دبیر الدولہ پہ نازل ہوا۔ قید کر دیئے گئے خاندان پہ مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اس موقعہ پہ مولانا نے قدیم آشنائی کا خیال کر کے دبیر الدولہ کے اہل خاندان کے لئے ممکنہ امداد بہم پہنچائی۔ چند ہی دن کے بعد عتاب شاہی کا ازالہ ہوا۔ دبیر الدولہ جیل سے رہا ہو کر گھر آیا تو مولانا کی ہمدردی کی خبر ہوئی بہت متاثر ہوا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کی رقم جو اس وقت اس کے پاس موجود تھی اس کو لے کر مولانا کے پاس حاضر ہوا۔ پہلے تو مولانا نے رسمی لیت ولعل سے کام لیا۔ لیکن وہ بضد تھا کہ اس کی حقیر رقم کو قبول کیا جائے۔ آخر جان چھڑانے کے مولانا نے فرمایا

" آج شام ہوگئی ہے کل صبح لینے دینے کا انتظام کروں گا۔ شب درمیان تھی ۔ اس نے منفعت اٹھاکر لکھنؤ کو ہمیشہ کے لئے خیرباد فرما دیا گیا کہ دبیرالدولہ کے اس روپیہ سے نجات حاصل ہو ۔ اپنی کتابیں جن کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا سرمایہ نہ تھا مولوی جان علی گیلانی جو بعد میں مرادآباد میں متوطن ہوکر وہیں متوفی ہوئے ان کے حوالہ کرکے سیدھے رام پور تشریف لے گئے اور دبیرالدولہ کو اس کا پتہ چلنے نہ دیا کہ بہار کا وہ مولوی کہاں غائب ہوگیا۔ ساری عمر گیلانی جیسے کوردہ گاؤں میں گذار دی ۔

مولوی ابونصر نے بھی اپنے بھتیجے کو گیلانی ہی میں رکھ کر عربی ۔ فارسی ۔ منطق ۔ فلسفہ اور حدیث کی تعلیم دلوائی ۔ مولانا گیلانی چونکہ لڑکپن ہی سے نہایت ذہین تھے اس لئے مولوی ابونصر کی آرزو تھی کہ انکو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے ۔ خوش قسمتی سے اس وقت مولانا احسن کے ایک شاگرد حکیم دائم علی صاحب ریاست ٹونک میں سرکاری طبیب تھے اور انھوں نے منطق اور فلسفہ کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا ۔ ان کے فرزند ارجمند حکیم برکات احمد صاحب سے مدرسہ کو بہت ترقی ہوئی ۔ شاید اس وقت فلسفہ اور منطق میں کوئی ہندستان میں ان کا ثانی نہیں تھا ۔ مولانا گیلانی کی تعلیم کے سلسلہ میں مولوی ابونصر صاحب کی نظر مولانا برکات احمد صاحب پر پڑی اور اپنے بھتیجے کو مولانا برکات احمد صاحب کے پاس راجپوتانہ کی دور دراز ریاست ٹونک میں چھوڑ آئے ۔ اس وقت مولانا گیلانی کی عمر تیرہ سال کی تھی ۔ وہ تقریباً سات سال تک ٹونک میں تعلیم پاتے رہے ۔ قیام ٹونک کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر اچانک حملہ کردیا ۔ اور ساری دنیائے اسلام چیخ اٹھی ۔ گو مولانا گیلانی اس وقت طالبعلم تھے لیکن بڑے جوش وخروش کے ساتھ اس تحریک میں کود پڑے ۔ اور اسی جوش میں پیدل ٹونک سے اجمیر چلے گئے ۔ اور ڈاکٹر اقبال کے "شکوہ" کے بامثل ایک نظم "شکوہ خواجہ" خواجہ صاحب کے مزار پر پڑھ کر سنایا ۔ جکو ان کے احباب نے بدایوں پریس میں چھپواکر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرایا ۔ چونکہ "شکوہ خواجہ" میں انگریزی حکومت کے خلاف بھی کئی شعر تھے اس لئے حکومت نے اس کی سب کاپیاں ضبط کرلیں اور مولانا کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کردیا ۔ چونکہ انگریزی حکومت کے دائرہ اقتدار میں گرفتاری کا خطرہ ہمیشہ لگا ہوا تھا اس لئے مولانا کسی طرح حیدرآباد پہونچے اور ایک عزیز کے یہاں روپوش ہو گئے ۔ اور تعلیم کا سلسلہ ختم ہوگیا ۔ کون جانتا تھا کہ مولانا کا یہ سفر حیدرآباد ہی میں ان کی مستقل سکونت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا ۔

اسی زمانہ میں مولانا کی حیدر آباد کے ارباب علم سے رسم وراہ پیدا ہوگئی۔ اور ان کے علم کی شہرت پھیلنے لگی۔ اسی طرح مولانا کی باریابی مہاراجہ کشن پرشاد وزیر اعظم سرکار نظام کے یہاں بھی ہوگئی۔ مہاراجہ نے انکو حیدر آباد میں روکنا چاہا لیکن یہ راضی نہ ہوئے۔ اور یہ عذر پیش کیا کہ مجھے دیوبند جاکر علم حدیث کی تکمیل کرنی ہے۔ جسے سن کر مہاراجہ نے حیدر آباد چھوڑنے کی اجازت دے دی اور راہ خرچ وغیرہ کا انتظام بھی کر دیا۔

مولانا گیلانی دارالعلوم دیوبند میں

حیدر آباد سے مولانا پہلے اپنے وطن گیلانی آئے اور چچا سے دیوبند جانے کی اجازت مانگی وہ راضی تو ہو گئے لیکن مشکل یہ تھی کہ ٹونک اور دیوبند کے مدرسوں میں زمانے سے رقابت چلی آ رہی تھی پھر بھی مولانا بلا تامل دیوبند چلے گئے اور وہاں پہونچ کر صاف صاف کہدیا کہ وہ مولانا برکات علی منطقی اور فلسفی کے شاگرد ہیں، علم حدیث حاصل کرنے کی غرض سے دیوبند آئے ہیں۔ دیوبند کا مدرسہ وہاں کے اساتذہ خصوصًا مولانا انور شاہ کاشمیری اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند کی وجہ سے تمام دنیائے اسلام میں مشہور تھا۔ مولانا گیلانی ان دونوں بزرگوں کے درس حدیث میں شامل ہوگئے کچھ دنوں بعد ان کے اساتذہ نے محسوس کیا کہ ان کا یہ شاگرد غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ مضمون نگار اور انشاپردازہونے کے علاوہ اچھا مقرر اور اچھا شاعر بھی ہے۔ اس لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ ان سے کوئی کام بھی لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ شیخ الہند نے پہلے تو مولانا گیلانی کو مرید کیا اور دو رسالے "القاسم" اور "الرشید" جو اس وقت دیوبند سے نکلتے تھے ان کی ادارت سپرد کی۔ اس کے لئے مبلغ تیس روپیہ ماہوار تنخواہ بھی مقرر کردی گئی۔ ایک سال تک مولانا گیلانی دونوں رسالوں کی ادارت سنبھالے رہے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے اپنی پہلی کتاب "ابوذر غفاری" تصنیف کی جسکو دیکھ کر مولانا اشرف علی تھانوی نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کتاب کا مصنف آگے چل کر محقق ہوگا۔ اس کے بعد مولانا نے اپنی دوسری کتاب "کائنات روحانی" لکھی جو باوجود تلاش کے راقم کو مل نہ سکی۔ جاری

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ایک انگریزی ترجمۂ قرآن

(دوسری قسط)

الفرقان کے گذشتہ شمارے بابت ماہ اگست ۸۶ء میں ایران سے شائع ہونے والے ایک انگریزی ترجمۂ قرآن کے تعارف کے لئے اس کے تیرہ (۱۳) اقتباسات اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کئے گئے تھے اب ذیل کی سطروں میں اس کے چند اور اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں]

(۱۴) سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۷ (وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا..... الآیۃ) میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سربرآوردہ لوگوں نے اپنے زمانہ کے نبی سے باصرار یہ درخواست کی کہ وہ ان کی فوجی قیادت کے لئے ایک امیر متعین کر دیں تاکہ وہ اسکی سربراہی میں اپنے دشمنوں سے قتال کر سکیں، اور بالآخر نبی نے ان کے مطالبہ پر جب ایک امیر کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق کر کے اسے ان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس انتخاب پر اعتراض شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ بھلا یہ ہمارا امیر اور سالار کیسے ہو سکتا ہے اس سے زیادہ حق دار تو ہم اس منصب کے ہیں! اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ طالوت کوئی مالدار آدمی نہیں ہیں..... !!

فاضل مترجم صاحب کا ذہن ان آیتوں کے ترجمہ کے وقت کس طرح منتقل ہوا؟ اس بارے میں اس دوسری زبان سے جو انھوں نے آیت کی تشریح کے لئے حسب معمول حاشیہ میں لکھا ہے اندازہ لگایئے اور پھر ذہن کی اس منتقلی کی بھی داد دیجئے اور ان ... گئی دنیا کی بھی جن سے مجبور منتقل ہو کر انھوں نے اتنی بھی پرواہ نہ کی کہ ان سطروں کو پڑھ کر دنیا کے باخبر لوگ کیا اسے

قائم کریں گے اور کیسی ہنسی ان کی دنیا میں اڑے گی !! وہ دو سطریں یہ ہیں :۔

History repeats itself. Though Allah and his Prophet chose Ali as the Khalifa some people did not accept him as such for 24 years.

" تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگرچہ اللہ اور اس کے رسول نے علی کو خلیفہ منتخب کیا تھا لیکن کچھ لوگوں نے چوبیس سال تک انھیں تسلیم نہیں کیا "

(۱۸) سورۂ آل عمران کی آیت ۷ (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ..... الآية) کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ تر آیات تو وہ ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح اور متعین ہے۔ ان میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش ہی نہیں، اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جن میں ایک سے زیادہ مفہوم کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے ساتھ ہی دو بنیادی حقیقتوں کو بھی بالکل صاف کر دیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ جن آیتوں کا مفہوم متعین ہوتا ہے انھیں کو مرجع و مرکز کی حیثیت حاصل ہے، انہی کی کسوٹی پر رکھ کر اور انہی کی روشنی میں ان آیتوں کو سمجھنا چاہیے جن میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش موجود ہو،

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے انھیں ساری دلچسپی صرف ان آیتوں سے ہوتی ہے جن سے کوئی دوسرا (غلط) مفہوم بھی نکالا جا سکتا ہے۔ اور وہ بھی اس غرض سے کہ اس غلط مفہوم کو پھیلا کر امت میں فتنہ کے دروازے کھولے جائیں اور عوام کو گمراہ کیا جائے حالانکہ جہاں تک ان متشابہ آیات کی اصل حقیقت کا معاملہ ہے وہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم البتہ جو لوگ علم (وسمجھ) میں رسوخ رکھتے ہیں وہ سب پر یکساں ایمان رکھتے ہیں اور (محکم و متشابہ) سب کو اللہ ہی کا عطیہ سمجھتے ہیں ۔

ہمارے خیال میں فاضل مترجم کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ آیت میں چونکہ صراحتً ارشاد ہوا ہے کہ متشابہ آیات کی حقیقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس لئے اس سے منصب امامت اور ائمہ کے علم و قدرت وغیرہ کے بارے میں ان کے آبائی عقیدہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے اس عقیدہ کو اس آیت کی زد سے بچانے کے لئے ایک بالکل اثنا عشری نوٹ

لکھ دینا بالکل کافی سمجھا، اس نوٹ کا ترجمہ یہ ہے :-

"کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ خدائی اسرار اور علم کے بارے میں اس کا علم محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام علی زین العابدینؑ، امام محمد الباقرؑ، امام جعفر الصادقؑ، امام موسیٰ الکاظمؑ، امام علی الرضاؑ، امام محمد التقیؑ، امام علی نقیؑ، امام حسن عسکریؑ امام محمد المہدیؑ کے علم کے برابر ہے ۔"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس آیت کو ایک دوسری طرح بھی پڑھا گیا ہے جس کے مطابق اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ متشابہات کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا راسخین فی العلم (علم میں رسوخ رکھنے والے) بھی جانتے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق یہ قرأت زیادہ تر شیعوں کے یہاں مقبول رہی ہےلہ ۔ لیکن نہ صرف یہ کہ پیش نظر ترجمۂ قرآن میں قرآن کے اصل عربی متن سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یہی موخر الذکر قرأت یہاں اختیار کی جارہی ہے (اس لئے کہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف لازم کی علامت موجود ہے جس کے بموجب عربی زبان کے بنیادی قواعد کی رو سے مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان متشابہ آیات کی حقیقت کسی اور کے علم میں نہیں) بلکہ خود مترجم صاحب کے کئے ہوئے انگریزی ترجمہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس آیت کو اسی طرح پڑھ رہے ہیں جس طرح وہ عام طور پر پڑھی جاتی ہے انھوں نے ترجمہ اس طرح کیا ہے ۔

"None knows its interpretation except Allah, and those who are firmly rooted in knowledge say:"We believe in it, it is all from our Lord..."

"اللہ کے سوا کوئی اس کا مطلب نہیں جانتا، اور وہ لوگ جنھیں علم میں رسوخ حاصل ہے کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے ۔"

غور فرمایئے! اس سب کے باوجود اگر فاضل مترجم صاحب تشریحی حاشیہ میں اپنی ہی

لہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ قرأت اہلسنت کے نزدیک بالکل ہی غلط اور باطل ہے

ثبت کردہ قرأت اور اپنے ہی تحریر کردہ ترجمہ سے بالکل مختلف بات لکھ رہے ہیں تو ہم اسے اسی اندرونی کجی (زیغ) کی ایک علامت کیوں نہ سمجھیں جسکا تذکرہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے — کیا عجب ہے کہ منقولہ بالا تشریحی نوٹ مشیت الٰہی نے اسی لئے ان سے لکھوادیا ہو تاکہ سند رہے اور سامان عبرت ہو۔ اِنّ ربّی لطیفٌ لما یشاء

(۱۶) سورۂ آل عمران کی آیت ۱۲۱ (واذ غدوتَ مِن اَھلکَ تُبوِّیُ المؤمنین مقاعِدَ لِلقتال) (اور یاد کرو جب کہ تم اپنے گھر سے نکلے اہل ایمان کو جنگ کے موقعوں میں مامور کرنے کے لئے ....) سے غزوۂ احد کے بعض حالات وواقعات کا بیان شروع ہوا ہے۔ فاضل مترجم نے اس آیت پر ایک مفصل تشریحی حاشیہ لکھا ہے جس کے شروع میں غزوۂ احد کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ ذیل میں اس حاشیہ کی آخری چند سطریں ملاحظہ فرمایئے:

The flag of the Prophet was first carried by Hamsa. When he was killed, the second flag bearer was Jaafar-e-Taiyar, the Prophet's cousin, and when he too was killed, the honour passed on to Ali. The fourth and the last flag bearer was Abbas son of Ali, in the battle of Karbala. The sacred flag of the Holy Prophet was finally destroyed in the battle of Karbala. To this day thousands of flags of all sizes, shapes and colours are offered in commemoration of the event at Karbala. The Alams are symbol of the flag of the Prophet of Islam.

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جھنڈا پہلے حضرت حمزہ نے اٹھایا، جب وہ شہید ہوگئے تو دوسرے علمبردار آنحضرت (ص) کے عم زاد بھائی جعفر طیار تھے، پھر جب وہ بھی شہید ہوگئے تو یہ اعزاز حضرت علی کو حاصل ہوا۔ چوتھے اور آخری علمبردار کربلا کی جنگ میں، حضرت علی کے بیٹے عباس تھے۔ نبی کریم کا یہ جھنڈا بالآخر کربلا کی جنگ میں نیست ونابود کردیا گیا، آج تک واقعہ کربلا کی یاد منانے کے لئے ہر سائز، شکل اور رنگ کے ہزاروں جھنڈے نذر کئے جاتے ہیں۔ یہ علم پیغمبر اسلام کے جھنڈے کی نشانی ہیں۔

حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد جنگ احد میں حضرت جعفر کی علمبرداری اور پھر (اسی جنگ میں)

ان کی شہادت کا تذکرہ جب ہم نے منقولہ بالا حاشیہ میں پڑھا، تو بڑی حیرت ہمیں یہ جان کر ہوئی، اس لئے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تو اس وقت مدینہ منورہ بلکہ جزیرہ عرب سے بہت دور حبشہ میں تھے۔ وہاں سے ان کی واپسی ۷ھ میں ہوئی ہے پھر جنگ احد میں ان کی شرکت اور علم برداری کی بات فاضل مترجم نے کیونکر لکھ دی؟ لیکن پھر پوری عبارت پڑھنے سے یہ بات صاف ہوئی کہ وہ جنگ احد کی تاریخ سناتے سناتے اس جھنڈے کی تاریخ سنانے لگے اور وہ بھی اس عجیب وغریب انداز سے کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد جو ۳ھ میں ہوئی تھی۔ وہ جھنڈا حضرت جعفرؓ ہی کے ذریعے بلند ہوا جو ۷ھ میں حبشہ سے سیدھے واپس خیبر پہنچے تھے، ہم یہاں اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے کہ غزوہ احد میں حضرت مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) وغیرہ جن دوسرے صحابہ کو آپؐ نے جھنڈا اٹھایا تھا ان کا ذکر فاضل مترجم صاحب نے کیوں نہیں کیا؟ اور نہ یہ سوال اٹھانا چاہتے ہیں کہ جیسا کہ تاریخ وسیرت کے تمام مستند آخذ سے معلوم ہوتا ہے ۸ھ میں جب آپؐ نے مؤتہ کے لئے تقریباً تین ہزار صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیجی تھی اس میں آپ نے بالترتیب حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر بنایا تھا مؤتہ سے پہلے مدینہ منورہ سے بھیجی جانے والی کسی مہم کی امارت حضرت جعفر کے سپرد کئے جانے کا کوئی ذکر کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ (اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشیت الٰہی نے ۷ھ تک سرزمین حبشہ ہی میں ان سے دعوت کا عظیم کام لینا طے کر رکھا تھا، جہاں وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے گئے تھے) تو کیا فاضل مترجم صاحب کی منقولہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ۳ھ میں حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد اسلام کا پرچم ۸ھ تک کسی کے سپرد نہیں کیا گیا؟ تف ہے اس بیمار ذہنیت پر جو ایسی مضحکہ خیز باتیں پوری ڈھٹائی اور بے عقلی کے ساتھ کہلواتی رہتی ہے!! اور سو بار تف ہے اس احمقانہ تاریخ نگاری پر جس کا حاصل یہ ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال دینی جد وجہد کا نتیجہ صرف یہ نکلا تھا کہ آپ کی دعوتی مہموں کی قیادت اور آپ کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لئے آپ کو اپنی پوری زندگی میں صرف تین آدمی ملے تھے جن میں ایک آپؐ کے چچا تھے اور دو آپ کے چچا زاد بھائی! اب اگر کوئی اس تاریخ سے یہ نتیجہ نکالے کہ (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ کیا صرف اپنے چند رشتہ داروں کے بل بوتے پر صرف اپنی خاندانی وموروثی حکومت قائم

کرنے کے لئے کیا تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے ....؟ اور اگر اس سوال سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو بجائے خود آپ کے خیال میں سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کی بے مثال محنت اور قربانیوں کا حاصل فاضل مترجم صاحب کی تحریر کردہ اس تاریخ سے کیا نکلتا ہے ؟؟ سوچئے اور فیصلہ فرمائیے !!

اس سب کے علاوہ خدارا ہمیں کوئی یہ بھی بتائے کہ غزوۂ احد کے حالات و واقعات کا بیان کرتے کرتے ایک دم کربلا کا تذکرہ کس دماغی کیفیت کی علامت ہے ؟ گویا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حق و باطل اور کفر و اسلام کا ایک ہی معرکہ ہوا اور وہ ہے واقعۂ کربلا! ان سب تاریخی شہ پاروں سے محظوظ ہونے کے بعد داد دیجئے غزل کے اس مقطع کی کہ علم، جھنڈے اور تعزیہ کے جن کاموں کو آپ اب تک عوامی جاہلانہ رسوم سمجھ رہے تھے، وہ قرآن مجید کے ایک شارح و مفسر کے نزدیک ایسا مستند اور ٹھوس عمل ہے جس کے درجۂ استناد اور مقام کو بیان کرنے کے لئے انہیں سب سے زیادہ موزوں جگہ سورہ آل عمران کی وہ آیت نظر آئی جو غزوۂ احد کے بعض واقعات کے بیان اور ان پر تبصرے کے لئے مخصوص تھی۔

اس بات پر غور کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ تشریح و تفسیر گاؤں کی محفل میلاد کے کسی واعظ یا مقرر کی زبان پر نہیں، بلکہ انگریزی میں قرآن کی تشریح کرنے والے ایک شارح کی نوک قلم پر جاری ہوئی ہے۔ واہ! کیا خوب خدمت قرآن کی انجام دی جا رہی ہے اور اسلام کا کیسا انقلاب انگیز تعارف "انقلاب ایران" سے شائع ہونے والے اس ترجمۂ قرآن کے ذریعہ دنیا کے سامنے کرایا جا رہا ہے ؟؟

(جاری) ______________

مختلف موضوعات پر اہم کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تفسیر ابن کثیر مکمل مجلد	۳۵۰/-	سیرت خلفائے راشدین	۱۲/-	زادسفر عکسی اول ۲۴/- دوم	۲۴/-
حیاۃ الصحابہ مکمل مجلد ۳ حصے	۱۵۰/-	نغمۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ	۶/-	اسلام کے چار رکن	۶/۵۰
فضائل اعمال یا تبلیغی نصاب اول	۳۵/-	اصحاب النبی	۱۸/-	شمع ہدایت	۶/-
〃 〃 〃 دوم	۴۰/-	تقصیرات تفہیم	۱۶/-	تذکرۃ الفنون	۵/-
فضائل صدقات	۳۰/-	آخری رسول	۱۶/-	سماج کی تعلیم و تربیت	۱۵/-
حکایات صحابہ	۱۵/-	شان رسالت	۶/-	حسن معاشرت	۴/۵۰
علم الفقہ	۶۰/-	عہد رسول اور اس کے تقاضے	۱/۵۰	اتحاد و اختلاف کے شرعی حدود	۳/-
سیرۃ النبی (علامہ شبلی نعمانی) مکمل	۲۸۰/-	نماز کی عظمت	۱۰/-	اسلام کا نظام زکوٰۃ	/۵۰
فتاویٰ امدادیہ مکمل	۳۶۵/-	نکاح شریعت کے آئینہ میں	۱/-	شیعہ اور قرآن عکسی	۲۰/-
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	۴۳۶/-	نعتیں وسلام	۳/-	نفح حقانی	۸/-
فتاویٰ رحیمیہ	۲۴۵/-	ہم آپ (مولانا عبدالماجد دریابادی)	۶/-	قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۵/-
تذکرہ مصلح الامت شاہ وصی اللہ	۳۰/-	وفیات ماجدی 〃	۱۵/-	تعارف مذہب شیعہ	۱۵/-
جواہر الفقہ مکمل دو جلدیں	۸۰/-	بشریت انبیاء 〃	۱۰/-	تاریخ الاحکام	۲۵/-
رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ	۲۵/-	مکتوبات ماجدی 〃	۴۰/-	احکام الضاد	۱/۲۵
اصلاح انقلاب امت	۳۶/-	آپ بیتی 〃	۲۵/-	تقریر کیسے کریں؟ اول تا سوم	۱۹/-
بہشتی زیور (مدنی) ۷۴/- (اختری)	۹۵/-	چند سوانحی تحریریں 〃	۶/-	تجارت اور اسلام	۳/۵۰
تاریخ حرمین شریفین	۳۲/-	ڈھائی ہفتہ پاکستان میں 〃	۱۰/-	اہم سفر	۵/-
ریاض الصالحین عربی ۵۰/- اردو	۴۵/-	پیام امن 〃	۱۵/-	مناجات مقبول (حضرت تھانویؒ)	۱/-
روشنی ۴/- دین و دنیا	۴۰/-	معاصرین 〃	۳۰/-	چار فقہی تحقیقات	۱۲/۵۰
سیرت طیبہ (قاضی زین العابدین سجاد)	۱۵/-	سفر حجاز 〃	۴۰/-	عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح	۱۰/-
بیان اللسان 〃	۴۵/-	ذکر رسول 〃	۲۰/-	کیا ہم مسلمان ہیں؟ مکمل ۳ حصے	۳۰/-
کلام عربی 〃	۹/-	دیوبند سے بریلی تک	۱۰/-	ہندوستان میں عربی علوم و فنون کے ممتاز کار	۵/-
تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جواب	۱۵/-	حاصل مطالعہ اول ۶/- دوم ۴/- سوم	۴/-	ذائقہ	۴/۵۰
علامہ سید سلیمان ندویؒ	۴۰/-	حیات خلیل	۳۰/-	مسئلہ ایصال ثواب	۱۲/-
کلام صوفی ۴/- تحریک ایمان	۴/-	بچوں کی قصص الانبیاء اول	۶/-	نوٹ: درس نظامی اور	
اسلام مکمل دین مستقل تہذیب	۳۰/-	دوم ۶/- سوم ۶/- چہارم	۵/-	دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی	
تفہیم الدروس اول	۱/-	〃 پنجم (ہمارے حضورؐ)	۸/-	نصابی کتب بھی دستیاب ہیں	

ملنے کا پتہ الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW 226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 54 No. 9
September, 1986

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

Rs. 3

OCT. 1986

جلد — ۵۴ شمارہ — ۱۰

اکتوبر ۱۹۸۶ء
مطابق
صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

فہرست مضامین

فی شمارہ -/۳

سالانہ چندہ
برائے ہندوستان -/۳۰ پاکستان -/۴۰
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک -/۷۵ (-/5 £)
ہوائی ڈاک -/۱۴۰ (-/10 £)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیا بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

پیکرِ محبت کی وفات

جو کل تک ہر غمزدہ کیلئے مجسم تسکین و تشفی تھا، آج خود اس کے غم میں کون اور کس کس کو تسلی دے؟ جو کل تک ہمہ تن زندگی و ہمہ ہمت و نشاط تھا، کس طرح یقین آئے کہ آج اس کا جسم خاکی زیر زمین پہنچ چکا ہے؟

۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ (۲۳ ستمبر ۱۹۸۶ء) کو سوا چار بجے سہ پہر الحاج بادشاہ علی صدیقی صاحب جن کو لکھنؤ کے ہزاروں مسلمان انکے نام سے کم، اور امیر صاحب کے لقب سے زیادہ جانتے تھے، مالک حقیقی سے جاملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بعض شخصیتیں ذہن میں ایسی رچی بسی ہوتی ہیں، اور ان سے ملنا، ان کا دیکھنا سننا زندگی کا ایسا معمول بن جاتا ہے کہ پتہ لگانا ممکن ہی نہیں رہتا کہ پہلی مرتبہ ان سے کب اور کہاں ملاقات ہوئی تھی، میری پیدائش ۱۹۵۵ء میں اس مکان میں ہوئی تھی جو لکھنؤ کے مرکز دعوت و تبلیغ سے بالکل متصل بلکہ اسی کا ایک حصہ ہے ۱۹۷۰ء تک حضرت والد ماجد مدظلہ کا قیام اسی مکان میں رہا۔ اس پورے عرصہ میں جو لوگ کم و بیش روزانہ مرکز میں نظر آتے تھے ان میں ہمارے حاجی بادشاہ علی صاحب بھی تھے، کبھی والد ماجد مدظلہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی مجلس میں ادب و احترام اور عقیدت و محبت کی تصویر بنے ہوئے بیٹھے ہیں۔ کبھی مہمانوں کے لئے انتظامات کرنے کرانے اور آنے جانے والی جماعتوں کی دیکھ ریکھ میں مصروف ہیں کبھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حلقہ میں کسی مشورہ کے لئے بیٹھے ہیں یا کسی بیان کے بعد تشکیل کر رہے ہیں۔ دعا کرا رہے ہیں۔ اور کبھی مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔

میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک (یعنی تقریباً ۱۵ سال کے اس عرصہ میں) انھیں ہمیشہ پورے انشراح وانبساط کے ساتھ مرکز میں اعمال خیر میں معروف ہی دیکھا [illegible] سے [illegible] تک کا زمانہ ندوے میں میری طالب علمی کا تھا، اس دور میں حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی تربیت کا اہم ترین عنصر اختلاط اور بے تکلفی سے پرہیز تھا چنانچہ مرکز میں بھی زیادہ بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، پھر بھی چونکہ گویا مرکز ہی میں قیام تھا، نماز بھی وہیں پڑھنی ہوتی تھی، بیان اور درس قرآن میں بیٹھنا بھی ہوتا تھا، مہمانوں کی خدمت کی سعادت بھی نصیب ہوتی تھی، اور ان سب عنوانوں سے مرکز میں جب بھی آنا ہوتا تھا اکثر حاجی صاحب اپنی مخصوص تبسم اور دلپذیر شخصیت کے ساتھ نظر آتے تھے، کیا معلوم مرکز کے اس ماحول نے ایک بچے کے دل ودماغ پر کیسے کیسے نقوش ثبت کئے ہوں جس کا ایک زریں کردار "حاجی صاحبؒ" تھے۔

اپنے اور حاجی صاحب سے متعلق اس دور کا صرف ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کرنے کا جی چاہ رہا ہے۔ شاید جس وقت کی یہ بات ہے اس وقت میری عمر ۸ - ۹ سال کی رہی ہوگی" ایک دن حاجی صاحب نے مجھ سے پوچھا، "سجاد میاں! تبلیغ کچھ سمجھ میں آئی؟" میں نے حیرت سے کہا کہ تبلیغ میں کیا بات ایسی ہے جو سمجھ میں نہ آئے! (میں سمجھتا تھا کہ ہر جمعرات کو ایک تقریر کر دینے کا نام تبلیغ ہے۔ اور تقریر کا مسئلہ کچھ ایسا مشکل نہیں ہے...) میرا یہ جواب سن کر حاجی صاحب بولے، "ماشاءاللہ! حضرت جی نے ابھی تھوڑے دن پہلے آپ کے ابّا کے نام ایک خط میں یہ لکھا ہے کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں تبلیغ سمجھا دے"! اس وقت میری سمجھ میں سوائے اس کے کچھ نہیں آیا کہ ہمارے یہ بزرگ زیادہ ہی تواضع سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ تبلیغ میں کوئی ایسی بات تو ہے نہیں، ——

[illegible] میں حکمت الٰہی نے اس راقم سطور کو تعلیم کے بہانے مدینہ منورہ پہنچا دیا، اور کس زبان سے اپنے مالک ومولیٰ کا شکر ادا کروں کہ اپنی تمام تر نااہلیوں اور معصیتوں کے باوجود وہاں کے زمانۂ قیام میں اس نے کیا کچھ عطایا بخش دیئے، اور کیسے کیسے انمول موتی اس نے اس فقیر کی خالی جھولی میں ڈال دیئے۔ کبھی فرصت ہوئی تو انشاءاللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ضرور بیان کروں گا۔ اس وقت تو یہ عرض کرنا ہے کہ مدینہ منورہ کی فضا، اور داعی الی اللہ حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب اطال اللہ تعالیٰ کی مشفقانہ تربیت کا یہ اثر ہوا کہ ایمان کی دعوت اور احیاء اسلام کی محنت وجدوجہد کا میدان مل گیا......

پھر جب وہاں سے سالانہ تعطیلات میں آنا ہوتا تو یہاں بھی خاصی مشغولیت تبلیغی محنت ہی میں رہتی اور اس طرح حاجی صاحب سے قرب بڑھتا رہا، ان کے ساتھ قریب وبعید کے سفر بھی ہونے لگے، مشورے میں بھی

وہ مجھے ہامرا بٹھانے لگے، اور ہر ملاقات میں ان کے مزاج کی پاکیزگی، ان کی طبیعت کی سلامتی دل کی صفائی اور خلوص و محبت کا نقش دل پر گہرا ہوتا رہا۔ اور ان سے دلی تعلق بڑھتا رہا۔

پھر ۱۹۵۰ء میں جب انہی کی صاحبزادی سے میرا نکاح ہوا تو یہ قرب اور بڑھا، اور ایک فردِ خاندان کی طرح بہت قریب سے انھیں دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا۔ ہر معاملہ میں ان کی بے نفسی، شرافت اور صلح جو طبیعت کا تجربہ ہوتا تھا وہ کسی معاملہ کو اس طرح نہیں سلجھانا چاہتے تھے کہ اس میں کسی کا نقصان ہو، دوسروں کے لئے بڑی آسانی سے عذر تلاش کر لیا کرتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے حلم و بردباری، صبر و برداشت، عفو و درگزر اور حسنِ اخلاق کی دولت بڑی فیاضی سے عطا فرمائی تھی غصہ، اشتعال، انتقام، انا، خودنمائی و خودرائی، عجب و تکبر جیسے رذائل سے اللہ تعالیٰ نے انھیں شاید بالکل ہی پاک فرما دیا تھا، سادگی، قناعت، اور لطف و محبت کے جوہر فیاضِ ازل نے بڑی فیاضی کے ساتھ انھیں عطا کئے تھے، دور و قریب کا کوئی ملنے والا بیمار ہوتا، اس کی عیادت کے لئے سب سے پہلے پہنچتے ہر ایک کی خوشی اور ہر ایک کے غم میں بڑی اپنائیت اور خلوص کے ساتھ شریک ہوتے۔ بارہا اس بات کا تجربہ ہوتا تھا کہ توکل، تفویض، اور رضا بالقضا کا ذائقہ انھیں نصیب ہے۔ اور ذکر و تلاوت اور دعا و مناجات کا خاص ذوق انھیں میسر ہے۔ نماز پڑھتے تو دیکھنے والے کو محسوس ہوتا کہ حضوریِ قلب کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرض نماز و دعا کے بعد دعا بھی بہت اہتمام سے مانگتے، شاید انھیں اوصاف و کمالات کی یہ برکت تھی کہ ہر وقت تازہ دم اور منشرح نظر آتے تھے، ان کے بہت پرانے شناساؤں کا بیان ہے کہ ہم نے مشکل سے مشکل موقع پر بھی انھیں حیران و پریشان اور مکدر نہیں دیکھا جیسے سکون و اطمینان کی ٹھنڈی شبنم ہر وقت ان کے دل پر برستی رہتی ہو۔

۱۹۴۴ء میں ان کی زندگی کا قبلہ درست ہوا تھا، اس وقت ہندوستانی مسلمانوں پر خوف و ہراس اور ناامیدی و یاس کی کیفیت چھائی ہوئی تھی، انہی دنوں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ شروع کی گئی دینی دعوت و محنت حضرت والد ماجد اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے ذریعہ لکھنؤ پہنچی تھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں اس کے سلسلہ میں اجتماعات ہوتے تھے۔ اور اس وقت ان اجتماعات میں جانے والے بیسوں ثقہ حضرات سے میں نے بارہا سنا ہے کہ ان اجتماعات میں جو روحانیت، جو انابت اور جو نورانیت ہوتی تھی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، پھر اس وقت کے حالات میں وہ اجتماعات ناامیدی اور خوف کے سمندر میں امید اور اطمینان کا جزیرہ معلوم ہوتے تھے۔ حاجی بادشاہ علی صاحب اس وقت ایک فٹبال ٹیم کے کپتان تھے فٹبال کے کھلاڑی احرار کے کپتان اور نہ جانے کیا کیا تھے، کئی بدمعاش قسم کے لوگوں سے ان سے ...

کہ تین دوستوں نے جن میں ایک ان کے برادر نسبتی حاجی معشوق علی صاحب تھے اور ایک مرحوم حاجی نام صاحب، (اور ایک حاجی صاحب خود تھے) دو تین بار اس اجتماع میں جانے کا پروگرام بنایا، ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آجاتی، بالآخر ایک دن انھوں نے عہد کیا اور قسم کھائی، اللہ تعالیٰ نے اس عہد کو اس طرح قبول فرمایا کہ موخر الذکر دونوں آخر دم تک دعوت و تبلیغ کے اس کام سے وابستہ رہے اور ہمارے حاجی صاحب پر تو یہ نسبت ایسی غالب آئی کہ بقیہ سب نسبتیں مغلوب ہی ہو گئیں تیسرے ساتھی حاجی معشوق صاحب بھی ہنوز اس عہد پر قائم ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر پر استقامت نصیب فرمائے۔

ان کے خاندان کے ایک بزرگ کے بقول حاجی صاحب بڑے اسم بامسمّیٰ تھے، جہاں رہے بادشاہ کی طرح سب سے آگے رہے، ابتدائی دور میں کھیل اور شکار وغیرہ میں سب آگے ہی رہتے تھے، جب دین سے تعلق ہوا تو یہاں بھی بہت جلد صف اول میں پہنچ گئے۔ اور پھر تو وہ راہ محبت و سلوک کی منزل پہ منزل طے کرتے ہی چلے گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں حضرت والد ماجد اور حضرت مولانا علی میاں مدظلہما کی خصوصی توجہ و اعتماد انھیں حاصل ہو گیا پھر عارف باللہ شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کیا، رائے پور اور سہارنپور کے مراکز تربیت سے خوب فیض اٹھایا، حضرت شیخ کے یہاں رمضان المبارک میں کئی بار حاضر ہوئے۔ چند سال پہلے مخدومنا حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دامت برکاتہم کے ہاتھوں پر توبہ و بیعت کی تجدید کی۔

پورے چالیس سال قابل رشک اعتدال اور استقامت کے ساتھ تبلیغی کام میں مصروف رہے۔ ملک کے کونے کونے میں گئے ہندوستان سے باہر کے بھی کئی سفر کئے۔ ضلع کی سطح پر مقامی کام کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھالا، ہر تقاضے پر ہر وقت تیار رہتے تھے خود امیر تھے لیکن ہمیشہ اپنے کو مشورے کے تابع رکھتے تھے۔ ایک بہت ہی اہم بات یہ تھی کہ کبھی ان کے اندر وہ جوش، وہ بے اعتدالی اور وہ غلو نظر نہیں آیا جو کام کے لئے اور کام کرنے والے کیلئے بہت سے پہلوؤں سے نقصان دہ ہوتا ہے۔

ہر ایک کا دل سے احترام کرتے تھے خصوصاً جو حضرات تدریسی یا تصنیفی میدان میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں یا کسی اور دینی خدمت میں مصروف ہیں دل سے ان کی قدر کرتے تھے اور جب کبھی ان کے علم میں آتا تھا کہ کسی ساتھی کے ذہن میں اس بارے میں کوئی اشکال یا غلط فہمی ہے تو حکمت کے ساتھ اس کی اصلاح کی فکر کرتے، یا کسی مناسب آدمی کے سپرد کر دیتے تھے کہ اس کام کا یہی مزاج ہے، اسے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ اسی مزاج کے ساتھ ہونا چاہئے خاص طور پر لکھنؤ جیسے شہر میں تو اس مزاج کی ضرورت اور بھی زیادہ تھی۔ اور اسے مشیت الٰہی کا انتظام ہی سمجھنا چاہئے کہ یہاں جن حضرات کو [illegible] ۔

[illegible] ریٹائر ہونے کے بعد انھوں نے کل [illegible] کے تقاضوں کے لئے فارغ کر لیا تھا

اس عرصہ میں ان کا اکثر وقت اسفار میں ہی گذرا ہوگا اسی دوران وہ اپنی اہلیہ مکرمہ اور اپنی ہمشیرہ کو لے کر حج کے لئے بھی گئے یہ ان کا دوسرا حج تھا۔

چند مہینے پہلے سخت بخار کا حملہ ہوا، ڈیڑھ دو مہینے تک ملیریائی بخار کی بنیاد پر علاج ہوتا رہا۔ پھر یرقان کی تشخیص ہوئی اس کا علاج ہوا۔ آخر میں (انتقال سے دو ہفتے پہلے) معالجوں کو کینسر کا شبہ ہوا اور بالآخر یہی مرض الموت ثابت ہوا۔

شکر و صبر کا پیکر تو وہ تھے ہی، اس بیماری میں ان دونوں صفتوں کا بدرجہ اتم ظہور ہوا ہر وقت زبان پر شکر کے کلمات جاری رہتے تھے۔ پوچھنے والوں سے بہت اطمینان کیساتھ لمبی سانس لے کر "الحمد للہ" کہتے تھے، حضرت والد ماجد مدظلہ ان کی عیادت کیلئے چند دن قبل تشریف لے گئے تھے، اس وقت بھی دیر تک اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔ یہ بھی کہتے رہے کہ "الحمد للہ کوئی شکایت دل میں نہیں ہے اور قلب کو بہت راحت نصیب ہے" آخری چوبیس گھنٹوں میں استغفار و توبہ کا غلبہ ہو گیا تھا، رہ رہ کر دل کی گہرائیوں سے یہ آواز نکلتی تھی "اے اللہ معاف فرما دے توبہ قبول فرمالے، اے کریم کرم فرما دے! چند گھنٹے پہلے نفس تیز ہو گیا تھا، بآواز بلند کلمہ پڑھا اور پاس کھڑے ہونے والوں سے پوچھا کہ بھئی ہم نے کلمہ ٹھیک پڑھا ہے؟ انتقال سے ۱۰۔۱۵ منٹ پہلے دروازہ کی طرف رخ کر کے سخت غیظ و غضب کیساتھ اور نہایت بلند آواز میں ۳ مرتبہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"، پڑھا اور کہا دفع ہو جا! چل دفع ہو جا! مجھ سے بھی کہا کہ آپ بھی پڑھیے، پھر ایک دم سے خوش ہو کر کہا "دفع ہو گیا، بھاگ گیا، الحمد للہ!"۔ سورہ یٰسین پڑھی جا رہی تھی۔ ہم لوگوں نے بآواز بلند کلمہ طیبہ بھی پڑھنا شروع کیا ایک گہری سانس آئی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ چہرے پر سکون کے آثار کھل اٹھے، جیسے ہر تکلیف سے نجات مل گئی ہو، اور نعمتوں اور راحتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا ہو۔

رات دس بجے گھر سے جنازہ نکلا۔ ایک زبردست ہجوم جس میں علماء، حفاظ، اور صالحین کی بڑی تعداد تھی جنازہ میں شریک تھا، عیش باغ قبرستان کے قریب ہی نماز ہوئی، نماز حضرت والد ماجد مدظلہ نے پڑھائی اور قبر میں اتارنے کی سعادت ان کے اور ہم سب کے مخلص حافظ سمیع اللہ صاحب اور میرے ہم زلف نسیم اختر صاحب کو ملی۔

اے اللہ اپنے اس بندہ کے ساتھ رحم و کرم اور عفو و درگذر کا معاملہ فرما کہ وہ تیرے بندوں کے ساتھ شفقت و احسان اور عفو و درگذر ہی کا معاملہ کرتا تھا، اور اے اللہ! گھر والوں اور سب اہل تعلق کو صبر و اجر نصیب فرما! اور ہم سب کو اچھی زندگی اور اچھی موت عطا فرما!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

تمام قارئین سے حاجی صاحبؒ کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت و رحمت کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب المناقب والفضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بعثت، وحی کی ابتداء اور عمر شریف

۲

[اس عنوان کے تحت پہلی قسط گزشتہ شمارہ میں شائع ہوئی تھی اس کے آخر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ابتداء وحی کی حدیث درج کی گئی تھی اس کا ترجمہ اور ابتدائی حصہ کی تشریح بھی قارئین کرام گزشتہ شمارہ میں پڑھ چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا رویائے صادقہ (سچے خوابوں) سے ہوئی ۔ آپ سونے کی حالت میں جو خواب دیکھتے وہ بیداری میں سپیدۂ صبح کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتا ـــــ آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس کو تشریح کے ساتھ آج کی صحبت میں پیش کیا جا رہا ہے]

حضرت صدیقہؓ نے بیان فرمایا کہ اس کے بعد آپ کے قلب میں سب سے یکسوئی اور خلوت گزینی کی محبت اور اس کا شوق و جذبہ پیدا فرما دیا گیا ۔ آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب میں مجرد خلوت گزینی اور سب سے الگ تھلگ رہنے کا جذبہ اور داعیہ ہی پیدا نہیں فرمایا گیا تھا بلکہ سب سے یکسو رہ کر

خلوت میں عبادت کا (گویا ایک طرح کے اعتکاف کا) جذبہ اور شوق پیدا فرمایا گیا تھا پھر اس کے لئے آپ نے غار حرا کا انتخاب فرمایا۔ حراء ایک پہاڑ کا نام ہے۔ مکہ مکرمہ کے ہر طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں، کچھ کم بلند ہیں کچھ زیادہ بلند ہیں (جہاں تک خیال ہے) ان میں سب سے بلند یہی حراء ہے، جس کو لوگ اب جبل النور کہتے ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے قریبًا دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں باہم اس طرح لگی ہیں کہ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا مثلث نما (تکونہ) حجرہ سا بن گیا ہے، اسی کو غار حراء کہا جاتا ہے۔ اس میں بس اتنی جگہ ہے کہ ایک آدمی کسی طرح داخل ہو کر گزارہ کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ پہاڑ بہت بلند ہے اور غار اس کی بالکل چوٹی پر ہے اور اس تک چڑھائی میں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس لئے اچھے تندرست و توانا آدمی بھی بمشکل ہی وہاں پہنچ پاتے ہیں اب تو اس مبارک واقعہ کی وجہ سے جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے کہ اگر وہ پہنچ سکے تو اس کی زیارت کی سعادت ضرور حاصل کرے، لیکن ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا تھا تو کسی آدمی کے لئے اس غار میں ایسی کوئی کشش نہیں تھی کہ اس تک پہنچنے کے لئے وہ پہاڑ کی اتنی لمبی چڑھائی کی مشقت برداشت کرے (چنانچہ کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ جن ایام میں حضورؐ اس غار میں خلوت گزیں (گویا معتکف) رہے، آپ کا کوئی عزیز قریب بھی آپ کے پاس پہنچا ہو) اس لئے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس سے بہتر جگہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور آگے جو ظہور میں آنے والا تھا (جس کا اس حدیث میں ذکر ہے) اس کے لئے ازل سے یہی مبارک غار مقدر ہو چکا تھا۔

آگے حدیث شریف میں جو فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ غار حراء کی اس خلوت گزینی اور عبادت کے سلسلہ میں آپ کا معمول یہ تھا کہ چند دن رات کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر آپ غار حراء تشریف لے جاتے اور وہاں پوری یکسوئی سے عبادت میں مشغول رہتے یہاں تک کہ جب آپ کے دل میں گھر والوں کی دیکھ بھال اور ملاقات کا داعیہ پیدا ہوتا تو گھر زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر اتنے ہی دنوں کے لئے خورد و نوش

کا ضروری سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت میں مشغول رہتے۔

حضرت صدیقہؓ نے غار حرا میں آپ کی مشغولیت کے لئے فَيَتَحَنَّثُ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حدیث کے ایک راوی امام زہری نے تَعَبُّد کے لفظ سے اس کا حاصل مطلب بیان کیا ہے ——— لیکن کسی روایت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ غار حرا کے اس قیام میں حضورؐ کی عبادت کا طریقہ کیا تھا۔ شارحین حدیث نے اس بارے میں حضرات علمائے کرام کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں لیکن وہ سب قیاسات ہیں ——— اس عاجز کا خیال ہے کہ نبوت و رسالت کے منصب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مسلسل تربیت ہو رہی تھی جس کا پہلا مرحلہ رویائے صادقہ کا سلسلہ تھا، وہ بھی ایک طرح کا الہام تھا، اس کے بعد خلوت گزینی اور خلوت میں عبادت کا داعیہ آپ کے قلب میں پیدا کیا گیا یہ بھی جاذبۂ الٰہیہ اور ایک طرح کے الہام ربانی کا نتیجہ تھا پھر غار میں آپ جو عبادت فرماتے تھے جس کو حضرت صدیقہؓ نے فَيَتَحَنَّثُ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے سمجھنا چاہیئے کہ وہ بھی الہام ربانی کی رہنمائی میں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے لئے نور ہدایت کی دعا کرتے ہوں اور آپ کی قوم شرک و بت پرستی اور شدید مظالم و معاصی کی جن نجاست و ظلمات میں غرق تھی جس سے آپ کی فطرت سلیمہ صالحہ کو سخت اذیت تھی اس سے آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بیزاری کا اظہار اور قوم کے لئے بھی اصلاح و ہدایت کی دعا فرماتے ہوں (دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا ہے) ——— بہرحال راقم الحروف کا خیال ہے کہ آپ کو عبادت کی اس مشغولیت میں الہام خداوندی کی رہنمائی حاصل تھی اور اس کے ذریعہ آپ کی روحانیت کو آگے کی منزلوں کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ واللہ اعلم

آگے حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ غار حرا میں آپ کی خلوت گزینی اور عبادت کا سلسلہ جاری تھا کہ یکایک (ایک رات میں) آپ کے پاس فرشتہ وحی لے کر آ گیا اور اس نے آپ سے کہا اِقْرَأْ (پڑھئے) آپ کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھا ہوا نہیں [illegible]) ——— آپ [illegible] کے بعد اس نے مجھے

[illegible]

پکڑ کے اتنے زور سے دبایا کہ اس کا دباؤ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا یعنی اس حد تک کہ اس سے آگے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتہ نے آپ کا گلوئے مبارک پکڑ کے اس قدر زور سے دبایا تھا) حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ تین دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے مجھ سے کہا اِقْرَأْ (پڑھئے) میں نے کہا کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس لئے پڑھ نہیں سکتا، اور میرے اس جواب کے بعد ہر دفعہ اس نے مجھے پکڑ کے اس قدر زور سے دبایا کہ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا، تیسری دفعہ کے بعد اس نے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھیں (اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ تک)

حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ فرشتہ سے یہ آیتیں سن کر آپ نے خود بھی انکی تلاوت فرمائی، لیکن آگے جو بیان فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کو یہ آیتیں محفوظ ہو گئیں اور آپ ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے غار سے گھر تشریف لائے، اور آپ کی اس وقت جو حالت تھی وہ حدیث میں آگے ذکر کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یوں تو پورا قرآن مجید معجزہ ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں اور اسی طرح بعض چھوٹی چھوٹی آیتوں میں اعجاز کی شان ایسی واضح اور نمایاں ہے کہ عربی زبان سے واقفیت اور اس کا ذوق رکھنے والا ہر شخص ان کو صرف سن کر یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں بلکہ خالق بشر کا کلام ہے ——— راقم سطور بغیر ادنیٰ انکسار کے عرض کرتا ہے کہ میں عربی زبان کا ادیب نہیں ہوں بس اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا مقدس کلام قرآن مجید اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھ لیتا اور سمجھ لیتا ہوں۔ اپنے اس حال میں بھی سورۂ علق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کے بارے میں الحمدللہ یہ دن کی روشنی کی طرح یقین رکھتا ہوں کہ یہ

؎ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ابو داؤد طیالسی کی روایت سے نقل کیا ہے ”فاخذ بحلقی“ اور اس کی اسناد کو حسن کہا ہے (فتح الباری مطبوعہ مصر ۱۳۰۰ھ پارہ اول صفحہ ۲۲)

بشر کا یا فرشتہ کا کلام نہیں ہو سکتا یہ بلا شبہ رب ذو الجلال ہی کا کلام ہے ــــ چھوٹی چھوٹی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جو دفتر اور علوم کا جو سمندر ہے اس کی شان ربوبیت، قدرت وحکمت، کرم واحسان اور صفات وافعال کا جو بیان ہے اس پر ایک پورا مقالہ بلکہ ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے ــــــــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ آپ کی مادری زبان عربی تھی بلکہ آپ افصح العرب تھے اس لئے اس میں شک شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ جیسے ہی آپ نے فرشتہ (جبرئیل) سے یہ آیتیں سنی ہوں گی آپ نے یقین فرمایا ہوگا کہ یہ میرے خالق ومالک رب کریم کا کلام ہے اس نے مجھے اپنے فضل خاص سے نوازا ہے ـــ

حدیث میں غار حرا کے مذکورۂ بالا واقعہ کے ذکر کے بعد بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ العلق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کو لے کر غار حرا سے اس حال میں گھر تشریف لائے کہ آپ دہشت زدہ سے تھے آپ کا دل لرز رہا تھا جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا آپ نے آتے ہی اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھے کپڑا اُڑھا دو (ایسی حالت میں کپڑا اوڑھنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اس سے سکون ملتا ہے) چنانچہ گھر والوں نے آپ کو کپڑا اُڑھا دیا، پھر وہ دہشت زدگی اور دل کے لرزنے کی کیفیت ختم ہو گئی اور حالت معمول پر آگئی تو آپ نے زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کو وہ سب بتلایا جو پیش آیا تھا، اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي (اے خدیجہ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا) مطلب یہ ہے کہ فرشتہ نے گلا پکڑ کے تین دفعہ ایسے زور زور سے دبایا تھا کہ مجھے خطرہ تھا کہ میری جان ہی نکل جائے گی ــ

آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے غار حرا کی ساری واردات حضورؐ کی زبان مبارک سے سن کر آپ کو تسلی اور بشارت دینے کے لئے پورے اعتماد کے ساتھ اور قسم کھا کے اپنے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ ہرگز کوئی خطرہ اور اندیشہ کی بات نہیں تھی اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے نوازا ہے۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں یعنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کرتے ہیں، صداقت اور راست بازی آپ کا شعار ہے، آپ ایسے ضعیفوں اپاہجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں جو بیچارے خود اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے

یعنی ان کی کفالت کرتے ہیں اور آپ کا حال یہ ہے کہ خود محنت کر کے کمائی کرتے ہیں (تاکہ غریبوں حاجتمندوں کی مدد کریں) اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ بغیر کسی جرم و قصور کے کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں آپ انکی امداد و اعانت کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس گفتگو سے یہی تھا کہ آپکے یہ مکارم اخلاق اور مبارک احوال اس بات کی علامت اور دلیل ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں اور آپ پر اس کا خاص فضل و کرم ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ یہ جو کچھ ہوا یہ بھی اس کے کرم ہی کا ظہور ہے

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر حضرت خدیجہؓ حضورؐ کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفلؓ کے پاس پہنچیں ـــــــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ورقہ بن نوفل کے تعارف میں یہ بھی ہے کہ

وکان امرأ تنصر فی الجاھلیہ	یہ ورقہ بن نوفل ایسے آدمی تھے جو زمانہ جاہلیت
وکان یکتب الکتاب العبرانی	میں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ	سے پہلے) نصرانیت اختیار کر چکے تھے اور یہ
وکان شیخا کبیرا	عبرانی زبان لکھتے تھے، چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان
قد عمی ۔	میں لکھا کرتے تھے اور یہ بہت بوڑھے تھے، اور
	نابینا ہو گئے تھے ۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں عبرانی کے بجائے عربی ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ورقہ بن نوفل انجیل کے مضامین عربی زبان میں لکھا کرتے تھے اور بظاہر یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

ورقہ بن نوفل کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ شرک و بت پرستی سے بیزار تھے، دین حق کی تلاش میں ملکوں ملکوں پھرے بالآخر ملک شام میں توفیق الٰہی نصرانی مذہب کے ایک ایسے راہب یعنی عیسوی مذہب کے درویش عالم سے ملاقات ہوگئی جو صحیح عیسوی مذہب پر تھے (یعنی عیسائیت میں الوہیت مسیح، تثلیث اور

---

۱ ورقہ کے والد نوفل اور حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد دونوں اسد بن عبدالعزیٰ کے بیٹے تھے اس لئے ورقہ حضرت خدیجہؓ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے ـــــ

کفارہ وغیرہ جیسے جو مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدے بعد میں شامل کر لئے گئے وہ ان سے بیزار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی صحیح تعلیم و ہدایت پر قائم تھے) ورقہ نے ان کے ہاتھ پر نصرانی مذہب قبول کر لیا اور اسکی تعلیم بھی حاصل کر لی، عبرانی زبان بھی سیکھ لی جس میں توراۃ نازل ہوئی تھی (اور بعض محققین کی تحقیق کے مطابق انجیل بھی عبرانی زبان ہی میں تھی) ـــ بہرحال ورقہ بن نوفل صحیح عیسوی مذہب پر تھے اور کتب قدیمہ کے عالم تھے ـــ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الاصابہ" میں ان ورقہ بن نوفل کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے :ـ

وکان ورقة تذکرة عبادة الاوثان	ورقہ بتوں کی پوجا کو بُرا اور غلط سمجھتے تھے
وطلب الدین فی الآفاق وقرأ	اور دین حق کی تلاش میں یہ مختلف علاقوں اور
الکتب وکانت خدیجة تسئله	ملکوں میں پھرے، اور انھوں نے کتابوں کا (یعنی
عن امر النبی صلی الله علیه	ان کتابوں کا جو آسمانی کہی اور سمجھی جاتی تھیں)
وسلم فیقول ما اراه الا نبی	مطالعہ کیا تھا، اور خدیجہؓ ان سے رسول اللہ
هذه الامة الذی بشر	صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کرتی
به موسی و عیسی	تھیں تو وہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ یہ اس
(الاصابه ص ۳۳ ج ۳)	امت کے وہی نبی ہونگے جن کی بشارت حضرت
	موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے ـ

اس سے معلوم ہوا کہ ورقہ بن نوفل کی اس خصوصیت کی وجہ سے کہ انھوں نے اپنی قوم کے شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا، (اور اس طرح نبوت و رسالت کے پورے سلسلہ پر وہ ایمان لے آئے تھے) اور تورات انجیل وغیرہ کتب سماویہ کے عالم تھے، اور ظاہر ہے کہ انکی زندگی بھی عام اہل مکہ کی زندگی سے الگ قسم کی عابدانہ، زاہدانہ درویشانہ زندگی رہی ہوگی (الغرض ان کی ان صفات و خصوصیات کی وجہ سے) ان کی چچا زاد بہن حضرت خدیجہؓ جو ایک نہایت سلیم الفطرت اللہ والی خاتون تھیں، ان کو ایک روحانی بزرگ سمجھتی تھیں اور ان سے ایک طرح کی عقیدت رکھتی تھیں، اور غار حراء کے اس واقعہ سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر معمولی

احوال کا تذکرہ کر کے آپؐ کے بارے میں ان کا خیال اور ان کی رائے دریافت کیا کرتی تھیں اور وہ جواب میں کہا کرتے تھے ماأراه الا نبي هذه الامة الذي بشر به موسى وعيسى (یعنی میرا گمان ہے کہ یہ اس امت کے وہ نبی ہوں گے جن کی بشارت حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔

پھر جب غار حرا کا یہ واقعہ ظہور میں آیا جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کو بتلایا تو ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ وہ یہ پورا واقعہ حضورؐ کی زبان مبارک سے ورقہ بن نوفل کو سنوائیں جو پہلے ہی آپ کے نبی و رسول ہونے کا خیال ظاہر کرتے تھے ——— یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ کسی روایت میں اس کا ذکر بلکہ اشارہ بھی نہیں ہے کہ حضورؐ نے ورقہ کے پاس جانے کی خواہش کی ہو بلکہ جیسا کہ حدیث میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے حضرت خدیجہؓ ہی آپؐ کو ان کے پاس لے کر گئیں۔

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پاس پہنچ کر حضرت خدیجہ ہی نے ان سے کہا کہ آپ اپنے ان بھتیجےؓ سے ان کی بات اور واردات سنئے! تو ورقہ نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے بھتیجے

۱؎ مثلاً بچپن میں شق صدر کا واقعہ، اور نبوت سے بہت پہلے بعض پتھروں کا آپ کو سلام کرنا، اور بعض درختوں کا آپ کی طرف جھک جانا، جیسے واقعات جن کا ذکر ایسی روایات میں کیا گیا ہے جو قابل قبول ہیں اور بحیرا راہب کا مشہور تاریخی واقعہ جو حدیث کی کتابوں میں بھی روایت کیا گیا ہے ——— ظاہر ہے کہ اس طرح کے غیر معمولی واقعات کا آپ نے اپنی ہمراز اور ہمدم و ہم ساز رفیقہ حیات حضرت خدیجہ سے ضرور ذکر فرمایا ہوگا جو نہایت سلیم الفطرت اور عاقلہ خاتون تھیں۔ وہ انہی احوال و واقعات کا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے ذکر کر کے حضورؐ کے بارے میں ان کا خیال اور ان کی رائے دریافت کرتی ہوں گی۔ اسی کے جواب میں ورقہ وہ بات فرماتے تھے جو روایت میں ذکر کی گئی ہے یعنی یہ کہ "میرا گمان ہے کہ یہ اس امت کے وہ نبی ہوں گے جن کی بشارت اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔

۲؎ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کو جو ورقہ بن نوفل کا بھتیجہ کہا اور اسی طرح ورقہ نے بھی "ابن اخی" (بھتیجے) کہہ کر مخاطب کیا تو یہ نسبی رشتہ کی بنیاد پر نہیں کہا گیا، بلکہ اہل عرب کے اس عام رواج کے مطابق کہا تھا کہ وہ اپنے سے بڑوں کو ازراہ احترام چچا اور چھوٹوں کو پیار اور شفقت سے بھتیجہ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

مجھے بتلاؤ کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو آپ نے وہ سب بیان فرمایا جو غار حرا میں آپ نے مشاہدہ فرمایا اور آپ پر گزرا تھا۔ تو ورقہ ابن نوفل نے بغیر کسی تامل اور تردد کے کہا کہ یہ فرشتہ جو غار حرا میں تمہارے پاس آیا اور جس کا پورا واقعہ تم نے ذکر کیا یہ وہی "ناموس" (یعنی وہی وحی لانے والا خاص فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام و پیام دے کر اپنے پیغمبر موسیٰؑ پر بھی بھیجا تھا۔

یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ورقہ بن نوفل تو نصرانی یعنی عیسوی مذہب کے پیرو تھے پھر اس موقع پر انھوں نے حضرت عیسیٰ کا نام چھوڑ کے حضرت موسیٰ کا نام کیوں لیا حالانکہ جبرئیل جسطرح موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے تھے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی بھیجے گئے تھے؟ — شارحین حدیث نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی طرف بھی بھیجے جاتے تھے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل شریعت نہیں لائے تھے، ان کی شریعت وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ آئی تھی عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض احکام میں جزوی تبدیلیاں فرمائی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل اور کامل شریعت لانے والے نبی و رسول تھے اس لئے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مشابہت تھی ——— قرآن مجید سورۂ مزمل میں بھی فرمایا گیا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ ——— بہرحال اس خاص وجہ سے ورقہ بن نوفل نے اس موقع پر جبرئیل امین کے تعارف میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

آگے حدیث میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے پورے یقین کے ساتھ یہ بتلا کہ کہ غار حرا میں آنے والے یہ فرشتے جبرئیل امین تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر موسیٰ علیہ السلام (اور دوسرے نبیوں رسولوں) کے پاس بھی آیا کرتے تھے، حضورؐ کی نبوت کی واضح الفاظ میں تصدیق فرمائی اور ساتھ میں بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میں اس وقت طاقتور جوان پٹھا ہوتا کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر مکہ سے نکالے گی (تو میں آپ کا ساتھ دیتا اور جان کی بازی لگا کر آپ کی مدد کرتا) ——— حضورؐ نے ورقہ سے یہ سن کر ازراہ تعجب پوچھا کہ کیا میری قوم مجھے اس شہر سے نکال دے گی؟ (آپ کو تعجب اس لئے ہوا کہ اب تک اپنے کریمانہ اخلاق اور معصومانہ زندگی کی وجہ سے آپ قوم میں انتہائی درجہ ہر دلعزیز تھے، آپ کو الصادق الامین کے لقب سے یاد کیا جاتا

تھا اس لئے یہ بات فی الحقیقت قابل تعجب تھی کہ یہی قوم آپ کو کبھی شہر مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیگی) ورقہ نے آپ کے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی وہ دعوت و تعلیم لے کر آیا ہے جو تم لائے ہو (اور لاؤ گے) تو اس کی قوم اس کی دشمن ہو گئی ہے، تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا تمہاری قوم کے لوگ تمہارے جانی دشمن ہو جائیں گے اور تم کو شہر چھوڑ کے نکل جانا ہوگا ——

—— غالب گمان یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے یہ جو کچھ کہا قدیم آسمانی کتابوں کی پیشین گوئیوں اور اللہ کی طرف سے آنے والے نبیوں رسولوں کی تاریخ کی روشنی میں کہا۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں ان کی شہادت بھی یہی ہے۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے مکرر کہا کہ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا جب آپ قوم کو دین حق کی دعوت دیں گے اور قوم آپ کی مخالف اور دشمن ہو جائے گی تو میں اپنے اس بڑھاپے اور اس معذوری کے باوجود آپ کی اپنے امکان بھر مدد کروں گا ——

—— اس کے آگے روایت میں ہے کہ پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ ورقہ بن نوفل وفات پا گئے —— اور غارِ حرا کے اس واقعہ کے بعد کچھ مدت تک وحی کی آمد کا سلسلہ بند رہا —— (حدیث کے اصل مضمون کی توضیح و تشریح ختم ہوئی)

حدیث سے متعلق چند امور کی وضاحت

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے اور ایمان لانے والے ورقہ بن نوفل اور حضرت خدیجہؓ ہیں، لیکن یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق کی طرف دعوت دینے کا حکم نہیں ہوا تھا اور ورقہ بن نوفل اسی زمانے میں اس حال میں انتقال فرما گئے کہ وہ صحیح عیسوی دین پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر کے آپ پر بھی ایمان لا چکے تھے اس لحاظ سے ان کو اس امت کا اول مومن بھی کہا جا سکتا ہے —— پھر جب آپ کو دعوت دینے کا حکم ہوا تو جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت خدیجہؓ نے آپ کی دعوت کو قبول کیا جو آپ کی نبوت پر پہلے بھی ایمان لا چکی

(۲) حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے تین دفعہ انتہائی زور زور سے حضورؐ کا گلوئے مبارک دبایا (جیسے کوئی کسی کا گلا گھونٹنا چاہتا ہے) شارحین اور علمائے کرام نے اسکی مختلف توجیہیں بیان فرمائی ہیں ، اس عاجز راقم سطور کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس طرح انتہائی زور سے گلا دبانے سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے آپ کی توجہ ہر طرف سے' اپنی ذات کی طرف سے بھی ہٹ کر صرف اپنے رب کریم کی طرف ہو جائے جب کسی عارف باللہ اور خدا آشنا بندے کا اس طرح گلا گھونٹا جائیگا تو یقیناً اس کی تمام تر توجہ صرف اپنے پروردگار کیطرف ہو جائیگی۔ اور اس کا احساس وشعور بڑی حد تک اس عالم سے کٹ کر ملأ اعلیٰ سے جڑ جائے گا۔ اس وقت حضورؐ پر جو وحی پہلی دفعہ القاکی جا رہی تھی اس کے لئے اس کی ضرورت تھی ۔ بالفاظ دیگر اس عمل کے ذریعہ حضورؐ کی روح وقلب میں وہ قوت پیدا کرنی تھی جو اس وحی الٰہی کا تحمل کر سکے جس کو قرآن پاک میں قولاً ثقیلاً فرمایا گیا ہے ـــــ بعد میں بھی نزول وحی کے وقت حضورؐ کا جو حال ہوتا تھا وہ حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے ، سخت سردی کے موسم میں جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کو پسینہ پھوٹ پڑتا ۔ روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں اگر وحی نازل ہوئی تو اونٹنی بیٹھ گئی ـــــ الغرض اس عاجز کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس سخت دباؤ کا مقصد یہی تھا کہ آپ اس وحی کا تحمل فرما سکیں جو پہلی دفعہ القاکی جا رہی تھی ـــــ واللہ اعلم

(۳) حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ غار حرا سے جب گھر واپس تشریف لائے تو آپ کا دل لرز رہا تھا اور جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا اور حضرت خدیجہؓ سے آپ نے فرمایا لَقَدْ خَشِيتُ عَلَىٰ نَفْسِي" (مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا) ـــــ آپ کا یہ حال بھی حضرت جبرئیل کے اس گلا دبانے کا اور کلام الٰہی کے بارگراں کا بھی نتیجہ تھا ، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وحکمت ہے کہ ہم پر قرآن پاک کی تلاوت کا کوئی بوجھ نہیں پڑتا ورنہ اس کی شان تو خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے :-

لو انزلنا هذا القرآن على جبلٍ	اگر یہ قرآن ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے
لرأيته خاشعًا متصدعًا من خشية	کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جاتا اور ٹکڑے
الله (سورہ الحشر آیت ۲۱)	ٹکڑے ہو جاتا ۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

اسلام کا حکیمانہ نظام وراثت
اور
علماء و مصلحین کی ذمہ داری

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد والہ وصحبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین "اسلام" اور اس کے قوانین میں انسانی احساسات، طبعی رجحانات، اور فطری تقاضوں کی جیسی اور جتنی رعایت کی گئی ہے اس کی نظیر کسی بھی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی، وضعی یا غیر وضعی قانون میں ملنی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے، یہ خالی دعویٰ یا خوش عقیدگی پر مبنی بے بنیاد خیال نہیں بلکہ دلائل و شواہد سے ثابت شدہ ایک حقیقت ہے، جس کی صداقت کوئی بھی انصاف پسند جب چاہے شرعی احکام کا۔ غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ گہرا۔ مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے۔

اسلام کے وسیع اور جامع نظام میں صرف انسان کی محدود و فانی زندگی کے ہی واسطے عادلانہ و حکیمانہ قوانین عطا نہیں کئے گئے ہیں بلکہ اس عارضی حیات کے خاتمہ کے بعد کے لئے بھی احکام و ضوابط دیئے گئے ہیں (جن کے نافذ کرنے کی ذمہ داری۔ ظاہر ہے کہ۔ زندہ لوگوں پر ڈالی گئی ہے) اس کی ایک اہم مثال ترکہ و میراث کے نہایت وسیع اور جامع نظام میں ملتی ہے، جو تمام اسلامی قوانین کی طرح بے حد متوازن اور عادلانہ اصول پر قائم ہے،

اس نظام (قوانین میراث) کے متوازن اور منصفانہ ہونے کا صحیح اندازہ کچھ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کا دوسرے۔ مذاہب اور ممالک کے، نیز زمانہ جاہلیت میں رائج۔ نظام ہائے

ترکہ سے موازنہ کیا جائے۔

زمانۂ جاہلیت عرب کے اندر زمانۂ جاہلیت میں ترکہ پانے کا اصل سبب — یا یوں کہہ لیجئے کہ استحقاقِ ترکہ کا بنیادی اصول — رجولیت اور قوت تھا، اس لئے عورتوں کو مطلقاً — اور ضعفاء (بچوں) کو — خواہ وہ جنس ذکور ہی سے کیوں نہ ہوں — ترکہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ بہت سے قابل اعتماد اور مستند علماء نے نقل کیا ہے، مثلاً مشہور مفسر قرآن ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (ف ۶۷۱ھ) نے بیان کیا ہے: "وکانت الوراثة فی الجاھلیہ بالرجولیة والقوة"[1]

جاہلیت کے اس (اصول و) رواج کا پتہ ان روایات سے بھی چلتا ہے جو عام طور پر آیات میراث کا شان نزول بتانے کے لئے کتب تفسیر میں ذکر کی گئی ہیں، مثلاً تفسیر طبری میں ہے کہ ایک خاتون نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ:-

یارسول اللہ! توفی زوجی و ترکنی وابنته فلم نورث، فقال عم ولدھا یارسول اللہ لاتركب فرسا ولا تحمل كلا ولا تنكا عدوا[2]	اے اللہ کے رسولؐ! میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد میں اور اس کی بیٹی (وارث) زندہ ہیں لیکن ہمیں ترکہ سے محروم رکھا جا رہا ہے، اس پر میت کا بھائی بولا کہ اے اللہ کے رسولؐ! یہ عورت (اور اس کی بیٹی) نہ تو گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہے، نہ بوجھ اٹھا سکتی ہے اور نہ کسی دشمن کو زک پہنچا سکتی ہے۔

حالانکہ عقل عام کا تقاضا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکہ پانے کے سب سے زیادہ مستحق ضعفاء اور

---

[1] تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن ۵/۹، دار الکاتب العربی للطباعة والنشر ۱۳۸۷ھ) اور احکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص ۲/۴۵ میں ہے فاما ما یستحق بالنسب فلم یکونوا یورثون الصغار ولا الاناث وانما یورثون من قاتل علی الفرس وحاز الغنیمہ (مطبوعہ دار الکتب العربی۔ بیروت) [2] تفسیر طبری ۴/۲۶۲ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر تالیف: امام جعفر محمد بن جریر الطبری (ف ۳۱۰)

عورتیں ہی ہونی چاہئیں، کیونکہ بچے اپنے ضعف اور عورتیں اپنی صنفی نزاکت کی وجہ سے عموماً خود کسب معاش کے اہل نہیں ہوتے، ایسی صورت میں ان کے لئے مورث، جو عموماً سرپرست ـــ یعنی اپنی زندگی میں ان ضعیف و نازک ورثہ کے اخراجات کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے ـــ کی وفات کے بعد اس کے ترکہ میں سے کچھ پانے کا استحقاق چھین لئے جانے کے سبب بسا اوقات ضروریات زندگی تک سے محروم ہو جاتے ہیں اس کے نتیجہ میں بھوک اور پیاس سے تڑپ کر ہلاک ہو جانے کے خطرہ سے دوچار ہو جانے کے سوا اور کوئی راہ نہیں رہ جاتی چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

"ان الورثة الصغار الضعاف كانوا	کم و رکم عمر ورثہ تو قوی وارثوں کے مقابلہ میں
احق بالمال من القوی، فعكسوا	مال کے اور زیادہ مستحق ہوتے ہیں، لیکن انھوں
الحكم وابطلوا الحكمة فضلوا	نے (جاہلیت کے زمانہ میں) معاملہ کو بالکل
باهوائهم واخطأوا فی آرائهم"	الٹ دیا اور حکمت کو نظر انداز کیا جس کے
له	نتیجہ میں وہ گمراہ ہوئے اور خواہش نفس کا شکار بنے

یہودی مذہب

یہودیوں کے یہاں اصلاً تو خداوندی قوانین ـ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ دیئے گئے تھے ـ پر ترکہ کے احکام مبنی ہونے چاہیئے تھے، لیکن تحریف کے بعد اس کی اب جو شکل ہے اس میں بنیادی طور پر مرد ہونا ہی ترکہ کا استحقاق پیدا کرتا ہے، عورتیں عموماً محروم رہتی ہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ مصری نے اپنی گرانقدر تالیف "الترکۃ والمیراث فی الاسلام" میں یہودی اصول وراثت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

" وعماد الأسرة عندهم هو الرجل	عام طور پر کنبہ میں بنیادی حیثیت اور سربراہی
بصفة عامة ولهذا لاحظ في شريعتهم	مرد کو ہی حاصل ہوتی ہے اس لئے ان کی شریعت
للمرأة من الميراث سواء كانت امًّا	میں عورت کا میراث میں کوئی حق نہیں ہوتا خواہ
او زوجةً او بنتًا او اختًا	عورت ماں ہو، بیوی ہو، بہن ہو، یا

له احکام القرآن لابن العربی ص۳۲۶ ج۱ الطبعة الاولیٰ، مطبعة السعادة، مصر۔

للمتوفی ،، ؎ بیٹی ہو (مرنے والے کی)

اس بارے میں ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ شوہر تو اپنی بیوی کا ترکہ پاتا ہے لیکن بیوی اپنے شوہر کے ترکہ سے محروم ہی رہتی ہے ،

مزید یہ کہ بڑا لڑکا ، چھوٹے لڑکوں کے مقابلہ میں اپنے باپ کے ترکہ میں دوہرا استحقاق رکھتا ہے؎ حالانکہ پہلے یا بعد میں پیدا ہونا محض قدرتی اور غیر اختیاری چیز ہے ۔ لیکن یہ بھی ایک یہاں بڑے کو چھوٹے پر امتیاز بخش دیتی ہے ، اگر پہلے یا بعد میں پیدا ہونے پر کسی امتیاز کی گنجائش ہوتی تو برعکس شکل میں ہونی چاہیے تھی ۔ یعنی چھوٹا ۔ شفقت کا زیادہ استحقاق رکھنے کی بنا پر ۔ زیادہ مقدار کا حقدار ہونا چاہیے تھا ۔

رومن لا

رومن لا جس کے "مبنی بر انصاف" ہونے کی مغربی ملکوں میں دھوم مچی ہوئی ہے اسی بنا پر مدتوں تک تقریباً سارے مغرب کا وہ سرکاری قانون بھی رہا ہے' اور کچھ حصے اب تک رائج ہیں اور جسے ساری دنیا کا معلم قانون قرار دینے کی صدا اس قوت سے لگائی گئی کہ اس کی گونج مشرق بعید تک اتنی زور سے پہونچی یا (پہونچائی گئی) کہ اچھے اچھے اسے واقعی حقیقت باور کرنے لگے ، اس "مبنی بر انصاف" لا میں شادی شدہ لڑکیاں اپنے باپ کے ترکے سے محروم قرار دی گئی ہیں ، عورتوں کی محرومی اسی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس "منصفانہ" قانون میں ایک " انصاف" عورتوں کے ساتھ یہ کیا گیا کہ (کنبہ کے سربراہ) مرد کو یہ حق بھی دیدیا گیا ہے کہ وہ اپنے کنبہ کے افراد کو (جن میں عورتیں شامل ہیں) فروخت تک کر سکتا ہے بلکہ ان کی موت وحیات کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے ، اور انھیں ترکہ سے محروم بھی رکھ سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کنبہ کے افراد کی حیثیت غلاموں بلکہ جانوروں جیسی ہوتی ہے) چنانچہ بیوی اپنے شوہر کے ترکہ سے محروم رکھی جاتی ہے ؎

مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ لڑکا چاہے نکاحی عورت سے پیدا ہوا ہو یا بدکاری کے نتیجہ میں ، دونوں شکلوں میں وارث بنتا ہے ؎

؎ الترکہ والمیراث فی الاسلام ص مطبوعہ المعرفۃ ، ؎ ایضاً ص

؎ الترکہ والمیراث فی الاسلام ص تا ص ؎ ایضاً ص

ہندوستان

اصلی ہندو قانون وراثت میں نہ صرف عورتیں ترکہ سے محروم ہوتی ہیں بلکہ بڑے لڑکے کے علاوہ بقیہ سب لڑکے بھی محروم رہتے ہیں، جیساکہ "منوسمرتی" میں ہے "ماں باپ کی تمام دولت کو بڑا بیٹا ہی لیو ےلے"[1] عجیب بات ہے کہ یہی قانون آج تک انگلینڈ میں بھی رائج ہے۔

اسلام کا نظام وراثت

ان چند غیر اسلامی اصول وقوانین کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد آئیے خالق حقیقی کے عطاکردہ نظام وراثت کی طرف، اور اس کا بغائر نظر مطالعہ کرنے کے بعد سوچئے کہ حقیقی انصاف وتوازن اس میں ہے یا ان میں؟ اسلامی نظام وراثت کی بنیاد (جیساکہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے) نسب[2] اور سبب پر ہے۔ چنانچہ اس نظام کے اندر کسی حال میں بھی[3] ماں، بیٹی، بیوی، کو ترکہ سے محروم نہیں کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بہت سی صورتوں میں پوتی، دادی، نانی، بہن (کی تینوں قسمیں حقیقی، علاتی، اخیافی) بلکہ بعض صورتوں میں پھوپھی اور نواسی بھی ترکہ پانے کا استحقاق رکھتی ہیں، اور پھر یہ کہ عمر میں کم یا زیادہ ہونے سے ترکہ کی مقدار میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، جس مقدار کا مستحق بڑا لڑکا ہوتا ہے اسی کا چھوٹا لڑکا بھی، کیونکہ جب سبب میں دونوں برابر ہیں تو قدر کے فرق کو غیر منصفانہ ہی کہا جائے گا (بلکہ دیکھا جائے تو۔ جیساکہ پہلے بھی کہا گیا ہے۔ چھوٹا۔ چونکہ شفقت کا زیادہ حق ہوتا ہے اسی لئے اگر تفاوت روا رکھا گیا ہوتا تو چھوٹے کا ترکہ زیادہ ہوتا بہ نسبت بڑے کے۔

ایک سطحی اعتراض

اسلامی وراثت پر بعض نادان (یا معاندین) ایک سطحی اعتراض یہ کرتے ہیں

---

[1] منوسمرتی (اردو ترجمہ ص ۱۸۱، مطبوعہ تاراچند چھبر، تاجر کتب لاہوری دروازہ ۱۹۳۱ء) [2] نسب سے مراد خونی رشتہ یعنی قرابت ہے، چنانچہ جو جتنا زیادہ مورث سے قریبی رشتہ رکھتا ہے اتنا ہی ترکہ پانے میں مقدم رہتا ہے، اور سبب سے مراد شادی بیاہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا۔ زوجین کے درمیان۔ تعلق ہے، اسی بنا پر بیوی سے شوہر کو اور شوہر سے بیوی کو ترکہ پانے کا حق ملتا ہے، سبب کے اندر اور بھی بعض امور داخل ہیں یہاں اختصاراً مزید تفصیل نہیں کی جارہی ہے اس کے لئے دیکھئے امام غزالی کی کتاب "الوجیز" ص ۲ ج ۲ (مطبعۃ الآداب المؤید ۱۳۱۷ھ) نیز دیگر کتب فرائض۔

[3] اس سے دو حالتیں "رق" اور کفر مستثنیٰ ہیں، یہ حالتیں "مرد" کو بھی ترکہ سے محروم کردیتی ہیں۔

کہ "اسلامی قانونِ وراثت میں عورتوں کو مردوں سے آدھا ترکہ ملتا ہے اور یہ بات مرد و عورت کی مساوات کے خلاف ہے" راقم نے مساوات مرد و زن پر نیز خاص اس مسئلہ پر اپنی کتاب "معاشرتی مسائل" میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ تفصیل کے طالب اسے[1] دیکھیں، یہاں اسی سے بعض اقتباسات (معمولی تغیر کے ساتھ) پیش کئے جا رہے ہیں۔

اس اعتراض کا اصل سبب اسلامی قوانین کے تمام پہلوؤں کا معترضین کے سامنے نہ ہونا ہے، ورنہ انھیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ عورت کو ترکہ کی جو مقدار بھی مل رہی ہے، وہ شاید کبھی کسی اتفاقی اور ہنگامی ضرورت میں کام آتی ہو تو آجاتی ہو، ورنہ اکثر رکھی ہی رہ جاتی اور "بینک بیلنس" بڑھانے کا سبب بنتی ہے، اس لئے یہ سمجھنا۔ غالباً۔ بیجا نہ ہوگا کہ شریعت نے ترکہ میں عورت کا حصہ مقرر کر کے دراصل اس کی دلجوئی اور قدر افزائی فرمائی ہے، اور معاشرہ میں اس کا مقام بلند کیا ہے، ورنہ شرعی قوانین پر مکمل طور سے عمل کئے جانے کی صورت میں عورت کے سامنے کوئی بھی مرحلہ، ـــ بعض استثنائی اور مجبوری کی حالتوں کو چھوڑ کر ـــ ایسا نہیں آتا جس میں اسے کسی کے نفقہ کا ـ حتیٰ کہ خود اپنے نفقہ کا بھی ـ شرعاً بار اٹھانا پڑتا ہو۔ اور پھر یہ امر مستزاد ہے کہ وہ نکاح کرتی ہے تو شوہر سے مہر لینے کی بھی حقدار بنتی ہے .... اس کے برخلاف مرد کی حالت یہ ہے کہ سن بلوغ اور کسب معاش کی قدرت آنے کے ساتھ ہی نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں (مثلاً بیوی، اور بعض صورتوں میں والدین نیز دیگر اقارب) کی ضرورتوں کا پورا کرنا بھی اس کے ذمہ ہو جاتا ہے، اور شادی کر لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ بیوی کے تمام اخراجات ہی اس کے ذمہ عائد ہو جاتے ہیں بلکہ مہر ـ جو اکثر بڑی رقم ہوتی ہے ـ بھی اسی پر لازم ہوتا ہے۔"[2]

شرعی قانون کے ان تمام گوشوں پر نظر ڈالنے کے بعد ـ عورت کا ترکہ میں مرد سے آدھا حصہ ہونے پر ـــ کوئی بھی انصاف پسند اعتراض نہیں کر سکے گا (اسی طرح کے ایک دو مہمل اعتراضات اور کئے جاتے ہیں جن کے جوابات بھی بکثرت دیئے جا چکے ہیں خود راقم نے بھی مذکورہ کتاب میں دیئے ہیں تفصیل کے طالب اسے دیکھیں)

---

[1] اس فرق کی مزید حکمتیں جاننے کے لئے دیکھئے حجۃ اللہ ص ۸۹ ج ۲ مطبوعہ مطبع خیریہ، مصر،

[2] معاشرتی مسائل ص ۱۰۹، ۱۸۱ شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ پوسٹ بکس ۹۳

قانون میراث کی حیثیت

یہاں یہ بتانا بھی بے محل نہ ہوگا کہ میراث کا قانون ۔ اور اس کے مطابق مستحق ورثہ پر ترکہ تقسیم کرنے کا حکم رضاکارانہ نہیں بلکہ وجوبی اور لازمی ہے، جس پر عمل کرنا شریعت کے دیگر لازمی قوانین کی طرح ۔ واجب اور ضروری ہے ۔ اسکی خلاف ورزی آخرت میں سخت سزا کی موجب ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی نقصان رساں ہوتی ہے (ہندوؤں کی نقل میں) مسلمانوں کے اندر بھی لڑکیوں کو غیر معمولی جہیز دینے اور "تلک" کی جو رسم مصیبت بلکہ عذاب بن کر نازل ہو رہی ہے سچ پوچھئے تو وہ بھی ترکہ کے شرعی تقسیم نہ کرنے یعنی لڑکیوں اور بہنوں کو اس سے محروم کرنے کا ایک نتیجہ ہے اس کے علاوہ یہ زیادتی خیر و برکت سے محرومی اور اکثر نزاع وجدال (لڑائی جھگڑوں) کا سبب بنتی ہے ، کسی مستحق کو ترکہ سے محروم رکھنا شرعاً ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کا مال ناحق غصب کر لینا یا چھین لینا ۔ چنانچہ قرآن مجید میں احکام میراث بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے " فریضۃ من اللّٰہ واللّٰہ علیم حکیم " (یہ اللّٰہ کی طرف سے مقرر کردہ لازمی حکم ہے ، اللّٰہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے)

ایک سنگین جرم ترکہ کے قانون کی پامالی

لیکن کس قدر تعجب ۔ بلکہ صدمہ ۔ کی بات ہے ان قوانین کو شریعت خداوندی ماننے کا دعویٰ کرنے والے بہت سے افراد بھی ان کی اس طرح خلاف ورزی کرتے گویا انھیں پامال کرتے ہیں ، کہ نسلیں پر نسلیں اس جرم میں مبتلا رہتے ہوئے گزر جاتی ہیں ، مگر ۔ ذرہ برابر بھی ۔ خدا کا خوف اور آخرت کی بازپرس کے خطرہ کی ۔ پرواہ نہیں کرتے ، مزید حیرت اس پر ہے کہ مجموعی طور پر دیندار ۔ اور پابند شرع کہے جانے والے بعض لوگ بھی بلا تکلف اس قانونِ شرعی کے خلاف عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور ان میں بہت سے لوگوں کو شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ترکہ کے مستحق افراد کو ۔ مثلاً بہنوں کا حصہ نہ دیکر ظلم کیا جا رہا ہے ، حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں ترکہ کے احکام بیان فرمانے کے بعد متصلاً یہ بھی فرمایا ہے " تلک حدود اللّٰہ ...... ومن یعص اللّٰہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیہا ولہ عذاب مہین " یہ (احکام میراث بھی) اللّٰہ کی طرف سے مقرر کردہ حدود ہیں اور جو بھی اللّٰہ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی ، اور اس کی مقرر کردہ حدود پامال کریگا اسے اللّٰہ تعالیٰ آگ میں داخل کریگا ، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ، اور اس کے لئے نہایت تکلیف دہ اھ)

اہانت والا عذاب ہے، ان آیات پر ایمان حقیقی جسے نصیب ہو وہ یقیناً خلاف ورزی کا تصور کرتے کانپے گا اور کسی مستحق میراث کا حق دبانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ [1]

قانون میراث کی خلاف ورزی سے اعمال سوخت ہونے کا خطرہ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (ف ۷۷۴ھ) جو عظیم مفسر ہونے کے ساتھ بڑے محدث بھی ہیں۔ نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں، ان میں ایک یہ ہے جسے ترمذی وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے:۔

ان الرجل لیعمل او المرأۃ بطاعۃ اللّٰہ ستین سنۃ ثم یحضرھما الموت فیضران فی الوصیۃ فتجب لھما النار۔۔

رواہ ترمذی وابن ماجہ [2]

مطلب یہ ہے کہ: اگر کسی مرد یا عورت نے ساٹھ سال تک بھی مسلسل خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارے ہوں لیکن مرتے وقت (خلاف اصول شرع) کسی کو کچھ دینے کی وصیت کر دی تو اس کی ساری طاعت و عبادت اکارت ہو جائیگی اور) اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

مقام غور، بلکہ جائے خوف ہے کہ ساٹھ ستر (ایک روایت میں ستر کا بھی ذکر ہے) سال مسلسل عبادت و اطاعت کرنے والا بھی اگر قانون ۔ ترکہ و۔ وصیت کی خلاف ورزی کرے تو اس کے لئے ایسی شدید وعید ہے، پھر جب پوری زندگی (یا اس کا بیشتر حصہ) قوانین شریعت توڑنے میں گزر گئی۔ جیسا کہ اکثر مسلمانوں کا آجکل حال ہو گیا ہے تو خلاف ورزی پر کتنی سخت سزا ملے گی؟ اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے،

علماء و مصلحین کی ذمہ داری

ہمارے معاشرہ میں خاصی مدت سے میراث کے قوانین کی جس بڑے پیمانہ پر خلاف ورزی ہو رہی ہے، اسکی وجہ سے خواص (مصلحین

---

[1] چنانچہ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ایسا یقین عطا کیا، انھوں نے نہ صرف اپنی جانب سے اس میں کوئی سستی گوارہ نہیں کی بلکہ اپنے مورثین میں کسی کی طرف سے اس بارہ میں کوتاہی کے امکان و احتمال کی تلافی کی بھی کوشش کی جیسا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ موصوف کو اس بات کا شبہ ہو گیا تھا کہ ان کے والد مرحوم سے اس بارہ میں کچھ فروگذاشت ہو گئی ہے تو اس کی تلافی کے لئے حضرت حکیم الامت ؒ نے کس قدر محنت و کوشش فرمائی وہ ایک قابل نمونہ چیز ہے، تفصیل کیلئے دیکھئے "اشرف السوانح" اور "تجدید دین کامل" (از مولانا عبد الباری ندوی)

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ ج ۱ مطبوعہ دار الاحیاء الکتب العربیہ ۔

وعلماء) پر خاص طور سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کے خلاف ہر ممکن قدم اٹھائیں، ورنہ خطرہ ہے کہ عمومی قانون شکنی کی بنیاد پر اگر عذاب خداوندی آئے تو یہ "ساکتین" بھی (خاموش رہنے والے) لپیٹ میں آجائیں (لاقدر اللہ)

قانون ترکہ کی اہمیت

قانون میراث کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہے کہ قرآن مجید جس میں بالعموم تفصیلی احکام کے بجائے اجمالی احکام اور اصول وقواعد بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے میں ترکہ کے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں یعنی اکثر ورثہ کے حصے بتا دیئے گئے ہیں، اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ درمیان میں ایک سے زائد بار۔ وعدہ وعید کا انداز بھی اختیار کیا گیا ہے، اور جن ورثہ کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کے حکیمانہ اور منصفانہ ہونے کا بھی ذکر ہے۔ (ان اللہ کان علیماً حکیما - اور - اٰبائکم وابناؤکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا، وغیرہ میں یہی بات کہی گئی ہے) علاوہ ازیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علم الفرائض۔ کہ جس سے میراث کے تفصیلی احکام معلوم ہوتے ہیں۔ کو "نصف العلم" کہا گیا ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے کی تاکید کی گئی ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:-

تعلموا الفرائض وعلموا الناس	علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ، کیونکہ یہ
فانہ نصف العلم [1]	نصف علم ہے

اسے "نصف علم" کہنے کی ایک وجہ ابن کثیرؒ نے یہ بتائی ہے کہ سب لوگوں کو اس سے سابقہ پڑتا ہے [2] اس علم کی اہمیت کا ہی یہ اثر ہے کہ ہر دور کے ممتاز علماء نے اس کی طرف توجہ دی اور اس موضوع پر کتابیں لکھیں (ان سب کی اصل تعداد اللہ عالم الغیب کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا)

چنانچہ اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھنے کا ذکر دوسری صدی ہجری سے ہی ملنے لگتا ہے، صاحب کشف الظنون کی تصریح کے مطابق، ابو بکر ایوب السختیانی البصری التابعی (ف ۱۳۱ھ) نے "فرائض ایوب البصری" کے نام سے کتاب لکھی، اور امام ابو حنیفہ کے معاصرین میں ابن ابی لیلیٰ وابن شبرمہ نے بھی

---

[1] کشف الخفاء ومزیل الالباس ص۳۰۰ ج۱ بحوالہ ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم، نسائی، طبرانی وغیرہ (اگرچہ اس کی سند میں اصحاب فن نے کچھ کلام کیا ہے) [2] ابن کثیر ص۴۵۵ ج۱ (لانہ یبتلی بہ الناس کلھم)

فرائض پر کتابیں لکھیں اس کے بعد اس فن پر سب سے زیادہ مبسوط کتاب محمد بن النضر مروزی کی وجود میں آئی اس کے بارے میں ابن السبکی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ: هو کتاب جلیل القدر لا مزید علیہ (کشف الظنون) اس کے علاوہ بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئیں، جن میں یوسف بن عبداللہ القرطبی (ف ۴۶۳ھ) کی فرائض ابن عبدالبر، بشر بن احمد بن علی بن حمد الحاسب الشافعی (ف ۸۹ ھ) کی 'فرائض ابی الرشید' ابو الرجاء مختار بن محمود الحنفی (ف ۶۵۸ھ) کی فرائض الزاہدی، مشہور کتابیں ہیں، لیکن ان سب میں، سراج الدین محمد بن محمود بن عبدالرشید السجاوندی الحنفی (ف ۹) کی کتاب "الفرائض السراجیة" (معروف بہ سراجی) کو جو شہرت و قبولیت حاصل ہوئی (اور جس میں اب تک کمی نظر نہیں آتی) وہ کسی اور کتاب کا حصہ نہ بن سکی اس کی شہرت و قبولیت کی ہی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے شروح و حواشی اتنی کثرت سے لکھے گئے کہ جنکی نظیر نہیں ملتی۔

حاجی خلیفہ کے الفاظ میں: "واشتغل بشرحہ جم غفیر من العلماء" اس کے بعد موصوف نے سراجی کی بیس سے زیادہ مستقل شرحوں کا تذکرہ کیا ہے اور پھر حواشی کا۔ جو ان کے علاوہ ہیں جنکی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے (ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء) اور آج بھی بحمداللہ اسی موضوع پر۔ چھوٹی بڑی۔ کتابیں برابر لکھی جا رہی ہیں۔ اللھم زد فزد اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

آخر میں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ اس مضمون کا اصل مقصد ترکہ کی تقسیم کے متعلق اسلامی احکام کی اہمیت کی طرف عام مسلمانوں کی توجہ مبذول کرنا ہے تاکہ ہر گھر میں اس کی فکر ہو، اور ہر گھر میں غیر اسلامی رسم و رواج کو مٹانے اور اپنے معاشرہ کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کرنے کی جو مہم شروع کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے اس میں ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں اس جاہلانہ رواج کو مٹانے کی کوشش کا بھی کا حقہ' حصہ ہو۔ ساتھ ہی اس مضمون میں حضرات علماء و مصلحین اور معروف کی اشاعت اور منکر کی تغییر کے عظیم فریضہ سے، تعلق رکھنے والے حضرات کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ زندگی کے اس اہم شعبہ کو بھی اپنی اصلاحی محنتوں کا نشانہ بنائیں واللہ الموفق وهو الهادی الی سواء السبیل۔

جناب منظر گیلانی صاحب آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
حیات اور شخصیت
(۲)

مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ چودھویں صدی ہجری کے عظیم عالم ربانی اور منفرد طرز کے صاحب قلم و مصنف تھے ۱۹۳۰ء سے وفات (۱۹۵۶ء) تک قریباً ۲۰ سال مولانا مرحوم کا "الفرقان" سے ایسا تعلق رہا کہ بہت کم ایسا ہوتا کہ "الفرقان" کا کوئی شمارہ ان کے افادات سے خالی شائع ہوتا ـــــ مولانا کے جو مضامین و مقالات "الفرقان" میں شائع ہوئے ان کے صفحات کی مجموعی تعداد ہزار سے اوپر ہی ہوگی ان مضامین اور مستقل شائع ہونے والی ان کی تصانیف کے مطالعہ سے ان کے علمی مقام، وسعتِ مطالعہ ذہانت و فطانت اور قلم کے ذریعہ مافی الضمیر کے بیان پر قدرت کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے ـــــ مولانا کی وفات کے بعد الفرقان کا ایک خاص نمبر بھی ان کی یاد میں شائع ہوا تھا ۔

جناب منظر گیلانی صاحب مولانا علیہ الرحمہ کے قریبی عزیز ہیں، ان کے اس مضمون میں مولانا کے ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں کچھ ایسی معلومات آگئی ہیں جن کا محفوظ ہو جانا بھی ضروری اور مولانا مرحوم کا ایک حق سمجھا گیا، اسی خیال سے اس کو الفرقان میں شائع کیا جا رہا ہے ـــــ گزشتہ شمارہ میں پہلی قسط میں قارئین کرام جو پڑھ چکے ہیں اس کے آگے ذیل میں ملاحظہ فرمایا جائے]

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد

مولانا کا یہ قیام دیوبند میں قریب ایک سال رہا اس کے بعد وہ اپنے وطن لوٹ آئے یہاں آکر مولانا کو حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے زیر سایہ اپنا ایک رسالہ مونگیر سے جاری کرنے کا خیال آیا۔ ایک سال اسی کوشش میں لگے رہے۔ لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس کا کوئی نظم نہ ہو سکا اور مولانا کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی

لیکن اس مدت میں بھی وہ بیکار نہیں رہے۔ بلکہ حضرت مولانا محمد علیؒ کی صحبت میں روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔ اور مولانا کے ارشاد سے اکثر بھاگلپور اور دربھنگہ وغیرہ جاکر وعظ اور تبلیغ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ایک روز دربھنگہ میں وہ وعظ فرما رہے تھے۔ مجمع بہت کثیر تھا جس میں کچھ غیر مسلم بھی شریک تھے مولانا کے وعظ سے ایک غیر مسلم اتنا متاثر ہوا کہ بھرے مجمع کے سامنے اس نے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔

جب مونگیر میں ایک سال کے قیام کے بعد بھی پرچہ جاری کرنے کا کوئی نظم نہ ہوسکا تو مولانا نے اپنے حالات لکھ کر دیوبند بھیجے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے جو اس وقت دیوبند کے کارپرداز مہتمم تھے فوراً جواب دیا اور فی الفور دیوبند واپس آنے کا مشورہ دیا اور لکھا کہ "القاسم" اور "الرشید" کی ادارت پھر انھیں کے سپرد کی جائے گی اور پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ انھیں دی جائے گی۔ چنانچہ مولانا مونگیر سے پھر دیوبند چلے گئے۔ ابھی اس نئے تعلق کو چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ کلکتہ میں ایک غیر معمولی ہنگامہ کھڑا ہو گیا کلکتہ کے اخبار "انڈین ڈیلی نیوز" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک گستاخانہ مضمون شائع ہو گیا جس سے مسلمانان کلکتہ سخت برہم ہو گئے۔ پورے شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حکومت نے بھی سخت رویہ اختیار کر لیا اور مسلمان ادھر ادھر گرفتار ہونے لگے۔ حکومت نے جو سوچا تھا، نتیجہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ اور یہ تحریک دوسرے شہروں میں بھی پھیلنے لگی، کلکتہ کے مسلمانوں نے بذریعہ تار علماء دیوبند کو اس طرف متوجہ کیا، وہاں سے متعدد علماء کا ایک وفد کلکتہ کے لئے چل پڑا۔ ان میں مولانا گیلانی بھی تھے۔ اس درمیان حکومت کا رویہ اور بھی سخت ہو گیا، ایک مسجد کے نزدیک مجمع پر گولی چلادی گئی۔ جس سے کئی مسلمان شہید ہو گئے ان حالات کے مدنظر کلکتہ کے مسلمانوں نے آنے والے علماء دیوبند کو تار دیکر آنے سے روک دیا۔ کیوں کہ اس وقت کلکتہ کے حالات خطرناک ہو رہے ہیں۔ یہ تار ان حضرات کو ٹرین ہی میں بمقام الہ آباد ملا۔ کچھ علمائے کرام نے دیوبند واپسی کا فیصلہ کر لیا اور واپس ہو گئے، لیکن مولانا گیلانی جوانی کے جوش میں اڑ گئے کہ اب تو جہاد اور قربانی کے لئے کلکتہ جانا ضروری ہے۔ مولانا کے عزیزوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ دیوبند سے علماء کس ٹرین سے کلکتہ جانے والے تھے۔ پٹنہ جنکشن پر ان لوگوں نے مولانا گیلانی کو کلکتہ جانے سے بہت روکا لیکن مولانا کسی طرح نہ مانے، کلکتہ پہونچ کر مولانا نے جیسے ہی پر جوش تقریر کی اور فتویٰ دیا حکومت نے انکی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ لیکن چند مخلصوں نے ان کو ایک مکان کے اندر بند کر دیا۔ چونکہ پٹنہ کے راستے دیوبند جانے کی صورت میں گرفتار ہونا یقینی تھا۔ اس لئے مولانا کے

دوستوں نے ان کو دو ہفتے کے بعد اس پر راضی کیا کہ وہ مدراس میل سے حیدر آباد ہوتے ہوئے پونا اور بمبئی کی راہ سے دیوبند جائیں ۔

مولانا گیلانی حیدر آباد میں جس روز مولانا کی گاڑی حیدر آباد سے گذر رہی تھی وہ عید کا دن تھا اس لئے مولانا حیدر آباد ہی میں اتر پڑے اور اپنے عزیز سید محی الدین صاحب بیرسٹر کے یہاں مقیم ہوئے ۔ محی الدین صاحب کے یہاں ہندوستان کے مشہور و معروف مفسر قرآن مولانا حمید الدین صاحب فراہی پرنسپل مدرسہ نظامیہ (حیدر آباد) کی آمد و رفت تھی ۔ اسطرح مولانا گیلانی کی ملاقات علامہ فراہی سے ہوئی جنھوں نے چند ہی ملاقاتوں میں اُن کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کر لیا کہ انھیں حیدر آباد ہی میں روک لیا جائے اس زمانہ میں مولانا فراہی عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے لئے ایک عظیم منصوبہ تیار کر رہے تھے ۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مدرسہ نظامیہ کو عثمانیہ یونیورسٹی میں ضم کر دیا جائے اور اساتذہ مدرسہ نظامیہ کی ملازمت اسی یونیورسٹی سے وابستہ کر دی جائے ـــــ علامہ فراہی یہ منصوبہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، سر اکبر حیدری فنانس منسٹر اور سر راس مسعود ڈائریکٹر تعلیمات کے مشورہ سے تیار کر رہے تھے ۔ مولانا فراہی نے مولانا گیلانی کو یہ کہہ کر روک لینا چاہا کہ یونیورسٹی جلد کھلنے والی ہے اور وہ انھیں اس یونیورسٹی میں کسی اچھے عہدے پر تعلیمات دینیات کے لئے ملازمت دلوا دیں گے ۔ مولانا گیلانی نے جواب دیا کہ وہ دار العلوم دیوبند کے ملازم تھے اور سر راہے وہاں آ گئے تھے ذمہ داران دار العلوم کی اجازت کے بغیر وہ کسی دوسری جگہ کی ملازمت قبول نہیں کر سکتے البتہ وہاں کی اجازت کے بعد قبول کر سکتے ہیں اور اس کے لئے دار العلوم دیوبند کو خط لکھ سکتے ہیں ۔ چنانچہ مولانا نے دیوبند خط لکھا ۔ وہاں سے جواب ملا کہ انھیں ضرور حیدر آباد رک جانا چاہیئے، اس وقت اس کی سخت ضرورت تھی کہ مدرسہ دیوبند کا کوئی نمائندہ اس نئی یونیورسٹی سے منسلک ہو جائے ۔ چنانچہ مولانا گیلانی نے قیام حیدر آباد کا فیصلہ کر لیا ۔ چونکہ یونیورسٹی کھلنے میں ابھی دیر تھی اس لئے مولانا گیلانی سید محی الدین صاحب کو درس قرآن دیتے رہے اور خود علامہ فراہی سے تفسیر قرآن پڑھتے رہے ۔ اس طرح پورا ایک سال گذر گیا لیکن یونیورسٹی کے قیام میں ہنوز دیر تھی ۔ مجبوراً مولانا گیلانی ملازمت کی درخواست وہاں چھوڑ کر اپنے وطن گیلانی لوٹ آئے کچھ دنوں بعد جب عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہو گئی تو گیلانی ہی میں مولانا کو تقرر نامہ ملا ۔ اور اس طرح مولانا گیلانی عثمانیہ یونیورسٹی میں دینیات کے لکچرر مقرر ہو گئے ۔ یہ واقعہ ۱۹۲۰ء کا ہے ۔

مولانا گیلانی کا قریب اٹھائیس سال تک عثمانیہ یونیورسٹی سے تعلق رہا۔ اور جب صدیقی صاحب جو ہوقت شعبۂ دینیات کے صدر تھے سبکدوش ہو گئے تو مولانا گیلانی ہی ان کی جگہ پر صدر شعبہ مقرر ہوئے۔

بیماری اور وفات

مولانا کو ملازمت سے ۱۹۵۰ء میں سبکدوش ہونا تھا۔ لیکن ۱۹۴۹ء میں انکو دل کا دورہ پڑا۔ حملہ شدید تھا لیکن کسی طرح جاں بر ہوگئے۔ مگر اس قابل نہ رہے کہ اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کو نباہ سکیں۔ اس لئے مستعفی ہوکر ۱۵ اپریل ۱۹۴۹ء میں ہی مرض قلب کے شکار ہوکر اپنے گاؤں چلے آئے۔ لیکن مرض کا دورہ متواتر ہوتا رہا۔ تا آنکہ ۶ جون ۱۹۵۶ء کو رحلت فرما گئے۔ مولانا نے اپنی ڈائری میں جس کا ذکر آگے آرہا ہے لکھا ہے کہ "۱۵ اپریل ۱۹۴۹ء کو بالآخر حیدرآباد دکن سے آخری دفعہ خروج بالصدق کی نعمت میسر آئی، آج سے تیس سال پہلے اسی مالک کے حکم سے اس شہر میں دخول بالصدق میسر آیا تھا اور اسی کے حکم سے خروج بالصدق بھی آسان کیا گیا"۔

سفر آخرت

مولانا کا سفر آخرت بھی قابل رشک تھا۔ ۵ جون ۱۹۵۶ء کی شب کو سوانح قاسمی کی تیسری جلد کے آخری باب کو مکمل کرکے بستر خواب پر دراز ہوئے، اپنے بھتیجے روح اللہ سے فانی کی مشہور غزل

کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ترنم سے پڑھ کر سنانے کی فرمائش کی۔ پھر مولانا کو نیند آگئی۔ صبح جب انکے چھوٹے بھائی مکارم احسن نے جو پاس ہی لیٹے تھے اپنے محبوب بھائی کو جگانا چاہا تو خود اپنی غفلت پر سر پیٹ کر رہ گئے۔ مولانا اکثر فرماتے تھے کہ کسی جنت میں جانے والے پر بڑھاپا طاری نہ ہوگا ہر شخص جوان صورت بن کر جائے گا۔ صبح کے وقت جب انکی روح پرواز کر چکی تھی تو چہرہ تر و تازہ تھا۔ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی پچیس سالہ جوان بستر پر دراز تھا۔ اس منظر نے ہر شریک جنازہ کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ بقول غلام محمد صاحب:

"حضرت گیلانی کی حسی کرامات خواہ نہ دیکھی گئی ہوں مگر اس عالم ناسوت سے جاتے ہوئے انھوں نے غفلت کے ماروں اور روحانیت کے بے خبروں کے لئے عجیب کرشمہ دکھایا"۔

مولانا گیلانی کو مولانا فصیح مرحوم (ساکن موضع استھانواں) سے بڑی عقیدت تھی اور شاید انکی یہ خواہش بھی تھی کہ مولانا فصیح ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔ ۵ جون ۱۹۵۶ء کو مولانا فصیح دربھنگہ میں تھے وہ بیان کرتے تھے کہ اس روز ان کو مولانا گیلانی سے ملنے کی اتنی شدید خواہش ہوئی کہ وہ بغیر کسی پروگرام کے

دربھنگہ سے گیلانی روانہ ہوگئے۔ اور دوسرے روز گیلانی پہونچے تو مولانا مرحوم کی تجہیز وتکفین کے انتظامات ہو رہے تھے اس طرح نماز جنازہ مولانا فصیح ہی نے پڑھائی۔

نکاح، شادی اور اولاد

مولانا گیلانی کی شادی اپنی ہی بستی کے ایک بزرگ داروغہ سید محمد نیظر صاحب کی صاحبزادی آمنہ خاتون سے ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے متعدد اولاد عطا فرمائی لیکن اکثر نے صغر سنی ہی میں داغ مفارقت دیا۔ صرف ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کو اللہ تعالیٰ نے عمر عطا فرمائی صاحبزادے کا نام سید محی الدین تھا۔ یہ ایم اے کرنے کے بعد بہار ہی میں سب ڈپٹی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان چلے گئے اور وہاں پی اے ایس میں انکا انتخاب ہوگیا۔ مولانا کی بالکل رائے نہ تھی کہ میاں محی الدین جو انکے اکلوتے بیٹے تھے پاکستان چلے جائیں۔ لیکن محی الدین بضد ہوئے اور مجبوراً مولانا کو اجازت دینی پڑی۔ اسوقت کے حالات کچھ ایسے تھے کہ بہتوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن بوقت رخصت جو الوداعی جملے مولانا کی زبان سے نکلے تھے مجھ کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مولانا نے بچشم تر اپنے اکلوتے بیٹے سے یہ کہا تھا کہ " تم جانے کو تو پاکستان جا رہے ہو لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد تم لوگوں کو لٹ لٹا کر ہندوستان ہی واپس آنا ہوگا۔"

اور پھر مشرقی پاکستان کے انقلاب عظیم کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے خدا نہ کرے ایسے ہی واقعات موجودہ پاکستان میں بھی دہرائے جائیں۔ محی الدین سلمہ، پاکستان چلے تو گئے لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جب وہ مغربی پاکستان میں منتقل ہوگئے ان پر دل کا دورہ پڑا اور ۱۹۷۰ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے مولانا کی لڑکی کی شادی انکے چھوٹے بھائی مکارم احسن صاحب گیلانی مرحوم کے بڑے لڑکے صلاح الدین سلمہ، سے ہوئی تھی۔ خدا کے فضل سے دونوں بقید حیات ہیں۔　　(جاری)

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ایک انگریزی ترجمہ قرآن

تیسری اور آخری قسط

[قرآن مجید کا ایک انگریزی ترجمہ چند سال قبل ایران سے شائع ہوا ہے۔ اس کے تعارف کے لئے اس کے سولہ اقتباسات اردو ترجمہ کے ساتھ الفرقان کے گذشتہ دو شماروں میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ کی آخری قسط پیش خدمت ہے۔ بہتر ہوگا کہ یہ پورا مضمون ایک بار تسلسل کے ساتھ بغور پڑھ لیا جائے ——— سجاد]

سورۂ مائدہ کی ابتدائی تین آیات میں چند نہایت اہم احکامات وہدایات دینے کے بعد جن کا تعلق اہل کفر کے ساتھ معاشرتی وسماجی تعلقات میں واضح حدود قائم کرنے اور ایک بالکل مستقل اور الگ تہذیب کو قائم کرنے سے ہے نہایت حوصلہ افزا انداز میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوهم واخشون، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ـــــ	آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرنا، مجھ سے ڈرتے رہنا، آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین (طریقۂ زندگی) کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

یاد رہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی، گویا کہا جا سکتا ہے کہ تقریباً تیئس سال کی مدت میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی مکمل نجات وسعادت

کے لئے جو احکام و ہدایات معجزانہ تدریج اور حکیمانہ ترتیب کے ساتھ نازل فرمائے تھے ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس معجزانہ تربیت سے تیار ہونے والے مجمع کو خطاب فرماتے ہوئے مذکورہ بالا بات اس دن ارشاد فرمائی تھی جس دن وہ مجمع بے مثال اجتماعیت کے ساتھ پہلی مرتبہ میدان عرفات میں اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت جمع ہوا تھا ۔

ایک طرف آیت کے اس پس منظر اور اس کے مفہوم کے اس بلند و بالا رخ کو دیکھئے اور دوسری طرف اس کے شان نزول کے بارے میں فاضل مترجم صاحب کی وہ تحقیق ملاحظہ فرمائیے جو انھوں نے اس آیت کے ترجمہ کے وقت حاشیہ پر ثبت فرمائی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :۔

After his last pilgrimage when the Holy Prophet of Islam finally appointed Ali as his successor and Khalifa at Gadir-e-Khum, the above Ayat about perfection of religious and completion of Allah's favours was revealed.

"حجۃ الوداع کے بعد جب پیغمبر اسلام نے "غدیر خم" کے مقام پر علی کو اپنے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے آخری طور پر نامزد کر دیا تھا ، تب دین کی تکمیل اور خدائی نعمت کی تکمیل کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ۔"

گویا خاکم بدہن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ سال تک جس سخت پر مشقت جد وجہد میں لگے رہے ، جس کے نتیجہ میں ایک نئی امت وجود میں آئی ، اس سب کا حاصل یہ تھا کہ آپؐ اپنے داماد اور چچازاد بھائی کو اپنا نائب مقرر کر دیں ، چنانچہ جیسے ہی آپ نے یہ کام کیا ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان کر دیا گیا ؛ معاذ اللہ ؛ نقل کفر کفر نباشد !

جو لوگ شیعی ذہنیت سے واقف ہیں انھیں فاضل مترجم صاحب کی اس تحقیق پر ذرہ برابر بھی تعجب نہیں ہوگا ، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس ذہنیت کے مطابق پورا قرآن ، پورا اسلام صرف اور صرف "امامت" ہی کے ارد گرد گھومتا ہے ۔ ہم اس بارے میں اپنے مطالعہ کا حاصل پیش کرنے کے بجائے مشہور مصری عالم و مصنف ڈاکٹر محمد حسین ذہبی (مرحوم) کی ایک عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جو انھوں نے اپنی شاہکار تصنیف "التفسیر والمفسرون" کی دوسری جلد میں شیعی تفسیر قرآن کا

عالمانہ جائزہ لیتے ہوئے سپردقلم کی ہے ۔

"امامیہ اثناعشریہ کا عقیدہ ہے کہ علی اور ان کے بعد اماموں کی امامت پر ایمان، ان کی محبت و اطاعت اور ان کے مخالفوں اور دشمنوں سے نفرت ایمان کی بنیادوں میں سے ہے، اس کے بغیر ایمان درست نہیں ہو سکتا...

اس اعتقاد کے بعد امامیہ اثناعشریہ نے قرآن مجید کی آیتوں کو اسی عقیدہ پر منطبق کرنا شروع کیا اور اس معاملہ میں یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ یہ بھی دعویٰ کرنے لگے کہ وہ سب آیتیں جن میں (کسی گروہ کی) تعریف آئی ہے وہ دراصل ائمہ اور ان پر ایمان لانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ۔

اور وہ تمام آیات جن میں کسی کی مذمت کی گئی ہے اور اظہار ناراضگی کیا گیا ہے وہ اماموں کے مخالفوں اور دشمنوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں ۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ کہتے ہیں کہ اکثر بلکہ پورا قرآن اماموں ہی کی طرف دعوت، ان کی امامت کے اعلان، ان کی اطاعت کی تاکید اور ان کی مخالفت سے روکنے ہی کے لئے نازل ہوا ہے ۔

اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع کا صیغہ یا جمع کی ضمیر استعمال کی ہے اس کا راز یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ نبی کریم اور اماموں کو شامل کرنا چاہتا ہے .. انھوں نے اس بارے میں حد درجہ غلو سے کام لیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ایسی چند آیتوں میں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تذکرہ فرمایا ہے درحقیقت صرف امام ہی مراد ہیں ۔ مثال کے طور پر ارشاد باری "وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون" (ان لوگوں نے ہم پر (یعنی اللہ پر) ظلم نہیں کیا، بلکہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے آرہے ہیں) کے بارے میں امام باقر سے ایک روایت وہ نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا : اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ اس پر کوئی ظلم کر سکے حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس آیت میں ہم (اماموں) کو اپنے ساتھ ملالیا، اور ہم پر ظلم کو اپنے ساتھ ظلم اور ہماری اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ......"

اور سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم "اللہ" آیا ہے یا الٰہ اور رب کے اسماء حسنیٰ آتے ہیں ان کے نزدیک ان سب جگہ امام ہی مراد ہے یہاں تک کہ جو ضمیریں (سلسلۂ کلام میں) اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کی طرف راجع ہیں ان کا مرجع بھی دراصل امام ہی ہیں [1]

[1] ملاحظہ ہو التفسیر والمفسرون، للدکتور محمد حسین الذہبی، مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

ہم جو بات یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا یہ انگریزی ترجمہ جو حال ہی میں ایران سے شائع ہوا ہے اسی روایتی شیعہ ذہنیت اور عقائد پر مشتمل ہے جس کے بارے میں ایرانی انقلاب کے حامی بہت سے لوگ بے خبر عوام کو وقتاً فوقتاً یہ باور کراتے رہتے ہیں کہ ایران کی نئی انقلابی قیادت کا اس روایتی شیعی ذہنیت اور عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے — ہمارے خیال میں یہ ترجمۂ قرآن اس جھوٹے پروپیگنڈے کی تردید کے لئے بالکل کافی ہے۔

(۱۸) سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ (یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك... الآیة) میں یہود و نصاریٰ کے مسلسل معاندانہ رویہ، تکذیب و استہزاء اور ان کی سازشوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے تاکید فرمائی ہے کہ آپ تو اپنے کام یعنی ہمارے پیغام کی دعوت و تبلیغ میں لگے رہئے۔ آپ سے صرف اسی کی باز پرس ہوگی۔ جہاں تک ان دشمنوں کی سازشوں کا اور ان سے اپنی حفاظت کا سوال ہے تو جان لیجئے کہ یہ کام آپ کا نہیں اللہ تعالیٰ کا ہے پس اطمینان رکھئے اللہ تعالیٰ آپ کی پوری پوری حفاظت فرمائے گا — اور جہاں تک لوگوں کے ہدایت یاب ہونے کا سوال ہے تو اس بارے میں یہ قانون ذہن میں رکھئے کہ اللہ تعالیٰ ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا —

الغرض آیت کا مدعا اور حاصل یہ ہے کہ دعوت اور داعی کی حفاظت اور قلوب کو حق کی طرف موڑنا یہ دونوں کام ہمارے ہیں۔ آپ کا کام تو ہمارا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ آپ اپنے اسی کام میں یکسوئی کے ساتھ مشغول رہیئے۔

شیعہ مذہب کی مستندترین کتاب اصول کافی میں اس آیت کے مدعا و مفہوم کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کچھ سابقہ اشاروں سے عام لوگ حضرت علی کی ولایت و امامت کے بارے میں اللہ کا حکم نہیں سمجھ سکے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ ایک بار پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیں تاکہ سب لوگ سمجھ لیں اور باخبر ہو جائیں۔ اس حکم سے آپ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی اس لئے کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ عام لوگ اس حکم کو تسلیم نہیں کریں گے۔ بلکہ ارتداد اور بغاوت کی لہر پھیل جائے گی — چنانچہ آپ اس اعلان پر اپنے کو آمادہ نہیں کر پا رہے تھے بلکہ ایک روایت کے مطابق آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس پر نظر ثانی

کی درخواست بھی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بڑے زوروں سے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا اور لوگوں کے (یعنی عام صحابہ کے) شر سے حفاظت کا وعدہ بھی کیا گیا اور اعلان نہ کرنے پر عذاب کی وعید بھی سنائی گئی ۔

یہ ہے حاصل اس آیت کا شیعہ مذہب کے مطابق، اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے بموجب آیت میں جن "لوگوں" کے شر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ وہ کون لوگ ہیں اور اسی طرح جن کافرین (ناشکروں) کو ہدایت سے محروم رکھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت بیان فرمائی ہے وہ کون بدنصیب ہیں ؟!؟

ہمارے مترجم صاحب نے بھی اپنے اسلاف کی یہی تحقیق دنیا بھر کے انگریزی خوانوں کے سامنے اس انداز سے پیش فرمائی ہے :

Muhammad immediately ordered Bilal to recall the 1,24,000 Muslims who had gone ahead who were behind and who had gone to the right and left of the junction at Gadir-e-Khum to assemble immediately. The Holy Prophet of Islam took Ali by the hand and mounted the mimber (Pulpit) and appointed Ali as his successor and Khalifa and said;" Ali is the master of those whose Master I am. Almighty God be a friend to his friend and be a Foe to his foe. Help those who help him and frustrate the hope of those who betray him. Among the important people who congratulated Ali, Omer greeted him in the following words.

" فوری طور پر محمد نے بلال کو حکم دیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کو، جن میں سے کچھ آگے بڑھ چکے تھے، کچھ ابھی پیچھے تھے، اور کچھ دائیں یا بائیں طرف تھے، غدیر خم کے مقام پر جمع کریں ۔
پیغمبر اسلام علی کو ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر منبر پر تشریف لے گئے، اور علی کو اپنے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے نامزد فرمایا، اور ارشاد فرمایا: جس کا "مولیٰ" میں ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ اے اللہ جو بندہ علی سے محبت و موالات کا تعلق رکھے تو اس سے محبت و موالات کا معاملہ فرما

اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے تو اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرما! ..."

غدیر خم کے اس واقعہ کی اصل حقیقت کے بارے میں ہمیں یہاں کچھ نہیں عرض کرنا ہے ہمیں یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ چشم بددور! ہمارے ایم ایچ شاکر صاحب (فاضل مترجم) کا خیال بھی سابق علمائے شیعہ کی طرح یہی ہے کہ سورہ مائدہ کی یہ آیت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی کی خلافت وامامت کے اعلان کی تاکید کرنے اور اس سلسلہ میں پس وپیش پر آپؐ کی تنبیہ کرنے ہی کے لئے نازل ہوئی تھی ۔ ——— (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً)

(۱۹) سورۂ ابراہیم کے بالکل آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ یہ کتاب (قرآن مجید) جو ہم تم پر نازل کر رہے ہیں یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ کی توفیق سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاؤ ... اس کے بعد پانچویں آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم نے یہی ذمہ داری موسیٰ پر بھی ڈالی تھی اور ان سے کہا تھا کہ (تربیت کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ) لوگوں کو ان واقعات کی یاد دلاؤ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سنت کا کھلا ظہور ہوا، اور اہل ایمان کو ان کے ایمان وعمل کا صلہ دنیا ہی میں کامیابی وعزت کی شکل میں اور اہل کفر ومعصیت کو ان کی کافرانہ وفاسقانہ روش کی سزا دنیا ہی میں ذلت ورسوائی کی شکل میں مل گئی ۔ ان واقعات کو یہاں "ایام اللہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے ——— یہی لفظ اسی مفہوم میں سورۂ جاثیہ کی آیت ۱۴ میں بھی آیا ہے ——— اور دونوں جگہ اس لفظ کے مفہوم کے بارے میں حضرات مفسرین کو ذرہ برابر تردد نہیں ہے ۔

لیکن ہمارے فاضل مترجم صاحب کے ذہن رسا کی رسائی جہاں تک ہوئی ہے وہ بس انہی کا حصہ ہے! وہ سورہ ابراہیم کی آیت ۵ (ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا ...... الآیۃ) کی تشریح میں ارقام فرماتے ہیں :

The Days of Allah are eids, birth and death Anniversaries of the 14 Masooms.

"ایام اللہ سے مراد عید کے دن ہیں اور ۱۴ چودہ معصوموں کی ولادت اور وفات کے دن"

سورۂ جاثیہ کی جس آیت کا ابھی ذکر آیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے

کہ وہ اہل ایمان کو یہ بات سمجھائیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وسنت پر یقین نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت اور اس کے نظام کو عملی طور پر ظاہر کرنے کے لئے اس کے غیبی حکم سے برپا کئے جانے والے واقعات کی انھیں امید تک نہیں ہے وہ (اہل ایمان) ان (کافروں) کے ساتھ نظر انداز کرنے کا رویہ رکھیں، اور صبر وبرداشت اور عفو ودرگذر سے کام لیتے رہیں۔

لیکن فاضل مترجم صاحب کی تشریح کے مطابق سورۂ ابراہیم کی مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ اپنی قوم کی تربیت کے لئے چودہ معصوموں کی تاریخ ولادت ووفات کا ورد کروایا کریں ـــــ !!! اور سورہ جاثیہ کی اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ ان چودہ معصوموں کی تاریخ ولادت ووفات پر (یا ان تاریخوں کی خصوصی تاثیر پر؟) یقین رکھتے ہیں انھیں چاہیئے کہ وہ ان "کافروں" کے ساتھ چشم پوشی اور نظر انداز کرنے کا رویہ رکھیں جو اس عقیدہ کو جھٹلاتے ہیں ـــــ !!!

ہم کہاں سے وہ الفاظ لائیں جو قرآن مجید کے ساتھ اس کھلواڑ اور اس مجرمانہ وگستاخانہ تحریف پر دل کے درد وکرب کا اظہار کرسکیں، طرفہ تماشا یہ ہے کہ جو لوگ یہ شیطانی کام کر رہے ہیں وہ بدستور انقلاب اسلامی، اتحاد اسلامی اور جہاد اسلامی کے چمپین کہے جا رہے ہیں اور ابھی تک ہمارے بہت سے دوست ان کے بارے میں کچھ بھی سننے کے روادار نہیں ہیں !!! اللہ بچائے ایسی بے بصیرتی بلکہ بے بصری سے اور عقل وخرد سے اس درجہ محرومی سے !

آخر میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان اقتباسات سے یہ بات بخوبی عیاں ہوگئی ہے کہ ایران کی موجودہ انقلابی قیادت، جس کے زیر سایہ یہ انگریزی ترجمۂ قرآن شائع ہوا ہے، روایتی غالیانہ شیعیت کی حامل ومبلغ اور اس کے احیاء کی علمبردار ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایران کی انقلابی قیادت کا اس غالیانہ شیعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ لوگ ایک بے بنیاد بات کہتے ہیں ـــــ ـــــ ان یقولون الا کذبا ،

ایک ضروری بات: آخر میں ہم قارئین کی واقفیت کے لئے یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس ترجمۂ قرآن کی اشاعت کا اہتمام کرنے والے سرکاری ادارہ "موسسہ جہانی

خدمات اسلامی (گروہ تالیف و ترجمہ دفتر تہران) کی طرف سے شروع میں فارسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں پیش لفظ یا مقدمہ لکھا گیا ہے۔ جس میں اس ترجمہ کو بہت سراہا گیا ہے۔ فارسی مقدمے میں کہا گیا ہے کہ "اس ترجمہ کی یہ خصوصیت بہت اہم ہے کہ مترجم اہل بیت کے پیروؤں میں سے ہیں" اور انگریزی مقدمہ میں کہا گیا ہے کہ ۲ سال کی تلاش کے بعد قرآن مجید کا اتنا صحیح ترجمہ ہیں دستیاب ہو سکا۔ ساتھ ہی انگریزی مقدمے میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ مترجم کے بعض تشریحی حواشی صحیح معنی کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہیں "

THE TRANSLATOR HAS MADE SOME FOOT-NOTES. IN MANY CASES THESE BRIEF AND SHORT EXPLANATIONS ARE NOT QUITE SUFFICIENT TO GIVE THE REAL MEANING.

ہو سکتا ہے کہ مقدمہ نگار کی طرف سے یہ بات ان تشریحی حواشی کو عام مسلمانوں کے اعتراضات سے بچانے کے لئے بطور پیش بندی کے کہی گئی ہو، لیکن کیا یہ محتاط انداز بیان ان حواشی کی سنگینی کے مطابق ہے اور " QUITE SUFFICIENT " ہے؟ اور کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ادارہ ان تمام افکار و عقائد سے متفق نہیں ہے جن پر اس ترجمہ کے تشریحی حواشی کی بنیاد ہے ؟؟ یاد رہے کہ اس موقع پر مقدمہ نگار نے صرف پانچ تشریحی حواشی کو نامزد کیا ہے۔ اور ان پانچ میں سے بھی صرف تین حواشی کو ہم نے اپنے پیش کردہ اقتباسات میں شامل کیا ہے ۔ جبکہ خاصی تعداد ان حواشی کی بھی ہے جنھیں ہم نے اپنی فہرست میں شامل نہیں کیا ہے ۔ الغرض یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مقدمہ نگار نے تو خود ہی مترجم کے بعض تشریحی حواشی پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے سوال دو تین حواشی کے صحیح مفہوم کی ادائیگی نہ کر سکنے کا نہیں ہے بلکہ سوال ان افکار و خیالات اور ان عقائد کا ہے جن پر پورے ترجمہ کی اور تمام تشریحی حواشی کی بنیاد ہے ۔
وہ افکار و خیالات اور وہ عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی ؟ اس کا فیصلہ ہم ہر اس شخص پر چھوڑتے ہیں جو اسلام سے اجمالی واقفیت بھی رکھتا ہو اور جس کی عقل پر ابھی کسی سامری کا جادو نہ چلا ہو ۔

ادارہ کا پورا پتہ یہ ہے : WORLD ORGANIZATION FOR ISLAMIC SERVICES P.O. BOX NO.: 2345. TEHRAN, IRAN.

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 54 No. 10
October, 1986

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

Rs 6/

Nov.
Dec.
1986

جلد — ۵۴ شمارہ — ۱۱ ر ۱۲

نومبر دسمبر ۱۹۸۶ء
مطابق
ربیعین ۱۴۰۷ھ

فی شمارہ ۳/۰۰

سالانہ چندہ
برائے ہندوستان /۳۰ — پاکستان /۴۰
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک /۵۰ (۵/- پونڈ)
ہوائی ڈاک /۱۶۰ (۱۵/- پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی — لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

نومبر دسمبر ۸۶ء کا یہ شمارہ انشاء اللہ نومبر کے آخر یا دسمبر کے شروع میں آپ کو ملے گا ـــ ان دونوں مہینوں کا شمارہ مشترک طور پر نکالنے کا فیصلہ اکتوبر کی بالکل آخری تاریخوں میں جبکہ نومبر کا شمارہ زیر کتابت تھا، اچانک کرنا پڑا، یقیناً پیشگی اطلاع کے بغیر پروگرام میں اس تبدیلی سے آپ کو انتظار کی کلفت اٹھانا پڑی ہوگی، اس کے لئے یہ ناچیز معذرت خواہ ہے۔

الفرقان عموماً ہر ماہ کے ۲ یا ۳ تاریخ کو روانہ کیا جاتا ہے۔ اور اپنے مشتاق قارئین تک پہنچتے پہنچتے اکثر مہینہ کا نصف آخر شروع ہو جاتا ہے، اور کہیں کہیں تو مہینے کی آخری تاریخوں میں ہی پہنچ پاتا ہے بہت سے قارئین نے بارہا ہمیں اس طرف توجہ دلائی اور یہ فرمائش کی کہ جس ماہ کا شمارہ ہو اس سے پہلے والے مہینے کے آخر میں روانہ کیا جائے تاکہ شروع ماہ ہی میں رسالہ مل جائے۔

ہم نے یہ طے کیا ہے کہ قارئین کی اس فرمائش کی تعمیل میں رسالہ کی روانگی کی تاریخیں تبدیل کر دی جائیں اس سلسلہ میں متعلقہ محکمہ سے رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ ابھی ہماری درخواست کی منظوری کی اطلاع ہمیں موصول نہیں ہوئی ہے۔ تاہم منظوری کی امید پر ہم نے یہ شمارہ مشترک طور پر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ آئندہ ماہ دسمبر کے آخر میں ہم جنوری کا شمارہ روانہ کر سکیں، اور پھر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے۔

الفرقان کے تمام قارئین کرام کو یقیناً حضرت مولانا محمد عمران خاں ندوی بھوپالی (رحمہ اللہ) کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع بہت پہلے مل چکی ہوگی۔ ۱۸ / اکتوبر کو مولانا اس دنیا سے رخصت ہوتے تو اپنے بعد والوں کے لئے ہمت، حوصلہ، عزم و ارادہ اور عمل کی بے پناہ قوت، استقامت اور مسلسل محنت و مشقت کی ایک نہایت روشن مثال چھوڑ کر گئے، مولانا میں ظرافت بھی بھرپور تھی اور انتظامی صلاحیت بھی، ان کی ایک بڑی اہم خصوصیت وہ خود اعتمادی اور مردم شناسی تھی جس کی وجہ سے وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، اور ان کے مخاطب پر ان کا رعب بھرپور پڑتا تھا۔

اس طفل مکتب کو ان سے براہ راست کم ہی سابقہ پڑا تھا، پھر بھی حضرت والد ماجد مدظلہ کی نسبت سے مولانا مجھ پر بہت ہی شفقت فرماتے تھے، ہر سال بھوپال کے اجتماع میں لکھنؤ سے جانے والوں سے میری بابت دریافت فرماتے، ایک بار لکھنؤ میں ملاقات ہوئی تو ازراہ محبت فرمایا کہ "معلوم ہوتا ہے آپ میرے مزار شریف ہی پر آئیں گے"۔ اس وقت کون سمجھ سکتا تھا کہ ظرافت کے انداز میں نکلا ہوا یہ جملہ ایسا منطبق ہوگا کہ ان کی زندگی میں بھوپال حاضری کا موقع ہی مجھے نہیں ملے گا ــــ

۱۸ر اکتوبر کو مولانا کا وصال ہوا، اور صرف چار دن قبل ۱۴ر اکتوبر کا لکھا ہوا مولانا کا ایک مکتوب ۲۰ر اکتوبر کو مجھے ملا، جو مولانا نے بظاہر خود اپنے قلم سے، حاجی بادشاہ علی صاحب کے انتقال کی خبر پر تعزیت کی غرض سے لکھا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ انکی زندگی کا آخری خط ہو۔ اسی وجہ سے یہ مکتوب تعزیت ذیل کی سطروں میں نقل کیا جارہا ہے کیا عجب ہے کہ حکمت الٰہی کی طرف سے یہ واقعات ہم پر پڑے ہوئے غفلت کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کے لئے ہی رونما کئے جاتے ہوں، کتنی عبرت کی بات ہے کہ تعزیتی خط لکھنے والا خود صرف چار دن کے بعد وہیں پہنچ گیا جہاں ہر ایک کو جانا ہے ــــــ خدا ہم لوگوں کو سبق لینے کی توفیق دے۔

دار العلوم تاج المساجد
بھوپال ۴۶۲۰۰۱
۵۸۹
۱۴/۱۰/۸۶

۸ر صفر ۱۴۰۷ھ
۱۴ر اکتوبر ۸۶ء

برادر عزیز مکرم ــ السلام علیکم

آج الفرقان آیا تو حاجی بادشاہ علی صاحب کی خبر وفات معلوم ہوئی، میں چونکہ خود علیل ہوں اس لئے یہ خبر مجھ تک نہ پہنچائی گئی ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون، بہت ہی غم ہوا ــ

آپ نے جیسا لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے ــ ان کی خندہ پیشانی ہمیشہ رہتی تھی، اجتماع بھوپال میں ہر سال تشریف لاتے تھے، ہمیشہ شاداں و فرحاں ان کو دیکھا ــ

ان کے گھر کا پتہ نہیں معلوم، آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ ان کے متعلقین کو صبر کی تلقین فرمادیں۔ یہ غم ان کا تنہا غم نہیں ہے۔ سیکڑوں آدمی ان کے اس غم میں شریک ہیں۔

ماہ رمضان المبارک میں حالت روزہ میں مجھ پر لقوہ کا حملہ ہوگیا تھا، اب الحمد للہ اس سے افاقہ ہو رہا ہے کچھ کسر باقی ہے، انشاء اللہ پوری ہوجائے گی۔ دعا فرمائیں

ایک شریک غم
(دستخط) عمران خاں ندوی

راقم سطور نے نگاہ اولیں کے صفحات میں یہ سطریں تو صرف مولانا کے انتقال کی اطلاع اور دعا کی درخواست کے لئے حصول سعادت کی نیت سے لکھدی ہیں۔ مولانا مرحوم کے متعلق مضمون تو حضرت والد ماجد مدظلہ لکھیں گے۔ دیوبند سے واپسی کے بعد سے طبیعت کی مسلسل ناسازی کی وجہ سے ابھی تک وہ مضمون نہیں لکھ سکے ہیں۔ اگر اس شمارہ میں وہ مضمون نہ آسکا تو انشاءاللہ آئندہ شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

مقام شکر ہے کہ ہمارے ملک میں اور اسی طرح دنیا کے بیشتر ان ممالک میں جہاں اسلام اور ملت اسلامیہ کو یکساں مسائل کا سامنا ہے عام مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات آتی جارہی ہے کہ انھیں اپنے دین اور اپنے تشخص کی حفاظت کے لئے جو کچھ کرنا ہے خود کرنا ہے، دوسروں کے رحم و کرم کی امیدوں پہ جینے اور پھر ان امیدوں کو ٹوٹتے دیکھ کر صدائے احتجاج بلند کرتے رہنے سے نہ صرف یہ کہ مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ قوم کی صلاحیتیں ضائع اور حوصلے پست ہو جائیں گے۔

ان ملکوں میں درپیش مسائل میں ایک بہت اہم مسئلہ بچوں اور آنے والی نسلوں کی ضروری دینی تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہے، خوشی کی بات ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس پہلے سے زیادہ عام ہو رہا ہے اور اس حقیقت کا بھی کہ اپنے بچوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو آنکھ بند کر کے موجودہ نظام تعلیم کے حوالے کر دینے اور اس کے مضر اثرات سے ان کو بچانے کے لئے ضروری اور مثبت کوششوں سے غفلت کا نتیجہ صرف وہی نکلے گا، جو بڑی حد تک سامنے بھی آچکا ہے یعنی یہ کہ نئی نسل کی اکثریت، قرآن مجید، دینیات اور اردو وغیرہ سے یکسر نابلد رہے گی، اور ذہنی و تہذیبی طور پہ وہ اسلام کے بجائے کفر سے قریب تر ہوگی ___ کون مسلمان ہے جو اس صورتحال سے متفکر نہ ہو!!

بچوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں دینی تعلیمی کونسل نے اب تک جو کام کیا ہے وہ یقیناً قابل قدر و ستائش ہے۔ اور اگر کونسل کو عام مسلمانوں کا تعاون ملے تو جو کچھ اور کرنے کے اس کے مخلص ذمہ داروں کے عزائم ہیں اور جتنا آسان حل اس مسئلہ کا کونسل پیش کرتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ اس کی خدمات کا دائرہ اور وسیع ہوگا۔

ضلعی و علاقائی سطح پہ اپنے کام کی صحیح تنظیم اور عام مسلمانوں کو اس اہم دینی مسئلہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مختلف اضلاع میں دینی تعلیمی کونسل کی علاقائی کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ ستمبر کے مہینے میں سیتاپور میں، اکتوبر میں سنبھل (مرادآباد) میں کانفرنسیں ہوئیں، اور اب بنارس میں کانفرنس منعقد ہونے والی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کوششوں کو بارآور فرمائے اور یہ اجتماعات

حقیقی طور پہ مفید اور کامیاب ہوں ۔

تحریف و تبدیل سے اسلام کی اور دشمنوں کی دسیسہ کاریوں سے ملت اسلامیہ کی حفاظت کے لئے جو بے شمار انتظامات حکمت الٰہی نے کئے ہیں ان میں ایک بہت اہم حصار ختم نبوت کا ہے ۔

اسی لئے دشمنان اسلام نے بار بار اس بات کی کوشش کی ہے کہ جو وابستگی عام اہل اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کم از کم اس درجہ میں ان کی وابستگی کسی اور سے قائم کر کے مسلمانوں کی اجتماعیت اور مرکزیت کو نیست و نابود کر دیا جائے (خواہ اس شخص کو نبی کا نام دیا جائے یا کوئی اور نام دے کر عام مسلمانوں کو اصل حقیقت سے بے خبر ہی رکھا جائے) ۔

ہمارے زمانہ میں ایک بار پھر ان کوششوں میں سرگرمی دکھائی دے رہی ہے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے ان سرگرمیوں کو محسوس کر کے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس موضوع پر دارالعلوم ایک اجلاس بلائے جس میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور ہو اور کچھ عملی اقدامات طے کئے جاسکیں ۔

۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر کو یہ اجلاس دارالعلوم ہی میں منعقد ہوا ، جس میں ملک و بیرون ملک کے اکابر اہل علم نے بڑی تعداد میں شرکت کی ۔ حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے اپنی معذوریوں کے باوجود اجلاس میں شرکت فرمائی ، اور پہلے اجلاس کی صدارت بھی کی ۔ اس میں تحریری طور پر اور زبانی جو کچھ فرمایا تھا ، آئندہ صفحات میں انشاء اللہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ۔

اجلاس میں جو تجویزیں منظور ہوئیں ان میں ایک بہت اہم تجویز کل ہند سطح پہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام ہے ۔ ایک اور تجویز میں اجلاس نے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ سے یہ اپیل کی کہ وقت کے فتنوں سے دین کی حفاظت کے لئے منتخب فضلائے دارالعلوم کی خصوصی تربیت کے لئے ایک

مخصوص شعبہ قائم کیا جائے ۔

ایک اور تجویز میں کہا گیا ہے کہ

"یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ شیعی اثنا عشری مسلک کا جو فی زمانہ دنیا کے شیعوں کی اکثریت کا مسلک ہے اور ایران میں اسی مسلک کے ماننے والوں کے ذریعہ ماضی قریب میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جس کو اسلامی انقلاب کہہ کر عالم اسلام کو زبردست دھوکہ دیا جا رہا ہے ۔ اس مسلک کا ایک بنیادی عقیدہ عقیدۂ امامت براہ راست ختم نبوت کا انکار ہے ۔ اور اسی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے صراحت کے ساتھ ان کی تکفیر کی ہے ۔ لہٰذا یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت اعلان کرتا ہے کہ یہ مسلک موجب کفر اور ختم نبوت کے خلاف ایک پر فریب بغاوت ہے ۔ نیز یہ اجلاس تمام اہل علم سے اس فتنہ کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اپیل کرتا ہے "

اجلاس کے پروگرام جس سنجیدگی اور وقار کے ساتھ چلتے رہے ۔ اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم اور حضرات اساتذہ اور طلبہ جس بشاشت، سلیقہ اور مستعدی سے مہمانوں کی خدمت میں مصروف رہے اس سے سب ہی شرکاء اجلاس مسرور و مطمئن بلکہ شکر گذار و ممنون رہے ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجلاس کو نافع بنائے اور منتظمین کی مساعی کو قبول فرمائے ——

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

قرآن مجید

[پیش نظر مضمون حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کی مشہور و مقبول تصنیف "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے" کے مقدمہ سے ماخوذ ہے، امید ہے کہ ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے اس شمارہ میں اس مضمون کی شمولیت کو خاص طور پر پسند کیا جائے گا
——— مدیر]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں، چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نور ہدایت سے محروم اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی یورپ پر قرون وسطی کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، ایران اور اس کے زیر اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا جس نے اخلاق و شرافت کی حدود کو درہم برہم کر کے انسانوں کو حیوان بنا دیا تھا، ہندستان پورانک عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا، یہاں ایک طرف تو جمادات و حیوانات بلکہ سانپوں تک کی

پرستش ہوتی تھی، اور دوسری طرف بیچارے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیا گیا تھا حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا، وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں ـــــ کم و بیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہ روی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا جن کی تاریخ معلوم ہے۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مقام اتصال پر واقع تھا اور اسی لئے پرانے زمانے میں اسے "دنیا کی ناف" کہا جاتا تھا، یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت اور تعلیم و تہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا، تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہ بہ تہ چھائے ہوئے تھے ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور ان سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی، ان کے لئے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی، شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیم و اسمٰعیل نے خدا کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، وہ ایک بڑا بت خانہ بن گیا تھا، پورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا، کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا، انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچوں کو گڑھا کھود کے زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے، بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا اور یہ گویا اس کا حق تھا ـــــ اخلاق و روحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دنیا بھی برباد تھی، بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی جو غربت و افلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مردار تک کھا لیتے تھے

پوری انسانی دنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیم و اسمٰعیل ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلہ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا ـــ یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا، یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تو دادا عبدالمطلب نے اپنے آغوش تربیت میں

لے لیا۔ اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آٹھ سالہ بچہ کو چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچہ کا نام "محمد" رکھا گیا تھا جس کے معنی ہیں وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابل تعریف ہے۔

چونکہ عربوں میں اس زمانہ میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لئے آپ بھی اُمی یعنی نوشت وخواند سے بالکل ناآشنا رہے ـــــ لیکن فطرت کی سلامتی اور روح کی پاکیزگی جو خدا کا خاص عطیہ تھا، اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ کی زندگی نہایت معصومانہ اور شریفانہ رہی۔

جب سنِ شعور کو پہنچے تو کسب معاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابوطالب پر (جن کے خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لئے انتخاب کیا، لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے اس لئے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپکی امانت ودیانت، سچائی اور نیک کرداری کی شہرت ہو گئی اور آپ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا، جس نے آپ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا اس نے آپ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا، اور وہ متاثر ہوا۔

مکہ میں قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ ایک دولت مند بیوہ تھیں ، جن کا اپنا کاروبار بھی تھا اور دوسروں کو سرمایہ دیکر بھی وہ تجارت کراتی تھیں۔ بڑی صاحب فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں ان سے بھی آپ کا کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا ـــــ وہ اگرچہ صاحب اولاد تھیں اور ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی، اور آپ کی عمر ابھی صرف پچیس سال ہی کی تھی اس کے باوجود انھوں نے آپ سے نکاح کرنا چاہا اور یہ نکاح ہو گیا۔

اس نکاح کے بعد آپ کو اپنے معاشی مسئلہ کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپ زیادہ وقت خلق اللہ کی خدمت، خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورتمندوں کی امداد واعانت اور علاقہ میں امن وامان کی فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے ـــــ زندگی اسی طرح چل رہی تھی اور آپ کی معصومانہ سیرت، نیک روی، غریب نوازی اور خدمت خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپ کی عظمت اور محبت پیدا ہو گئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپ کو حاصل

تھی کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی ۔ دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوتا کہ گھر سے اور آبادی سے دور، سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعا، و مناجات کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کریں ۔ مکہ سے تقریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر پتھر کی چند بڑی بڑی چٹانوں سے گھرا ہوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غار حرا کے نام سے معروف ہے، آپ ایک ہفتہ کے لئے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے ، اور بالکل یکہ و تنہا اس غار میں رہتے ، ہفتہ میں ایک دفعہ گھر آتے ، اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر و عبادت میں گزارتے ۔

اگرچہ اس وقت خدا کی ذات و صفات کی وہ معرفت آپ کو حاصل نہیں تھی جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی ، اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی ، لیکن کسی طالب کو کہ جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت و محبت اور اس کی رضا جوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہو جانا چاہیئے ، وہ یقیناً آپ کو حاصل تھا اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپ خدا کی عبادت اور اس کے حضور میں دعا کرتے تھے ۔ یہ سلسلہ کئی مہینہ اسی طرح جاری رہا۔

اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپ بکثرت خواب دیکھتے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا ، لیکن آپ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار و اعلان بالکل نہ کرتے ـــــ یہ عالم بالا کے ساتھ آپ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی ـــــ

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ غار حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے ۔ آپ غار حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہو جاتا ہے ، اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی ، آپ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا "مجھے موٹے کپڑے اڑھا دو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو " (زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي) پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہ کے دریافت کرنے پر، غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلہ میں جو کچھ پیش آیا تھا اور آپ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا وہ سب آپ نے بیان کیا

اور بتلایا کہ میری یہ حالت اس کے اثر سے ہے ـــ خدیجہ جو بڑی صاحب فراست خاتون تھیں انھوں نے پہلے تو خود آپ کو تسلی دی کہ آپ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندہ کے ساتھ اس کا خدا جو کچھ کرے گا وہ بہتر ہی ہوگا ، اس کے بعد وہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں ، جو بہت بوڑھے تھے آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے تھے ، انھوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کے نصرانیت اختیار کر لی تھی ، وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے ، انھوں نے غار حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمھارے پاس جو فرشتہ آیا تھا ، یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس خدا کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تم کو منصب نبوت پر فائز کیا ہے اور پیغمبری کا کار عظیم تمھیں سپرد کیا جائے گا اور سن لو تمھاری قوم تمھاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلا وطن کر دے گی ، پھر بوڑھے ورقہ نے حسرت سے کہا کاش میں اُس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمھارا ساتھ دے سکتا ۔

بس یہاں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت کا آغاز ہوا ۔

آپ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادم خلق تھے لیکن خاموشی پسند تھے ، اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی لیکن آپ نے اس میں بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی ، نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقررین کے کھڑے ہوئے ، کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریک اور ہنگامہ خیزی کا آپ سے ظہور نہیں ہوا ، حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بد اخلاقی و بے راہ روی کی اصلاح کے لئے بھی آپ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پلیٹ فارم نہیں بنایا ، وحی و رسالت ، قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی اس پورے چالیس سال میں کبھی آپ سے کچھ نہیں سنا گیا ، اگلے پیغمبروں اور انکی امتوں کے سبق آموز واقعات کا بیان بھی آپ کی زبان پر کبھی نہیں آیا ، سیاسیات و عمرانیات ، معاشیات و اقتصادیات کے بارہ میں بھی اس پورے عرصہ میں اپنی قوم کو آپ نے کوئی رہنمائی نہیں دی ، الغرض چالیس سال کی عمر تک آپ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی ادنیٰ تعلق ظاہر نہیں ہوا ، اور کسی نے کوئی ایسی بات آپ سے نہیں سنی جس

سے اندازہ کیا جاسکتا کہ آپ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف وباخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غار حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہو گیا، گویا آپ کے قالب میں ایک دوسری روح آگئی، اور آپ ایک بالکل دوسری قسم کے انسان بن گئے، اب آپ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپ نے کہا کہ مجھے خدا نے وحی والہام سے نوازا ہے اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیم و اسماعیل اسحٰق و یعقوب اور پھر موسیٰ و عیسیٰ کو سپرد کی تھی۔

آپ نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور تمہارا اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے، ہر نقص سے پاک اور عظمت و کمال کی ساری صفات کا جامع ہے، صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے میری تمہاری اور سب کی موت وحیات اسی کے قبضہ میں ہے، ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے، اس کے علاوہ جن بتوں اور دیویوں دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے ان کے قبضہ واختیار میں کچھ بھی نہیں ہے ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے اس لئے صرف ایک خدا کی عبادت کرو جو معبود برحق ہے، اسی سے لو لگاؤ، اس سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو! یہ حکم میرے لئے بھی ہے اور تم سب کے لئے بھی!

آپ نے قوم کو یہ بھی بتایا اور ان کے دلوں میں اس کا یقین اتارنے کی پوری کوشش کی کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں ہمیشہ نہیں رہے گی، جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پوری کرکے مرجاتا ہے، اسی طرح یہ پوری دنیا بھی ایک وقت خدا کے حکم سے فنا کر دی جائیگی وہ قیامت کا دن ہوگا پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور ایک دوسرا عالم برپا ہوگا یہ آخرت کا عالم ہوگا جس میں سب کو اپنے کئے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی جنھوں نے دنیا میں خدا کو اور خدا کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہو گی ان پر خدا کی رحمت ہوگی اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی اور اس کے برعکس جنھوں نے اس دنیا میں اپنے خالق و پروردگار کو بھلا کر اور اس کے احکام سے

بے پرواا ور آخرت کے انجام سے بےفکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہوگی، وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

پھر آپ نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم و تلقین کی اور فواحش و منکرات اور بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے منع بھی فرمایا۔ اور اس کے برے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپ نے قوم کو خرید و فروخت، تجارت و سوداگری اور مالی لین دین اور محنت و مزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی خدا کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح و جائز اور یہ غلط و ناجائز ہیں۔

کھانے پینے کے بارے میں بھی آپ نے بتایا کہ یہ چیزیں خدا نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں پھر آپ نے ان باتوں کو صرف بتا کے اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہی آپ کی زندگی کا مشن ہو گیا، اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دنیا کی ہدایت کی فکر آپ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا دلچسپی نہیں رہی، دن رات اسی کی فکر اور جدو جہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لئے اپنے خدا سے دعائیں کرتے۔

اس راستہ میں آپ نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، ذلتیں برداشت کیں آپ کا اور آپ کے کنبہ کا طویل مدت تک بائی کاٹ کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی، لیکن آپ نے اپنی دعوت اور جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کی، مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے۔

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم و بیش صلاحیت موجود تھی وہ ایک ایک دو دو کر کے آپ کی سچائی سے متاثر ہو کر آپ کی دعوت کو قبول کرتے رہے اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے، تقریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے، اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دین حق کی دعوت اور بندگان خدا کی

ہدایت کا سلسلہ جاری رہ سکے　　　تو آپ نے خدا کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت و جد وجہد کا مرکز بنا لیا، یہاں پہونچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور خدا کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپ کے پیرووں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب و غریب قسم کا حکومتی نظم و نسق بھی قائم ہو گیا ـــــ اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی پولیس نہیں تھی تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا منصف نہیں تھا کوئی بھی عہدہ دار نہیں تھا، اور سب تھے یعنی حسب ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے، اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگان خدا صرف اللہ کی رضا اور ثواب کے لئے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب ولقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے مؤسس اور سربراہ نبی اُمی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، دنیا کو عملی طور پر دکھا دیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہو سکتی ہے اور مقاصد حکومت بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پا سکتے ہیں ـــــ دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دنیا کے لئے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جا سکتا ہے مخالف طاقتوں سے معاہدے بھی ہوئے صلحیں بھی ہوئیں، اس حکومت نے اپنوں اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دنیا کو دکھا دیا کہ ٹیکسوں کے بارے میں اچھی حکومتوں اور ان کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔

مدینہ پہونچنے کے بعد صرف دس سال آپ اس دنیا میں رہے اور اتنی تھوڑی مدت میں قریب قریب پورا ملک عرب آپ کے لئے مسخر ہو گیا اور آبادی کے بہت بڑے حصہ نے آپ کی دعوت و ہدایت کو قبول کر لیا ہزار ہا ہزار وہ آدمی جو پہلے خدا سے ناآشنا تھے، آخرت اور جزا سزا کے تصور سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں گذاری تھی وہ آپ کے فیض صحبت اور تعلیم و تربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے ـــــ افرادی نہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہو گئی جس کی مثال چشم فلک نے نہ اس سے پہلے کبھی تھی، نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس سال میں ـــــ اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کر لیا جائے
تو صرف بیس ۲۰ بائیس ۲۲ سال میں ایک ایسے آدمی کے ذریعہ ہوگیا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ
الف ب بھی نہیں جانتا تھا، اس کو اچھے مہذب اور دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت
بھی نہیں ملی تھی، اسکی زندگی میں چالیس سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا
خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی، تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی
جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا نہ خطیب، نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ
تھی، رسالوں اخباروں اور ریڈیو کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا ـــــ تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا
عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعہ کیسے ہوگیا ؟

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے، میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں
پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں ـــــ میں خدا کی ذات و صفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں جو بیان
کرتا ہوں قیامت و آخرت اور دوزخ و جنت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف
شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں اور جو کچھ بھی تعلیم و تلقین کرتا ہوں یہ میرے اپنے فہم و فکر
کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے اور تمھارے خدا کی طرف سے ہے، اس نے مجھے تمھاری
ہدایت و خدمت کے لئے آلۂ کار اور وسیلہ بنالیا ہے ـــــ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا جو اس
تعلیم و ہدایت کا سرچشمہ تھا، اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی۔ اگرچہ وہ عربی زبان میں تھا جو پوری
قوم کی زبان تھی لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل
ممتاز ـــــ اس کے دشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس لئے اس کو "جادو" کہتے تھے ـــــ
ـــــ لیکن وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ
خدا کا کلام ہے اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ میرے لئے بھی اس کا ہدایت نامہ اور حکم نامہ ہے
اور تمھارے لئے اور ساری دنیا کے لئے بھی ـــ یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے اور اس میں غور و فکر کر کے آج بھی سچائی کا
ہر طالب یہ یقین حاصل کر سکتا ہے کہ ـــ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔
اس میں صفات الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ

یقیناً معرفت کا آخری نکتہ ہے جس تک خدا کی ہدایت وتعلیم کے بغیر کسی ذہین سے ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی، اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقیناً انسانی علم وفکر سے بہت آگے کی چیز ہے ــــ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں جو زمانہ کی بڑی سے بڑی تبدیلیوں کے باوجود انسانوں کی رہنمائی کے لئے بالکل کافی ہیں ان کے بارے میں ہرگز نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے کسی امّی اور بالکل ناتعلیم یافتہ انسان کی فہم و فکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب والفضائل (۴)

آپؐ کے اخلاق حسنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے بارے میں خود آپ کے اور ساری کائنات کے خالق و پروردگار نے اپنی کتاب مبین قرآن مجید میں فرمایا ہے "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝" (سورۃ القلم آیت ۴) یعنی اے ہمارے پیغمبر آپ اخلاق کے بلند و برتر مقام پر ہیں۔ احادیث و سیرت کی روایات میں آپ کے اخلاق حسنہ کا جو بیان ہے وہ اسی مختصر قرآنی بیان کی گویا تشریح و تفسیر ہے "معارف الحدیث جلد دوم" میں کتاب الاخلاق تقریباً پونے دو سو صفحات پر ہے اس میں اخلاق سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات اور باب اخلاق کے سلسلہ کے آپ کے بعض اہم واقعات بھی ذکر کئے گئے ہیں، شروع میں چند وہ حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اور اللہ کے نزدیک اخلاق کا کیا درجہ اور مقام ہے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے آنحضرتؐ کے چند مختصر ارشادات یہاں بھی ناظرین کی یاددہانی کے لئے ذکر کر دیئے جائیں ——— ارشاد فرمایا

"ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً[1]" اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جنکے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا "

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق — میں خاص اس کام کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ اپنی تعلیم اور عمل سے کریمانہ اخلاق کی تکمیل کردوں
(موطا امام مالک، مسند احمد)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا :-

ان أثقل شیٔ یوضع فی میزان المؤمن یوم القیامة خلق حسن[1] — قیامت کے دن مومن کی میزان اعمال میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائیگی وہ اس کے اچھے اخلاق ہونگے

آپ نے عمر شریف کے آخری دور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو داعی و معلم اور حاکم بنا کر یمن بھیجا تو آخری نصیحت یہ فرمائی :-

احسن خلقك للناس[2] — دیکھو سب لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنا

اس تمہید کے بعد ذیل میں چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں صحابہ کرام نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان فرمایا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے اس شعبہ میں بھی آپ کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع نصیب فرمائے ۔

عن اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِی اُفٍّ وَلَا لِمَا صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ ـــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ نے کبھی مجھے اُف کا کلمہ بھی نہیں فرمایا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا۔ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا ۔

(تشریح) عربی زبان میں اُف کا کلمہ کسی بات پر ناگواری و ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انس کی عمر آٹھ سال (اور ایک دوسری روایت کے مطابق دس سال تھی)، ان کی والدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے جو بڑی مخلص مومنہ صالحہ تھیں اپنے ان بیٹے کو حضور کی خدمت میں پیش کردیا اور گویا آپ کی خدمت کے لئے وقف کردیا اور پھر یہ حضور کی وفات تک پورے دس سال آپ کی خدمت میں رہے

---

[1] سنن ابی داؤد، جامع ترمذی [2] موطا امام مالک

اس حدیث میں انھوں نے حضور کے حسن اخلاق اور نرم مزاجی کے بارے میں اپنا یہ ذاتی تجربہ بیان فرمایا ہے کہ دس سال کی خادمانہ مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے اُفّ کا کلمہ بھی فرمایا ہو، اسی طرح کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کام کے کرنے پر آپ نے ڈانٹا ہو کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، یا کسی کام کے نہ کرنے پر ڈانٹا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی عادت شریف اور آپ کا عام رویہ عفو و درگزر کا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے جس کو بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے کہ

خدمته عشر سنين فما لامني على شيء اُتِيَ فيه على يَدَيَّ فان لامني لائمٌ من اهله قال دعوه فانه لو قضي شيء كان (مشکوٰۃ المصابیح)

میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع یا خراب ہوگئی تو آپ نے اس پر بھی مجھے ملامت نہیں فرمائی، اور اگر میری اس غلطی پر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ملامت کرتا تو آپ فرما دیتے تھے کہ جو بات مقدر ہو چکی تھی وہ ہونی ہی تھی۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ آپ کا یہ رویہ ذاتی معاملات میں تھا، لیکن جیسا کہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام و حدود کے بارے میں آپ کوئی رو رعایت نہیں فرماتے تھے۔

وعنه قال كُنتُ امشي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه بُردٌ نجرانيٌّ غليظ الحاشيةِ فادركه اعرابيٌّ فجبذه بردائه جَبْذَةً شديدةً ورجع نبيُّ الله صلى الله عليه وسلم في نحر الاعرابي حتّى نظرتُ الى صفحة عاتق رسول الله صلى الله عليه وسلم قد اثرت بها حاشيةُ البرد من شدّة جذبته، ثم قالَ يا محمد مُر لي من مال الله الّذي عندك، فالتفتَ اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم ضحك، ثُمّ امَرَ لهُ بعطاءٍ ـــ رواه البخاري ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے، میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ایک نجرانی چادر

اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے (چلتے چلتے) حضرت کو ایک گنوار بدو نے پکڑ لیا اور آپ کی چادر پکڑ کے اس زور سے کھینچا کہ آپ اس بدو کے سینے سے آ گئے، اور میں نے دیکھا کہ اس بدو کے زور سے چادر کھینچنے کی وجہ سے آپ کی گردن مبارک کے ایک طرف نشان پڑ گیا — پھر اس گنوار بدو نے کہا کہ اے محمد تمھارے پاس جو اللہ کا مال ہے تم اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ وہ اس میں سے مجھ کو دیں، (حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گنوار بدو کی طرف دیکھا (اور بجائے غصہ فرمانے کے) آپ اس کی اس حرکت پر ہنسے اور اس کو کچھ دینے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) نجران یمن کے علاقہ میں ایک شہر تھا جہاں خاص قسم کی چادریں بنتی تھیں، ان کو نجرانی چادر کہا جاتا تھا — اس بدو نے جس "اللہ کے مال" (مال اللہ) کا سوال کیا تھا اس سے مراد بظاہر زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کا وہ سرمایہ تھا جو بیت المال میں رہتا تھا جو آپ مستحقین کو عطا فرماتے تھے — حدیث کا مضمون و مفہوم واضح ہے کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں — ظاہر ہے کہ یہ بدو انتہائی درجہ کا اجڈ گنوار تھا، اس وقت اس میں کسی اصلاحی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد بھی نہیں تھی، اس لئے آپ نے اس کو سرزنش و تنبیہ درکنار کوئی نصیحت کی بات بھی نہیں فرمائی، بلکہ اس کی اس انتہائی گستاخانہ حرکت کا جواب آپ نے صرف ہنس کر دیا اور جس روپے پیسے کا وہ طالب تھا اس کو عنایت فرما دیا اور امت کو سبق دیا کہ اس درجہ کی بدتمیزی اور ایذا رسانی کے مواقع پر بھی نفس پر قابو رکھیں اور عفو و درگزر کا رویہ اختیار کر کے لوگوں کے دل جیتیں اور اپنے سے قریب کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرما دے گا اور ان کی اصلاح بھی ہو جائے گی — بلاشبہ ارباب بصیرت کے نزدیک آپ کی زندگی کے اس طرح کے واقعات بھی آپ کے معجزات ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ——— رواه البخاری ومسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے جواب میں "لا" (یعنی نہیں) فرمایا ہو — (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا کہ یہ عنایت فرمادی جائی، تو آپ کبھی "لا" کہہ کر انکار نہیں فرماتے تھے جس سے سوال کرنے والے کی دل شکنی ہوتی اگر وہ چیز موجود ہوتی تو عطا فرمادیتے، ورنہ عذر فرمادیتے اور دعا فرمادیتے الغرض سوال کرنے والے کو آپ کبھی "لا" کہہ کر انکار اور نفی میں جواب نہیں دیتے تھے۔

بظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی غیر معمولی بات ہے کسی شخص کے کسی مطالبہ یا سوال کے جواب میں کبھی بھی "نہ" نہ کہنا آخری درجہ کی کریم النفسی، شرافت طبع اور عالی ظرفی کی دلیل ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ وہبی طور پر یہ صفات نصیب فرمادے۔ اسی طرح وہ اللہ کے بندے جو ان صفات سے آراستہ اللہ والوں کے ساتھ رہ کر اپنے اندر یہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی بہت قابل رشک ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صَلَّی الغداۃ جاءَ خَدَمُ المدینۃ بآنیتہم فیہا الماء فما یاتون باناءٍ الا غمس یدہ فیہا فربما جاءوہ بالغداۃ الباردۃ فغمس یدہ فیہا

رواہ المسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو مدینہ کے گھروں کے خدمتگار (غلام یا باندیاں) اپنے اپنے برتن لے کر آجاتے جن میں پانی ہوتا (تاکہ آپ برکت کے لئے یا بیماری سے شفا جیسے مقاصد کے لئے اس پانی میں اپنا دست مبارک ڈال دیں) تو آپ ہر برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ (سخت سردی کے موسم میں) ٹھنڈی صبح کے وقت (برتن میں بہت ٹھنڈا پانی لے کر آپؐ کے پاس آجاتے تو آپ اس میں بھی اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ۔ مدینہ منورہ میں سردی کے خاص موسم میں سخت سردی ہوتی ہے اور برتنوں میں رکھا پانی برف جیسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی لانے والے کی دلداری کے لئے اور اس عمل کو بندگان خدا کی خدمت تصور فرماتے ہوئے اس برف جیسے ٹھنڈے پانی میں بھی دست مبارک ڈال دینے کی تکلیف برداشت فرماتے تھے ——— حضرت

انس رضی اللہ عنہ، کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ کبھی اتفاقاً ہی کوئی شخص برتن میں پانی لے آتا ہو اور آپ اس میں دست مبارک ڈال دیتے ہوں بلکہ یہ گویا روزمرہ کا سا معمول تھا ـــــ اگر اللہ کے کسی صالح بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو یہ حدیث اس کی اصل اور بنیاد ہے ۔ بشرطیکہ عقیدہ میں فساد اور غلو نہ ہو ـــ

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُدْعُ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً ـــــ ۔ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضور آپ مشرکین اور کفار کے حق میں بد دعا فرمائیں ۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ (صحیح مسلم

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار و مشرکین آپ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے انتہائی درجہ کے دشمن تھے ، خود آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کی ایذائیں دیتے تھے ، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عزیز اور مقدس وطن کہ مکرمہ چھوڑنا پڑا ، اس کے بعد بھی ان کی شر انگیزیوں کا سلسلہ جاری رہا ۔ تو کسی وقت آپ کے اصحاب کرام نے درخواست کی کہ حضور ان ظالموں بدبختوں کے حق میں بد دعا فرمائیں ، کہ اللہ ان پر اپنا قہر و عذاب نازل فرمائے اور یہ ہلاک و برباد کر دیئے جائیں جس طرح اگلی بہت سی امتوں کے ایسے ظالم کفار پر عذاب نازل ہوا اور زمین ان کے وجود سے پاک کر دی گئی ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں لعنت اور بد دعا کروں ، مجھے تو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں فرمایا ہے "وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"

عَنْ عَائِشَۃَ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ بِیَدِہٖ وَلَا امْرَاَۃً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ یُّجَاہِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ، وَمَا نِیْلَ مِنْہُ شَیْئٌ قَطُّ فَیَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِہٖ اِلَّا اَنْ یُّنْتَہَکَ شَیْئٌ مِّنْ مَّحَارِمِ اللّٰہِ فَیَنْتَقِمَ لِلّٰہِ ـــــــ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، البتہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ضرور ایسا ہوا ہے ۔ ۔۔۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص کی طرف سے آپ کو ایذا پہنچانے والی کوئی حرکت کی گئی ہو تو آپ نے اس سے انتقام لیا ہو ۔ (بلکہ آپ ذاتی معاملات میں معافی اور درگزرہی کا معاملہ فرماتے تھے) البتہ اگر کسی شخص کی طرف سے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ کے لئے (یعنی فرمان خداوندی کی تعمیل میں) اس مجرم کو سزا دیتے (یا سزا دینے کا حکم فرماتے) تھے ۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دو باتیں بیان فرمائی ہیں ۔ ایک یہ کہ آپ نے کبھی کسی کی غلطی یا بے تمیزی پر غصہ ہو کر اس کو نہیں مارا حتیٰ کہ نہ کبھی کسی خادم پر آپ کا ہاتھ اٹھا نہ کسی عورت پر ۔۔۔ یعنی کسی خادم غلام یا باندی سے یا کسی بیوی سے کیسی ہی غلطی ہوئی ہو، کبھی غصہ سے آپ کا ہاتھ اس پر نہیں اٹھا ۔۔۔ ہاں جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے اس کے کسی دشمن پر آپ کا ہاتھ اٹھا ہے چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کا سردار اُبی بن خلف آپ ہی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ۔

دوسری بات حضرت صدیقہ نے یہ بیان فرمائی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بدبخت نے آپ کو ایذا پہنچائی ہو یا آپ کے ساتھ بدتمیزی کی ہو تو آپ نے اس سے انتقام لیا ہو ۔ آپ اپنی ذات کے معاملہ میں ہمیشہ عفو و درگزر ہی سے کام لیتے تھے ۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی حرام فعل اور جرم کا ارتکاب کرتا تو آپ اس کو سزا دیتے یا دلواتے تھے، لیکن یہ سزا بھی نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غصہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دی جاتی تھی ۔

عَنِ الاسود قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَاكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يصنع فى بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فى مِهْنَةِ اهلهِ (تعنى خدمة اهله) فاذا حضرت الصلوٰةُ خرج الى الصّلوٰة ۔ (رواه البخارى)

جناب اسود سے روایت ہے (جو ایک بزرگ تابعی ہیں) انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟

(جن اوقات میں حضورؐ گھر کے اندر رہتے تھے، تو ان اوقات میں آپ کیا کرتے تھے ؟) تو حضرت صدیقہؓ
نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے کاموں میں شریک ہو کر ان کی مدد اور خدمت کرتے تھے ۔ پھر جب نماز کا وقت
آجاتا تو سب چھوڑ کر نماز کو تشریف لے جاتے ۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر کے کام کاج میں گھر والیوں کی مدد کرنا اور ان کا ہاتھ بٹانا حضورؐ کا مستقل معمول تھا اور یہ آپ کی سنت ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی سنتوں پر عمل کرنے کی بھی ہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے ۔ اس میں خدمت اور مدد کرنے کا اجر و ثواب بھی ہے اور کبر جیسے روحانی امراض کا علاج بھی ـــــــ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم يَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَعْمَلُ فِي بَيْتِهِ كَمَا يَعْمَلُ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهِ، وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ ـــــــ رواه الترمذی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام رویّہ اور معمول یہ تھا
معمول یہ تھا کہ (ضرورت پڑنے پر) خود ہی اپنی (ٹوٹی پاپوش) گانٹھ لیتے تھے، اور خود ہی اپنا (پھٹا ہوا)
کپڑا سی لیتے تھے، اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی بھی آدمی گھر
کا کام کرتا ہے ـــــــ اور حضرت صدیقہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ (کوئی مافوق البشر غیر
انسانی مخلوق نہیں تھے، بلکہ) بنی آدم ہی میں سے ایک آدمی تھے (معمولی سے معمولی کام بھی خود کر لیتے
تھے) اپنے کپڑے میں خود جوئیں دیکھتے تھے بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے ۔ اپنے ذاتی کام خود ہی
کر لیتے تھے (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں بڑا سبق ہے ۔ ان حضرات کے لئے جو دین اور علم دین میں حضورؐ کے خواص نائبین و وارثین ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اس کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے ۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم كَانَ إِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزِعْ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَنْزِعُ يَدَهُ، وَلَا

يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهٖ، وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهٗ
رواه الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور معمول تھا کہ جب کسی شخص سے آپ مصافحہ کرتے تو اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہ نکالتے جبتک کہ وہ شخص اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک سے نہ نکالتا، اسی طرح اپنا رخ اور چہرۂ مبارک اس کی طرف سے نہ پھیرتے جبتک کہ خود وہ شخص اپنا چہرہ آپ کی طرف سے نہ پھیرتا۔ اور کبھی آپ کو اس حال میں نہیں دیکھا گیا کہ آپ اپنے زانوئے مبارک برابر بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی سے آگے کئے ہوئے ہوں — (جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اور آپ سے مصافحہ کرنے والے حضرات آپ پر ایمان لانے والے آپ کے خادم و جاں نثار صحابہ کرام ہی ہوتے تھے، ان کے ساتھ بھی آپ کا اکرام اور لحاظ کا یہ رویہ تھا جو آپ کے ہمہ وقتی خادم حضرت انس نے اس حدیث میں بیان کیا ——— افسوس ہم جیسے امتیوں نے ان اخلاق عالیہ اور اس اسوۂ حسنہ کے اتباع سے اپنے کو کس قدر محروم کر لیا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْرُدُ الْحَدِيْثَ كَسَرْدِكُمْ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَاَحْصَاهُ ——— (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی طرح روانی اور تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات فرماتے تھے کہ اگر کوئی آپ کے الفاظ اور کلمات کو کوئی شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ تعلیم اور تفہیم کے لئے یہی بہتر ہے کہ بات ٹھہر ٹھہر کے اسطرح کی جائے کہ سامعین پوری طرح سمجھ سکیں اور ذہن نشین کر لیں جامع ترمذی میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے اسی مضمون کی جو حدیث روایت کی گئی ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنِهٖ فَصْلٍ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کلام فرماتے تھے کہ اس کے کلمات جدا جدا ہوتے تھے جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوتے وہ اس کو حافظہ میں محفوظ کر لیتے تھے ۔

عن جابر ابن سَمُرَۃَ قال کانَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل الصَّمْتِ (رواہ فی شرح السنۃ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی طویل ہوتی تھی (شرح السنہ)

(تشریح) مطلب یہ کہ آپ تعلیم و تربیت جیسی کسی ضرورت ہی سے گفتگو فرماتے تھے اگر کچھ فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی تو آپ خاموش ہی رہتے، اسی سلسلہ معارف الحدیث (کتاب الایمان جلد اول) میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث درج کی جا چکی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ۔

مَن کَانَ یُؤمِنُ باللّٰہِ وَالْیَوم الاٰخر فلیَقُل خیراً اولیَصمت

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اچھی بات کرے (جس پر اجر و ثواب کی امید ہو) یا خاموش رہے ۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور ہدایت تھی اور اسی پر آپ کا عمل تھا ۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو بھی اس کا اتباع نصیب فرمائے ۔

یہاں کتاب المناقب والفضائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے متعلق صرف یہ دس حدیثیں درج کی گئی ہیں بلاشبہ یہ صرف "مشتے نمونہ از خروارے" ہے ۔

مولانا عتیق احمد بستوی

اسلامی نکاح

[اس وقت کے اہم کاموں میں سے ایک اپنے معاشرہ کی اصلاح اور اس میں رائج غیر اسلامی رسوم و عادات سے اسکی تطہیر کی کوشش ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کا ایک مضمون اسلامی نظام وراثت کے بارے میں گذشتہ شمارہ میں پیش کیا گیا تھا، ذیل کی سطروں میں نکاح و شادی کے اسلامی طور طریقوں کی وضاحت پر مشتمل ایک مضمون پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ ہمارے ناظرین ان مضامین کو غور سے پڑھیں گے اور اپنے حلقوں اور گھروں میں ان کے سنانے کا اہتمام کریں گے۔ تاکہ عوام اور خصوصاً خواتین کے ذہن صاف ہو سکیں۔ مدیر]

نکاح ایک فطری ضرورت

نسل انسانی کی بقاء و ترقی کے لئے اللہ جل شانہٗ نے تمام مردوں اور عورتوں میں شہوانی قوت ودیعت کی ہے، اس شہوانی قوت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر ہر انسان فطری طور پر مجبور ہے، صحیح الاعضاء اور صحیح المزاج رہتے ہوئے انسان اس قوت کو فنا نہیں کر سکتا جائز اور مہذب طریقہ پر اس شہوت کی تسکین کا سامان نہیں کیا گیا تو دنیا میں بڑا فساد برپا ہوگا، ہر وقت کی رقابتوں اور لڑائیوں سے عالم کا سکوت غارت اور نظام درہم برہم ہو جائے گا، لاوارث بچوں کے تکفل اور صحیح ورثا تک میراث پہونچانے کے ہزاروں ناقابل حل مسائل پیدا ہو جائیں گے

اسی لئے دنیا کے ہر متمدن، نیم متمدن معاشرے اور ہر آسمانی، غیر آسمانی مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں نکاح کو ضروری قرار دیا گیا ہے، کہ مرد اور عورت ایک معاہدہ کے تحت معاشرتی بندھن میں بندھ جائیں، اور زندگی کے آخری لمحہ تک ایک دوسرے کی رفاقت اور خوشگوار عائلی زندگی گزارنے کا عہد کرلیں، ان دونوں کا یہ معاہدہ خفیہ نہ ہو، بلکہ اس سماج کے شرفاء اور عوام کے علم میں لاکر اور انھیں گواہ بنا کر ہو، تاکہ اب کسی کی حریصانہ نگاہیں اس خاتون کی طرف نہ اٹھیں جس

کو شریفانہ طریقہ پر کسی انسان سے وابستہ کر دیا گیا ہے ۔

اسلام دین فطرت ہے

مذہب اسلام انسان کے فطری تقاضوں اور میلانات کو مٹاتا نہیں بلکہ صحیح رخ دیا کرتا ہے، فطرت انسانی سے برسر جنگ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی تکمیل کرتا ہے اسی لئے اس نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح قوت شہوانیہ کو مٹانے کا نہ حکم دیا، نہ اس کی ہمت افزائی کی، بلکہ از دواجی زندگی گذارنے کا حکم دیا اور اسے عبادت قرار دیا، اسلام نے ایک طرف رہبانیت کی سخت مذمت کی دوسری طرف نبی اکرم (فداہ ابی وامی) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء [1]

"اے جوانو! تم میں جو لوگ اسباب نکاح (نفقہ مہر) کی طاقت رکھتے ہیں، انھیں نکاح کر لینا چاہیئے، کیونکہ نکاح نگاہ کی عفت اور شرمگاہ کی پاکدامنی کا ذریعہ ہے، جن میں اسباب نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھا کریں کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کر دینے والا ہے"

عورت اسلام کی نظر میں

نیک بیوی کے بارے میں اسلام کا نظریہ ہے

قال رسول اللہ الدنیا متاع و خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ [2]

پوری دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔

نکاح کے فضائل

نکاح کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بلند الفاظ فرمائے۔

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب قول النبی من استطاع منکم الخ مسلم شریف کتاب النکاح باب استحباب النکاح

[2] مسلم شریف کتاب النکاح باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ ۔ نسائی کتاب النکاح باب المرأۃ الصالحۃ

اذا تزوج العبد فقد استکمل	جب کسی بندۂ خدا نے نکاح کر لیا تو اس نے
نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف	آدھے دین کی تکمیل کرلی، اب سے باقی آدھے
الباقی ۳؎	دین کے بارے میں خدا سے ڈرنا چاہیئے۔"

نکاح کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور انبیاء سابقین کی سنت قرار دیا اور اہل ایمان کو عائلی زندگی گذارنے پر آمادہ کیا، بعض صحابہؓ جن پر زہد و تجرد کا غلبہ تھا انھوں نے بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سخت تنبیہ فرمائی اور اپنا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اس کے باوجود میں رات میں سوتا ہوں، اور عبادت گذاری بھی کرتا ہوں، بعض دن روزہ رکھتا ہوں، اور بعض دن روزہ نہیں رکھتا، اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، سن لو! نکاح میری سنت ہے ۴؎

نکاح کس سے کیا جائے

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نکاح کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ بھی بتایا کہ رشتہ تلاش کرتے وقت کن باتوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے، اس سلسلے میں اسلام نے دین کو مرکزی حیثیت دی، کہ جس لڑکے یا لڑکی سے نکاح کرنا ہو، سب سے پہلے اس کی دینداری دیکھنی چاہیئے، اگر دینی معیار پر یہ رشتہ پورا نہیں اترتا، تو پھر اس کی عالی نسبی اور مالداری لغو ہے، محض حسن و جمال، حسب و نسب، مال و دولت کی بناء پر نکاح نہیں کرنا چاہیئے، نبی اکرم م فرماتے ہیں،

تنکح المرأۃ لاربع لمالھا	چار چیزوں کی وجہ سے عورتوں سے نکاح
ولحسبھا ولجمالھا ولدینھا	کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے، حسب و
فاظفر بذات الدین تربت	نسب کی وجہ سے، حسن وجمال کی وجہ سے، دین
یداک ۵؎	کی وجہ سے پس دین والی سے نکاح کر کے
	کامیاب ہو جائے ۔

۳؎ مشکوٰۃ المصابیح کتاب النکاح بحوالہ شعب الایمان للبیہقی ۴؎ بخاری کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح

۵؎ مسلم کتاب الرضا باب استحباب نکاح ذات الدین، نسائی کتاب النکاح باب کراہیۃ تزویج الزناۃ

لڑکیوں کے اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد نبوی ہے ،

اذا خطب الیکم من ترضون	اگر تمہارے پاس ایسا شخص نکاح کا
دینہ وخلقہ فزوجوہ الا تفعلوا	پیغام بھیجے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو
تکن فی الارض فتنۃ وفساد	تو نکاح کر دو ورنہ دنیا میں بڑا فتنہ و فساد پھیل
عریض ۱	جائے گا ،

نکاح بے جوڑ نہ ہو لیکن، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام نکاح کے سلسلہ میں حسب ونسب حسن وجمال ، مال ودولت اور دوسری باتوں کے مد نظر رکھنے کا مخالف ہے ، بے جوڑ نکاح بالکل ناکام اور ناپائیدار ہوتا ہے ۔ اگر نسبی اشتراک کی بنا پر زوجین کے مزاج میں یکسانیت وہم آہنگی ہے تو عائلی زندگی خوشگوار ہوگی ، اور وہ گھر جنت کا نمونہ ہوگا ، اس کے برخلاف اگر حسب و نسب سے بالکل قطع نظر کر کے دونوں مختلف خاندانوں ، دو متضاد ماحول کے پروردہ ، اور دو مختلف سطح کی زندگی گذارنے والے مرد اور عورت کو رشتہ نکاح میں جوڑ دیا گیا ، تو مزاجی بعد ، طبعی خصوصیات کے تضاد اور خاندانی اقدار و روایات میں ناہمواری کی بنا پر بہت جلد دونوں میں منافرت پیدا ہو جائے گی ، اور ہر وقت کی رسہ کشی اور جنگ سے وہ گھر جہنم کا نمونہ بن جائے گا ، اس لئے اسلام نے نکاح میں کفارت کو قابل لحاظ قرار دیا ہے ، اسی طرح حسن وجمال مد نظر رکھنا بھی اسلام میں قابل ملامت نہیں ، بلکہ قابل ستائش ہے ، چنانچہ حدیث نبوی ہے ،

عن ابی ھریرۃؓ قال جاء رجل	حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص
الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر
فقال انی تزوجت امرأۃ من الانصار	عرض کیا میں نے انصار کی ایک خاتون سے نکاح
قال فانظر الیھا فان فی أعین	کا ارادہ کر لیا ہے ، حضورؐ نے فرمایا اس خاتون
الانصار شیئًا ۲	کو دیکھ لو کیونکہ انصاریہ عورتوں کی نگاہوں میں کچھ

---

۱ ترمذی کتاب النکاح باب ما جاء فی من ترضون دینہ فزوجوہ

۲ مسلم کتاب النکاح باب ندب النظر الی وجہ المرأۃ وکفیہا من یرید تزوجہا

عیب ہوتا ہے،

چند اور قابل لحاظ اوصاف

اسی طرح نکاح میں چند اور اوصاف قابل لحاظ ہیں، جو ذیل کی احادیث سے معلوم ہوتے ہیں،

(۱) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم ؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو خوب محبت کرنے والی اور خوب بچے جننے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش أحناہ علی ولد فی صغرہ وارعاہ علی زوج فی ذات یدہ ؎

اونٹ پر سواری کرنے والی عورتوں (عرب کی عورتوں) میں سب سے بہترین قریش کی نیک بخت عورتیں ہوتی ہیں، جو بچپن میں اولاد پر بڑی شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال واملاک کی بہت نگہداشت کرتی ہیں"

(۳) ما استفاد المومن بعد تقوی اللہ خیراً لہ من زوجۃ صالحۃ ان أمرھا أطاعتہ وان نظر الیھا سرتہ وان اقسم علیھا أبرتہ وان غاب عنھا نصحتہ فی نفسھا ومالہ ؎

مومن نے تقویٰ کے بعد اپنے لئے نیک بخت بیوی سے بہتر کوئی چیز حاصل نہیں کی، جس بیوی کا حال یہ ہو کہ اگر شوہر اسے کوئی حکم دے تو وہ فرماں برداری کرے اگر اسے دیکھے تو خوش کر دے، اور اگر اس کے بھروسے پر قسم کھالے تو اس کی قسم پوری کرے، اور شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی ذات اور شوہر کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے

نکاح وقتی کھیل نہیں

نکاح وقتی کھیل اور عارضی معاملہ نہیں، بلکہ انسانی زندگی کا بڑا نازک

؎ ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی تزویج الابکار، نسائی کتاب النکاح باب کراہیۃ تزویج العقیم

؎ بخاری کتاب النکاح، باب الی من ینکح وای النساء خیر ؎ ابن ماجہ کتاب النکاح باب افضل النساء

حساس اور دور رس معاملہ ہے، ایسے شفیق یار فیقۂ حیات کی تلاش کا مسئلہ ہے، جس کے ساتھ زندگی کا نازک اور پر پیچ سفر طے کرنا اور ایک نیا خاندان تعمیر کرنا ہے، اس لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بالکل عجلت سے کام نہ لیا جائے، بلکہ پوری تحقیق اور اطمینان کے بعد ہی عقد نکاح کیا جائے، اور پھر اس سلسلہ میں لڑکے اور لڑکی کے والدین اور سرپرستوں کا اطمینان کافی نہیں، بلکہ لڑکا اور لڑکی بھی اس نکاح سے راضی اور مطمئن ہوں، کیونکہ اصلاً انھیں دونوں کو اس نکاح کے اچھے برے اثرات جھیلنا ہے لڑکے اور لڑکی اگر بالغ ہوں تو ان کی رضامندی کے بغیر عقد نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، خواہ ان کے والدین اور تمام سرپرست ہر طرح سے مطمئن ہوں، بہت سی جگہوں میں نکاح کو خالص والدین کا حق تصور کیا جاتا ہے لڑکے یا لڑکی کی مجال کیا ہے کہ رشتہ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے ایسی حرکت کی تو وہ پورے سماج میں نکّو اور ہدف ملامت بن جاتے ہیں، اور والدین یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ لڑکے اور لڑکی کو یہ رشتہ ناپسند ہے، محض اپنی مرضی سے جہاں چاہیں نکاح کر دیا کرتے ہیں، یہ بالکل غیر اسلامی طریقہ ہے ایسا نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوتا، اور زندگی بھر حرام کاری ہوتی رہتی ہے۔

سرپرستوں کی رضامندی لیکن اسی کے ساتھ اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ لڑکے یا لڑکی نکاح کے بارے میں بالکل خود مختار ہو جائیں، جیسا کہ آجکل ماڈرن ماحول میں ہو رہا ہے، لڑکے اور لڑکی چونکہ نوآموز اور ناتجربہ کار ہیں، نوعمری کی بنا پر معاملات کی گہرائی تک نہیں پہونچ پاتے، بلکہ اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ جنون شباب میں کہیں بے جوڑ نکاح نہ کر لیں، اس لئے اللہ اور اس کے رسول کی مرضی ہے کہ نکاح کا رشتہ ان کے اولیاء کی رضامندی سے طے ہو کیونکہ سرپرست جہاندیدہ اور تجربہ کار ہوتے ہیں، اور خاندانوں اور افراد کے مزاج اور خصوصیات وعادات سے واقف، اس لئے کسی وقتی تحریک سے وہ لوگ نکاح نہیں طے کرتے، بلکہ اس معاملے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں، ارشاد نبوی ہے۔

ایما امرأة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل	جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے

فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل [۱۰] باطل ہے باطل ہے ۔

ولی کی اجازت کے بغیر بالغ لڑکی یا لڑکے نے اگر اپنا نکاح کفو میں کرلیا تو بعض ائمہ کے نزدیک یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح تو ہوگیا لیکن اس پر سب متفق ہیں، کہ یہ کوئی پسندیدہ نکاح نہیں ہے، اور اس میں خیر و برکت کی امید نہیں،

نکاح کا اعلان و تشہیر نکاح صحیح ہونے کے لئے محض فریقین کی رضامندی کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح کرتے وقت کم از کم دو عاقل بالغ گواہ موجود ہوں تاکہ نکاح بالکل خفیہ نہ رہ جائے اگر نکاح میں گواہی کی شرط نہ ہوتی تو بدکاری کرنے والے مرد و عورت یہی کہتے کہ ہم باہمی رضامندی سے نکاح کرکے یہ عمل کیا ہے، نکاح اور زنا میں فرق کرنے کے لئے اسلام نے نکاح میں اعلان و تشہیر کی تعلیم دی ہے، تاکہ لوگوں کو مرد و عورت کا یہ رشتہ معلوم ہو جائے، اور نسب ثابت ہونے میں دشواری نہ پیش آئے، اسی اعلان و تشہیر کے مقصد سے اسلام نے اس کو پسند کیا ہے، کہ نکاح مسجد میں یا کسی ایسی جگہ ہو جہاں لوگ بسہولت پہونچ سکیں، ارشاد نبوی ہے۔

اعلنوا ھذا النکاح واجعلوا فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف [۱۱] — نکاح کا اعلان کر دیا کرو، مسجدوں میں عقد نکاح کیا کرو، اور اس موقع پہ دف بجایا کرو،

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح [۱۲] — حلال و حرام میں فرق یہ ہے کہ نکاح میں اعلان کیا جاتا ہے اور دف بجایا جاتا ہے

دف سے کیا مراد ہے دف سے مراد ہر طرح کے گانے باجے نہیں ہیں، بلکہ ابھی ماضی قریب

---

[۱۰] ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی الولی، ترمذی کتاب النکاح باب ماجاء لا نکاح الا بولی

[۱۱] ترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی اعلان النکاح

[۱۲] ترمذی کتاب النکاح باب ماجاء اعلان النکاح، نسائی کتاب النکاح، اعلان النکاح بالصوت وضرب الدف

تک کسی چیز کا اعلان کرنے کے لئے دفلے کا رواج تھا جس سے ڈھپ ڈھپ کی بے سُر آواز نکلتی تھی، نہ اس کی آواز میں کوئی غنائیت ہوتی تھی نہ ساتھ میں گانے کا رواج تھا، وہی دف مراد ہے، اس سے مروجہ ناچ گانے باجے کے جواز پر استدلال بالکل درست نہیں ہے۔

اسلامی نکاح اور بارات

اسلامی نکاح میں نہ بارات کا "طوفان" ہے جس نے لڑکی والوں کے ہوش اڑا دیئے ہیں، نہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوت مسنون ہے، نہ نکاح کے نام پر بے شمار بیہودہ رسمیں ہیں جن پر بے پناہ مال اور وقت ضائع ہوتا ہے اور لڑکی لڑکے کے سرپرستوں کی کمر ٹوٹ جاتی ہے صرف اتنا کافی ہے کہ فریقین کے علاوہ دو گواہ موجود ہوں اور جہاں نکاح ہو وہاں مقامی طور پر اعلان کر دیا جائے تاکہ مجلس نکاح میں کچھ لوگ شریک ہو جائیں نکاح کے بعد اگر میسر ہو تو لڑکے والے چھوارے یا اور کوئی میٹھی چیز تقسیم کر دیں بس اللہ اللہ خیر سلا، عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تو اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ دور دراز سے اعزہ واقارب اور اہل تعلق کو تقریب نکاح میں شرکت کے لئے بلایا جائے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ مدینہ جیسے چھوٹے شہر میں بعض صحابہ نکاح کر لیتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو خبر نہ ہوتی وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ورتبہ سے اچھی طرح واقف تھے اور اپنی تقریبات میں نبی اکرمؐ کی تشریف آوری ہر طرح باعث برکت وسعادت سمجھتے تھے اس کے باوجود آپ کو ہر موقع پر زحمت نہیں دیا کرتے تھے اور آج ہمارا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں اور علماء کو جو دین کے انتہائی اہم کاموں میں مصروف ہیں سارے دینی کاموں کا حرج کر کے محض نکاح، عقیقہ اور ختنہ وغیرہ میں شرکت کرانے کے لئے یا کسی مکان یا دوکان کے افتتاح کے عنوان سے طویل ترین سفروں کی زحمت دیا کرتے ہیں۔

عن أنس أن النبي صلى الله عليه	حضرت انس کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ
وسلم رأى على عبد الرحمن بن	علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر
عوف اثر صفرة فقال ما هذا	زردی کا اثر دیکھ کر دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟
قال انى تزوجت امرأة على وزن	انھوں نے عرض کیا: گٹھلی برابر سونے کے بدلے میں
نواة من ذهب قال بارك الله	میں نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے آپؐ

لك اولم ولو بشاة [۱]

نے فرمایا: اللہ برکت دے، ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کے ذریعہ ہو۔

عن جابر قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة فلما قفلنا کنا قریبا من المدینة قلت یارسول اللہ انی حدیث عہد بعرس فقال تزوجت قلت نعم قال ابکرام ثیب، قلت ثیب قال فهلا بکرا تلاعبها وتلاعبك [۲]

حضرت جابر کی روایت ہے کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جب ہم لوگوں کی واپسی ہوئی اور مدینہ کے قریب پہونچے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے میری ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے" حضورؐ نے دریافت فرمایا: تم نے نکاح کر لیا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کنواری سے یا غیر کنواری سے؟ میں نے عرض کیا غیر کنواری سے آپ نے فرمایا کنواری سے شادی کیوں نہیں کی تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی ——

دعوت ولیمہ

نکاح کے سلسلہ میں صرف ایک دعوت مسنون ہے وہ ہے ولیمہ کی دعوت کہ شوہر رفیقۂ حیات سے ملنے کی خوشی میں اظہار تشکر میں اپنی استطاعت کے مطابق ایک دعوت کرے جس میں اپنے اعزہ واقارب اور اہل تعلق نیز فقراء کو مدعو کرے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عبدالرحمن بن عوف سے ولیمہ کا مطالبہ کیا اور فرمایا: اولم ولو بشاة [۳] (ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کرو)

دعوت ولیمہ کی حقیقت

دعوت ولیمہ زن وشوہر کی پہلی ملاقات کے بعد کی جاتی ہے اس میں بیشمار مصلحتیں ہیں، اس سے شائستہ طور پر نئے رشتہ کی تشہیر ہوتی ہے عورت اور اس کے اہل خاندان

---

[۱] نسائی، کتاب النکاح دعاء من لم یشہد التزویج۔ بخاری کتاب النکاح باب کیف یدعی للمتزوج

[۲] مسلم کتاب النکاح باب استحباب نکاح البکر [۳] بخاری ومسلم کتاب النکاح باب کیف یدعی للمتزوج

کا اعزاز ہوتا ہے ایک قابل قدر نئی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا ہوتا ہے ولیمہ کے لئے بڑی پر تکلف دعوت ضروری نہیں بلکہ ہر شخص اپنی حیثیت اور سہولت کے مطابق دعوت کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بڑے سے بڑا ولیمہ کیا اس میں ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کرنے پر صرف دو مد جَو میں ولیمہ کر دیا، حضرت صفیہؓ سے نکاح کرنے کے بعد کھجور، پنیر، گھی سے حلوہ بنوا کر ولیمہ کیا، ولیمہ میں استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا اسلام کو پسند نہیں حدیث پاک ہے ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہم مؤنۃ [۱۲]
سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم از کم اخراجات ہوں۔

دعوت ولیمہ قبول کرنے کی تاکید

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کو ولیمہ کرنے کی تعلیم دی اسی طرح دوسروں کو حکم دیا کہ ولیمہ کی دعوت ضرور قبول کریں۔ حتیٰ کہ اگر کھانے سے کوئی عذر ہو تب بھی دعوت قبول کریں اور وہاں شریک ہوں خواہ کھانا نہ کھائیں تاکہ اعزاز اور تشہیر کا مقصد حاصل ہو۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم میں
قال اذا دُعِیَ احدکم الی الولیمۃ فلیأتہا [۱۳]	سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دیجائے تو اس میں ضرور شریک ہو
اذا دعی احدکم الی الطعام فلیجب	جب کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو
فان شاء طعم وان شاء ترک [۱۴]	ضرور منظور کرے (داعی کے یہاں جاکر) اگر طبیعت
	چاہے تو کھائے نہ چاہے تو نہ کھائے۔

ہاں اگر کسی دینی عذر سے ولیمہ میں شرکت نہ کریں مثلاً داعی کی پوری کمائی حرام کی ہے یا وہاں گانا باجا ہو رہا ہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ قابل ستائش ہے۔

چند اور باتیں

افسوس ہے کہ آج کل ہم لوگ نکاح کے نام پر ہزاروں بلکہ لاکھوں خرچ کر ڈالتے ہیں

---

[۱۲] مشکوٰۃ شریف کتاب النکاح باب الاول، بحوالہ شعب الایمان للبیہقی

[۱۳] بخاری کتاب النکاح باب حق اجابۃ الولیمۃ والدعوۃ۔ مسلم کتاب النکاح باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ

[۱۴] مسلم کتاب النکاح باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ

لیکن اس کی توفیق کم ہی لوگوں کو ہوتی ہے کہ مسنون طریقہ پر ولیمہ کی دعوت کریں اگر بعض لوگ دعوت ولیمہ کرتے بھی ہیں تو اس میں حدود شرعی کی رعایت نہیں کرتے، بے جا اسراف سے کام لیتے ہیں اور قرضوں کا بوجھ لاد کر دین ودنیا دونوں تباہ کرتے ہیں۔ ولیمہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ عموماً ولیمہ میں مالداروں کو بلایا جاتا ہے خود اپنے اعزہ واقارب میں جو لوگ غریب ہوتے ہیں لوگ عموماً انھیں فراموش کر دیتے ہیں اللہ و رسول کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ اغنیاء کے ساتھ فقراء کو بھی اس دعوت میں مدعو کرنا چاہئے اور ان کی بھی خاطر مدارات کرنی چاہیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی لھا الاغنیاء ویترک الفقراء [۱]	بدترین کھانا ولیمہ کا کھانا ہے، جس میں مالدار کو بلایا جاتا ہے، فقیروں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

میاں بیوی کے حقوق وفرائض

نکاح کے بعد اسلام نے ایک دوسرے کے حقوق بتائے اور دونوں کو علاحدہ علاحدہ ایسے احکام دیئے کہ اگر دونوں ان پر عمل کریں تو دونوں کی عائلی زندگی قابل رشک بن جائے اسلام کے نزدیک شوہر محض "افسر اعلیٰ" اور "داروغہ" نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت مونس، غمخوار، ہمدم، و رازدار کی بھی ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ اہل وعیال کے ساتھ ہر ممکن شفقت ومحبت کا برتاؤ کرے اور بیوی کی ناگوار بات کو بھی خوشی خوشی جھیل لے ارشاد نبوی ہے،

شوہروں کو ہدایت

اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقاً وخیارکم خیارکم لنسائکم [۲]	سب سے ایمان میں کامل وہ مرد مومن ہے جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہو، تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہترین ہیں۔
استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شئی فی الضلع	عورتوں کے بارے میں بھلائی اور حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی

---

[۱] بخاری کتاب النکاح باب من ترک الدعوۃ ۔ مسلم کتاب النکاح باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ

[۲] ترمذی ابواب الرضاع باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا

اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء ۲۲

گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا اس کا اوپر کا حصہ ہوتا ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اسی حالت پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی لہٰذا عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو ۔

بیویوں کو ہدایت دوسری طرف بیویوں کو شوہروں کے حقوق اتنے بلیغ اور موثر انداز میں بتائے گئے ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرأۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت ۲۳

جب عورت پنج وقتہ نماز میں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، پاکدامن رہے، شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو ۔

لو کنت آمراً احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا ولوا مرھا ان تنقل من جبل احمر الی جبل اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لھا ان تفعلہ ۲۴

اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کے لئے سجدہ کرے اگر شوہر اسے حکم دے کہ زرد پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے سفید پہاڑ پر لے جائے تو بھی اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیئے ۔

ایما امرأۃ ماتت وزوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ ۲۵

جس عورت کا اس حال میں انتقال ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو وہ جنت میں داخل ہوگی

---

۲۲ بخاری کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنساء　۲۳ مسند احمد بن حنبل

۲۴ ابن ماجہ کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ

۲۵ ابن ماجہ کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ۔ ترمذی ابواب الرضاع باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأۃ

غیر اسلامی نکاح کی تباہ کاریاں

اسلامی طریقہ پر نکاح نہ کرنے کی وجہ سے ہماری عائلی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے گھر گھر لڑائیاں ہیں منافرت و عداوت و نفاق کا دور دورہ ہے، والدین کی ہمہ وقتی کشمکش اور لڑائی کے انتہائی مہلک اثرات اولاد کے اخلاق و عادات پر پڑ رہے ہیں، اول تو عموماً ہمارے معاشرہ میں رشتہ کا معیار محض مال وزر ہوتا ہے، دینداری پر بالکل نظر نہیں ہوتی، لڑکے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ تنخواہ کے علاوہ اس کی "بالائی آمدنی" یعنی رشوت اور حرام کی آمدنی کتنی ہے؟ لڑکی کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے کہ اس کے والدین کتنا "جہیز" دے سکتے ہیں، شاید ہزاروں میں دو ایک ہی ہوں گے جو رشتہ طے کرتے وقت دین و اخلاق کو مدنظر رکھتے ہوں حالانکہ حدیث پاک میں آگاہ کیا گیا ہے

اذا خطب الیکم من ترضون	جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح
دینہ وخلقہ فزوجوہ الا	کا پیغام بھیجے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو
تفعلوہ تکن فی الارض فتنہ و	تو اس سے شادی کر دو ورنہ دنیا میں بڑا ہمہ گیر
فساد ۲۶	فتنہ وفساد پھیلے گا۔

آج ہم حدیث بالا میں مذکور اسی "فتنہ وفساد عریض" کا مشاہدہ اپنی نگاہوں سے کر رہے ہیں لاکھوں جوان اور ادھیڑ عورتیں جہیز کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر تنہائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور نکاح کی دشواری کی وجہ سے بدکاری اور بے حیائی کو خوفناک حد تک فروغ ہو رہا ہے، اکثر نکاح اس طرح ہوتے ہیں کہ یا تو لڑکے اور لڑکیاں سرپرستوں اور والدین کی مرضی کے بغیر بلکہ ان کے علم میں لائے بغیر نکاح کر لیتے ہیں یا والدین لڑکے اور لڑکیوں سے مشورہ کے بغیر بلکہ ان کی ناراضگی اور انکار کے باوجود من مانی ان کا نکاح کر دیتے ہیں۔ نکاح کی تقریبات میں سیکڑوں غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں جن کی تفصیل "اصلاح الرسوم" مصنفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ میں دیکھی جا سکتی ہے دنیا داروں کا ذکر نہیں، دینداروں کی تقریبات بھی ناچ گانے، تصویر کشی وغیرہ لغویات سے پاک نہیں ہوتیں۔ "جہیز" کے نام پر لڑکوں کا نیلام ہوتا ہے کہ جو لڑکی والا زیادہ جہیز دے اس سے

---

۲۶ ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی من ترضون دینہ فزوجوہ، ابن ماجہ کتاب النکاح باب الاکفاء

نکاح کردیں، ہندو سماج سے جہیز کی لعنت ہمارے گھروں میں گھس گئی جس کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے وہ جہیز کے خوف سے پریشان اور لرزہ براندام رہتا ہے اور وہی جاہلی معاشرہ لوٹ کے آرہا ہے جس کی تصویر کشی قرآن کی ان آیات میں ہے ۔

واذا بشر أحدكم بالانثیٰ ظل	اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر
وجهه مسودا وهو كظيم ٥ يتوارى	دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ (بے رونق)
من القوم من سوء ما بشر به	سیاہ رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے، اور
ایمسکه علی هون ام یدسه	جب اس بری خبر کی مارے لوگوں سے چھپا چھپا
فی التراب الا ساء ما یحکمون[۲۷]	پھرے (دل میں سوچے) کہ آیا اس نومولود کو ذلت
	کے ساتھ رہنے دے یا مٹی میں گاڑ دے خوب سن
	لو ان کا یہ فیصلہ برا ہے ۔

حرف آخر

خدا کرے مسلمان جاہلی رسوم کے بھول بھلیاں سے نکل کر خالص اسلامی طریقہ پر نکاح کی تقریب منائیں اور ان تقریبات میں سادگی، کفایت شعاری سے کام لیں تاکہ ان کی عائلی زندگی قابل رشک بن جائے اور آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی سنور جائے ۔

۲۷ سورہ نحل آیت ۵۸، ۵۹

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

ختم نبوت کی حقیقت

اور

حفاظت دین کے سلسلہ میں ہمارے بزرگوں کا موقف

[۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر کو دار العلوم دیوبند میں منعقد ہونے والے اجلاس تحفظ ختم نبوت کی پہلی نشست کی صدارت فرماتے ہوئے حضرت والد ماجد مدظلہ العالی نے جو گفتگو فرمائی تھی، جس کا کچھ حصہ تحریر کی شکل میں تھا اور کچھ حصہ زبانی خطاب کی شکل میں۔ ذیل میں وہ پوری گفتگو پیش کی جا رہی ہے — مدیر]

حضرات کرام آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں، بیماری اور ضعف پیری سے نیم جاں جسم آپ کے سامنے ہے۔ اس حال میں اپنی حاضری اور آپ حضرات کے درمیان موجودگی کو اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کا کرشمہ اور اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور اس اجلاس کے موضوع "ختم نبوت" کی نسبت کی قوت کشش کا ایک ثمرہ۔

زندگی بھر کتاب و قلم سے واسطہ رہنے کے باوجود نہ علم آیا اور نہ قلم، اور اب تو آئے ہوئے علم کے بھی جانے کا زمانہ ہے۔ رات ہی مجھے معلوم ہوا کہ اسی حال میں اتنے اہل علم حضرات کے سامنے اس اہم اجلاس کی اس پہلی نشست میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے تو کوشش کی کہ چند مختصر اشارات قلمبند کرا دوں۔

محترم حضرات !

نبوت و رسالت، انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطری ضرورت اور راہ سعادت کی طرف اس کی رہنمائی کی تکمیل کا خدائی انتظام ہے۔ جو ابتدائے آفرینش سے چھٹی صدی عیسوی تک تو اس طرح جاری رہا کہ قوموں، علاقوں اور مختلف بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی مجموعوں معاشروں کے لئے الگ الگ انبیاء و رسل کی بعثت مختلف زمانوں میں ہوتی رہی، پھر چھٹی صدی عیسوی میں جب کہ انسانیت بلوغ کو پہنچ گئی، اور حکمت الٰہی کے نظر نہ آنے والے مسلسل عمل کے نتیجہ میں دنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی، اور ذہنی احوال اس طرح کے ہوگئے کہ پوری دنیا کو ایک رہنمائی کا مخاطب بنانا، اسے ایک ہی مرکز ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہوگیا اور قیامت تک کے لئے دین اور دین کے سرچشموں کتاب و سنت کی حفاظت کے اسباب پیدا ہوگئے تب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مبارک سلسلہ کا خاتم اور عالمین کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمادیا گیا، اور گویا یہ طے کردیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کرۂ ارض میں بسنے والے انسانوں میں سے کسی ایک فرد پر اب ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آئے گا جو نبوت اور اس کے فیضان ہدایت سے خالی ہو اس پہلو پر غور فرمایا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ختم نبوت اس نعمت عظمیٰ کے انقطاع اور اس کے فیض سے محرومی نہیں بلکہ اس کے دوام و تسلسل کا نام ہے۔

ختم نبوت کا ایک اور پہلو اس لائق ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ کر عام کیا جائے، وہ یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کے لئے نئے نبی کی آمد ایک شدید آزمائش ہوا کرتی تھی۔ آنے والے نبی سے پہلے نبیوں کے ماننے والوں میں سے بہت کم لوگ اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے تھے بڑی تعداد انکار و تکذیب کا اور کفر کا راستہ اختیار کرکے لعنتی اور جہنمی ہو جاتی تھی ۔ سب سے آخری دو عظیم الشان رسولوں ہی کی مثال سامنے رکھ لیجئے ۔ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے اور احیاء موتیٰ جیسے معجزے لے کر تشریف لائے تو یہودیوں میں سے کتنے ان پر ایمان لائے اور کتنوں نے ان کو جھوٹا مدعی نبوت قرار دے کر لعنتی اور واجب القتل قرار دیا اور ان کی شرعی عدالت نے ان کو سولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا ۔ اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو نہ مان کر اس وقت کی

قریب قریب پوری یہودی امت لعنتی اور جہنمی ہو گئی۔

اسی طرح جب ان کے بعد سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اگرچہ آپ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں تورات و انجیل وغیرہ اگلی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اس کے باوجود اگلے پیغمبروں اور ان اگلی کتابوں کے ماننے والے یہود و نصاریٰ میں سے بس چندہی نے آپکو قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے باقی سب انکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کر کے دنیا میں اللہ کی لعنت اور آخرت میں جہنم کے ابدی عذاب کے مستحق ہوئے ——— پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر اس امت محمدیہ پر یہ عظیم رحمت فرمائی کہ اس کو اس سخت ترین امتحان اور آزمائش سے محفوظ فرما دیا ——— اگر بالفرض نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو یقیناً وہی صورت ہوتی جو پہلے ہمیشہ ہوتی رہی تھی، یعنی حضورؐ کی امت کے بہت تھوڑے لوگ آنے والے نبی کو قبول کرتے اور زیادہ تر آپ کے امتی اس کا انکار کر کے (معاذ اللہ) کافر اور لعنتی ہو جاتے ـــ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ حضورؐ پر ختم فرما کر اس امت کو ہمیشہ کے لئے کفر اور لعنت کے اس خطرہ سے محفوظ فرما دیا ـــ اس لئے یہ ختم نبوت امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین رحمت ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ پیغام الٰہی کی تبلیغ، اور اس کو قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کے کام کے علاوہ ایک کام یہ بھی تھا کہ ایک ایسی امت تیار کر دیں جو ان تینوں کاموں کو سنبھال لے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کی تعبیر یہ کہہ کر فرمائی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت "بعثت مزدوجہ" تھی، یعنی آپ کی بعثت کے ساتھ آپکی امت کی بھی بعثت ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طرف اشارے بھی آئے ہیں کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں وقتاً فوقتاً ایسے بندے پیدا فرماتا رہے گا جو آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور اسکی صفائی و آبیاری کی خدمت انجام دیتے رہیں گے، آپ کے ایک ارشاد کے الفاظ ہیں

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں " یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین "

ایک اور ارشاد کے الفاظ ہیں " لکل قرن سابق "

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں " بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا فطوبیٰ للغرباء، قیل من الغرباء یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال الذین یصلحون ما أفسدَ الناس من امتی "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں آپ کی امت میں ایسے افراد پیدا فرماتا رہے گا جو آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور تجدید وصفائی کا کام کرتے رہیں گے ۔

گذشتہ چودہ سو سال میں دین کی جو خدمات ہوئی ہیں وہ دراصل انہی ارشادات نبوی کی عملی تطبیق ہیں محققین کا خیال ہے کہ ہزارۂ دوم کے آغاز سے اس عظیم کام کا خصوصی مرکز حکمت الٰہی نے سرزمین ہند کو بنا دیا ۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے یہاں اس زریں سلسلہ کا آغاز ہوا ، ان سے اللہ تعالیٰ نے جو بہت بڑے بڑے کام لئے ان میں اکبر کے دین الٰہی کا خاتمہ سر فہرست ہے ۔ جو ایسا فنا ہوا کہ اب تلاش کرنے سے اس کا ذکر صرف تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے ۔ اس کے علاوہ توحید وسنت کی اشاعت مشرکانہ رسوم وبدعات کے خلاف جہاد تزکیۂ واحسان کے صاف ستھرے نظام کی ترویج ــــــ بگڑے ہوئے تصوف کی بیخ کنی اور شیعیت کے فتنہ سے اس دور کے مسلمانوں کو بچانے کی جدوجہد ، ان کے چند اہم تجدیدی کارنامے ہیں

ان کے بعد یہ امانت بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی

ان کے زمانہ میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر سخت حالات تھے ۔ باہمی تفرقہ و انتشار بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اصرار کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف حلقوں اور مکاتب فکر کی صلاحیتیں باہم ایک دوسرے کی تردید وتضلیل ہی پر صرف ہو رہی تھیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام کام کئے جن سے ملت اسلامیہ ہند یہ کی تعمیر نو ہو سکے ، اور اس کی صفوں میں اتحاد اور قدموں میں ثبات پیدا ہو ، اور ذوق ومزاج علمی اور ثبت ہو ، لیکن اس کے ساتھ

ساتھ انھوں نے وقت کے فتنوں اور اسلام کو درپیش داخلی و خارجی خطروں پر کڑی نظر رکھی، اس سلسلہ میں خاص طور پر رد شیعیت کے سلسلہ میں ان کے کام کا حوالہ دیا جا سکتا ہے، انھوں نے نہ صرف یہ کہ خود دو کتابیں تصنیف کیں ۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۲۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، بلکہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس رسالہ کا عربی میں ترجمہ بھی کیا جو انھوں نے شیعوں کی تکفیر کے سلسلہ میں علماء خراسان کے فتوے کی تائید میں لکھا تھا،

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے متصلاً بعد ان کے صاحبزادہ گرامی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا زمانہ آیا اس زمانے کے حالات کا اندازہ آپ جیسے اہل علم و نظر حضرات صرف اس سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے زمانہ میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا، لیکن اپنے تمام دوسرے کاموں کے ساتھ جن میں رجال کار کی تیاری کا کام سب سے زیادہ اہم تھا، انھوں نے بھی شیعیت کے فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کیلئے "تحفہ اثنا عشریہ" جیسی کتاب تصنیف فرمائی جو انشاء اللہ اس راہ میں قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

پھر حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے تمام کاموں کے ساتھ جن میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے میدان کارزار کا سجانا سرفہرست ہے شرک و بدعات کی بیخ کنی کا کام پورے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا،

پھر وہ وقت آیا کہ مغلیہ حکومت کا اگرچہ کچھ نام باقی تھا لیکن فی الحقیقت وہ ختم ہو چکی تھی، اس کی جگہ "سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی" کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، اس وقت مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت اور کمزوری کے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عیسائی مبلغین کی ایک فوج میدان میں آگئی، انھوں نے سمجھا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو عیسائی بنالینا آسان ہوگا، انھوں نے تحریر و تقریر سے تبلیغی مہم وسیع پیمانے پر شروع کردی، تو ہمارے سلسلہ کے اکابر میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دیگر علمائے کرام نے ایسا مقابلہ کیا جس نے عیسائی مبلغین کو ہمیشہ کے لئے پسپا اور خاص کر مسلمانوں کی طرف سے مایوس کردیا ——— اس کے کچھ ہی بعد سوامی دیانند کی آریہ سماجی تحریک وجود میں آئی انھوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ حضرت نانوتویؒ نے تحریر و تقریر سے اس کا بھی مقابلہ کیا ——— اسی دور میں یورپ کے سیاسی غلبہ اور اقتدار کے

نتیجہ میں عقلیت اور روشن خیالی کے خوبصورت ناموں سے دہریت اور نیچریت کا فتنہ اٹھا، اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حضرت نانوتویؒ نے اس طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور اپنی تصانیف اور تقریروں سے ثابت کیا کہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد و مسائل عقل و فطرت کے عین مطابق ہیں اور جو اس کے خلاف ہے وہی خلاف عقل و فطرت ہے ـــــ پھر ان خارجی حملوں اور فتنوں کے دفاع اور مقابلہ کے ساتھ شیعیت کی ضلالت کے خلاف بھی آپ نے لسانی اور قلمی جہاد کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی مستقل تصنیف "ہدایۃ الشیعہ" اور اس موضوع سے متعلق آپ کے مکتوبات حضرات اہل علم کے لئے قابل مطالعہ ہیں اس کے علاوہ تعلیمات نبوی اور دین کی حفاظت و اشاعت کا سلسلہ جاری رہنے کے لئے دینی مدارس کے قیام کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ علی ہٰذا۔ آپ کے رفیق خاص حضرت گنگوہیؒ نے بھی عمر بھر شیعیت اور دوسرے داخلی فتنوں اور گمراہیوں مشرکانہ رسوم و بدعات سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جدوجہد فرمائی اور اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا۔ انہی کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ شروع ہوا۔ ابتداء میں جب تک حضرت کے علم میں اس کی وہ باتیں اور دعوے نہیں آئے جن کی وجہ سے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا فرض و واجب ہو گیا۔ آپ نے احتیاط فرمائی لیکن جب اس کے ایسے دعوے سامنے آگئے جن کے بعد کف لسان کی بھی گنجائش نہ رہی تو حضرت نے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کے بعد ان کے تلامذہ و مسترشدین، حضرت شیخ الہند حضرت سہارنپوری حکیم الامت حضرت تھانوی، پھر ان کے تلامذہ و مسترشدین، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن چاندپوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ سب حضرات بھی اپنے اکابر و اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، خارجی حملوں اور داخلی فتنوں سے دین کی حفاظت، علوم نبوی کی اشاعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور امت کی اصلاح و ارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس وقت بھی ہم میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ان اکابر کی دینی غیرت و حمیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی مصلحت ان حضرات کو کسی فتنے سے سمجھوتہ اور کسی زیغ و ضلال کو نظر انداز کرنے اور اس سے

چشم پوشی پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ بارہا ہم نے دیکھا اور تجربہ کیا کہ ہمارے یہ اکابر کسی مسئلہ کی طرف بڑی شدت سے متوجہ ہوتے جو ہم جیسے کوتاہ نظروں کی نگاہ میں اس شدت کا مستحق نہیں تھا، لیکن تھوڑے ہی دن بعد سامنے آگیا کہ ہم جس فتنہ کو بہت معمولی سمجھ رہے تھے یا اس کو دین میں رخنہ اور فتنہ ہی نہیں سمجھ رہے تھے وہ دین کے لئے ایسے زہریلے برگ و بار لایا کہ الاماں، الحفیظ!

یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے بلایا گیا ہے اور یہی اس کا اصل موضوع اور مقصد ہے اس سلسلہ میں ہمارے استاد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ نے (خاص طور سے اس دارالعلوم کی صدارت تدریس کے دور میں) اللہ تعالیٰ نے جو کام لیا اور اس بارے میں ان کا جو حال تھا (جس کی طرف کچھ اشارہ اجلاس کے دعوت نامہ میں بھی کیا گیا ہے) میں مناسب بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ حضرات کے سامنے اس کا کچھ ذکر کروں، میں اس کا عینی شاہد ہوں۔

اس وقت میں اس سلسلہ کی حضرت کی تصانیف اور ان کی علمی عظمت و اہمیت کا ذکر نہیں کروں گا، اسی طرح حضرت کی توجہ اور فکر مندی سے آپ کے تلامذہ کی جو ایک بڑی تعداد قادیانی فتنہ کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعہ علمی جہاد کے لئے تیار ہو کر میدان میں آگئی تھی، اس کا بھی ذکر نہیں کروں گا ——— بس چند واقعات ذکر کروں گا جن سے اس فتنہ کے بارے میں حضرت کی شدت احساس اور قلبی اضطراب کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے گا

میں ۱۳۴۵ھ میں یہاں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، یہ اس دارالعلوم میں حضرتؒ کی صدارت تدریس اور درس حدیث کا آخری سال تھا جس دن دورۂ حدیث کے طلبہ کا سالانہ امتحان ختم ہوا اس دن حضرت نے بعد نماز عصر مسجد میں دورہ سے فارغ ہونے والے ہم طلبہ کو خصوصی خطاب فرمایا، وہ گویا ہم لوگوں کو حضرت کی آخری وصیت تھی، اس میں دوسری اہم باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اپنی عمر کے پورے تیس سال اس میں صرف کئے کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے ——— الحمد للہ فیما بیننا و بین اللہ اس پر پورا اطمینان ہو گیا کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے، اگر کسی مسئلہ کے خلاف کوئی حدیث ہے تو کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس کی تائید اور موافقت میں موجود ہے ——— لیکن اب ہمارا احساس ہے کہ ہم نے اپنا یہ وقت ایسے کام پر صرف کیا جو زیادہ ضروری نہیں تھا۔ جو کام زیادہ ضروری تھے ہم ان کی طرف توجہ نہیں کر سکے اس وقت سب سے زیادہ ضروری کام دین کی

اور امت کی فتنوں سے حفاظت ہے ۔ اس وقت سب سے بڑا فتنہ مغرب (یعنی یورپ) سے آنے والا الحاد اور دہریت کا فتنہ ہے اور ہمارے اس ملک میں اٹھنے والا قادیانیت کا فتنہ ہے ۔ جو بلاشبہ فتنۂ ارتداد ہے میں آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ ان فتنوں سے امت کی اور دین کی حفاظت کے لئے اپنے کو تیار کریں یہ اس وقت کا جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔ آپ اس کے لئے اردو تحریر و تقریر میں مہارت پیدا کریں ، اور جن کے لئے انگریزی میں مہارت حاصل کرنے کا امکان ہو وہ انگریزی میں مہارت پیدا کریں ملک کے اندر ان فتنوں کا مقابلہ اردو کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے اور ملک سے باہر انگریزی کے ذریعہ ــــ حضرت الاستاذ قدس سرہ سے یہ ارشاد سنے ساٹھ سال سے زیادہ ہوچکے ہیں ، الفاظ میں تو یقیناً فرق ہوگا لیکن اطمینان ہے کہ حضرت کا پیغام اور ہم لوگوں کو آپ کی وصیت یہی تھی ــــ

حضرت اپنے خطابات اور تقریروں میں قادیانی فتنہ پر گفتگو فرماتے ہوئے اکثر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس غیر معمولی حال اور اضطراب کا ذکر فرماتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کے فتنوں خاص کر نبوت کے مدعی مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے سلسلہ میں آپ پر طاری تھا ، ہم لوگ محسوس کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانی فتنہ کے بارے میں کچھ اسی طرح کا حال ہمارے حضرت استاذ پر طاری فرما دیا ہے ۔

یہاں میں فتنۂ قادیانیت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب سے متعلق ریاست بھاولپور کے تاریخی مقدمہ کا واقعہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں ۔ یہ مقدمہ بھاولپور کی جج کی عدالت میں تھا ، ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ کیا تھا کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا ، اس نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا تھا ، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہے اس لئے وہ کافر ہے ، عدالت میرے اس نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے ۔ بھاولپور کے علمائے کرام نے اہتمام سے اس مقدمہ کی پیروی کا فیصلہ کیا ، اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ تشریف لائیں اور عدالت میں بیان دیں ــــ اس وقت حضرتؒ مریض اور مرض کی وجہ سے بہت ضعیف و نحیف تھے بالکل اس لائق نہ تھے کہ بھاولپور تک کا طویل سفر فرمائیں ، لیکن آپ نے اسی حال میں تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا ، (میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میرے پاس کوئی عمل نہیں ہے جس سے نجات کی امید ہو ، شاید اس حال میں یہ سفر ہی میری نجات و مغفرت کا وسیلہ بن جائے) بہرحال تشریف لے گئے اور جا کر عدالت میں بڑا معرکۃ الآراء بیان دیا ، دوسرے چند

حضرات علمائے کرام کے بھی بیانات ہوئے، خاص کر حضرت شاہ صاحب کے بیان نے فاضل جج کو مطمئن کر دیا کہ قادیانی ختم نبوت کے انکار اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج کافر و مرتد ہیں ـــ انھوں نے بہت مفصل فیصلہ لکھا، دعویٰ کرنے والی مسلم خاتون کے حق میں ڈگری دی اور نکاح فسخ اور کالعدم قرار دیا ـــ فاضل جج کا یہ فیصلہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب کی شکل میں اسی زمانہ میں "فیصلہ مقدمہ بہاولپور" کے نام سے شائع ہو گیا تھا، اس کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بڑی بنیاد حضرت شاہ صاحب کا بیان تھا ـــ برطانوی حکومت کے دور میں یہ پہلا عدالتی فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

فتنۂ قادیانیت کے ہی سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب کے جلال کا بھی سن لیجئے۔ دورۂ حدیث کے ہمارے ہم سبق طلبہ میں ضلع اعظم گڈھ کے بھی چند حضرات تھے، اسی زمانے میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک صاحب جو قادیانی تھے سہارنپور میں حکومت کے کسی بڑے عہدہ پر آ گئے، وہ ایک دن اپنے ہم ضلع اعظم گڈھی طلبہ سے ملنے کے لئے (لیکن فی الحقیقت ان کو جال میں پھانسنے کے لئے) دارالعلوم آئے، اُن طلبہ نے انکی اچھی خاطر مدارات کی، وہ تفریح کے بہانے ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ بھی لے گئے جو رات کو دارالعلوم واپس آئے۔ حضرت شاہ صاحب کو کسی طرح اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ حضرت کو ان طلبہ کی اس دینی بے حسی سے سخت قلبی اذیت ہوئی، ان طلبہ کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے ایک سعادتمند طالب علم غالباً معافی مانگنے کے لئے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے، حضرت پر جلال کی کیفیت طاری تھی قریب میں چھڑی رکھی تھی اس سے ان کی خوب پٹائی کی (یہ فاروقی شدت فی امر اللہ کا ظہور تھا) ہمارے وہ ہم سبق طالب علم بڑے خوش اور مسرور تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ایک غلطی پر حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ سے پٹنے کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جو حضرت کے ہزاروں شاگردوں میں سے غالباً کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی کیوں کہ حضرت فطری طور پر بہت ہی نرم مزاج تھے، ہم نے کبھی انکو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔

آخر میں اپنا ایک ذاتی واقعہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں ـــ میرے اصل آبائی وطن سنبھل سے تقریباً ۱۵ میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے اس موضع میں چند دولتمند گھرانے تھے، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ان لوگوں کے تجارتی اور کاروباری تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی ـــ میں جب شعبان ۱۳۴۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم کی تعلیم سے فارغ ہو کر مکان پہونچا تو میرے بڑے بھائی صاحب

نے بتلایا کہ اس موضع والوں کے کوئی رشتہ دار امروہہ میں ہیں جو قادیانی ہیں، معلوم ہوا ہے کہ وہ برابر وہاں آتے ہیں اور قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں اور لوگ متاثر ہو رہے ہیں اور سنا ہے کہ اس کا خطرہ ہے کہ بعض لوگ قادیانی ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں چلنا چاہیے۔ آپ پروگرام بنائیے! ــ (میرے یہ بھائی صاحب مرحوم عالم تو نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی فکر عطا فرمائی تھی) ــ چند روز کے بعد انھوں نے بتلایا کہ معلوم ہوا ہے کہ امروہہ کا وہ قادیانی (جس کا نام عبدالسمیع تھا) فلاں دن وہاں آنے والا ہے بھائی صاحب نے اس سے ایک دن پہلے پہنچنے کا پروگرام بنایا رمضان مبارک کا مہینہ تھا ہم اپنے پروگرام کے مطابق پہنچ گئے۔ لوگوں سے ہم نے باتیں کیں تو اندازہ ہوا کہ بعض لوگ بہت متاثر ہو چکے ہیں، بس اتنی ہی کسر ہے کہ ابھی باقاعدہ قادیانی نہیں ہوئے ہیں، جب ہم نے قادیانیت کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو کی تو انھوں نے کہا کہ امروہہ سے عبدالسمیع صاحب آنے والے ہیں آپ ان کے سامنے یہ باتیں کریں۔ ہم نے کہا یہ تو بہت ہی اچھا ہے ہم ان سے بھی بات کریں گے اور ان کو بھی بتلائیں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کیسا آدمی تھا اور اس کو نبی ماننا گمراہی کے علاوہ کتنی بڑی حماقت ہے ــــ اس گفتگو ہی کے درمیان وہاں کے ایک صاحب نے (جو کچھ پڑھے لکھے) اور عبدالسمیع کی باتوں سے زیادہ متاثر تھے بتلایا کہ وہ تو مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی سے مناظرہ کر چکا ہے اور امروہہ کے سب بڑے بڑے عالموں سے بحث کر چکا ہے اور سب کو لاجواب کر چکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات سن کر میں بڑی فکر میں پڑ گیا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی تجربہ کاری اور چرب زبانی سے لوگوں کو متاثر کر لے۔ میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میری مدد اور انجام بخیر فرمائے۔ میں اسی حال میں سو گیا، خواب میں حضرت استاذ قدس سرہ کو دیکھا، آپ نے کچھ فرمایا جس سے دل میں یہ اعتماد اور یقین پیدا ہو گیا کہ بڑے سے بڑا کوئی قادیانی مناظر آجائے تب بھی میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور اس کو مغلوب فرمائے گا ــ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو الحمد للہ میرے دل میں وہی یقین واعتماد تھا ــــ لیکن امروہہ سے وہ قادیانی عبدالسمیع نہیں آیا ــــ ہم نے کہا کہ اب جب کبھی وہ آئے تو ہم کو اطلاع کیجیے ہم انشاء اللہ آئیں گے ــــ اس کے بعد ہم نے لوگوں کو بتلایا اور سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا یا کسی دعویٰ کرنے والے کو نبی ماننا صریح کفر وارتداد ہے اور مرزا قادیانی کے بارے میں بتلایا کہ وہ کیسا آدمی تھا

ہم بفضلہ تعالیٰ وہاں سے اس اطمینان کے ساتھ واپس ہوئے کہ ان شاء اللہ اب یہاں کے لوگ اس قادیانی کے جال میں نہیں آئیں گے ——— خواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے دکھایا اس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت اور حضرت شاہ صاحبؒ کی کرامت سمجھا ۔

محترم حضرات! حضرت شاہ صاحب کے یہ چند واقعات تو میں نے صرف اس لئے بیان کئے کہ اس دارالعلوم کے اکابر میں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے تحفظ کا اور قادیانی فتنہ کے خلاف جہاد کا (جو اس اجلاس کا خاص موضوع ہے) سب سے زیادہ کام انہی سے لیا ——— ورنہ میں تاریخی تسلسل کی روشنی میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے اس سلسلہ مجددی و ولی اللہی اور سلسلہ قاسمی و گنگوہی کی ایک خصوصیت بتوفیق خداوندی ہر قسم کے فتنوں اور ہر قسم کی تحریف سے دین اور امت کی حفاظت، اور اس سلسلہ میں پوری بیداری، ہوشیاری اور صلابت و صراحت رہی ہے ——— ہمیں اس کی فکر ہونی چاہیئے کہ یہ مزاج اپنی تمامتر خصوصیات کے ساتھ زندہ اور قائم رہے اور ہماری ان نسلوں کو منتقل ہو جو ہمارے مدارس میں تیار ہو رہی ہیں ۔

میں اس موقع پر آپ حضرات سے اپنا یہ احساس عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وقت کا بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ امت کے عوام ہی میں نہیں بلکہ ان میں بھی جن کو خواص سمجھا جاتا ہے ایک بڑی تعداد ہے جو دین کے بنیادی عقائد و حقائق کے بارے میں بھی، تسامح، تساہل اور چشم پوشی کے رویہ کو اچھے اچھے نام دے کر اختیار کرتی جا رہی ہے خطرہ یہ ہے کہ وہ ایمانی غیرت و حمیت اور وہ دینی حس جو اکثر بڑے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں محافظین دین کی مددگار رہی ہے کہیں وہ اتنی مضمحل نہ ہو جائے کہ پھر اس کے بعد آپ کو دو طرفہ کام کرنا پڑے، ایک طرف تو آپ کو ان فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑے اور دوسری طرف امت کو بلکہ ان کے خواص کو اس بات پر مطمئن کرنے پر اپنی توانائی صرف کرنی پڑے کہ عقیدہ اور دین پر کسی اور شے کو مقدم کرنا ہمارے دین کے خلاف ہے ۔

اگر یہ اجلاس ختم نبوت کے خلاف ہونے والی صریح اور پوشیدہ بغاوتوں، اور اسی طرح دوسرے فتنوں کے مقابلہ کے لئے اپنے اکابر و اسلاف کی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کا نقطۂ آغاز بن جائے اور مدارس کے فضلاء کی ایسی جامع تربیت کا ایک

پروگرام شروع کرنے کا فیصلہ کر دے جس کے ذریعہ انھیں دین کی حفاظت اور فتنوں کے مقابلہ کے لئے تیار کیا جائے تو میرے خیال میں یہ اجلاس کی افادیت کا ایک عملی ثبوت ہوگا۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد و ثناء اور خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہے

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم

واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم

مولانا محمد عارف سنبھلی
استاد تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قادیانیت کے مقابلہ کا صحیح طریقہ

[درج ذیل مضمون دارالعلوم دیوبند میں ۲۹ تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو منعقد ہونے والے اجلاس تحفظ ختم نبوت کے لئے لکھا گیا تھا، لیکن وہاں بہتر یہ سمجھا گیا کہ پورا مضمون پڑھنے کے بجائے فاضل مقالہ نگار اس کی روشنی میں تقریر کریں، اب یہ مضمون ناظرین الفرقان کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

فاضل مقالہ نگار جو عرصہ سے مختلف محاذوں پر دین کی حفاظت کی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں کی یہ رائے اس میدان میں کام کرنے والے حضرات کے لئے بہت سنجیدگی کے ساتھ قابل غور ہے کہ قادیانیت کے مقابلہ کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے کردار اور باتوں کی روشنی میں ان کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے۔ ختم نبوت کے اصولی مسئلہ کو موضوع بحث بنانا، فاضل مضمون نگار کے نزدیک قادیانیت کے لئے نہ مفید ہے اور نہ ضروری بلکہ ایک قطعی مسئلہ کو نظری و اختلافی مسئلہ بنا دینے کے مترادف ہے —— مدیر]

مرزا غلام احمد قادیانی خدا کے دین اور اپنی ذات کے بارے میں مختلف اوقات میں بہت ہی مختلف اور متضاد باتیں لکھتے رہے ہیں، مثلاً ایک وقت وہ صاحب انھوں نے سارے دین کو پوری طرح محفوظ اور متواتر بتلاتے ہوئے لکھا تھا،

"پس اگر قاعدے سے احادیث کو دیکھا جائے تو ان کے اکثر حصہ کو جس کا معین و مددگار سلسلۂ تعامل ہے آحاد کے نام سے یاد کرنا، بڑی غلطی ہوگی، اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے جس نے اس زمانے کے نیچریوں کو صداقت اسلام سے بہت ہی دور ڈال دیا، وہ خیال کرتے ہیں گویا اسلام کی وہ تمام سنن

اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جن پر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صرف چند حدیثوں کی بناپر ہی قائم ہے، حالانکہ یہ انکی فاش غلطی ہے، بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے نبی صلعم نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تھا، وہ آپسا کروڑہا انسانوں میں پھیل گیا تھا، کہ اگر محدثین کا دنیا میں نام ونشان بھی نہ ہوتا تب بھی اس کو کچھ نقصان نہ تھا،، (شہادۃ القرآن صـ)

مرزاصاحب کا مطلب یہ ہے کہ دین کے عقائد واعمال پہلے تواتر کا درجہ حاصل کر چکے تھے پھر بعد میں محدثین نے اسی تواتر کو کتابوں میں روایات کی شکل میں محفوظ کیا تھا۔ پھر اپنے اسی عقیدہ کو اور زیادہ زور اور وضاحت کے ساتھ اس طرح لکھتے ہیں

"حق بات جو ایک بدیہی امر کی طرح ہے یہی ہے کہ ائمہ حدیث اگر لوگوں پر کچھ احسان ہے تو صرف اس قدر کہ وہ اُمور جو ابتدا رسے تعامل کے سلسلہ میں ایک دنیا ان کو مانتی تھی، انکی اسناد کے بارے میں ان لوگوں نے تحقیق وتفتیش کی اور یہ دکھلادیا کہ اس زمانہ میں موجودہ حالت میں جو کچھ اہل اسلام تسلیم کر رہے ہیں یا عمل میں لارہے ہیں، یہ ایسے امور نہیں، جو بطور بدعات اسلام میں اب مخلوط ہوگئے ہیں، بلکہ یہ وہی گفتار وکردار ہے جو آنحضرت صلعم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی تھی"

(شہادۃ القرآن صـ)

ان دونوں عبارتوں میں مرزاصاحب نے پورے دین کو صریح طور پر متواتر قرار دیا ہے، اور تمام اخبار آحاد (یعنی غیر متواتر احادیث) کو بھی تواتر کا ریکارڈ تبلایا ہے، اور اپنے زمانے کے نیچریوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ دین کی اس بدیہی حقیقت سے ناواقفیت کے باعث ہی اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں

یہ تھا پہلے دور میں احادیث نبوی کے متعلق مرزاصاحب کا عقیدہ واعلان کہ وہ ساری کی ساری متواتر ہیں، اور ان کو خبر واحد یعنی غیر متواتر سمجھنا سخت جہالت اور شدید گمراہی کا باعث ہے — مگر جب انکے دماغ نے ہدایت سے ضلالت کی طرف کروٹ لی تو پھر انھوں نے احادیث کو معتبر یا غیر معتبر ٹہرانے کے جملہ حقوق اپنے حق میں محفوظ کر لئے، چنانچہ انھوں نے کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے احادیث کے رد وقبول کے معاملہ میں حَکم کی حیثیت عطا فرمائی ہے لہٰذا اب تمھاری روایتوں اور تمھارے محدثین کی سندوں کا کوئی اعتبار نہیں، بس میں ہی جس حدیث کو صحیح تبلاؤں اس کو صحیح جانو اور جس کو میں غلط ٹھہراؤں اسے غلط تسلیم کرو، مرزاصاحب کے الفاظ یہ ہیں

" کیا ضرور نہ تھا کہ خدا کا حکم یعنی فیصلہ کرنے والا، تم میں نازل ہو کر، تمھاری حدیثوں کے انبار میں سے کچھ لیتا اور کچھ رد کر دیتا، سو یہی ہوا، وہ شخص حکم کس بات کا ہے جو تمھاری باتیں مانتا جائے اور کوئی بات رد نہ کرے "

(اربعین ع ۴ صـ ۲۰)

دو تین سطر کی اس عبارت کے ذریعہ مرزا صاحب نے اپنے ان سابق بیانوں کو جن میں انھوں نے پورے دین اور تمام حدیثوں کو متواتر قرار دیا تھا، دھو کر بالکل صاف کر دیا، اب مرزا صاحب ایسے بدلے کہ ارشاداتِ نبوی کو رسول کی حدیث کہنا بھی انکو گوارا نہ تھا، اب وہ احادیث مبارکہ کے لئے "تمھاری حدیثوں کا انبار" — "تمھاری باتیں" جیسے حقارت آمیز الفاظ استعمال کر رہے تھے، یہی طرزِ کلام ذیل کی عبارت میں بھی احادیث نبوی کے بارے میں مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں،

" اگر تمھارا ذخیرہ سب کا سب صحیح ہوتا، تو پھر حکم، مجدد آنے کی کیا ضرورت تھی، ہر ایک فرقہ کو یہی خیال ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہی صحیح ہے، اب یہ تمام فرقے تو سچ پر نہیں، اس لئے سچ وہی ہے جو حکم کے منہ سے نکلے، اگر ایمان ہو تو خدا کے مقرر کردہ حکم کے حکم سے بعض حدیثوں کا چھوڑنا یا انکی تاویل کرنا امر مشکل نہیں، یہ تمھارے بزرگوں کی اپنے منہ کی تجویزیں ہیں کہ فلاں حدیث صحیح ہے، فلاں حسن ہے اور فلاں مشہور ہے اور فلاں موضوع ہے "

(اربعین ع ۲ صـ ۲۴)

اس عبارت میں پورے ذخیرۂ حدیث کو یہ کہہ کر نہایت ہی حقارت سے مرزا صاحب نے ٹھکرا دیا ہے کہ یہ تمھارے بزرگوں کی اپنی تجویزیں ہیں، کہ فلاں حدیث صحیح فلاں مشہور وغیرہ ہے انھوں نے کہا کہ اللہ نے مجھے حکم بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، اب حدیث کے صحیح و غلط اور قابل قبول یا لائق رد ہونے کا فیصلہ سندوں سے نہ ہوگا بلکہ اب اس کا فیصلہ فقط میرے بیان سے ہوگا،

اس کے بعد مرزا صاحب ترقی کا ایک زینہ اور چڑھے، انھوں نے اعلان کیا کہ فقط احادیث کا علم ہی نہیں، قرآن مجید کی اصل مراد بھی مجھے بتلائی گئی ہے لہٰذا میرے سامنے تفسیروں کے حوالے بھی پیش نہ کرو بلکہ قرآنی ارشادات کا جو مطلب میں بیان کروں بس اسی پر ایمان لاؤ۔ اس موقع پر مرزا صاحب کے الفاظ یہ تھے:

(۱) "میں بار بار کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے اور مجھے تبلایا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں جھوٹی ہے، اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے تو پھر میں کس بات میں اور کس غرض کے لئے ان لوگوں سے منقولی بحث کروں،، (اربعین ۴ ص ۲۵)

پھر اسی صفحہ پر دوبارہ لکھتے ہیں :-

(۲) "جس حالت میں، میں نے اشتہار دیدیا، کہ آئندہ کسی مولوی وغیرہ سے منقولی بحث نہیں کروں گا، تو انصاف اور نیک نیتی کا تقاضا یہ تھا کہ ان منقولی بحثوں کا میرے سامنے نام بھی نہ لیتے،، (اربعین ۴ ص ۲۵)

اس طرح مرزا صاحب نے تمام ذخیرۂ حدیث اور صحابہ و تابعین اور امت کے تمام مفسرین کی تفسیروں کو ناقابل قبول بلکہ ناقابل ذکر ٹھہرا دیا۔

نبوت کا دعویٰ

اب تک جو بیانات مرزا صاحب کے نقل ہوئے، اُن میں کوئی بیان صریح طور پر دعویٰ نبوت پر ہی مشتمل ہیں، کیونکہ دین کے معاملہ میں جو حقوق خصوصیات ان عبارتوں میں مرزا صاحب نے اپنے لئے حاصل تبلائی ہیں وہ فقط نبی ہی کو حاصل ہو سکتی ہیں، غیر نبی کو وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتیں مگر ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ صریح الفاظ میں مرزا صاحب نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے لیکن مرزا صاحب کی وہ عبارتیں نقل کرنے سے پہلے ہم یہ بھی دکھانا مناسب سمجھتے ہیں کہ جس طرح مرزا صاحب نے پہلے تمام ذخیرۂ حدیث اور دین کے پورے نظام عقائد و اعمال کو متواتر بتایا تھا، اور پھر بعد میں اپنے کہے کو بھلا کر تمام احادیث اور قرآن مجید کے اول سے آخر تک کے تمام سلسلۂ تفسیر کو ناقابل اعتبار قرار دیدیا تھا، بالکل اسی طرح انھوں نے ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تبلایا اور اسی مفہوم و معنی میں تبلایا جس مفہوم میں شروع سے اب تک پوری امت حضور کو خاتم النبیین مانتی چلی آئی ہے ۔ یعنی یہ کہ حضور کے بعد کسی جدید نبی کے دنیا میں آنے کا کوئی امکان نہیں، اور نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے اس بارے میں اتنے مبالغہ سے کام لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کو بھی حضور کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ٹھہرا کر ان کی آمد ہی کا انکار کر دیا، چنانچہ

مرزا صاحب نے کہا تھا ۔

خدا عیسیٰ کو کیوں مردوں سے لاوے — وہ خود کیوں مہر ختمیت مٹاوے

(درثمین ص۳۰)

یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں بھیج کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب خاتمیت کا خاتمہ فرما دے ۔

اور اپنے متعلق اعلان کیا ۔

ماکان لی ان ادّعی النبوۃ واخرج من الاسلام والحق بقوم کافرین۔

(حمامۃ البشریٰ ص۔)

یعنی میرے لئے ممکن نہیں کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے نکل کر کافروں میں شامل ہو جاؤں مگر بعد میں اپنے ان تمام بیانات کو بھلا کر مرزا صاحب نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا قطعی اعلان کر دیا ، اب وہ کہہ رہے تھے

(۱) "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا نبی بھیجا " (دافع البلاء ص۱۱)

انھوں نے دعویٰ کیا کہ مجھ پر اللہ نے ان الفاظ میں وحی نازل کی ہے ،

(۲) محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداءُ علی الکفار رحماءُ بینھم ، اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی ، پھر وحی اللہ ہے ، جو صفحہ ۵۵۵ براہین میں درج ہے " دنیا میں ایک نذیر آیا ، اس کی ایک قرأت یہ ہے کہ " دنیا میں ایک نبی آیا "

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ حقیقت النبوۃ ص۲۶۲)

جس طرح قرآن مجید کی کئی قرأت ہیں ویسے ہی مرزا صاحب اپنی وحی کی بھی مختلف قرأت تبلاتے ہیں جیسا کہ یہاں انھوں نے ایک قرأت اپنی وحی کی "نذیر" اور دوسری "نبی" تبلائی اس کا قطعی مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب جس وحی کا دعویٰ کرتے تھے اس کو قرآن ہی کی برابری کی چیز سمجھے ہوئے تھے ، دوسرے مواقع پر انھوں نے لکھا بھی ہے کہ میں اپنی وحی پر قرآن ہی کی طرح ایمان رکھتا ہوں ،

(۳) ایک اشتہار پر مرزا صاحب نے انگریزی کے ان الفاظ میں دستخط کئے ۔

THE PROPHET MIRZA GHULAM AHMAD

یعنی النبی مرزا غلام احمد (حقیقۃ النبوۃ ص۲۰۹)

(۴) خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰ حاشیہ)

(۵) "اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوتے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی" (حقیقۃ الوحی ص۲۸ حاشیہ)

اس طرح کے نبوت کے دعووں سے مرزا صاحب کی کتابیں بھری پڑی ہیں ۔۔۔ مگر مرزا صاحب بخوبی جانتے تھے کہ اہل اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین جانتے ہیں اس لئے وہ آپ کے بعد کسی کو نبی ماننے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہوں گے، اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اپنے لئے ظلی اور بروزی نبی کے الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیئے، اور کہیں لکھا کہ میں خالص اور مکمل نبی نہیں ہوں، بلکہ ایک پہلو سے امتی ہوں اور ایک پہلو سے نبی، اوپر کی منقولہ آخری عبارت میں یہی بات مرزا صاحب نے کہی ہے

ظلی اور بروزی کا مطلب اوتار

جیسا کہ ابھی ہم نے عرض کیا کہ ظلی اور بروزی نبی کے الفاظ لکھ کر مرزا صاحب نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی بڑی ہی پُر فریب کوشش کی ہے۔ لیکن اگر انکے چند ہی بیانات پر نظر ڈالی جائے تو مرزا صاحب اپنی چال میں بالکل ناکام ہو جائیں گے، اور انکی اصلیت بے نقاب ہو جائے گی ۔ یہاں ان کی چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں ۔

(۱) "حدیثوں سے صاف طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں ظاہر ہوں گے، اور حضرت مسیح بھی مگر دونوں بروزی طور پر آئیں گے، نہ حقیقی طور پر" (نزول المسیح ص۲ حاشیہ)

اور مندرجہ ذیل عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی شکل یہ بیان کرتے ہیں

(۲) "میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں، مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے، بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پاکر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیا ہوں"۔ (نزول المسیح صفحہ ۲-۳)

اس دوسری عبارت میں مرزا صاحب نے خود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سے ہو کر آنے والا اور آپ کا مظہر بتایا ہے۔ جس کے معنی اوتار ہی کے ہیں۔ آئندہ عبارت میں وہ صریح الفاظ میں خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اوتار بتلاتے ہیں۔

(۳) "سو اس نے قدیم وعدہ کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو حضرت عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے"۔ (اربعین ع۴ صفحہ۱۵)

اوپر مرزا صاحب نے عبارت نمبر ایک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں بروزی رنگ میں آنے کی خبر دی تھی، اس تیسرے نمبر کی عبارت میں مرزا صاحب حضرت عیسیٰ کی دنیا میں تشریف لے آنے کی خبر دے رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حضرت عیسیٰ کا اوتار بنا کر بھیجا ہے ——— بعد کی دونوں عبارتوں سے یہ بات پوری قطعیت کے ساتھ طے ہو جاتی ہے کہ جس مفہوم میں پہلی عبارت میں مرزا صاحب بروزی کا لفظ استعمال کرتے ہیں دوسری عبارت میں اسی مفہوم کو "اسی میں ہو کر" اور "اسی کا مظہر بن کر" کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں اور تیسری عبارت میں اسی کو اوتار کے لفظ سے ادا کرتے ہیں۔ یعنی یہ تینوں لفظ مرزا صاحب کی اصطلاح میں ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔ ذیل میں نقل ہونے والی عبارت میں مرزا صاحب خبر دیتے ہیں کہ میری ذات میں تمام رسول جمع کیے گئے ہیں۔

"دوسری امتوں کے اصلاح کے لحاظ سے صرف وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ کے الفاظ استعمال کیے گئے یعنی آخری زمانہ میں تمام رسول بروزی رنگ میں ایک ہی وجود کے اندر جمع کیے جائیں گے" (تبلیغ ہدایت صفحہ ۳۰ طبع نہم جون ۱۹۶۱ء)

یہ کتاب مرزا صاحب کے لڑکے مرزا بشیر الدین کی تصنیف ہے۔ مندرجہ بالا عبارت انھوں نے اپنے والد کے حوالے سے لکھی ہے، اور خود مرزا صاحب لکھتے ہیں،

"میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں

ہی اسمٰعیل ہوں میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یعنی بروزی طور پر جیسا کہ خدا نے اسی کتاب میں یہ سب نام مجھے دیئے "
(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۵)

اس عبارت میں بروزی کا لفظ موجود ہے اور اوپر ہم دکھا چکے ہیں کہ بروز کے معنی مرزا صاحب کی لغت میں اوتار ہی کے ہوتے ہیں یہاں مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یہ سب نام مجھے دیئے گئے" تو یہ بھی مرزا صاحب کا ایک خاص محاورہ ہے اور معنی اس کے بھی اوتار بنائے جانے ہی کے ہیں - آنے والی عبارت سے یہ بات قطعی طے ہو جائے گی - لکھتے ہیں:

" مجھے اور نام بھی دیئے گئے ہیں، اور ہر ایک نبی کا نام مجھے دیا گیا ہے، چنانچہ جو ملک ہند میں کرشن نام کا ایک نبی گذرا ہے، جس کو رُدّر گوپال بھی کہتے ہیں (یعنی فنا کرنے والا اور پرورش کرنے والا) اس کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے، پس جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ، کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں، وہ کرشن میں ہی ہوں "
(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۵)

آگے مرزا صاحب نے دہلی کے بالمکند نامی پنڈت کا ایک اشتہار نقل کیا ہے جس کا عنوان ہے
" یہ بے عیب (معصوم) بھگوان کا اوتار یعنی خلیفۃ اللہ" (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۶)
مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ کرشن اوتار میں ہی ہوں، عبارت انکی یہ ہے.
" آریہ ورت کے محقق پنڈت بھی کرشن اوتار کا زمانہ یہی قرار دیتے ہیں، اور اس زمانہ میں اس کے آنے کے منتظر ہیں، گو وہ لوگ ابھی مجھ کو شناخت نہیں کرتے، مگر وہ زمانہ آتا ہے، بلکہ قریب ہے کہ مجھے شناخت کریں گے کیونکہ خدا کا ہاتھ دکھائیگا کہ آنے والا یہی ہے " (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۶، ۸۷)

اور اسی کتاب میں مرزا صاحب نے اپنی ایک وحی ان الفاظ میں نقل کی ہے،
"برہمن اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں " (حقیقۃ الوحی صـ۹۷)

تتمہ صفحہ ۸۵ کی مندرجہ بالا عبارت میں، مرزا صاحب کہتے ہیں کہ کرشن کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے اور پھر صفحہ ۸۶ اور ۸۷ پر صریح الفاظ میں خود کو کرشن اوتار بتلاتے ہیں، اور حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۹۷

پر خود کو "برہمن اوتار" لکھتے ہیں، ـــــ ان حوالوں سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ جس طرح مرزا صاحب "ظلی" اور "بروزی" الفاظ اوتار کے معنی میں بولتے ہیں ویسے ہی انکی بولی میں "نام دیا جانا" بھی اوتار ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کی دیگر کفریات

مرزا صاحب کی کتابیں کفریات سے بھری ہوئی ہیں، یہاں نمونے کے طور پر فقط دو عبارتیں نقل کی جاتی ہیں، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے محض کلمۂ کن کے ذریعہ وجود میں آئی تھی، اور مریم صدیقہ کو کسی مرد نے چھوا تک نہ تھا قرآن مجید کی بیان کی ہوئی یہ وہ حقیقت ہے جس پر مسلمانوں کا بچہ بچہ ایمان رکھتا ہے مگر مرزا صاحب قرآن مجید کے اس صریح ارشاد سے سو فیصد باغی ہو کر اور حضرت مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگا کر لکھتے ہیں۔

"حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام کرتے رہے ہیں" (ازالہ اوہام حاشیہ بر صفحہ ۱۲۷)

اس ایک ہی بیان سے مرزا کے باطنی خبث کا اندازہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس صریح ارشاد کے ہوتے ہوئے کہ عیسیٰ کی پیدائش آدم کی پیدائش کی طرح محض کلمۂ کن سے ہوئی۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ۰ (آل عمران)

عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا، پس وہ (انسان) ہو گیا۔

اور حضرت مریم صدیقہ کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے۔

قالت انّی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیاً ۰

مریم نے کہا کہ میرے لڑکا کیونکر ہوگا، مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں، اور میں بدکار بھی نہیں

مرزا کا یوسف نجار کو حضرت عیسیٰ کا باپ کہنا قرآن مجید سے کھلی بغاوت اور حضرت مریم صدیقہ پر صریح بہتان ہے۔

(۴)

حضرت جبرئیل علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے پاس کس شکل وہیئت میں تشریف لایا کرتے تھے؟ اس سلسلہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"روح القدس کبھی کسی پر کبوتر کی شکل پر ظاہر ہوا، اور کبھی کسی نبی یا اوتار پر گائے کی شکل پر ظاہر ہوا، اور کسی پر کچھ اور بچھڑ کی شکل پر ظاہر ہوا، اور انسان کی شکل کا وقت نہ آیا جب تک انسانِ کامل یعنی ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوا"

(کشتی نوح صث۲)

کیسی نرالی معلومات ہیں، اور کیسا ٹھیٹھ مشرکانہ ذوق پایا تھا مرزا صاحب نے کہ وہ جانوروں کی شکل میں حضرت جبرئیل کی آمد کا انکشاف کر رہے تھے، قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں انسانی شکل میں فرشتوں کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انسانی شکل ہی میں فرشتوں کی آمد بیان ہوئی ہے، یہاں تک کہ یہ دونوں حضرات ان کو یقینی طور پر انسان ہی سمجھے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو کھانا بھی لاکر ان کے سامنے پیش فرما دیا تھا۔ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت جبرئیل ایک کامل انسان ہی کی شکل میں تشریف لائے اور انھوں نے بھی ان کو انسان ہی سمجھا تھا ——— مگر مرزا صاحب کو قرآنی بیانات کی ذرہ بھر پرواہ نہیں تھی، وہ تو جو کچھ کہتے تھے بس اپنی وحی سے کہتے تھے۔

مرزا اور ردّ عیسائیت

مرزا صاحب نے اپنے ابتدائی دور میں عیسائی مشنریوں (مبلغین) کے مقابلہ میں جو مضامین اور رسالے لکھے ان کے باعث مرزا صاحب کو مسلمانوں میں بڑی شہرت اور نیک نامی حاصل ہوئی، مسلمانوں نے ان کے اس کام کو اسلام کی عظیم خدمت ہی سمجھا تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مناظرانہ تحریریں مرزا نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے اور عیسائیت کی تردید کی غرض سے نہیں لکھی تھیں بلکہ باغیرت مسلمانوں کے قلوب میں برٹش گورنمنٹ کے خلاف جو غیظ وغضب بھڑک اٹھا تھا، اس کو ٹھنڈا کرکے ان کو انگریزوں کی غلامی پر آمادہ کرنے کے ناپاک مقصد سے مرزا صاحب نے یہ کتابیں اور رسالے تحریر کیے تھے، چنانچہ انگریزی

گورنمنٹ کو بھیجی ہوئی اپنی عرضداشت میں مرزا نے صاف صاف لکھا ،

(۱) میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی، چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں کسی قدر بالمقابل سختی تھی کیوں کہ میرے کانشنس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی موجود ہیں انکے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لئے یہ طریق کافی مفید ہوگا، کیوں کہ عوض و معاوضہ کے بعد گلہ نہیں رہتا ” (تریاق القلوب ص ۲۹۱، ۲۹۰)

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں :

(۲) ” سو مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا ، یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا ، اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں مسلمانوں میں سے اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں“ (تریاق القلوب ص ۲۹۱)

پس ابتدا میں جو مناظرانہ تحریریں پادریوں کے مقابلہ میں مرزا صاحب نے لکھیں جن کو بہت سے مسلمانوں نے مرزا صاحب کا بڑا اہم مذہبی کارنامہ اور جہاد سمجھا تھا مرزا کے اس بیان سے واضح ہوگیا کہ وہ محض صلیبی حکومت کی پاسداری اور انگریزی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے تعاون کا انداز سے [illegible] کیا تھا ۔

یہاں تک کی تفصیلات سے پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ مرزا صاحب کے دل و دماغ میں شدید ترین کفر و الحاد بھرا ہوا تھا، اور وہ فقط نبوت کے دعویدار اور عقیدۂ ختم نبوت ہی کے منکر نہ تھے بلکہ [illegible] مشرک قوموں کی طرح اوتار کے عقیدہ کو بھی وہ حق جانتے تھے ۔

انھوں نے حدیث کے پورے ذخیرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اب تک کے تمام تفسیری ذخیرہ کو باطل قرار دیکر صاف صاف اعلان کیا تھا کہ میرے سامنے ان چیزوں کا حوالہ نہ دو بلکہ اب مجھ سے دین کی حقیقت سمجھو ، جسے میں حق کہوں حق سمجھو اور جس چیز کو میں باطل ٹھہرا دوں اس کے باطل ہونے پر ایمان لاؤ ۔

مرزا صاحب کے ان اعلانوں کے بعد مرزا یا انکے بعد ان کے مبلغوں سے یہ امید قائم کرنا کہ ان کو قرآن حدیث کی صحیح مراد سمجھا دی جائے گی تو یہ اپنی کفریات سے باز آجائیں

گے۔ میرے نزدیک قطعاً لا حاصل ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جو باتوفیق بندے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے کھڑے ہوں وہ قادیانیوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے دلائل پیش کرنے کے بجائے مرزا کے کفر و الحاد کی اصلیت انکے سامنے رکھیں، وہ انھیں بتلائیں کہ مرزا کے بارے میں یہ بحث قطعاً بے محل ہے کہ وہ نبی ہو سکتے تھے یا نہیں ہو سکتے تھے، بلکہ اگر انکی شخصیت کے سلسلہ میں بحث ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ دنیا کے بڑے بڑے کافروں اور خدا کے مجرموں کی کس صف کا آدمی مرزا کو قرار دیا جا سکتا ہے، البتہ اہل اسلام کے سامنے مرزا کی اصلیت کے ساتھ حضور کی ختم نبوت کے دلائل بھی ذکر میں آتے رہنے چاہئیں تاکہ اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ بھی ان کے ذہن میں تازہ رہے۔ اس پر ان کا ایمان مضبوط، اور اسکی حکمت کی گہری سمجھ ان کے دلوں کو اطمینان و بصیرت سے معمور کرے، اور کسی نئے نبی یا "امام" یا "نائب امام" کے نام سے امت کی وفاداریوں اور ایمان و اطاعت کو کتاب اللہ اور سنت نبوی سے ہٹا کر کسی دوسرے متوازی مرکز سے وابستہ کرنے کی ناپاک سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

جناب مظفر گیلانی صاحب آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

مولانا مناظر احسن گیلانی
حیات اور شخصیت

ذاتی حالات فقیرانہ زندگی

مولانا کی ذاتی زندگی بے مثال تھی۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں تقریباً (۲۸) اٹھائیس سال تک دینیات کے پروفیسر رہے صدر شعبہ رہے اور اس حیثیت سے بڑی معقول تنخواہ پاتے رہے۔ لیکن مولانا کی زندگی ہمیشہ فقیرانہ رہی اور اس فقیری نے ان میں ایک ایسا استغنا اور شان الدت پیدا کر دی تھی جو آپ اپنی مثال تھی۔ یہ بہت عجیب بات تھی کہ مولانا کو دولت اور روپے پیسے سے ادنیٰ تعلق نہیں تھا شاید آپ یقین نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا نے اپنے پاس روزمرہ خرچ کے لئے بھی کبھی ایک پیسہ نہیں رکھا۔ قیام حیدرآباد میں بال بچوں کو اتفاقاً ہی کبھی اپنے ساتھ رکھتے۔ انکا محبوب ملازم مکوا ہی وہاں زیادہ تر ان کے ساتھ رہا۔ بیوی بچوں۔ رشتہ داروں، عزیزوں اور غریبوں پر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اکوا کے حوالے کر دیتے۔ وہ جو کچھ حاضر کرتیا مولانا خاموشی کے ساتھ اسے کھا لیتے۔ بہ نسبت ان کے دوسرے عزیزوں کے میں مولانا سے زیادہ شوخ تھا۔ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ آپ اپنے پاس خود پیسے کیوں نہیں رکھتے کہ آپ کو روزمرہ کے خرچ کے لئے تکلیف نہ اٹھانی پڑے؟ مولانا کچھ دیر خاموش رہے پھر اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھ کر مسکرانے لگے ؎

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں　　بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

[illegible] ساتھ گزرتے کہ فرصت کا ایک دن بھی ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مولانا کی زندگی کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ ٹرین کے سفر میں کچھ نہ کچھ ضرور

رہے گی "تذکرہ سلیمان" میں مولانا سید سلیمان ندوی کے سوانح نگار غلام محمد صاحب نے اس کو شائع کر دیا ہے۔ اس طویل نظم کو یہاں شائع کرنے کا تو موقع نہیں لیکن دو چار اشعار سے بھی آپ کو محروم رکھنا ناانصافی ہوگی۔

اے سلیماں آہ پیغمبر کا وہ سیرت نگار — جس پہ نازاں ہند تھا اور فخر کرتا تھا بہار

آج محفل علم کی افسوس سونی ہو گئی — دین و دانش کے چمن کی لٹ گئی گویا بہار

اپنی تحریروں میں خود میری نظر تجھ پر رہی — ہائے کاتری رہا دل کو ہمیشہ انتظار

اقبال کے متعلق تو اپنا ذاتی مشاہدہ ہے کہ مولانا کوئی مسئلہ بیان کر رہے ہوں کسی موضوع پر کلام کر رہے ہوں اقبال کے اشعار ضرور پڑھا کرتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ جب مولانا پیام مشرق یا بال جبریل یا زبور عجم کی کوئی نظم سمجھا رہے ہوں تو کسی خاص شعر پہ جذبات سے مغلوب ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر حافظ صاحب کو مخاطب کر کے فرماتے۔ حافظ صاحب فلاں سورہ کی یہ آیت کہ ڈاکٹر نے اس شعر کے ذریعہ جو مضمون ادا کیا ہے اس کی طرف اشارہ اس آیت میں موجود ہے لیکن وہ اتنا دقیق اور خفی ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جن کے ذہن کی رسائی اس تک ہو سکتی ہے۔ مولانا اقبال کو صرف ڈاکٹر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مولانا جب کبھی اپنی علمی صحبتوں میں ڈاکٹر کا لفظ استعمال کرتے تو اشارہ ہمیشہ ڈاکٹر اقبال ہی کی طرف ہوتا تھا۔

مولانا مرحوم کے تعلقات مولانا عبدالماجد دریابادی سے دوستی اور عقیدت سے بڑھ کر شاید پیری مریدی تک پہونچ گئے تھے۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ پیر کون تھا اور مرید کون یوں تو دنیا مولانا دریابادی کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کا لوہا مان چکی ہے لیکن مولانا گیلانی اس سے زیادہ مولانا دریابادی کے خلوص اور ایمان کی پختگی کے قائل تھے اپنی شدید بیماری میں بھی جب پڑھنا لکھنا بالکل ترک کر چکے تھے انھیں صدق کا بڑی بے چینی سے انتظار رہتا تھا۔ نوجوانوں کو ہمیشہ تاکید فرماتے کہ صدق کا ضرور مطالعہ کیا کریں۔

مولانا منظور نعمانی صاحب سے ان کو بڑی عقیدت تھی۔ ان کے علم اور زہد کے معترف تھے۔ اکثر اپنی نجی صحبتوں میں ان کا ذکر کیا کرتے۔ مولانا گیلانی کے بہت سارے مقالے "الفرقان" میں شائع ہوئے۔ انکا شاہکار مقالہ "حضرت مجدد الف ثانی" بھی اسی رسالہ میں شائع ہوا

کر دیا کرتے ۔ ایک مرتبہ تو شیخ پورہ اسٹیشن پر اس حال میں اترے کہ نہ بدن پر شیروانی تھی نہ سر پہ ٹوپی اور نہ پیر میں جوتا ۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ یہ ساری چیزیں چوری چلی گئیں ۔ اس قسم کے واقعات مولانا کی زندگی کے معمولات بن گئے تھے ۔ اور میرا تو خیال ہے کہ مولانا کو اس میں ایک خاص قسم کی لذت بھی محسوس ہوتی تھی ۔ نہ خود کبھی پریشان ہوئے اور نہ کسی کو اس سلسلہ میں پریشان کیا ۔ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ہنس ہنس کر ان واقعات کو بیان کرتے ۔ ایک روز کہنے لگے کہ بھائی ہم لوگ توطرح طرح کا ٹیکس ادا کرتے ہی ہیں ۔ میں نے اپنے اوپر ایک اور ٹیکس واجب کر لیا ہے جس کو میں "احمقانہ" کہتا ہوں ۔ شاید ان کی زندگی کے اس انداز میں بھی کوئی صوفیانہ راز مضمر ہو ۔ یہی رویہ ان کی زندگی کے ہر شعبے میں برابر کار فرما رہا ۔ بیوی بچے ہوں یا عزیز و اقارب دوست ہوں یا دشمن ہر کے حقوق بڑی دیانتداری سے ادا کرنے کے باوجود ایک خاص قسم کی بے تعلقی ان کی شخصیت کا طرۂ امتیاز بن گئی تھی ۔

اپنے ہم عصروں میں مولانا محمد علی ۔ ڈاکٹر اقبال ۔ مولانا سید سلیمان ندوی ۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا منظور نعمانی صاحب "الفرقان" سے سب سے زیادہ متاثر تھے ۔ مولانا محمد علی کی وفات کے بعد جب انکا تخلیق کردہ مرثیہ شائع ہوا تو سارے ہندوستان کے علمی حلقہ میں ایک دھوم مچ گئی ۔ انھوں نے مولانا محمد علی کو کبھی دیکھا بھی نہ تھا لیکن محمد علی کی سچی اور صحیح سیرت نگاری مولانا ہی کے لئے مقدر کر دی گئی تھی ۔ اس مرثیہ کے شان نزول کے لئے مولانا عبدالماجد دریابادی کی مشہور کتاب "محمد علی ۔ ذاتی ڈائری" ملاحظہ فرمائی جائے ۔ یہاں صرف دو چار شعر ہدیہ ناظرین ہیں ۔

بدین مصطفٰے دیوانہ بودی　　　فدائے ملت جانانہ بودی

سیاست را نقاب چہرہ کردی　　　وگرنہ عاشق مستانہ بودی

رسیدی از رہ اغیار تا یار　　　عجب مستے عجب دیوانہ بودی

مولانا کو شاعری سے کبھی تعلق نہیں رہا ۔ لیکن جب کبھی جذبات سے مغلوب ہو جاتے تو شعر کہنے سے باز نہیں رہتے ۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے انتقال کا اُن پر جو اثر ہوا اسکو بیان کرنا دشوار ہے جس وقت مولانا کو سید صاحب کی وفات کی خبر ملی چہرہ فق ہو گیا ۔ صرف اقبال کا یہ مصرعہ زبان سے نکل سکا ؏

ترکش مارا خدنگ آخریں

پھر خاموش ہو گئے اور آہستہ آہستہ چہل قدمی کرنے لگے ۔ اس کے بعد ایک ایسی نظم وارد ہوئی جو ہمیشہ یادگار

میرا خیال ہے کہ مولانا نعمانی کو بھی مولانا گیلانی سے بڑی محبت تھی۔ مولانا گیلانی کی کئی کتابیں بھی مولانا نعمانی نے شائع کرائیں جن میں ان کی مشہور کتاب "النبی الخاتم" بھی شامل ہے۔ اس کا تعارف بھی مولانا نعمانی ہی کے قلم سے ہوا ہے۔ جس میں مولانا گیلانی کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"مجھ سے ایک نہایت ثقہ بزرگ نے بیان کیا کہ جن دنوں یہ کتاب "النبی الخاتم" تصنیف ہو رہی تھی ایک صاحب دل بزرگ نے ایک رات عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت خاتم النبین رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے جمال کی پوری تابشوں کے ساتھ رونق افروز ہیں۔ اور مولانا گیلانی ان کے قدموں پر تڑپ رہے ہیں۔ مگر ان سے نظر بچائی جا رہی ہے۔ صاحب واقعہ بزرگ نے یہ دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے (جو وہیں موجود تھے) عرض کیا کہ اس بیچارے کو ایک نظر کیوں نہیں دیکھ لیا جاتا۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا۔

"اگر اس کو دیکھ لیا جائے گا تو تو مر جائے گا"

میرے نزدیک یہ مقدس صحبت اور یہ تڑپ اس مبارک تالیف کی صورت مثالیہ اور اس کے مصنف کے پر نور جذبات کی تصویر تھی۔

مولانا گیلانی خاص خاص موقعوں پر جذبات سے بہت زیادہ مغلوب ہو جایا کرتے تھے۔ سید تقی الدین صاحب مرحوم جو اس وقت حکومت حیدر آباد کے سکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے کہتے تھے کہ ۱۹۴۶ء میں بہار کے فرقہ وارانہ فساد کی خبر جب مولانا کو حیدر آباد میں ہوئی تو بہت پریشان رہنے لگے تقی صاحب اور دوسرے بہاریوں کا جو حیدر آباد میں تھے یہی حال تھا۔ چنانچہ ایک روز مولانا اور تقی صاحب بذریعہ ہوائی جہاز بہار کے لئے روانہ ہوئے۔ کلکتہ میں گرینڈ ہوٹل میں مجبوراً قیام کیا اس لئے کہ تقی صاحب اس سے کم درجے کے ہوٹل میں قیام کر ہی نہیں سکتے تھے۔ تقی صاحب کا بیان ہے کہ دوسرے روز صبح کی ٹرین سے ان لوگوں کو پٹنہ کے لئے روانہ ہونا تھا۔ اس زمانہ میں شاید کلکتہ سے پٹنہ کے لئے کوئی ہوائی سروس نہ تھی۔ مولانا صبح کی نماز سے فارغ ہو کر نیچے ہوٹل کے لانج میں آئے تو دیکھا کہ تین انگریز نوجوان صبح کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ مولانا کو بڑا تعجب ہوا فوراً تقی صاحب کو کمرے سے کھینچ کر باہر لائے اور کہا کہ ان سے پوچھو کہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ کیا نام ہے۔ وغیرہ وغیرہ جب وہ نماز سے فارغ ہو چکے تو تقی صاحب نے انگریزی میں ان سے چند سوالات کئے۔ جو انگریز

جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن ان میں سے ایک نے کہا "زبان فارسی می دانم" بس مولانا کی گویا باچھیں کھل گئیں۔ بڑھ کر ان کو گلے سے لگایا اور اقبال کی مشہور مثنوی

"پس چہ باید کرد اے اقوام شرق"

ایک خاص والہانہ انداز میں پڑھنے لگے۔ مولانا رو رو کر مثنوی پڑھتے جا رہے تھے اور ادھر لوگ پریشان کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ اس زمانہ میں گرینڈ ہوٹل میں زیادہ تر انگریز ہی ٹھہرتے تھے ان کا ایک مجمع ہو گیا بیچارہ ہوٹل کا مینیجر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ لیکن مولانا اپنی دھن میں مثنوی پڑھتے ہی جا رہے تھے۔

بات یہ تھی کہ وہ نوجوان روس کے علاقہ آذربیجان اور بخارا کے رہنے والے تھے کلکتہ میں اس زمانہ میں کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وہ اسی میں شرکت کرنے آئے تھے روس میں کیمونسٹ اقتدار نے مولانا کو بہت مایوس کر دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ آذربیجان بخارا اور سمرقند کے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے یا کم سے کم وہ مسلمان تو یقیناً باقی نہیں رہے۔ لیکن اس وقت کا نظارہ مولانا کے لئے نہایت خوش کن تھا۔ وہ جذبات سے ایسے مغلوب ہوئے کہ بر سر عام وہ سب کچھ کر گذرے جو اپنی نارمل حالت میں شاید کبھی نہ کرتے۔

مولانا کو میں نے صرف ایک ہی مرتبہ غصے کی حالت میں دیکھا اور وہ بھی اپنے چھوٹے بھائی مکارم احسن صاحب پر جو شاید دنیا میں ان کو سب سے زیادہ عزیز تھے یوں تو مولانا کے ایک اور چھوٹے بھائی بھی تھے۔ مظہر احسن گیلانی جو ایک عرصہ تک عثمانیہ یونیورسٹی میں معاشیات کے ریڈر رہے مولانا سے وہ بہت چھوٹے تھے اور وہ ان کو اپنے لڑکے کی اولاد ہی کی طرح سمجھتے تھے لیکن مکارم صاحب سے ان کے تعلقات کچھ اور تھے وہ عمر میں مولانا سے دو ہی سال چھوٹے تھے اس لئے مکارم صاحب مولانا کے بھائی کے علاوہ ہمراز۔ ہم سفر ہم نوا اور ہم نشین بھی تھے انھوں نے مولانا کی طویل بیماریوں کے سلسلے میں جس بے نفسی اور بے جگری سے اپنے بھائی کی خدمت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے لیکن اسی بھائی پر مولانا ایک مرتبہ بری طرح خفا ہوئے۔ بات یہ ہوئی کہ بعد نماز عصر گیلانی کی مسجد میں کسی شرعی مسئلہ پر گفتگو چھڑ گئی۔ مولانا اپنے مخصوص انداز میں بیان فرما رہے تھے کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں یہ مسئلہ اس طرح ہے

اور امام حنبل کے یہاں اس طرح ۔ امام شافعی نے اس کو یوں لکھا ہے ۔ اور امام مالک کا یہ خیال ہے اسی درمیان مکارم احمد صاحب بول اٹھے کہ بھیا آپ مولویوں کا کیا کہنا ۔ گرفت میں تو آنے سے رہے چار دروازہ بنا رکھا ہے ۔ جب چاہا جس دروازہ سے نکل گئے ۔ مولانا ایک بیک بپھر گئے ۔ ڈانٹ کر کہا ۔ تم کو ان باتوں سے کیا واسطہ ۔ شرعی مسئلوں میں بغیر جانے بوجھے رخنہ اندازی نہ کیا کرو ۔ بہت بری بات ہے ۔ لیکن فوراً ہی خاموش بھی ہو گئے ۔ اور دو چار منٹوں کے بعد فضا ایسی خوش آگیں ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا ۔

مولانا اپنے عزیزوں میں مولوی عمر دراز صاحب اور مولوی حنیف صاحب سے بہت بے تکلف تھے ۔ دونوں ان سے عمر میں بڑے تھے اور رشتے میں نسبتی بھائی ۔ اس لئے مولانا ان سے بڑی بے تکلفی برتتے تھے ۔ عمر دراز صاحب کی بھی عجیب شخصیت تھی ۔ تھے تو پولیس کے دارو غہ لیکن علمی اور ادبی ذوق بھی رکھتے تھے ۔ اکثر اپنی شاعری مولانا کو سنایا کرتے تھے ۔ ایک دن ایک لمبی چوڑی مثنوی "خواب وطن" لکھ کر لائے اور حکم دیا کہ "تم اس کو درست کر دو" مولانا سخت پریشان ہوتے لیکن عمر دراز صاحب کے حکم کو ٹالنا آسان نہ تھا ۔ مولانا نے قریب قریب ایک دوسری مثنوی "خواب وطن" کے نام سے لکھ ڈالی ۔ گرچہ عمر دراز صاحب کے اصرار پر کچھ اشعار ان کے بھی اس میں رہنے دیئے ۔ یہ مولانا کے وطن کی گویا تاریخ و جغرافیہ ہے ۔ لیکن مولانا نے اس کو اپنے نام سے شائع ہونے نہیں دیا بلکہ جیسا کہ اس مثنوی کے صفحہ اول پر درج ہے ۔

"مثنوی خواب وطن جس کو حسب تجویز سید عمر دراز صاحب سب انسپکٹر پولیس مجلس صفائی و آرائش گیلانی نے مطبع قاسمی دیو بند میں طبع کرا کے فرزندان وطن کے لئے شائع کیا"

یہ مثنوی اب تک نایاب تھی ۔ لیکن ابھی کچھ دن پہلے اس کا ایک نسخہ پرانے کاغذات میں مجھ کو مل گیا ہے ۔ مولانا نے اس میں اپنے قلم کا پورا زور دکھلایا ہے ۔ اور اس کو ایک عجیب والہانہ انداز میں شروع کیا ہے ۔

یاد آتی ہے مجھ کو گیلانی	مظہر لطف غوث سبحانی
مصدر رازہائے عرفانی	مطلع جلوہ ہائے روحانی
منبع علم مخزن حکمت	مرکز جاہ و عظمت و شوکت

مسقط الراس وہ وطن پیارا عہد طفلی کا اپنے گہوارہ

اپنے گاؤں کے مغربی حصہ کی ویرانی کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

مغرب ٹوٹے کا وہ جاہ وجلال اوج پر جس کا تھا کبھی اقبال
آج دیکھو مقام حسرت ہے بلکہ سوچو تو جائے عبرت ہے
حاجی سید ظہور بھائی مرے بستی والوں کی آنکھوں کے تارے
وہ کبر اور منظر و ا حسن انکے وہ بنگلے اور انکے چمن
ان عزیزوں کے نام سے رولو فاتحہ کے لئے بھی منھ کھولو

اور گاؤں کے قبرستان کے متعلق فرماتے ہیں :

دار آخر کی شاہ راہ ہے وہ اپنے آبا کی خوابگاہ ہے وہ
سوتے ہیں اس میں نازوں کے پالے رخ پہ مٹی کی چادریں ڈالے
علم وفن کے یہاں خزانے ہیں اسرار کے یہاں ٹھکانے ہیں
چھپی ان مٹیوں میں عظمت ہے علم ہے فضل ہے شرافت ہے
زہد ہے ورع ہے عبادت ہے ہاشمی سیدوں کی حشمت ہے
حسن ہے عشق ہے محبت ہے رحم ہے جود ہے مروت ہے
عزم ہے زور ہے حمیت ہے جوش اسلام کی شہادت ہے
یعنی وہ مسجد مقدس پاک سر جھکائے جہاں پہ ہیں افلاک

انشاء اللہ اس مثنوی کو خدا بخش لائبریری کے حوالہ کر دوں گا تاکہ وہاں محفوظ ہو جائے اور مولانا پر ریسرچ کرنے والوں کے کام آئے ۔

مولانا گیلانی اور شاعری

بقول غلام محمد صاحب مولانا کی ذات میں شاعری کے سارے لوازم وہبی ہوں یا کسبی پوری طرح جمع تھے ۔ شگفتگی بلکہ رنگینی انکی طبیعت پر غالب تھی ۔ عربی اردو فارسی اور ہندی زبان کے کلاسکی کلام تک انکی پوری طرح رسائی تھی ۔ ان چاروں زبانوں کے سیکڑوں اشعار ان کے نوک زبان پر تھے ۔ مذکورہ جامعیت کی وجہ سے مولانا خود ایک اچھے شاعر بن گئے

تھے ۔ وہ سب مختلف فارسی وغیرہ زبانوں میں اپنے جذبات کو شاعری کے قالب موزوں میں ڈھال لیتے تھے ۔ عربی میں بھی کچھ کہا ہے پتہ چلا مگر میں اس سے واقف نہیں ،،

مولانا کی پہلی نظم شاید "شکوہ وجواب" تھی ۔ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں ۔ لیکن باوجود کوشش کے وہ نظم مجھ کو نہیں مل سکی ۔ ممکن ہے "بدایوں پریس" میں جہاں سے یہ نظم شائع ہوئی تھی ایک دو کاپی مل جائے ۔ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے مولانا نے کبھی کوئی غزل نہیں کہی ۔ لیکن نظم کبھی کبھار کہہ لیا کرتے تھے ۔ لیکن اسی وقت جب جذبات سے بالکل مغلوب ہو جاتے ۔ ایک سال اپنے جوار میں بارش بالکل نہیں ہوئی ۔ سخت پریشانی تھی ۔ کھیتی کا کام بالکل ٹھپ پڑ گیا تھا ۔ مولانا جذباتی تو تھے ہی ۔ ایک طویل نظم "دہقان اور ابر" لکھ کر اپنے جذبات کو سکون پہونچایا اس نظم کو میں نے ان سے لے لیا تھا ۔ اور مجھ سے انجم کانپوری (اڈیٹر ندیم (گیا) نے لے لیا ۔ کہ وہ اس کو اپنے رسالے میں شائع کریں گے ۔ افسوس کہ یہ نظم ان سے گم ہوگئی ۔ اور شائع نہ ہو سکی مولانا کی ایک مشہور نظم "اسلام کی روانی" ہے جو اکبر الہ آبادی کی مشہور نظم "پانی کی روانی" کے انداز پر لکھی گئی تھی ۔ اور کافی مقبول ہوئی ـــ شاید یہ نظم "القاسم" دیوبند میں شائع ہوئی تھی ـــ انتقال سے دو چار دن قبل مولانا نے ایک مزاحیہ نظم "مرغی نامہ" لکھا جو راقم سے کہیں گم ہوگئی ۔ اس کا بہت افسوس ہے بڑی پر لطف نظم تھی ـــ مولانا نے "ہگی" زبان میں بھی کئی دوہے" اور دو تین مناجات لکھی تھیں ۔ جواب کمیاب ہیں ۔ مجھ کو کچھ دن قبل مولانا کی دو تین ہگی نظمیں مل گئی تھیں ۔ جن کو میں نے بڑی حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا ۔ لیکن جس چیز کو میں حفاظت سے رکھتا ہوں وہ ہمیشہ گم ہو جایا کرتی ہے ۔ مولانا اپنی ہندی نظمیں "سوامی دھرمی جی گیلانی والے" کے نام سے لکھا کرتے تھے ۔

ظرافت　　اگر ایک طرف علم اور زہد و تقویٰ کا زور تھا تو دوسری طرف مولانا کے مزاج میں ظرافت بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی ۔ ان کے درجنوں لطیفے آج بھی مشہور ہیں ۔ خود مولانا فرماتے تھے کہ جب انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کے سینٹ میں یہ تجویز پیش کی کہ دینیات میں بھی پی ، ایچ ، ڈی کی ڈگری دی جائے تو وائس چانسلر اور دوسرے ممبروں نے سخت مخالفت کی ۔ ان کا کہنا تھا کہ جب کہ ڈیپارٹمنٹ میں خود کوئی پی ایچ ، ڈی نہیں تھا ۔ اس صورت میں کسی طالب علم کو یہ ڈگری کس طرح

دی جاسکتی تھی۔ لیکن مولانا نے اپنے جواب سے سب کو لاجواب کر دیا۔
مولانا نے کہا "جناب عالی! آخر جس شخص کو دنیا میں پہلی بار پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی اس کو یہ ڈگری دینے والا کون تھا۔ اس سوال کے بعد مولانا کی تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوگئی
مولانا کی ایک ڈائری میرے پاس محفوظ ہے۔ اس ڈائری میں مولانا کے بہت سے اردو، فارسی اور عربی کے علمی اور ادبی شہ پارے بھرے پڑے ہیں جو اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ جیسے (۱) حقوق العباد (۲) نور اور روح۔ ذوقرآنی الفاظ (۳) ہجرت (۴) ڈاکٹر اقبال مرحوم کیا تھے اور ان کا پیغام کیا تھا (۵) ترانہ حمد (نظم) (۶) مولانا سید سلیمان ندویؒ (نظم) (۷) مسئلہ قتل المرتد (۸) حیوانی شکل کے دیوتا (۹) تالیف و تصنیف کی صوفیانہ توجیہہ (۱۰) جمہوریت اور اشتراکیت کی حقیقت (۱۱) اولاد قابیل (۱۲) مکاشفۂ یوحنا باب ۱۹ (۱۳) سورۂ جن کے متعلق بعض خطرات (۱۴) نسل آشوب (نظم) وغیرہ۔ انکے علاوہ مولانا نے عربی میں بھی بہت کچھ اس ڈائری میں لکھا جس کو میں سمجھ نہیں سکا۔

تصنیفات مولانا کی تصانیف کا شمار آسان نہیں۔ ہر تصنیف بلند علمی و تحقیقی معیار کی ہے اور عجیب و غریب ادبی چاشنی لئے ہوئے خصوصًا النبی الخاتم، ابوذر غفاری، ابن القیم، تدوین قرآن۔ تدوین حدیث، مقالات احسانی۔ اسلامی معاشیات، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی نظام تعلیم و تربیت (دو جلد) سوانح قاسمی (۳ جلد) تفسیر سورہ کہف، ظہور نور کو امتیازی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کی بہت سی کتابیں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ یا چھپنے کے بعد میری نظر سے نہیں گذریں ـــــ افسوس ہے کہ ان کتابوں میں سے کسی ایک کا بھی مسودہ ان کے کسی عزیز کے پاس نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے کسی دوست یا شاگرد کے پاس ہو۔ ان شائع شدہ کتابوں میں مولانا نے اپنی جن غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا ہے ان کے چند نام حسب ذیل ہیں (۱) الکتاب (۲) الحرب والجہاد (۳) صابئون (۴) ازواج مطہرات (۵) اسلام اور سلاطین اسلام (۶) اسلام اور علمائے اسلام (۷) فقرا اسلام وغیرہ۔ مولانا کی کتابوں کے علاوہ ان کے سیکڑوں مضامین اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے قابل قدر ہیں۔ کاش کوئی ادارہ

ان مضامین اور مقالات کو کتابی صورت میں جمع کر کے شائع کر دیتا۔ مجھ میں اتنا علم اور صلاحیت کہاں کہ ان کتابوں پر کوئی تبصرہ کر سکوں۔ اس کام کو ان کے لئے چھوڑ دیتا ہوں جو اس کے اہل ہیں یہاں پر صرف چند مشہور بزرگان دین اور علماء کرام کی آراء نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو انھوں نے مولانا کی اس چھوٹی سی کتاب سیرت "النبی الخاتم" کے متعلق ظاہر فرمائی تھیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ ــــــ مناظر احسن کے سارے مناظر احسن ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ــــــ "النبی الخاتم" کے مطالعہ سے سیرت نبوی کے کئی نئے پہلو سامنے آئے

مولانا ابو الکلام آزاد ــــــ اس ایجاز اور اختصار کے ساتھ سیرت پر اتنی جامع اور عمدہ کتاب مری نظر سے نہیں گذری۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ــــــ "النبی الخاتم" کے ساڑھے چار سو عنوانات میں سے ہر عنوان پر ہفتہ تک تقریر کر سکتا ہوں۔

مولانا سید سلیمان ندوی ــــــ مناظر اسلام متکلم ملت۔ سلطان القلم کی روانی اسلام کی محافظت میں تیغ زنی کا کام دیتی ہے۔

مولانا عبد المجید قریشی ــــــ سیرت کی لائبریری میں اس قسم کی کوئی کتاب موجود نہیں۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ــــــ میں نے اپنی ساری عمر میں سیرت نبوی میں "رحمۃ للعالمین" اور "النبی الخاتم" سے زیادہ موثر کتاب نہیں پڑھی۔ کتاب عجیب البیلے انداز میں لکھی گئی ہے۔

مولانا منظور نعمانی ــــــ "دریا بکوزہ" کی مثال دنیا کی کسی کتاب پر اس سے بہتر طور پر صادق نہیں آتی۔"

مولانا ابو الحسنات قادری ــــــ "النبی الخاتم" عشق و محبت اور واردات و کیفیات پیدا کرنے میں عجیب اثر رکھتی ہے

مولانا عبد الماجد دریابادی ــــــ انکی ہر تحقیق میں قدامت کا استناد ہے اور ہر تعبیر میں جدت کی تازگی۔ یہ عجیب حکیمانہ امتزاج ہے اور ان کی فضیلت کا طرۂ امتیاز۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے نہ کبھی اپنی کسی کتاب پر کوئی رائلٹی لی اور نہ کسی مضمون کے بدلے کوئی معاوضہ قبول کیا۔

ایک اور بات تو لکھنا بھول ہی گیا۔ مولانا نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے ساتھ ۱۹۲۸ء میں سفر حج بھی کیا تھا۔ لیکن یہاں پر اس کی تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ مولانا دریابادی نے جو اپنا سفرنامہ لکھا ہے اس میں مولانا کے قلبی واردات کا تفصیل سے ذکر ہے۔ میں صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مولانا خود اپنی کتاب "ظہور نور" میں رقمطراز ہیں کہ

"آج سے پچیس سال قبل ۱۹۲۸ء میں حج وزیارت کی سعادت سے سرفرازی ہوئی تھی روضہ طیبہ پر اس معروضۂ نیاز کے پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔

اس نعت کو مولانا نے شروع تو اردو میں کیا ہے۔ پھر طبیعت جوش پر آئی تو فارسی اور آخر میں عربی میں اسے مکمل کیا ہے۔ یہ نعت کافی طویل ہے۔ اس لئے اس کے صرف چند ہی اشعار لکھ رہا ہوں۔

ہر ایک سے ٹکرا کر ہر شغل سے گھبرا کر
ہر فعل سے شرما کر ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر

اے خاتم پیغمبر
یا قاسم للکوثر اے سرور ہر سرور
اے رحم جہاں پرور آقائے کرم گستر
آمد بدرت بنگر

امروز چہ مہمانے ناکارہ و نادانے
آلودۂ عصیانے آغشتۂ دامانے
آمد بدرت بنگر

نے مونس و نے یاور
تو جوشش رحمانی تو سایۂ یزدانی

تو شاہد ربانی   تو جلوۂ سبحانی

ہر رنج و پریشانی   بنگر کہ مسلمانی

در ورطۂ نادانی   در فتنہ و طغیانی

تاریخ وفات

مولانا کی وفات کے بعد تاریخ وفات کے سلسلہ میں یوں تو بہت لوگوں نے طبع آزمائی کی لیکن مصطفےٰ خان مالک کاغذ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ مقیم مدینہ منورہ نے جو تاریخی جملہ مرتب کیا وہی خاندان والوں کو پسند آیا اور یہی لوح پر کندہ ہے ۔

" لحد پاک مناظر احسن "

مناظر احسن تاریخ پیدائش ہے ۔ تاریخ رحلت کے لئے " لحد پاک " کا اضافہ کر دیا ۔

حلیہ اور لباس

مولانا گورے چٹے اور خوبرو تھے ۔ ٹونک تک تو مولانا کا لباس شیروانی اور ترکی ٹوپی تھا ۔ دیوبند جا کر لباس بدل گیا ۔ بڑا کرتہ، شرعی پائجامہ، سفید ٹوپی، اور حج کے بعد تا دم مرگ تین گوشہ عربی ٹوپی۔ ململ کا سفید کرتا سفید شرعی پائجامہ سلیم شاہی جوتا۔ اسی لباس میں یونیورسٹی بھی جاتے تھے ۔

سلسلۂ ارادت

مولانا گیلانی گرچہ دوران طالب علمی ہی میں حضرت شیخ الہند کے مرید ہو چکے تھے لیکن علمی مشاغل کی وجہ سے اسوقت روحانی استفادہ کا موقع نہ مل سکا اور حضرت شیخ الہند کا انتقال ہوگیا ۔ حیدرآباد جب آئے تو انکی ملاقات حضرت حبیب العیدروس سے ہوئی اور مولانا کو ان سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی ۔ یہ بزرگ رہنے والے تو بغداد کے تھے لیکن حیدرآباد ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ عمر اس وقت کافی ہو چکی تھی ۔ نابینا تھے اور اردو مشکل ہی سے سمجھتے اور بولتے تھے مولانا ان کی قدمبوسی کو اکثر جانے لگے اور جب کبھی ضرورت پڑتی تو مولانا مترجم کا بھی کام کرتے تھے ۔ یہاں مولانا نے قادریہ سلسلہ میں تعلیم پائی اور خلافت سے سرفراز بھی کئے گئے ۔ لیکن پھر بھی شاید مولانا کو اطمینان کامل میسر نہ ہوا۔ آخر اللہ نے انکو ایک چشتی بزرگ حضرت مولانا محمد حسین صاحب حیدرآبادی کی خدمت میں پہونچا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو یہاں سکون قلب نصیب ہوا ۔ اور اس بارگاہ سے بھی خلافت کے شرف سے سرفراز کئے گئے ۔

اہم مطبوعات

از مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ العالی

اسلام کیا ہے؟ اعلیٰ ۱۰/- عام ۸/-
دین و شریعت ۱۵/-
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ ۲۲/-
معارف الحدیث مکمل مجلد، جلد ۲۲۵/-
قیمت اول ۲۸/- دوم ۳۶/- سوم ۴۲/- چہارم ۲۵/-
پنجم ۲۸/- ششم ۳۲/- ہفتم ۲۲/-
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ۲۵/-
تصوف کیا ہے؟ ۱۰/-
ملفوظات مولانا الیاسؒ ۱۰/-
کلمہ طیبہ کی حقیقت ۳/۵۰
نماز کی حقیقت ۶/-
برکات نماز ۴/۵۰
آپ حج کیسے کریں؟ ۱۰/۵۰
آسان حج اردو ۳/۵۰ ہندی ۳/۵۰
منتخب تقریریں ۱۸/-
آپ کون ہیں، کیا ہیں، اور آپکی منزل کیا ہے؟ ۳/-
میری طالب علمی ۱/-
انسانیت زندہ ہے ۳/-
شیخ وہابؒ کیخلاف پروپیگنڈہ اور علماء حق پر اسکے اثرات ۸/۵۰
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت اردو ۲۰/-
انگریزی ۳۰/-
قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ۸/-
قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ ۲/۵۰
کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت ۲/۵۰
فیصلہ کن مناظرہ ۶/-

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ۵/-
بوارق الغیب یا مسئلہ علم غیب کا قرآنی فیصلہ ۲۲/-
تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات ۶/-
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت ۱۵/-

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی مدظلہٗ

تجلیات ربانی (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ) مکمل ۲ جلد
جلد اول ۲۵/- جلد دوم ۲۰/- مکمل ۴۵/-
مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ ۲۰/-
تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۴/-
وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ۲/۵۰
تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء ۱۲/-

دیگر مصنفین کرام کی تصانیف

صحبتے با اہل دل۔ نیا عکسی ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ زیر طبع
رہنمائے تلاوت یا قرآن کریم کی بیسک ریڈر ۱۲/-
(از سید محمود حسن مرحوم)
انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت ۸/-
(مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی)
بریلوی فتنہ کا نیا روپ یا نزلہ کا پوسٹ مارٹم ۱۲/-
(مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی)
تبلیغ کے لئے ایک اہم اصول ۱/۵۰
(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)
قرآنی علاج (از مولانا اشرف علی تھانویؒ) ۲/۵۰
تذکرہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ (شیخ نمبر) ۱۲/-
تذکرہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ (حضرت جی نمبر) ۱۴/-
معمولات یومیہ ۱/۵۰
اوراد فضلیہ ۲/- احکام نماز ۱/-

ناشر الفرقان بکڈپو (نظیر آباد) ۳۱ نیا گاؤں مغرب لکھنؤ

کتاب	قیمت
آداب المعاشرت	۱/۰۵
آداب زندگی	۶/-
تعلیم الدین	۶/-
احکام اسلام عقل کی نظر میں	۱۲/-
اسلامی عقیدے	۱/۵۰
تکمیل الاسلام	۱/۵۰
کیا اسلام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے	۱/۵۰
تقدیر کیا ہے؟	۱۳/۵۰
فروع الایمان	۸/-
پردہ کے شرعی احکام	۳/۵۰
اسلام میں پردہ کی حقیقت	۴/-
تجارت آخرت	۲/۵۰
جزاء الاعمال	۴/-
یادِ یاراں (تذکرہ محدث گنگوہی)	۴/-
امداد المشتاق	۳۰/-
مرقومات امدادیہ	۱۲/-
تسہیل قصد السبیل	۳/۵۰
خلاصہ تسہیل قصد السبیل	۲/۵۰
شجرہ چشتیہ صابریہ	۱/۵۰
شریعت و طریقت	۲۵/-
السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ	۱۰/-
تفسیر بیان القرآن	۲۵۰/-
مواعظ حسنہ	۲۵/-
امداد الفتاویٰ مکمل مجلد عکسی ۶ جلدیں	۲۶۵/-

کتاب	قیمت
خطبات الجمعہ	۵/-
مجموعہ خطبات ماثورہ	۸/-
جانوروں کے حقوق	۲/-
حقوق العلم	۶/-
اعمال قرآنی ۸/۵۰ پلاسٹک	۱۰/-
مناجات مقبول مترجم	۱۵/-
کرامات صحابہ	۵/۵۰
حق السماع	۱/۵۰
اصلاح الرسوم	۸/-
نشر الطیب کلاں	۱۸/-
" " (ورلڈ)	۱۲/-
" " " " (دینی)	۸/-
بیاض اشرفی	۱۳/۵۰
فضائل استغفار (عکسی)	۴/-
" " (دیتھو)	۱/-
بہشتی زیور کلاں (تاج)	۶۰/-
" " متوسط "	۴۵/-
" " (اختری)	۹۵/-
" " (مدنی)	۴۰/-
" " (تبلیغی)	۳۵/-
" " (ربانی)	۳۶/-
مسائل بہشتی زیور	۱۵/-
اشرف الجواب	۴۲/-
بچوں کا بہشتی زیور	۶/۵۰

کتاب	قیمت
دین کی باتیں	۱۵/-
اغلاط العوام	۱/۵۰
مکتوبات امدادیہ	۳/-
البدائع	۲۴/-
مزید المجید	۶/-
کلمۃ الحق	۹/-
حسن العزیز مکمل ۲ حصے	۵۲/-
الکلام الحسن	۶/-
مقالات صوفیہ	۸/-
خوان خلیل	۴/-
احکام التجلی	۱/۲۵
اصلاح انقلاب امت اول	۲۰/-
" " " دوم	۱۶/-
حیاۃ المسلمین	۵/۵۰
صفائی معاملات	۵/-
اپنی نمازیں درست کیجئے	۱۴/-
زاد السعید	۳/۵۰
اشرف المواعظ	۱۵/-
احسن المواعظ	۱۲/۵۰
اکرم المواعظ	۱۵/۵۰
افضل المواعظ	۱۶/-
پنج گنج	۸/-
تسہیل المواعظ مکمل ۵ حصے	۸۰/-

تصانیف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

کتاب	قیمت
ام الامراض	۵/۵۰
اسلامی سیاست	۱۵/-
حکایات صحابہ	۱۱/-
حجۃ الوداع	۲۵/-
تاریخ مشائخ چشت	۱۵/-
کتب فضائل پر اشکالات	۱۰/-
جماعت تبلیغ پر اعتراضات	۱۲/-
عثمانی تبلیغی نصاب	۳۵/-
اسلامی تبلیغی نصاب	۳۶/-
حضرت جی کی یادگار تقریریں	۸/-
نصائح حج اور مکتوب گرامی	۲/-
الابواب والتراجم مکمل ۶ حصے	۴۰/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی	۲۰/-
تقریر بخاری اول	۱۸/-
مقدمہ الکوکب الدری	۵/-
اکمال الشیم	۱۶/-
حیاۃ الصحابہ مکمل ۳ حصے	۱۵۰/-
اکابر علمائے دیوبند اتباع سنت کی نظر میں	۵/-
فضائل رمضان	۵/-
" درود شریف	۶/-
" تبلیغ	۲/۵۰
" ذکر	۸/-
" نماز	۵/-
" حج	۱۲/-
فضائل قرآن مجید	۵/-
" اعمال اول	۲۵/-
" " دوم	۴۰/-
" صدقات	۳۰/-
" تجارت	۵/۵۰
" زبان عربی	۳/-
اختلاف الائمہ	۶/-
موت کی یاد	۴/-
داڑھی کا وجوب	۲/-
مجدد الف ثانی کے تین مکتوب	۳/-
مکتوبات علمیہ	۱۵/-
مکتوبات تصوف	۱۶/-
فتنۂ مودودیت	۱۰/-
معمولات رمضان	۶/-

تصانیف مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

کتاب	قیمت
تکملہ اسلامی سیاست	۲/-
آخرت کے فکرمندوں کے پچاس قصے	۷/-
تاریخ اسلام	۴۶/-
تبلیغ دین	۱۳/۵۰
چھ باتیں خورد	۴/-
خدا کا ذکر	۴/-
چھ باتیں کلاں	۴/-
تذکرۃ الخلیل	۲۵/-

کتاب	قیمت
تذکرۃ الرشید	۷۵/-
فیوض یزدانی	۳۵/-
انعام الباری شرح اشعار البخاری	۱۰/-
مسنون دعائیں	۴/-
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	۶/-
امت مسلمہ کی مائیں	۶/-
ابوذر غفاریؓ	۲/۵۰
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	۱۵/-
میدان حشر	۸/-
خدا کی جنت	۶/-
حالات جہنم	۵/-
احوال برزخ	۴/-
داڑھی کی قدر وقیمت	۳/-
مکاتیب رشیدیہ	۱۵/-
رسول اللہؐ کی پیشنگوئیاں	
علامات قیامت	۸/-
قیامت کب آئے گی؟	۵/-
آئینۂ نماز	۵/-
وصایا امام اعظم	۵/-

مولانا عبدالماجد دریابادی کی کچھ تصانیف

کتاب	قیمت
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں	۱۰/-
چند سوانحی تحریریں	۶/-
وفیات ماجدی	۱۵/-
معاصرین	۸/-
مکتوبات ماجدی	۴۰/-
ہم آپ	۶/-
مناجات مقبول	۸/-
تغزل ماجدی	۶/-

چند دعوتی مطبوعات
نماز کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات
از عبدالباسط قریشی
نماز کی اہمیت اور افادیت پر ایک مختصر مگر مفید و موثر رسالہ جس میں نماز کے اجتماعی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور انسانی زندگی پر اس کے دور رس اور دیرپا انقلابی اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے — مصنف کے اخلاص نے اس رسالہ میں ایک خاص کشش پیدا کردی ہے، زبان سادہ و دلکش بیان دلچسپ و موثر۔ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ —— صفحات ۴۰ رسالہ انگریزی اور ہندی میں بھی دستیاب ہے
اردو قیمت ۵/- ، ہندی ۵/- ، انگریزی ۵/-
زاد کارواں
الاخوان المسلمون کے بانی اور عصر حاضر کے عظیم داعی اسلام شیخ حسن البنا شہید کے مرتبہ مجموعہ ادعیہ کا سلیس اردو ترجمہ جس میں دعا کی اہمیت و ضرورت بتانے کے ساتھ مسنون اور قرآنی دعاؤں کا خصوصی انتخاب کیا گیا ہے۔ ایک ایسا مجموعۂ دعا جس سے استفادہ کرنا ہر مومن کے لئے ضروری ہے اور جس کا تعلق انسانی زندگی کے اہم پہلوؤں سے ہے
۱۰۰ صفحات ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت دس روپے
اسلام کا پیغام نوع انسانی کے نام
از عبدالباسط قریشی
انسانی نقطۂ نظر سے اسلام کی حیات آفریں تعلیم و پیغام کا تعارف اسلام کے بنیادی عقائد و عبادات کے اسرار و رموز، توحید رسالت و آخرت کا عام فہم اور دلنشیں بیان اور عصر حاضر کے حیران و پریشان انسان کے مشکلات و مسائل کا اسلامی حل، اور موجودہ ذہن و فکر کو متاثر کرنے والی کتاب جو مسلم و غیر مسلم سب کے کام کی ہے —— صفحات ۱۲۸ ۱۸×۲۲ رعایتی قیمت ۲/۵۰ (انگریزی ایڈیشن زیر طبع)
انسان اور اس کا مستقبل
از عبدالباسط قریشی
انسان کے حال سے مطمئن ہو جانے والوں کیلئے درس عبرت و بصیرت اور دنیوی زندگی تک محدود ہو جانے والوں کیلئے تازیانۂ عبرت "آخرت" یا انسان کے انجام و مستقبل پر غور و فکر اور اس کی تیاری کیلئے ایک رہنما اور فکر انگیز کتاب جو اپنے یقین آفریں اسلوب اور ایمان پرور انداز کے لئے امتیاز خاص رکھتی ہے۔ صفحات ۶۰ قیمت ۲/-
ان تمام رسالوں میں حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہ کے قیمتی تاثرات بھی شامل ہیں
ملنے کا پتہ:- مکتبہ دار العلوم الاسلامیہ - بستی - یوپی

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 54 No. 11, 12
November, 1986